ماہنامہ القاسم دیوبند جلد 2

1329ھ، 1330ھ

شمارہ نمبر 1-12

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ ہجری

مطابق اگست ۱۹۱۱ء

جو مولانا احمد حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

آیندہ رسالہ میں انشاء اللہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کے مضمون کا بہت بڑا حصہ درج ہوکر ختم ہوجائیگا۔ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی تحریر متعلقہ حج بیت اللہ بھی درج ہوگی۔

رمضان المبارک کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی صاحب کا مضمون رسالہ سے علیحدہ بھی طبع کیا گیا ہے جو دوستوں کو دینے کیلئے نہایت عمدہ تحفہ اور تقسیم کرنے کیلئے اچھی خیرات ہے۔ قیمت فی نسخہ دو پیسہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القاسم کا دوسرا سال

یوں تو انسان پر ہر لحہ اور ہر ساعت اپنے خالق و مالک کا شکر واجب ہے جو اسکو وجود عطا کرنیوالا اور اسکی ہستی کو قائم رکھنے والا ہے۔ لیکن ایسے تغیرات جو معمولی نظروں میں بھی محسوس ہو سکتے ہوں خاص طور سے حمد و ثنا اور ذکر و شکر الٰہی کا محل و موقع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی ہر ایک حالت۔ ہر ایک ترقی۔ ہر ایک تنزل۔ ہر ایک تغیر کے مناسب دعائیں تعلیم فرما کر خالق و مخلوق۔ مالک و مملوک۔ عابد و معبود کے تعلق کو تازہ رکھنے کی تدبیر فرمائی ہے۔

سوتے ہوئے رات گذر کر صبح کی زندگی نصیب ہو تو الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیہ النشور۔ تلقین فرما کر شکریہ کے ساتھ اس حشر و نشر کو بھی یاد دلا دیا جسکا نمونہ پیش کرنیکے لئے روزانہ اس خواب و بیداری کا تماشا دکھلایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ و من آیاتہ منامکم باللیل والنہار و ابتغاءکم من فضلہ۔

دن گذرا شام ہوئی۔ سب کاروبار ختم ہوئے۔ دوسرا عالم پیش نظر ہو گیا تو اس دعا کیلئے ارشاد فرمایا امسینا و امسی الملک للہ لا الہ الا اللہ جسمیں اس امر کا اظہار و اعتراف ہے کہ سب کاروبار اور جملہ تغیرات کا مالک وہی خدا تعالیٰ ہے اور اسی کی عنایت سے ہمکو اس دوسرے وقت اور نئی زندگی میں داخل ہونیکا موقعہ ملا ہے۔

جب مصیبت سے دل تنگ ہو طبیعت آزردہ ہو ظاہری تنزل اور باطنی ترقی حاصل ہو رہی ہو تو انا للہ و انا الیہ راجعون کے پاک الفاظ کی تعلیم و تاکید فرمائی۔

ہلال نظر آرہا ہو دست قدرت کی کارستانیاں اور عالم کے تغیرات پیش نظر ہوں۔ ایک مہینا ختم ہو کر دوسرا شروع ہو رہا ہو تو الحمد للہ الذی ذھب بشہر کذا و جاء بشہر کذا زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ زمانہ اور مہینے اور وقت کا ختم ہونا اور آنا سب اسی کی چشم عنایت کا طفیل ہے۔ ورنہ دنیا رہے نہ مافیہا نہ دن رہے نہ رات نہ صبح نہ شام نہ گھنٹہ نہ منٹ نہ مہینا نہ سال۔

(اسی طرح ہر ہر موقع اور ہر ایک محل کی دعائیں و اذکار تعلیم فرمائے جنکی تفصیل تو کسی جگہ بھی نامناسب نہیں ہے مگر بخوف طول اس جگہ سب کے لکھنے سے ہم قاصر ہیں۔

ایک سال کا ختم ہونا اور دوسرے سال کا کامیابی سے شروع ہونا بھی انہیں قابل حمد تغیرات میں سے ہی اسلئے شارع علیہ السلام نے حولان حول (سال گذر جانے) کو زکوٰۃ کا موجب اور سبب قرار دیکر اشارہ فرمادیا ہے کہ دوسرے سال تک اس نعمت کا باقی رہنا بھی ایک جدید نعمت ہے۔

خدا تعالیٰ کا نہایت احسان وانعام ہے کہ القاسم کو بھی ماہ رجب پر ایک سال کامیابی کے ساتھ ختم کرکے ماہ شعبان سے دوسرے سال میں طمانیت کے ساتھ قدم رکھنا نصیب ہوا۔ گو اس قلیل عرصہ میں کسی نتیجہ کا پیش کرنا یا مطالبہ کیا جانا بے موقعہ ہے تاہم ایک خالص دینی رسالہ کو (جس سے ہزارہا اہل اسلام کی ہدایت کی توقع ہو اور بہت سی دینی آرزوئیں اُس سے وابستہ ہوں) دوسرا سال شروع ہو جانے پر حق تعالیٰ کا جسقدر شکر کیا جائے تھوڑا ہے اور جسقدر حمد کیجائے بجا ہے۔ اور یہ شکر یہ نہ صرف ہم پر واجب ہے بلکہ اُن تمام لوگوں پر جو دینی معاملات سے تعلق رکھنے والے ہیں اور القاسم سے دلچسپی فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالثَّنَاءُ وَمِنْہُ الْفَضْلُ وَالْعَطَاءُ۔

آیندہ کی نسبت کسی قسم کا قطعی اطمینان دلانا بندوں کی طرف سے نہایت ناموزوں و نامناسب ہے۔ اور بندے بھی وہ جو نہایت ضعیف۔ ہاں خدا تعالیٰ کی جناب میں دعا کرسکتے ہیں اور اُسکے فضل و کرم پر اعتماد کرکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیندہ بھی انشاء اللہ آپکا القاسم اہل اسلام کی ویسی ہی خدمت (بلکہ اُس سے کچھ زیادہ) بجا لائیگا جیسی پہلے سال میں اُس سے ظہور میں آئی۔ اور چونکہ تجربہ بہت سی اصلاحوں کا راستہ کھول دیتا ہے لہذا معمولی شکایات و نقائص کا بھی رفتہ رفتہ دفعیہ ہو جائیگا۔ اور القاسم کے دیندار مخلصین اور معزز سرپرستوں کی اکثر مخلصانہ فرمایشوں اور بے لوث مشوروں پر بھی عمل ہو جائیگا۔

القاسم کے متعلق پہلے سال میں جسقدر دقتیں پیش آتی رہی وہ اگرچہ ضعیف ہمتوں کو شکستہ کرنیکے لئے کافی تھیں۔ مگر چونکہ خداوند جل وعلیٰ شانہ کو اس سلسلۂ خیر کا جاری رکھنا منظور تھا لہذا اپنی اعانت و امداد سے ہمتوں کو قوی اور ارادوں کو مضبوط کردیا اور اکثر دشواریوں کو رفع فرماکر اطمینان عطا فرمایا۔ اسوقت بھی اگرچہ بعض اس قسم کی دقتیں جنکا ذکر کئی مرتبہ ہو چکا ہے موجود ہیں لیکن سب سے بڑی تقویت اور اعتماد کی بات جو بفضلہ تعالیٰ حاصل ہی وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی توجہ اور دلچسپی روز بروز القاسم کی طرف بڑھتی جاتی ہے اور اس قلیل عرصہ میں جو مقبولیت اُسکو حاصل ہو گئی ہی اُسکو دیکھتے ہوئے اس زمانہ میں القاسم کی ضرورت نہایت دلنشین ہو جاتی ہے۔ معزز اہل اسلام اور دیندار مسلمان جس عزت اور محبت سے اُسکا مطالعہ فرما رہے ہیں اُسکا اندازہ اُنکی تحریر و تقریر اور باوقعت آرائ سے بخوبی ہوسکتا ہے جنکو یہاں نقل کرنا کچھ زیادہ مناسب نہیں ہے۔

اہل اسلام کی اس کشش اور جذب میں اگرچہ القاسم کے باوقعت طرز۔ اُسکی ضرورت اور اُسکے ایک عالیشان علمی مرکز سے شائع ہونیکو بھی دخل ہو سکتا ہی لیکن حقیقی سبب اور اصلی وجہ اُسکی صرف حق تعالیٰ کی عنایت اور محض فضل ہی جس سے ہمکو اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہونیکی اُمید ہے اور القاسم کیلئے ہر قسم کی کامیابی کی توقع۔ آمین یا رب العالمین۔ بحرمۃ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ الطاہرین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم ماہ رجب نمبر ۱ ملاحظہ ہو)

قیروان کی بناء ہزاروں بربر کا مسلمان ہونا

قیروان غربی افریقہ کے اُن مشہور شہروں میں ہے جو زمانہ دراز تک افریقہ کا دارالسلطنت۔ اور گورنر افریقہ کے قیام گاہ ہونے کی وجہ سے اسلامی عظمت و اقتدار اور شان و شوکت کی زندہ یادگار تھی۔ زمانہ دراز تک غربی افریقہ میں اس سے بڑا کوئی شہر نہ تھا۔ قیروان کی بُنیاد ۵۰ھ ہجری میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اسلئے بھی یہ شہر مذہبی حیثیت سے مقدس سمجھا جاتا تھا ہزاروں جلیل القدر علما اُسکی خاک سے ظاہر ہوئے۔ اور وہیں آغوش لحد میں تاقیامت آرام سے گوشہ نشین ہو گئے۔

لیکن جیسا یہ شہر اپنے مقدس بانیوں اور اسلام کے اقتدار و عظمت کے مرجع نائبین سلطنت کے قیامگاہ ہونیکی وجہ سے نہایت متقدر مانا جاتا تھا۔ ایسا ہی اُسکی بُنیاد اور آبادی کا واقعہ بھی صفحات عالم پر یادگار رہنے والا۔ اور اسلام کی صداقت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف اور ذاتی محاسن اور مقبولیت عام کا سکہ بٹھلانے والا تھا۔ یہ وہ مبارک وقت تھا کہ ایک ہی وقت ہزاروں حق سے منحرف اور خدائے واحد کی توحید کے بجائے شرک و بُت پرستی کو اختیار کرنیوالے سربسجود ہو گئے۔ اور اِنّی وجھت وجھیَ للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین کھکر سچے دل سے دین اسلام کے جاں نثار بنگئے۔

حضرت عقبہ بن نافع فہری کو امیر معاویہؓ نے افریقہ کا عامل مقرر فرمایا اور حضرت عقبہ نے افریقہ کے اکثر حصّہ کو فتح کر لیا۔ قوم بربر جو اصلی باشندے اِس ملک کے تھے اُن میں سے بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے تھے اور وہ بھی حضرت عقبہ کے ساتھ ممالک افریقہ کی فتح میں شریک تھے۔ لیکن مسلمانوں کیلئے کوئی مستقل چھاؤنی نہ تھی جس جگہ اُنکا بالاستقلال قیام ہوتا۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب امیر افریقہ وہاں سے فارغ ہو کر مصر کو واپس آتے تو نومسلم بربر بھی مخالفوں کے ساتھ کھڑے ہو کر سب عہد و پیمان توڑ ڈالتے۔ اور جو مسلمان وہاں موجود ہوتے

اُنکو تباہ کرنے میں کچھ کسر نہ رکھتے۔ یہ حالت دیکھکر حضرت عقبہؓ نے ارادہ فرمایا کہ مناسب موقع پر مستقل چھاؤنی ڈالدی جاوے۔ جہاں ہر وقت عساکر اسلامیہ موجود رہیں اور اس طرح غربی افریقیہ کو ایک مستقل صوبہ قرار دیدیا جائے۔

لیکن اس غرض کیلئے جس موقع کو پسند فرمایا وہاں اسقدر دَلدل اور گنجان جنگل اور گھنے درخت تھے کہ آدمی یا بڑے جانور تو درکنار سانپوں کو بھی اُن درختوں میں سے ہو کر نکلنا دشوار تھا۔ یہ جنگل درندوں اور ہر قسم کے موذی اور زہریلے جانوروں کا مسکن تھا۔ ایسی سرزمین میں آدمی کی بود و باش تو کیا گذرنا بھی خطرناک امر تھا۔ مگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ہر ایک ارادہ باذن اللہ ہوتا تھا اُنکے فعل میں مقبولیت کے آثار نمایاں ہوتے تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر کرتے تھے۔

مسلمانوں نے اس جگہ کو قیامگاہ بنانے میں جو خطرے تھے اُنکو ظاہر کیا تو حضرت عقبہ رضؓ نے اُن مصلحتوں کا اظہار فرمایا جو اس جگہ کو منتخب کرنے میں پیش نظر تھیں اہل اسلام کے نزدیک بھی یہ مصلحتیں قابل لحاظ ثابت ہوئی اور حضرت عقبہؓ کی رائے اُنکو راجح معلوم ہوئی۔

اس لشکر میں اٹھارہ صحابی موجود تھے۔ حضرت عقبہ امیر لشکر سب کو جمع فرما کر اُس میدان میں لیگئے اور حشرات وسباع کو خطاب کرکے فرمایا۔

ایتھا الحشرات والسباع نحن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارحلوا فانا نازلون فمن وجدناہ بعد قتلناہ۔ (اے درندو اور موذی جانورو۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاب اس جگہ آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اس مقام کو چھوڑ دو۔ اسکے بعد ہم جسکو دیکھینگے قتل کر دینگے۔)

اس آواز میں معلوم نہیں کیا تاثیر تھی کہ سب حشرات اور درندوں میں ہل چل پڑگئی وہ اسیوقت جلاوطن ہونیکے واسطے تیار ہو گئے۔ جماعتیں کی جماعتیں وہاں سے نکلنی شروع ہو گئیں۔ شیر اپنے بچوں کو اُٹھائے ہوئے۔ بھیڑیے اپنی اولاد کو لئے ہوئے سانپ اپنے سپولیوں کو کمر سے چمٹائے ہوئے نکلے چلے جاتے تھے۔ یہ ایک عجیب ہیبت ناک وتعجب انگیز منظر تھا جو نہ اس سے قبل کہیں دیکھا گیا تھا نہ کسی کے وہم وگمان میں تھا۔

یہ یقینی امر ہے کہ اس حالت میں جبکہ درندے اور سانپ وغیرہ اس طرح بکثرت پھیلے چلے جاتے ہوں کوئی شخص قریب کھڑا بھی نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ ہزاروں آدمی تماشائی اس حالت کو دیکھنے کے واسطے کھڑے ہوں۔ مگر سب جانتے تھے کہ اسوقت یہ کسی نہایت جابر اور قاہر حکم کے تابع اور مسخر ہوئے جاتے ہیں۔ دوسرے کو اِن سے کیا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ انکو اپنی جان بچانی بھاری پڑ رہی ہے اسلئے بے تکلف ہزاروں مخلوق تماشا دیکھ رہی تھی۔

قوم بربر جو اس ملک کے اصلی باشندے اور اس جنگل کی حالت اور خطرات سے بخوبی واقف تھے ان حالات کو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ کیا یہ بات ممکن تھی کہ حقانیتِ اسلام کی ایسی روشن دلیل کو دیکھنے کے بعد بھی وہ باطل پرستی پر قایم رہتے۔ اُسیوقت ہزارہا بربری صدق دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کے حلقہ بگوش غلام بنگئے۔

یہ ایک تاریخی صحیح واقعہ ہے جسکی تکذیب وہی شخص کرسکتا ہے جو اصول تاریخ اور مسلمانوں کے بے لوث اور آزاد طریقہ تاریخ نویسی سے ناواقف ہو اور جو تواریخ عالم پر بلاحجت و دلیل یکلخت پانی پھیرنے کے واسطے تیار ہو جائے۔

دنیا بھر کے فلاسفر۔ علم طبیعات اور طبقات الارض کے ماہر۔ اسباب و مسببات کے تعلقات پر بحث کرنے والے اگر تمام ذہنی و دماغی قوتیں صرف کرڈالیں تو وہ ہرگز نہیں بتلاسکتے کہ عقبہ کی اِس آواز میں کیا تاثیر تھی اور کیا سبب تھا کہ اُنکی آواز سُنتے ہی ایسے وحشی اور موذی جانور اطاعت کیلئے آمادہ ہوگئے۔ اسکا سبب اگر بتلاسکتا ہے تو وہی شخص جو خالق و مخلوق کے ربط اور اُسکی حقیقت سے واقف ہو اور جو یہ جانتا ہو کہ تمام مخلوقات اور تمام اسباب و مسببات خالق کائنات کے اشارہ اور حکم پر چلتے اور اُسکی مرضیات کے تابع ہوتے ہیں مملوک کو جو تعلق مالک کے ساتھ ہوتا ہے اُس سے کہیں بڑھکر مخلوق کو خالق سے ہوتا ہے۔ مملوک مالک سے بے رُخی کرسکتا ہے مگر مخلوق
کبھی خالق سے سرتابی نہیں کرسکتا مخلوق ہر آن اپنے وجود میں خالق کا محتاج ہے۔ اسباب و ٦
علل سے بحث کرنے والے اور اسباب و علل ظاہرہ پر قناعت کرکے علۃ العلل کو فراموش کرنیوالے اس تعلق خالق و مخلوق کو بخوبی ملحوظ رکھیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ بالکلیہ تمام خواہشات و ارادات نفسانی سے پاک و مبرا تھے۔

اُنکی توجہ بجز بارگاہ حق تعالیٰ دوسری جانب نہ تھی۔ وہ تمام مدارج فنا کے طے ہوئے تھے اسلئے اُنکا حکم بھی وہی اثر رکھتا تھا جو خداوند عالم جل شانہ کا۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اِن تعلقات کے ادراک واحساس کا کوئی آلہ آجتک ایجاد نہیں ہوا۔ انکا اصلی علم اُنہیں لوگوں کو ہوتا ہے جو ایمان کے ساتھ تہذیب نفس کے پُرخطر عقبات کو طے کرچکے اور بردِ سکینۂ قلب حاصل کرچکے ہوں۔ یا تقلیدی علم اُس جماعت کو ہے جو اخلاص کیساتھ ان کی متبع ہو۔

الغرض اسلام کی یہ خوبیاں اور مسلمانوں کے یہ اوصاف تھے جنہوں نے عالم پر اُسکی سچائی کو واضح کردیا اور انہیں زبردست حالات نے دنیا پر اسلام کی حکومت جمادی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حشرات وہوام بھی بزور شمشیر قدیم مسکن ووطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یا جو ہزارہا مخلوق اِس تائید آسمانی کو دیکھکر اسلام لے آئے اُن پر مسلمانوں کی سطوت وجبروت کا کوئی اثر تھا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔

قیروان میں جامع مسجد کی تعمیر اور سمت قبلہ کی تعیین

الغرض یہ سارا میدان ان موذی جانوروں سے بالکل پاک اور ایسا صاف ہوگیا کہ اِس وسیع میدان اور آبادی میں چالیس سال تک سانپ وغیرہ کی صورت نہیں دکھلائی دی۔ اور جب اسلامی لشکر کو ان خطرات کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو آبادی کا کام شروع ہوا۔ سب سے اوّل دارالامارت کی بنیاد رکھی گئی اور اُسکے گرداگرد مسلمانوں نے مکانات بنائے۔ اور اسکے ساتھ ہی حضرت عقبہ نے جامع مسجد کی بنیاد ڈالی۔ لیکن حضرت عقبہ کو حقیقی سمت قبلہ کے تعیین اور دیوار قبلہ کے صحیح رُخ پر قائم کرنے کے بارہ میں بہت کچھ تردد تھا اگرچہ نماز کے ادا کیلئے یہ ضروری نہیں کہ سمت قبلہ بالکل صحیح اور حقیقی طور پر متعین ہو بلکہ استقبال جہت کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس وقت تک صحابہ بطور تحرّی[۵] استقبال قبلہ کرتے اور نماز ادا کرتے رہے لیکن اسلامی دارالحکومت میں جامع مسجد کی تعمیر جو اعلیٰ درجہ کا مذہبی شعار ہے معمولی امر نہ تھا۔ اُنکو یہ خیال تھا کہ اسوقت اگر سرسری نظر سے سمت قبلہ کو متعین کرکے دیوار قبلہ قائم کردیگئی تو ممکن ہے کہ کسیوقت اسمیں کوئی غلطی محسوس ہو اور جامع مسجد کا

[۵] ظن وتخمین ۱۲

منحرف عن القبلہ ہونا کوئی وسوسہ قلوب عوام میں پیدا کرے۔

ایک شب حضرت عقبہ اسی غم و تردد کی حالت میں تھے کہ یکایک کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ کل صبح تم جامع مسجد میں داخل ہونا تمکو تکبیر کی ایک آواز آویگی تم اُس آواز کی سمت میں چلنا جس جگہ اور جس موقع پر جاکر آواز موقوف ہوجائے وہی جگہ قبلہ کی ہے وہاں پر نشان لگا دینا اور قبلہ کی دیوار قایم کر دینا۔ یہی وہ سمت قبلہ اور دیوار قبلہ ہوگی جسکو اللہ نے مسلمانوں کیواسطے ہمیشہ کیلئے پسند فرمایا۔

ایسا ہی ہوا۔ صبح ہی جامع مسجد میں داخل ہوئے تو تکبیر کی آواز آئی اور جسطرف کو وہ آواز جاتی تھی اُسی طرف کو حضرت عقبہ جاتے تھے۔ یہانتک کہ ایک جگہ پہونچکر وہ آواز منقطع ہوگئی اُسی خط پر نشان لگا دیا اور اُسی سمت پر قیروان کی تمام مساجد بنائی گئیں۔

یہ غیبی تائیدات تھیں جو جزیرہ نماء عرب اور تمام ایشیا سے متجاوز ہوکر افریقہ و یورپ میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کرتی تھیں۔ اور یہی وہ باتیں تھیں جنکی وجہ سے تمام بلاد و امصار میں خودبخود اسلام کے واسطے راستہ صاف ہوتا چلا گیا۔

ماء الفرس۔ یعنی گھوڑے کا چشمہ

مسلمانوں کے واسطے ہر ہر موقع پر اس طرح تائیدات آسمانی ظہور پذیر ہوتی تھیں کہ غیر مسلم اقوام اُنکو دیکھکر متحیر رہجاتے تھے۔ حضرت عقبہ رضؓ کو ملک افریقہ کے مختلف سفروں میں ایک دفعہ ایسے مقام پر قیام کا اتفاق ہوگیا جہاں پانی کا نام و نشان دُور دُور تک نہ تھا۔ مسلمانوں کو پیاس کا غلبہ ہوا۔ اور قریب تھا کہ سب کے سب ہلاک ہوجاویں حضرت عقبہ رضؓ نے یہ حالت دیکھی تو سخت مضطرب ہوئے اور سب سے بہتر تدبیر یعنی رجوع الی اللہ کی طرف جو مسلمانوں کی اصلی علامت و خصوصیت ہے متوجہ ہوگئے۔ دُو رکعت نماز پڑھکر بارگاہ خداوندی میں تضرع وزاری سے دعا شروع کی۔ آپ دُعا سے فارغ بھی نہوئے تھے کہ آپکے گھوڑے نے سُم سے زمین کو کریدنا شروع کر دیا اور زمین کے اندر سے ایک صاف پتھر ظاہر ہوا جسمیں سے فوراً پانی نکلنا شروع ہوگیا۔

حضرت عقبہ رضؓ نے بآواز بلند اسکی اطلاع لشکر کو دی مسلمان چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور سب نے خوب سیر ہوکر پانی پیا اور گڑھے کھود کر پانی کو جمع کیا۔ اس روز سے یہ مقام ماء الفرس کے

نام سے موسوم ہوگیا۔ کہنے کیلئے تو یہ معمولی بات ہے کہ گھوڑے کے پیر مارنے سے زمین کے اندر چشمہ ظاہر ہوگیا۔ لیکن جو لوگ ایمان راسخ رکھتے ہیں۔ اور مذہب کے آثار اور تاثیرات سے واقف ہیں جو اس بات پر ایمان لاچکے ہیں۔ کہ اسباب کے احاطہ سے خارج بھی کوئی اور ایسی زبردست قوت ہے جسکے اشارہ پر اسباب حرکت کرتے ہیں۔

جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات اور خرق عادات کے ظہور کو ممکن الوقوع جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے مشابہ ہے۔ فرق اتنا ہی کہ اُسکا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا اسلئے اُسکو معجزہ کہتے ہیں۔ اور اسکا ظہور حضرت عقبہؓ کی دُعا سے ہوا جو نبی نہیں ہیں اسلئے اسکا نام کرامت ہوگیا۔

(باقی آیندہ)

امتحانات مدارس اسلامیہ

مدرسہ عالیہ دیوبند کا سالانہ امتحان حسب معمول ۲۵ رجب ۲۹ھ سے شروع ہوکر ۱۱ شعبان ۲۹ھ کو ختم ہوا۔ امسال یہ تجویز ہوئی کہ انعام بھی فوراً ہی تقسیم کردیا جاوے۔ اس بناء پر تین یوم کے اندر نتیجہ امتحان مرتب کرکے ۱۵ شعبان ۲۹ھ یوم جمعہ بعد جمعہ مکان مدرسہ میں تقسیم انعام کا جلسہ منعقد ہوا جناب مولوی سید عاشق حسین صاحب اسٹنٹ انجنیر ریاست عالیہ بھاولپور مدرسہ کی ایک خاص ضرورت سے رونق افروز دیوبند تھے۔ آپ بھی شریک جلسہ ہوئے۔ بعد انعام طلبہ عنہ عطا فرمائے۔ اور سال آیندہ میں علم ادب کے اندر اوّل نمبر طالب علم کو ایک گھڑی قیمتی عسہ عطا فرمانیکا وعدہ فرمایا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

مدارس اسلامیہ متعلقہ مدرسہ عالیہ دیوبند کے امتحانات کی تواریخ مقرر کرکے ہر ایک مدرسہ میں تاریخ اور وقت کی اطلاع کردی گئی۔ اور تحریری امتحان کیلئے سوالات مرتب کرکے بھیجدئے گئے تھے۔ اور ہر مدرسہ کیلئے حسب تفصیل ذیل مدرسین مدرسہ کو نامزد کیا گیا۔ جناب مولانا مولوی عزیز الرحمن صاحب مفتی مدرسہ عالیہ و جناب مولانا مولوی انور شاہ صاحب مدرس مدرسہ عالیہ۔ رُوڑکی۔ نگینہ۔ نہٹور کے مدارس کا امتحان لیکر مدرسہ مراد آباد کا امتحان لیں۔ جناب مولوی محمد حسن صاحب و مولوی گل محمد خان صاحب مدرسہ سردہنہ ضلع میرٹھ اور خاص میرٹھ کے مدرسہ عالیہ کیلئے متعین کئے گئے جناب مولوی محمد سہول صاحب اور مولوی شبیر احمد صاحب مدرسہ بگھرہ۔ خورجہ اور گلاؤٹھی کا امتحان لیکر مولوی شبیر احمد صاحب مراد آباد پہونچیں اور مفتی صاحب کے ساتھ شریک امتحان مدرسہ مراد آباد ہوں اور مولوی محمد سہول صاحب پورینی اور بھاگلپور کے اسلامی مدارس کا امتحان لیں۔ جناب مولوی غلام رسول صاحب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے امتحان کیلئے معین کئے گئے۔ مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب بریلی کے امتحان سے فارغ ہوکر دربھنگہ کے مدرسہ امدادیہ کا امتحان لیں۔ اس تجویز کے موافق تمام مدرسین وقت مقرر پر روانہ ہوگئے۔ علاوہ مدارس مذکورہ بعض ایسے مدارس بھی ہیں جہاں مدرسین کو جانیکی نوبت نہیں آتی بلکہ سوالات بھیجدئے جاتے اور جوابات دیوبند آجاتے ہیں۔

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بصیام و متعلقات آن

ارکان اسلام میں سے ایک روزہ رمضان شریف کا ہے جو مثل نماز کے عبادت بدنیہ ہے۔ اُسمیں جو انقلاب ہوا ہے نماز کے بعد اُسکا بیان بقدر ضرورت مع اصلاح ضروری معلوم ہوتا ہے اور بعض اعمال رمضان المبارک کے متعلق اور بھی ہیں روزے کے ساتھ اُنکا بیان بھی مناسب ہے۔

مجموعہ اُن اعمال کا یہ ہے:۔ رویت ہلال۔ صوم۔ سحر۔ افطار۔ قیام رمضان یعنی تراویح اور دو عمل جو عید کے متعلق ہیں اُنکو بھی اسکے ملحقات سے کہہ سکتے ہیں یعنی صدقۂ فطر و نماز عید یہ کل سات ہوئے ان سب کے متعلق مختصر مختصر مضامین مذکور ہوتے ہیں۔

رویت ہلال

اسمیں (جہاں اسلامی ریاست نہیں ہے) ایک بے احتیاطی عظیم ہوگئی ہے وہ یہ کہ قریب قریب ہر شخص گو وہ علم دین بھی نہ رکھتا ہو اسمیں بلا مراجعت علماء کے اپنی تحقیق پر گو کہ وہ کسی اصل شرعی پر مبنی نہو اعتماد کرتا ہے جس روایت کو چاہا قبول کر لیا اگرچہ وہ قابل قبول نہو اور جسکو چاہا رد کر دیا اگرچہ وہ قابل رد نہو۔ اور ظاہراً رمضان کے چاند کی نسبت قبول کرنے میں زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کو اکثر یہی دھوکہ ہوجاتا ہے کہ روزہ ہی تو رکھواتے ہیں اسمیں کیا برائی ہے۔ لیکن ایک بے احتیاطی تو فی الحال ہوجاتی ہے کہ بدون ثبوت رمضانیت باعتقاد رمضان یعنی بہ نیتِ فرض روزہ رکھا جاتا ہے اور غیر رمضان میں بہ نیتِ رمضان روزہ رکھنا ممنوع آیا ہے چنانچہ حدیث نہی عن صوم یوم الشک کا یہی حاصل ہے جسکی لم اور راز یہ ہے کہ حدود شرعیہ کی اسمیں توہین اور ہتک لازم آتی ہے۔ گویا شارع علیہ السلام کے نزدیک تو رمضان مثلاً ہفتہ کے دن سے شروع ہوگا مگر اس شخص کے نزدیک جمعہ ہی سے شروع ہوگیا۔ حدود کی مزاحمت کے جرم ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے

ایک اور بے احتیاطی جو اس سے اشد ہے بعض اوقات فی المآل ہو جاتی ہے وہ یہ کہ مثلاً اسی بناء غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر اتفاق سے ابر وغیرہ ہوا تو یہ شخص اکمال ثلاثین کے قاعدہ پر (یعنی تیس پورے کرکے) عید کریگا اور ممکن ہے کہ وہ عین تیس تاریخ رمضان کی ہو تو کسقدر سخت بات ہے۔ اور اس شخص کے اثر سے جتنوں نے عید کی اور ایک ایک فرض اُنکا برباد ہوا سب کا وبال اسکی گردن پر رہا اور چونکہ اپنے نزدیک رمضان پورا کرچکے ہیں اس لئے اس روزہ کا تدارک قضا سے بھی کوئی نکریگا۔ تو سب کے ذمّہ ایک ایک فرض روزہ چڑھا رہا۔ اور اسی پر موت آگئی۔ پس جب ایسی بے احتیاطیاں اس قبول کرنے میں ہوئیں تو اس قبول کرنیکو احتیاط نہیں کہا جاسکتا۔ اور بلا وجہ شرعی رد کرنے میں تو بے احتیاطی کا لزوم ظاہر ہے فرض روزہ کا ضایع کرنا لازم آتا ہے اور یہی خود رائی بعض اوقات ہلال عید میں ہوتی ہے تو وہاں دونوں شقوں میں صریح خرابی ہے یعنی اگر قابل قبول کو رد کردیا تو عید کا روزہ رکھوایا جو حرام ہی اور قابل رد کو قبول کرلیا تو رمضان کا روزہ تڑوایا جو اُس سے بڑھکر حرام ہے۔ میں نے بے علموں کو دیکھا ہے کہ کبھی محض افواہی خبر سُنکر قبول کرلیتے ہیں اُنکو یہ خبر نہیں کہ خبر کی حجۃ ہونے کے کیا کیا شرائط ہیں۔ کبھی کہیں سے تار آجانے پر اعتبار کرلیتے ہیں اور اُنکو اُسکے احکام فقہیہ کی اطلاع نہیں[1] جو کہ مخصوص ہے علماء محققین متقنین کے ساتھ۔ بس بڑا مدار استدلال کا اسکے قبول پر اُنکے نزدیک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ صاحب لاکھوں روپیہ کی تجارت تار پر چلتی ہے پھر اسکا اعتبار نکرنے کا کیا سبب؟

لیکن اگر کوئی ان سے پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنے کے بعد اگر تار پر شہادت ادا کردے تو قانوناً کیوں معتبر نہیں اور معاملات تجارت اور اس شہادت میں کیوں فرق ہے اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہی تو اسکا کوئی معقول جواب نہیں دیسکتے۔

اسی طرح میں نے بعض بے علموں کو محض اس بناء پر شہادت کو رد کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ شہادت ادا کرنے والا گنوار ہے کوئی معزز آدمی نہیں اگرچہ وہ گنوار دین میں ان معززین سے ہزار درجہ افضل ہو مگر ان کے نزدیک وہ آدمی بھی نہیں۔ پھر اسی قسم کے لوگوں کو یہانتک تنزل[2] کرتے ہوئے

---

[2] یعنی جب کبھی عید یا رمضان کے چاند کا قبول کرانا منظور ہوتا ہے تو گو خود نہیں دیکھا مگر ایسے ایسے ناقابل اعتبار لوگوں کے دیکھنے کو سند میں پیش کرتے ہیں ۱۲

[1] تار کا مسئلہ آیندہ واضح بیان ہوگا ۱۲

دیکھا ہے کہ کہتے ہیں میرے چاروں نے دیکھا ہے۔ ہمارے محلّہ کے فلاں فلاں (نابالغ) بچّہ نے دیکھا ہے۔ پس ہاں ہاں شوراشوری یا بایں بے نمکی۔ اور اس تمامتر خرابی کا منشا صرف یہی ایک امر ہے کہ علماء سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں بلکہ افسوس ہے کہ بعض اوقات اُنکا فتویٰ سُنکر اُن سے مزاحمت کرتے ہیں اور اُسمیں جرح نکالتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ۔

سو اسکی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اسمیں دخل ندیا کرے۔ دوسرے کی رویت پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے مصلحت یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو بیان کرتا نہ پھرے کہ اور لوگ حکم لگا دینگے۔ البتہ حاضرینِ مجلسِ رویت یا عقلاء کے روبرو ظاہر کرنا مضائقہ نہیں بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کرکے کوئی عالم معتبر متدین قریب ہوں تو اُنکے پاس جا کر اور اگر فاصلہ سے ہوں اور خود نہ جا سکے تو دو تین عاقل دیندار آدمیوں کو اُنکی خدمت میں حاضر کرا کے پوری صورت حال واقعہ کی عرض کرکے وہ جو فتویٰ دیں اُسپر عمل کرے اور اگر اُس فتوے میں کوئی شبہ خیال میں آوے تو عوام کے روبرو اُسکو ظاہر نکریں کہ انتظام دین میں خلل پڑیگا بلکہ بواسطہ یا بلاواسطہ اُسکو بھی اُن ہی عالم سے یا اور کوئی صحبت یافتہ علماء کا قریب ہو اُس سے پیش کرکے حل کرے۔

بلکہ میں تو بروئے تجربہ واقعات یہانتک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی بدون مشورہ دوسرے علماء کے اِس باب میں اپنی تحقیق ورائے عوام کے روبرو ظاہر نکرے کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور اقوال مختلفہ کے شیوع سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ سب مشورہ کرکے اور اگر اختلاف ہو تو باہم طے کرکے ایک قول منقح کرکے وہی قول منقح عوام تک پہنچے اور جس عالم سے استفتا کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ سے ملے۔ اور اگر رائے میں اتفاق نہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق وکبیر ہو فتویٰ اُسکے سپرد کردیں باقی سکوت کریں۔ اگر اُن سے کوئی پوچھے تو اُسی مرجع موصوف کی طرف حوالہ کریں خود خاموش رہیں اسمیں انشاء اللہ کبھی بدنظمی نہیں ہو سکتی۔

میں نے تو ایسی تشویشات کو دیکھکر ایک مقام پر یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء کو متفق کرکے خاص ایک عالم کو اِس باب خاص میں محط خبر ومدار حکم ٹھہرا لیا کہ جو خبر ہلال کے متعلق جس عالم کے پاس آوے وہ اُنکی خدمت میں پہنچائی جاوے اور جو شخص جس سے فتویٰ پوچھنے آوے وہ سائل کو

اُن ہی کے پاس بھیجدے اور جسکو کوئی اختلاف کرنا ہو اُنہیں سے ظاہر کرے - غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہو - اور حکم حاصل کرنے میں اُنکو تشویش نہو - اور اس قرار داد کے بعد عام لوگوں میں اس کا اشتہار دیدیا گیا پس سب خلجانوں سے نجات ہو گئی تھی - اگر سب جگہ ایسا انتظام کر لیا جاوے تو اقرب الی الاتفاق وابعد من الافتراق ہے - اور ایک انتظام یہ ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اُسکی خبر سُننے پر بلا ضرورت دوسرے مقامات پر تار نہ دوڑا دیا کریں - بلکہ کسی عامی کے پوچھنے پر بھی جواب نہ دیا کریں - کہ دوسری جگہ عوام کے ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد چونکہ اسوقت خود رائی کا غلبہ ہے ضرور مفاسد پیش آتے ہیں کہ اُنکا انسداد قابو سے باہر ہے اور شرعاً کوئی ضروری امر ہے نہیں کہ از خود دوسری جگہ خبر بھیجا کرو - البتہ کوئی عالم دریافت کرے تو جواب دیدو - پھر وہ خود ہی حکم شرعی کے موافق عمل کرینگے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہوگا - اور جب ایسے استدلالات کہ کسی درجہ میں صلاحیت استدلال ہونیکی رکھتے ہیں بدون حکم علماء کے قابل اطمینان نہیں تو جو استدلال اپنی ذات میں بھی صلاحیت استدلال ہونیکی نہیں رکھتے اُن سے دلیل پکڑنا توکسقدر مذموم اور اختراع فی الدین ہوگا مثلاً رجب کی چوتھی کا لامحالہ غرۂ رمضان کے موافق ہونا - چاند کا بڑا ہونا یا دیر تک ٹھہرنا - اونچا ہونا - یا بدر کامل ہونا بیٹھکر اُٹھنا دوشب تک غائب رہنا - فلاں جنتری میں ۲۹ یا ۳۰ کا لکھا رہنا و مثل ذٰلک یہ سب شرع میں غیر معتبر ہیں - اور یہ شُبہ نکیا جاوے کہ اکثر ایسے امور حسابی اور مطابق واقع کے ہیں تو شرع نے امور واقعیہ کی نفی کیسے کی آہمیں تو اُسکی طرف نسبت کذب کی لازم آتی ہے - وجہ اس شُبہ کے وارد نہونے کی یہ ہے کہ شرع نے ان امور کے وقوع کی نفی نہیں کی کہ یہ محذور لازم آوے بلکہ ان امور کے اعتبار کی نفی کی ہے - یعنی ہم ان امور کے وقوع پر اپنے احکام کا مدار نہیں رکھتے - تو یہ حق ہر صاحب قانون کو حاصل ہے - مثلاً کوئی نوکری مشروط ہو بی - اے کے ساتھ تو وہ انٹرنیس والے کو نہ ملیگی تو اُسکے یہ معنی نہیں کہ اُس شخص کے انٹرنیس ہونے کی نفی کی گئی ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ انٹرنیس ہونا معتبر اور مدار استحقاق نوکری کا اس موقع پر نہیں ہے - تو اگر غرۂ شرعی غرۂ حسابی نہو تو اُسکو یکم کہنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں یکم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ خواہ وہ واقع میں کسی دوسرے حساب سے دوم ہو مگر بروئے قواعد فلاں فلاں روزہ اُسی سے شروع کرنیکا حکم دیا جاتا ہے اور روزہ شروع کرنیکی تاریخ کو ہماری اصطلاح میں یکم کہا جاویگا اور لغت و اصطلاح کا

تطابق ضروری نہیں۔ جیسا اہل حساب تاریخ کو طلوع سے شروع کرتے ہیں اور بعض اہل اصطلاح نصف شب سے شروع کرتے ہیں اور اُسکو کوئی محل اعتراض نہیں سمجھتا۔ یہانتک رویت ہلال کے متعلق کلام ہو چکا

صَوْم

اسمیں چند کوتاہیاں کیجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض تو بلا کسی وجہ قوی یا ضعیف کے روزہ نہیں رکھتے۔ مینے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے عمر بھر کبھی روزہ نہیں رکھا پھر انمیں بعض تو کم ہمت ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے روزہ پورا نہو سکیگا چنانچہ وہ شخص اسی بلا میں مبتلا تھا۔ میں نے کہا کہ تم ابتداء امتحان ہی رکھکر دیکھو چنانچہ رکھا اور پورا ہوگیا اور پھر اُسکی ہمت بندھ گئی اور رکھنے لگا۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ رکھکر بھی نہ دیکھا تھا۔ اور پختہ یقین کر بیٹھا تھا کہ کبھی رکھا ہی نہ جاویگا۔ یہ لوگ سوچکر دیکھیں کہ اگر طبیب کہدے کہ آج دن بھر نہ کچھ کھاؤ نہ کچھ پیو ورنہ فلاں مرض مہلک پڑجاویگا تو اُس نے تو ایک ہی دن کیلئے کہا ہی یہ شخص دو دن نہ کھاویگا۔ کہ احتیاط اسی میں ہے۔ افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ دن دن کا کھانا پینا چھڑا دیں اور کھانے پینے سے عذاب مُہلک کے وعید فرمادیں اور قول طبیب کی برابر بھی اسکی وقعت نہو۔ اِنّا لِلّٰہِ۔

اور بعض ان سے بھی بدتر بدعقیدت ہیں کہ روزہ کی ضرورت ہی میں اُنکو کلام ہے۔ پھر بعضے تو ان میں مہذب ہیں کہتے ہیں کہ روزہ جس غرض سے مشروع ہوا تھا کہ قوت بہیمہ منکسر ہوجاوے وہ غرض ہمکو بدولت علم و تہذیب کے حاصل ہی۔ اسلئے اب روزہ کی ضرورت نہیں۔ اِنکا جواب یہ ہے کہ اوّل تو تمکو اِس غرض کا حاصل ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ قوت بہیمہ کے آثار فخر و تعلّی و ظلم و قساوت جسقدر تم میں ہیں دوسروں میں اسکا عشر عشیر بھی نہیں۔ دوسرے اگر غرض حاصل بھی ہوجاوے تب بھی یہ مسلم نہیں کہ روزہ بس اسی غرض کیلئے مشروع ہے بلکہ خود اسکی صورت نوعیہ بھی مطلوب ہے۔ تفصیل اس جواب کی نماز کے مضمون میں تحریر ہوچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

اور بعضے تہذیب سے بھی گذر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہیں مثلاً روزہ وہ رکھے جسکے گھر اناج نہو۔ یا یہ کہ بھائی ہمسے بھوکا نہیں مرا جاتا۔ یا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کو علانیہ رمضان میں کھاتے ہوئے جو ایک ذی علم نے ٹوکا کہ رمضان میں دن کو کھاتے ہو۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کیا

چیز؟ اُس دیندار نے کہا کہ صاحب رمضان مہینا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "جنوری فروری الخ" اس میں رمضان تو کہیں نہیں آیا۔ اور امثال ان اقوال کے۔

سو یہ دونوں فریق بوجہ انکار فرضیت روزہ کے زمرۂ کفار میں داخل ہیں اور پہلے فریق کا قول محض ایمان شکن ہے اور دوسرے کا ایمان شکن بھی دل شکن بھی۔ اور فریق اوّل اس تاویل سے کُفر سے نہیں بچ سکتا کیونکہ یہ تاویل ہے ضروریات دین میں اور ایسی تاویل دافع کفر نہیں ہوتی کَمَا تَقَرَّرَ فِی مَحَلِّہٖ[1] اور یہ مہذب فریق ظاہراً اُس غیر مہذب سے اہون ہے مگر عندالتامل ضرر میں اُس سے اشد ہے کیونکہ غیر مہذب[2] عنوان خود اپنے بطلان پر دلیل ہے اور مہذب عنوان میں تلبیس زیادہ محتمل ہے اور جس طرح بدعقیدت لوگوں میں دو فریق ہیں۔ مہذب اور غیر مہذب جیسا ابھی بیان ہوا اسی طرح کم ہمت لوگوں میں بھی دو فریق ہیں ایک مہذب جو باوجود روزہ نہ رکھنے کے علانیہ نہیں کھاتے پیتے بلکہ اپنے اِس عیب کا اخفا کرتے ہیں اور ظاہر ہونے پر شرماتے ہیں اور دوسرے غیر مہذب جو ذرا شرم نہیں کرتے علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور روکنے پر کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری حالانکہ یہ مضمون محض تلبیس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کسی معصیت کا اخفا ہو ہی نہیں سکتا اور خلق سے اخفا ہو سکتا ہے تو ممکن کا قیاس محال پر یہ خود سفسطہ ہے۔ دوسری مخلوق سے معصیت کے اخفا کا خود خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اسکے ترک سے اور بھی معصیت اشد ہو جاتی ہے تو بلاوجہ اشد میں کیوں مبتلا ہو۔

اور بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے مگر اسکی تمیز نہیں کرتے کہ یہ عذر قوی اور شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ ادنیٰ بہانہ سے روزہ افطار کر دیتے ہیں خواہ ابتداء ہی سے نہیں رکھتے یا رکھکر توڑ ڈالتے ہیں۔ ذرا پیاس لگی اور روزہ افطار کر دیا۔ خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہوا روزہ افطار کر دیا۔ کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا۔ اور ایک طرح سے تو یہ لوگ بلا عذر روزہ توڑنیوالوں سے بھی زیادہ قابل مذمت ہیں وہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحب عذر نہیں سمجھتے اپنے کو فعل قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے کو معذور جانکر بیگناہ سمجھتے ہیں حالانکہ شرعاً

---

[1] چنانچہ اپنے موقع پر (کتب اسلامیہ میں) یہ بات دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے ۱۲

[2] یعنی وہاں تو الفاظ ہی سے اُسکا باطل ہونا معلوم ہوتا ہی اور مہذب عنوان میں دھوکہ اور فریب میں پھنسنے کا اندیشہ ہی ۱۲

وہ معذور نہیں۔ اِسلئے گنہگار ہونگے۔ اِن لوگوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔ میں نے ریلوے کے ایک ڈرایور کو دیکھا ہے کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزے رکھتا تھا۔ بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کے دنوں میں دُھوپ میں بیٹھکر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ قدرے عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ اِن دونوں کے جمع ہونے سے مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہوجاتا ہے اور ذوق وجدان سے کام لیا جائے تو روزہ میں تسہیل و تائید خداوندی کا کھُلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے پھر اس پر بھی ہمت توڑدینا اور بہانے ڈھونڈھنا۔ سخت محرومی ہے۔

بعضے لوگ عذر کی حد کو تو سمجھتے ہیں لیکن عذر اپنے اختیار سے قصداً مثلاً سفر شرعی واقع میں عذر ہے مگر اس شخص کو درحقیقت سفر کی ضرورت نہ تھی صرف اسی نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہی کہ روزہ نہ رکھنا پڑے۔ رہا قضا تو وہ چونکہ شرعاً موسّع[1] ہے اِسلئے اُسکے واسطے خاص فروری کو انتخاب کرلیا جاتا ہے۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ تھوڑے دنوں سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضا کے عوض فدیہ کے کافی ہونے کے اعتقاد سے نفع اُٹھایا جارہا ہے جسپر مینے مجمل کلام اپنے بعض[2] رسائل میں بزبان اُردو اور اُسی رسالہ کے حاشیہ ملحقہ بالاخیر میں بعبارت عربیہ کیا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس باب میں نہ رائے محض معتبر ہے اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے اور نہ عامی کو محض مطالعہ فقہ کا کافی ہے۔ بعد انقراض زمانہ اجتہاد کے عالم کو کتب فقہیہ کا اتباع اور عامی کو علماء سے استفسار کرکے عمل کرنا واجب ہے اور یہی معیار ہے عذر کے معتبر ہونے یا نہونے کا۔ بے علمی میں بعض اوقات قصد ہوتا ہے قرآن وحدیث وفقہ کے اتباع کا اور لازم آجاتا ہے اتباع اپنی رائے اور ہوی کا۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ جو شخص طبیب نہو وہ اگر کتاب دیکھکر کسی مریض کیلئے نسخہ لکھدے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ نسخہ قواعد طب کے بھی خلاف ہو۔ اور جس جگہ اتباع کتاب وسنت وفقہ کا قصد بھی نہو اُسکا ذکر ہی کیا۔

---

[1] یعنی ادا کرنے میں بہت وسعت ہے جب چاہے ادا کرے اسلئے رب سے زیادہ چھوٹے اور خوب سردی کے ایام چھانٹ کر فروری میں ادا کر دیتے ہیں ۱۲ فقیر اصغر حسین عفی عنہ +

[2] یعنی اصلاح ترجمہ دہلویہ ۱۲ منہ مدظلہ

بعضے لوگوں کا افطار تو عذر شرعی سے ہوتا ہے مگر اُن سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات اُس عذر کے دفع ہونے کے وقت کسیقدر دن باقی ہوتا ہے اور شرعاً بقیہ دن میں امساک یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے مگر وہ اسکی پرواہ نہیں کرتے مثلاً سفر شرعی سے ظہر کے وقت واپس آگیا یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی تو اُنکو شام تک کھانا پینا نہ چاہیئے علاج اس کوتاہی کا مسائل واحکام کی تعلیم وتعلم ہے۔ بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں لیکن بچوں سے (باوجود اُنکے روزہ رکھنے کے قابل ہونے کے) روزہ رکھوانے کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ بعض اُنکے نابالغ ہونے کو دلیل بناکر اپنی رائے وعمل کو صواب سمجھتے ہیں اور روزہ رکھانے کو سختی سمجھتے ہیں۔ خوب سمجھ لیا جاوے کہ عدم بلوغ سے اُن بچوں پر واجب نہونا تو لازم آتا ہی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اولیاء پر بھی اُن سے روزہ رکھوانا واجب نہو جس طرح نماز کیلئے باوجود عدم بلوغ کے اُنکو تاکید کرنا بلکہ مارنا ضروری ہی اسی طرح روزہ کیلئے بھی۔ اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ میں تحمل پر مدار ہے (یعنی جب روزہ کی تکلیف کو برداشت کرنیکی قابلیت وطاقت آجائے رکھوانا واجب ہے) اور راز اسمیں یہ ہے کہ کسی کام کا دفعۃً پابند ہونا دشوار ہوتا ہے تو اگر بالغ ہونیکے بعد ہی تمام احکام شروع ہوں تو اس پر ایک بار گراں پڑجاویگا۔ اسلئے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے شدہ شدہ سب اعمال کا خوگر بنانے کا قانون مقرر کیا تاکہ مکلّف ہونیکے وقت دشواری نہو۔ پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستوں کے ذمہ مقرر کی گئی۔ سو اگر سرپرستوں پر یہ واجب نہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہوگا کیونکہ واجب نہونیکی صورت میں اُنکو ترک بھی جائز ہوگا۔ تو اگر اس جائز سے یہ منتفع ہوئے تو بلوغ کے بعد اُس نئے نئے مکلّف کو اُسی مصیبت کا سامنا ہوگا۔ تو قانون کا عدم وجود برابر ہوا تو لامحالہ اولیاء پر اسکا وجوب ہوگا۔ تو ان لوگوں کی دو غلطیاں ہیں۔ ایک اس کو ضروری نہ سمجھا۔ دوسرے اس ضروری کو سختی سمجھنا جسمیں شرع پر دھبہ لگتا ہے کیونکہ نصوص میں بتلایا گیا ہے کہ شرع میں سختی نہیں ہی۔ قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[1] وما جعل علیکم فی الدین من حرج[2]۔ وفی الحدیث الدین یسر[3]۔ اور اس سے یہ شبہ نکیا

---

[1] حق تعالیٰ نے (خاص روزہ کی نسبت) فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی اور دشواری کا قصد نہیں کرتا ہے ۱۲

[2] دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی دشواری نہیں ڈالی ۱۲ [3] رسول مقبول صلعم فرماتے ہیں کہ دین سراسر آسانی ہے ۱۲

جائے کہ نومسلم بالغ تو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہوجاتا ہے کیونکہ شرع نے تو اُسکے لئے بھی یہی قانون تسہیل مقرر کیا تھا مگر یہ خود اُسکی اور اُسکے خاندان والوں کی غلطی ہو کہ اسلام میں دیر لگا نیسے وہ سہولت ضائع کردی اسی لئے مراہق قبل بلوغ جبکہ وہ عاقل ہو ایک درجہ میں مخاطب بالایمان ہے جیسا اصولیوں نے تصریح کی ہو۔ پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھوں سے اس سہولت میں کمی کرنا ہے۔ اور کمی اسلئے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام کا بجالانا بوجہ اسکے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہیں چنداں دشوار نہیں۔ لیکن شرع نے اور زیادہ سہولت کردی تھی۔

اور جس طرح یہانتک روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر تھا اسی طرح بعض لوگ اس میں افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں اور ظاہر میں تو یہ لوگ اقرب الی الدین ہیں لیکن چونکہ شریعت میں افراط بھی پسند نہیں اسلئے اُنکی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جاویگا۔ مثلاً بعضے لوگ سفر یا مرض میں جان کو آجاتے ہیں مگر دینداری جتلانے کو یا افطار پر صوم کے ترجیح دینے کو افطار نہیں کرتے اور یہ سخت غلطی ہے۔ اگر اوّل نیت ہے تو بہت ہی بُرا ہے اور اگر ثانی ہو تو اسلئے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہیں ہو بلکہ ایسی شدت کی حالت میں امر بالعکس ہے۔ ورنہ حدیث لیس من البرّ الصیام فی السفر کے کوئی معنی نہونگے بلکہ یہ جہل بوجہ اسکے کہ اسکا اثر عقیدہ تک پہنچتا ہے اوّل سے بھی اشد ہے کیونکہ علمی غلطی عملی غلطی سے اقبح واشنع ہے۔ اور عقیدہ تک اثر اس طرح ہے کہ شرع نے جسکو راجح قرار دیا۔ یہ شخص اسکو مرجوح سمجھتا ہے اور جسکو مرجوح قرار دیا اُسکو راجح اعتقاد کر رہا ہے اور رخصت شرعیہ میں اسکا دل تنگ ہے تو گویا اسکو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کی طرف تجویز نقص کو نسبت کرنا کتنا بُرا عقیدہ ہے۔ حدیث اولٰئک[1] العصاۃ اور حدیث ما بال اقوام[2] یتنزھون الخ ایسے ہی موقع میں ہو۔ یہی حکم ہے اُن عورتوں کا کہ باوجود تیقن اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچہ کو ضرر کریگا اپنی ہٹ دھرمی اور ہیکڑی سے باز نہیں آتیں۔ بلکہ انکی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ مُنکر ہے کیونکہ اُس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا اسنے ایک بیگناہ بچہ کو بھی ضرر پہنچایا۔ سو کسی کو ضرر

---

[1] ایک مرتبہ آپنے سفر میں روزہ رکھنے والوں کی نسبت فرمایا کہ وہ گنہگار ہیں ۱۲ [2] ایکدفعہ سفر میں آپنے افطار فرمالیا اور بعض صحابہ کو افطار میں تامل ہوا تو آپنے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ جس کام کو میں خود کر گذرا اُس سے پرہیز کرتے ہیں ۱۲

پہنچانا پھر وہ بھی بچہ۔ یہ حقوق العباد کی کس درجہ کی فرد ہے۔ اور ان سب صورتوں سے بڑھکر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتواں بچہ کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے۔ کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے۔ سو اول تو مبنیٰ ہی اسکا فاسد۔ پھر لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کی مخالفت پھر اسپر بعض عوارض ایسے مرتب ہوجاتے ہیں کہ معصیت میں تضاعف ہوجاتا ہے۔ مجکو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اچھالنے کیلئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا۔ گرمی کے بڑے اور کڑے دن عصر کے وقت تک جوں توں کرکے اُسنے کھینچا آخر طاقت طاق ہوگئی اور صبر و تواں نے جواب دیدیا۔ ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے اُن پر ترکپڑا لپٹا تھا۔ برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا۔ اس سارے سامان نے آگ بھڑکا دی۔ ایک ایک کی خوشامد پانی کے لئے کرتا تھا۔ لیکن اگر پانی دیتے ہیں تو روزہ کشائی کا سامان اکارت جاتا ہے۔ اپنا سامان بچانیکے لئے پانی کو جواب دیدیا۔ آخر سخت بیتاب ہوکر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا۔ اُس کی نعش زبان حال سے سراپا یاں تھی کہ "لو بھائی تمکو تمھارا سامان مبارک رہے۔ ہم اپنی جان تمھارے سامان پر فدا کرتے ہیں"۔ کسقدر حسرتناک ماجرا ہے۔ یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا۔ آخر اللہ تعالی کا یہ ارشاد بے معنی تو نہیں ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت گو تسبباً سہی ان ظالموں کی طرف نہو گی۔ غرض تفریط اور افراط دونوں مذموم ہیں شرع نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت و استفسار و صحبت علماء کے نہیں ہوتا پس اس سبکا علاج یہی ہے۔

بعض لوگ نفس روزہ میں افراط و تفریط نہیں کرتے لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھکر صبح سے شام تک اجوفین (یعنی فم و فرج) کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اُسمیں علاوہ مقصودیت صورت نوعیہ کے کہ وہ بھی ثابت[1] ہے اور حکمتیں موجود ہیں جنکی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اُن سب کو نظر انداز کرکے اپنے صوم کو جسد بلا روح

---

[1] جیسا شروع بحث صوم میں دعقیدہ لوگوں کے جواب میں گذرا ہے ۱۲

بنا لیتے ہیں۔ خلاصہ اُن حکمتوں کا معاصی و منہیات سے بچنا ہے سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے۔ جو حالت انکی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے رمضان کے آنے سے اُس میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا۔ اگر غیبت کی عادت تھی وہ بدستور رہتی ہے۔ اگر نگاہ بد کے خوگر تھے وہ نہیں چھوڑتے۔ اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے اُنکی صفائی نہیں کی بلکہ بعض کے معاصی تو غالبًا بڑھ جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے اب روزہ میں چلنے پھرنے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلے گا۔ پھر دوستوں میں کوئی شغل تفریح کا بھی ضروری ہے یا تو باتیں کرنا شروع کیں جنمیں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا۔ اور یا چوسر گنجفہ تاش یا ہارمونیم باجا یا گراموفون لے بیٹھے۔ اور دن پورا کر دیا۔ بھلا اِس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل؟ کیا اِتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو کہ فی نفسہ مباح ہے جب روزہ میں وہ حرام ہوگیا تو غیبت اور دوسرے معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کسقدر سخت حرام ہونگے۔ تو مباح اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص بدگفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے خدا تعالی کو اسکی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ اور اِس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہوگا۔ کبھی یہ سمجھکر کہ جب روزہ نہ ہوا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ۔ سو روزہ تو ہو جاویگا مگر نہایت ادنیٰ درجہ کا جیسا اندھا۔ لنگڑا۔ کانا۔ گنجا۔ اپاہج۔ آدمی ہوتا ہے مگر ناقص درجہ کا۔ اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے۔ کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سبب سے سخت تر ہے۔

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہ نہیں۔ لہذا زیادہ شدید ہے اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں۔ پس غیبت سے روزہ افطار نہونا خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لئے مشروع کیا گیا ہے اُنکے اعتبار سے اُس کی ایک خاص ماہیت مشخصہ ہے یعنی امساک عن المفطرات بالنیۃ (نیت کر کے افطار کرنیوالی چیزوں سے رُکنا) سو اکل و شرب وغیرہ گو اہون

ہوں مگر اُس ماہیت کے منافی ہیں اور دوسرے معاصی گو اغلظ ہوں مگر اُس ماہیت کے منافی نہیں گو اُس ماہیت کی اغراض کے منافی ہوں۔ سو غایت مافی الباب اُن معاصی سے وہ اغراض فوت ہوجاوینگے سو اسکو ہم بھی مانتے ہیں چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل۔ اور اصل حقیقت صوم کی متحقق ہوجانے سے یہ اثر ہوگا کہ قیامت میں بازپرس نہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا۔ بلکہ یہ پوچھا جاویگا کہ روزہ کو خراب کیوں کیا۔ سو بڑا فرق ہے اسمیں کہ حاکم کے حکم کے بعد سالانہ کاغذ ہی نہ بنایا اور اسمیں کہ بنایا مگر کہیں کہیں غلطیاں رہگئیں اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزہ سے معتد بہ فائدہ نہیں یہ قید اسلیئے لگائی کہ بالکل بے سود بھی نہیں اور وہ فائدہ ایک تو ظاہر ہے کہ کسیقدر تو تعمیل ارشاد ہے دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے۔ جب صبح سے شام تک لذات مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس ضرور منفعل ومنصبغ (اثر قبول کنندہ و رنگ پذیرندہ) ہوگیا جسکا اثر یا تو آیندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رُکنے کی توفیق ہوجائے یا اسی روز یہ اثر ہوا ہو کہ اگر یہ صورت صوم بھی نہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہوئی ہو تو اس وجہ سے بالکل بے سود اور لاحاصل نہیں کہہ سکتے اور تدبیران معاصی سے بچنے کے تین امر کا مجموعہ ہے خلق سے بلاضرورت تنہا اور یکسو رہنا۔ کسی اچھے شغل میں لگے رہنا مثل تلاوت قرآن مجید وغیرہ۔ نفس کو سمجھانا اور وقتاً فوقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذت کے واسطے صبح سے شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے۔ سو نفس کو یوں پھسلاوے کہ ایک مہینہ کیلئے تو اس دستورالعمل کی کہ مجموعہ تین امور مذکورہ کا ہے پابندی کرلے پھر دیکھا جاویگا۔ یہ ایک مہینہ تو وہ پھسلانے میں آکر مرضی موافق پورا کرلیگا۔ پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی ایک مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہوجاتا ہے۔ بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مدرک (معلوم) ہوتی ہے کہ اس مہینے میں جو اعمال صالحہ کیئے ہوتے ہیں سال بھر تک اُنکی توفیق رہتی ہے۔ پس اس طریق سے بعد رمضان بھی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاءاللہ محفوظ رہیگی۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہوگا۔ بلکہ دعوی یہ ہی کہ اس میلان کا جسقدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اُسقدر تقاضا نہوگا کہ بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے

وہ میلان دفع یا مغلوب ہو جاویگا اور میرے نزدیک یہی اثر ہے شیاطین کے مقید ہو جانیکا رمضان میں کہ قبل رمضان جو نفسانی خواہشیں طبعًا پیدا ہوتی تھیں اُنکی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے اسلئے تقاضا شدید ہوتا تھا کہ ضبط میں زیادہ مشقت ہوتی تھی۔ رمضان میں گو ایسی خواہشیں پیدا تو ہوتی ہیں کیونکہ نفس اور طبیعت قید نہیں ہوتے مگر شیاطین چونکہ قید ہو گئے اسلئے اُنکی جانب سے اعانت نہیں ہوتی تو تقاضا اُسقدر نہوگا اور رُکنا اُتنا دُشوار نہوگا چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ لیا جاوے کہ صحیح ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہو گئے۔ اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ حتی الوسع رمضان میں غذائے حلال کا زیادہ اہتمام رکھے۔ شرم کی بات ہے کہ حلال سے دن بھر رُکا رہے اور حرام پر افطار ہو۔

سحور یعنی سحری

اِسمیں غالبًا دو کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ ایک تعجیل کے متعلق دوسرے تاخیر کے متعلق اوّل کا بیان یہ ہے کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ رہتے ہیں۔ سو اوّل تو خود اسقدر تعجیل ہی امر شارع و غرض مشروعیت سحر کے خلاف ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمین و اہل کتاب میں فرق رہے اور روزہ میں قوت و طاقت رہے۔ اور دوسرے اکثر عوام کا اسکے ساتھ یہ اعتقاد منضم ہو جاتا ہے کہ جب سحر کھا کر روزے کی نیت کر لی یا سو گئے تو اسکے بعد گو رات باقی ہی ہو مگر اب کھانا پینا جائز نہیں۔ سو یہ اعتقاد ایک اختراع فی الدین ہے جس سے توبہ واجب ہے۔

اور ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جنکے پاس نقشے اور گھڑیاں بھی ہیں اسقدر تاخیر کرتے ہیں کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہو جاتا ہے کہ کہیں صبح صادق کے بعد تو نہیں کھایا گیا۔ اِسقدر مبالغہ ضرور بے احتیاطی ہے۔ حدیث متفق علیہ کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیہ اس سے صاف روک رہی ہے۔ اسی طرح گھڑیوں پر اتنا اعتماد کہ اُسکی بنا پر اتنے بڑے فرض الٰہی کو خطرہ میں ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے جسارت عظیمہ ہے اور تجربہ کے بھی خلاف کیونکہ ہزاروں واقعات بڑی بڑی قیمتی گھڑیوں کی غلطی نکلنے پر شاہد ہیں۔ اسی طرح اس کے مقابل بعض کا تشدّد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہیں اور نماز روزہ میں اُسکے حساب کو کسی درجہ

ین معتبر رکھنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں - یہ بھی تعدیٔ حدود ہے - اسمیں قول فیصل یہ ہے کہ اصل مدار معرفت اوقات میں علامات خاصہ ہیں اور ان علامات کے تحقق میں جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ وحس کی مطابقت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جسکا کثرت تکرار مشاہدہ سے صحیح ومطابق ہونا معلوم ہوا ہو مقرر کرلیں یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اسکا اعتبار بھی جائز ہے نہ من حیث الخصوصیت بلکہ من حیث المطابقۃ لتلک العلامات المعتبرۃ شرعًا (یعنی یہ کوئی خصوصیت اس آلہ اور اصطلاح کی نہیں - بلکہ یہ آلہ چونکہ ایسی علامتوں کے مطابق ہوگیا ہے جو شرعًا معتبر ہیں اسکا بھی اعتبار ہوگیا) پس گھڑی اسی قبیل سے ہے نظیر اسکی طبل سحور ہے جسکے جواز اعتبار کو فقہاء متاخرین نے تنصیصًا فرمایا ہے (یعنی صبح صادق کیلئے جو نقارہ بجایا جائے اُسپر اعتبار کرلینے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے) لیکن بدل کسی طرح اصل کی برابر نہیں ہوسکتا کیونکہ اصل میں تو غلطی کا احتمال ہی نہیں (مثلاً غروب کا آنکھوں سے دیکھ لینا ہاں شاید کبھی حس میں غلطی ہوجائے) اور بدل میں احتمال ہے (جیسے گھڑی) اور یہاں سے سحر میں مرغ کی اذان کا اور افطار کے وقت شپرک کے نکلنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بدون تجربہ کامل کے اسپر اعتماد نہ چاہیے۔

بعض لوگ سحر مناسب وقت کھاتے ہیں مگر فضول حقہ و پان میں اسقدر دیر لگا دیتے ہیں کہ روزہ خطرہ میں پڑجاتا ہے - بعضے پان منہ میں دبا کر سورہتے ہیں یہ سب بےعنوانیاں ہیں - ایک بےعنوانی سحور کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہے کہ صبح کی اذان قبل الوقت کہتے ہیں تاکہ سحر کھانے والے سحر چھوڑ دیں - مگر جنکے نزدیک اذان فجر قبل الوقت کافی نہیں (جیسے امام ابوحنیفہ رح وغیرہ) اُنکے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے اور اعادہ نہیں کیا جاتا تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہے - دوسرے اگر لوگوں کو اسکی عادت ہوگئی اور ظاہر ہے کہ موذن نہ ایسے دیانت دار نہ ایسے واقف کار اوقات ہیں تو اگر کسی روز غلطی سے خلاف معمول بعد صبح صادق اذان ہوئی تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسے برباد ہونگے - اسلئے مصلحت یہ ہے کہ اذان ایسے وقت کہا جایا کرے کہ اس اذان کے اعتماد پر کوئی شخص سحری نہ کھاوے پھر خود ہی ہر شخص اپنے طور پر تحقیق کرکے اُس پر عمل درآمد کریگا۔

افطار

اسوقت ذہن میں اسکے متعلق بڑی کوتاہی ایک ہی آتی ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ دیکھا جاتا ہے کہ افطار کے سامان میں جسکو عرف میں افطاری کہتے ہیں اسقدر اہتمام کرتے ہیں کہ اُس کے کھاتے کھاتے مغرب کی جماعت بالکل یا کسیقدر فوت ہو جاتی ہے اور یہ بات قصداً اور اکثر ہوتی ہے جس میں شرعاً معذور بھی نہیں ہو سکتا۔ جماعت کی جو کچھ تاکید آئی ہے اُسکے اعتبار سے یہ عادت نہایت مُنکر ہے۔ اوّل تو اسقدر اہتمام ہی کیا ضرور ہے۔ دوسرے یہ بھی تو ممکن ہے کہ نماز کے بعد یہ شغل ہو اور افطار کسی مختصر چیز پر ہو کر نماز میں حاضری ہو جاوے۔ اسکے لئے آسان تدبیر یہ ہے کہ افطار خواہ مطول ہو خواہ مختصر ہو مسجد میں ہونا چاہئے مکان پر روزہ کھولنے سے اکثر جماعت برباد ہوتی ہے۔ پھر جب جماعت ملنے سے مایوسی ہو جاتی ہے اکثر لوگ گھر ہی پر نماز پڑھ لیتے ہیں تو روز روز مسجد کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اگر دو چار کی دعوت ہو تو وہ سب بھی مسجد میں جا سکتے ہیں۔ کیا بندہ کے گھر پر جانا فخر۔ اور خدا کے در پر حاضر ہونا عار ہے اگر یہی خیال ہے تو یہ تمام افطار بیکار ہی بیکار ہے۔

تراویح

اس عمل میں دو جز ہیں قرآن پڑھنا اور نماز۔ اور ایک ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دونوں جزو میں جو جو کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اس سے پہلے القاسم کے نمبروں میں مفصل بیان کر چکا ہوں اُس سے ایک بڑی فہرست تراویح کی کوتاہیوں کی بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اِسوقت صرف اُن بعض کوتاہیوں کا مختصراً ذکر کرتا ہوں جو مجموعہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) اکثر لوگ فارغ ہونیکی جلدی میں وقت کے آنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (۲) اگر کھڑے بھی وقت پر ہوتے ہیں تو اذان ہی وقت سے پہلے کہدیتے ہیں۔ (۳) قرآن مجید اسقدر تیز پڑھتے ہیں کہ تجوید تو کیا تصحیح حروف بھی نہیں ہوتی بعض دفعہ سامعین کو سمجھنا کجا سنائی بھی نہیں دیتا کہ یہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔ (۴) اکثر ثناء و تسبیحات رکوع و سجود و تشہد مقتدی پورا نہیں

پڑھنے پاتا کہ امام صاحب قرأت یا قومہ یا جلسہ یا قیام یا سلام کی طرف چلدیتے ہیں۔ (۵) ترویحہ میں بھی بعض جگہ نہیں ٹھہرتے۔ (۶) بعضے لوگ ایک ہی رات میں دو دو جگہ پوری تراویح پڑھا دیتے ہیں۔ (۷) بہت لوگ اُجرت پر قرآن سُناتے ہیں۔ (۸) بعضے حفاظ اپنا پڑھ کر یا کسی روز ناغہ کرکے دوسرے حفاظ کا اس نیت سے سُننے جاتے ہیں کہ اُسکی غلطیاں پکڑینگے یا اُسکو غلطی میں ڈالینگے۔ خواہ غلط بتلا کر یا اُسکے قلب کو مختلف نالائق حرکات سے پریشان کرکے کہیں لاٹھی کھڑکھڑاتے ہیں کہیں پاؤں زور زور سے زمین پر مارتے ہیں کہیں کھنکارتے ہیں کہیں لالٹین کو اُلٹ پلٹ کرکے دکھاتے ہیں۔ کہیں کھڑے ہوکر زور زور سے باتیں کرتے ہیں۔ غلط گیری۔ تجسّس اور غلط اندازی شیطنت ہے۔ یہ اُسی کا خاصہ ہے عبادت میں دوسری طرف مشغول کرکے خلل ڈالنا۔ (۹) بعض ایسے بچوں کو امام بنا دینا جنکو طہارت و نماز کے مسائل ضروری بھی معلوم نہیں بلکہ اُن پر یہ بھی اطمینان نہیں کہ اُنکے کپڑے بھی پاک ہونگے یا اُنکو وضو بھی ہوگا۔ اور اور نابالغ کے پیچھے تراویح کے جائز ہونے میں جو اختلاف ہے وہ اس سب سے علاوہ ہے۔ اوّل تو نماز کے بارہ میں احوط پر عمل مطلوب ہے۔ پھر جواز کی صورت میں بھی ان عوارض بالا کا کیسے انکار ہوسکتا ہے۔ ایسے بچے نوافل میں پڑھ دیا کریں کافی ہو۔ (۱۰) بعض دفعہ شبینہ اس طرح پڑھنا کہ نماز اور قرآن دونوں کے احترام و تعظیم کا بالکل ضایع ہونا لازم آتا ہے۔ یہانتک کہ ایک مقام پر ایک حافظ صاحب چارپائی پر لیٹے ہوئے سب حُفّاظ کا سُناکئے اور سہو و متشابہ بھی بتلاتے رہے اور سب کی نمازیں شب بھر کی برباد کرتے رہے۔ اور بہت سی خرابیاں اسکے متعلق بندہ نے اصلاح الرسوم میں لکھدی ہیں اُسکو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔ چونکہ ان مذکورہ دس امور کا حکم کچھ مخفی نہیں نیز مراجعت علما سے بآسانی معلوم ہوسکتا ہے اسلئے بخیال تطویل مختصر کردیا۔

(۱۱) بعض امور متفرقہ منکرات میں سے ہیں جیسے منجھلے روزے کیلئے خاص طور پر اہتمام کرنا۔ (۱۲) آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا التزام۔ (۱۳) ختم قرآن کیوقت شیرینی کو لازم و ضروری کرنا۔ (۱۴) بعض جگہ اُنیسوین شب کو بھی ختم تراویح پر تقسیم شیرینی کا انتظام۔ (۱۵) نامحرم حافظوں کو گھر میں بُلاکر عورتوں کا قرآن سُننے کیلئے جمع ہونا ونحو ذلک۔ انمیں بعض کا حکم اصلاح الرسوم میں ہے بعض کا اہل علم سے معلوم کرلیا جاوے۔ یہ سب رمضان المبارک کے متعلق بیان ہوا۔ اب دوام اسکے

متعلقات سے رہے جو عید کے متعلق ہیں اُنکے بارہ میں سُنئے مگر مختصر ہی ہے۔

صَدقۂ فِطر

بہت لوگوں کو اسکے مامور بہ ہونے ہی کی خبر نہیں (یعنی یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے اسکا حکم فرمایا اور واجب کیا ہے۔) بہت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ اُن ہی کی طرف سے دیا جاتا ہے جنہوں نے روزے رکھے ہیں۔ سو وہ بچوں کی طرف سے ادا نہیں کرتے۔ بہت لوگ خاصکر دیہات والے صدقہ فطر جمع کر کے مسجد کے موذن یا امام کو یا کچھ مسجد کے سقہ کو دیدیتے ہیں اور یہ نہیں کہ اُنکی حق المحنت واُجرت کے علاوہ مسکین سمجھکر دیتے ہوں بلکہ اُن لوگوں کو ایسی ہی شرائط پر مقرر کرتے ہیں کہ تم یہ یہ کام کرو تمکو یہ یہ ملیگا اُن میں صدقہ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے تو اس طور پر وہ اُنکے عمل کا عوض ہوا جو کہ اُجرت ہے اور اُجرت میں دینے سے وہ ادا نہیں ہوا اسلئے اِن دینے والوں کے ذمہ مکرر ادا کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کردیں کہ صدقۂ فطر سے تمھارا کچھ واسطہ نہوگا اور پھر مسکین سمجھکر دیدیں وہ جائز ہی بشرطیکہ واقع میں مسکین بھی ہو۔ ورنہ اگر وہ غنی ہو جیسا کہ بعض جگہ نہ مُعطی کو اسکی پروا ہے نہ آخذ کو (نہ دینے والیکو نہ لینے والیکو) تو اس دینے سے صدقہ فطر ادا نہوگا مکرر دینا پڑیگا۔ لیکن اُس غنی سے جبراً واپس بھی نہیں لے سکیگا۔ رہا یہ کہ اُس غنی کیلئے بھی وہ حلال ہوگا یا نہیں اور اگر حلال نہیں تو آیا دینے والے کو واپس کردینا واجب ہے یا صدقہ کرنا ان مسئلوں میں کسیقدر اختلاف ہے کما فی رد المحتار باب المصرف تحت قولہ ولو دفع بلا تحر (چنانچہ شامی میں مستحقین صدقہ وزکوۃ کے بیان میں لَوْدَفَعَ بِلَا تَحَرٍّ کے ذیل میں ذکر کیا ہے)۔

تنبیہ اگر ناواقفیتِ مسائل یا بے پروائی سے گذشتہ زمانہ میں بچوں کا صدقۂ فطر نہ دیا ہو یا موذن وغیرہ کو اُجرت میں دیدیا ہو یا غنی کو دیدیا ہو تو یاد کر کے اور حساب لگا کر اب مساکین کو اُس مقدار کے موافق دیدیں تاکہ ذمہ فارغ ہو جاوے۔ اور صدقۃ الفطر کے مسائل علما سے دریافت کر کے یا بہشتی زیور میں مطالعہ کر کے خود بھی عمل کرنا اور دوسروں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

نماز عید

اسمیں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض لوگ اس نماز کا طریقہ ہی نہیں جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے یاد ہی کرلیں۔ اس سے زیادہ کیا بے پروائی ہوگی۔

(۲) ایک یہ کہ اکثر جگہ یہ نماز بہت ہی دیر میں پڑھتے ہیں حالانکہ صریح سُنت اسکے خلاف آئی ہے۔

(۳) ایک یہ کہ بہت جگہ امام اور خطیب جاہل ہیں جو بنا بر دعوئے استحقاق آبائی نماز پڑھانے آتے ہیں جن میں اکثر تو ایسے جاہل ہیں کہ خطبہ اور سورت تک صحیح نہیں پڑھ سکتے اور اگر نماز میں کوئی سانحہ پیش آجاوے جسمیں مسائل جاننے کی ضرورت ہو تو کچھ نہیں کرسکتے۔ یہ تقدم انہوں نے اختیار تو کیا تھا ترفع کیلئے لیکن اس جہل کی بدولت اُنکی اسقدر فضیحتی اور رُسوائی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اور اگر اس درجہ کے جاہل نہوئے تب بھی مدعی[۱] مرائی متفاخر متصنع کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے خود مکروہ کہا ہے اسکا انسداد سہل بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ اہل حل و عقد یعنی بستی کے عمائد اس امام کو معزول کر کے کسی اہل کو مقرر کریں اور آیندہ اس رسم کو موقوف کریں کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو۔ بلکہ اُسکی وفات کے بعد پھر جو سب میں زیادہ اہل ہو اُسکو مقرر کریں وَهَلُمَّ جَرًّا (اسی طرح آگے تک)۔

(۴) ایک کوتاہی یہ کہ بعضے جو بزعم خود مقتدا ہیں متبوع[۲] مستقل بننے کی غرض سے عیدگاہ کو چھوڑ کر اپنے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں جس مسجد کی یہ فضیلت ہو کہ وہاں ایک نماز برابر پچاس ہزار نماز کے ہو (یعنی مسجد نبویؐ) جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو تو چھوڑ کر عمر بھر عیدگاہ میں تشریف لیجاویں جس سے یہ بھی مستنبط ہو کہ وہ تضاعف مکتوبات کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ مُشتے چند مدعی اپنی مسجد کو عیدگاہ پر ترجیح دیں۔ البتہ معذورین کیلئے اگر کسی شخص کو شہر میں نماز پڑھانے کیلئے چھوڑ دیں مضائقہ نہیں۔ مگر مقتدا لوگ خود نہ رہیں اپنے کسی متعلق قابل امامت کو چھوڑ دیں۔ یا یہ کہ اتفاقاً کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگوں کو پیش

---

[۱] دعویٰ کرنیوالا۔ ریاکار۔ فخر کرنیوالا۔ بناوٹی ۱۲ [۲] پیشوا و سردار ۱۲

آجاوے تو دوسری بات ہے چنانچہ ایک بار خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعذر مطر (بارش) مسجد میں نماز ادا فرمائی۔

(۵) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بہت لوگ عید میں غیر مشروع لباس پہنکر یا اپنے بچوں کو پہنا کر جاتے ہیں اور لیجاتے ہیں حالانکہ ایسے لباس سے علاوہ فی نفسہ حرام ہونے کے نماز کا قبول نہونا بھی وارد ہے۔

(۶) ایک کوتاہی یہ ہے کہ صفیں نہایت بے ترتیب ہوتی ہیں صفوف کے استواء (یعنی برابر کرنے) کی سخت تاکید آئی ہے۔

(۷) ایک کوتاہی یہ ہے کہ خطبہ سُننے کو بالکل امر فضول سمجھتے ہیں۔ اگر سب حاضرین ایسا ہی کریں تو خطیب خطبہ کسکے سامنے پڑھے۔ اور بعضے بیٹھتے ہیں مگر باتیں کرتے رہتے ہیں یہ اور بھی گناہ ہے۔ اور بعضے منکرات عید کے متعلق اصلاح الرسوم میں مذکور ہوئے ہیں۔ اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ اشرف علی

لسابع رجب ۱۳۲۹ھ

امداد مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

غیر معمولی عطیہ

۴

عالیجناب مولانا مولوی محمد زکریا صاحب رئیس سہارنپور پنشنر صدر مددگار صوبہ دار ریاست عالیہ حیدرآباد دکن مدرسہ کے قدیم معاون و ہمدرد ہیں۔ آپ سالانہ مدرسہ کی امداد فرماتے ہیں لیکن امسال جناب موصوف نے مبلغ ایکہزار روپیہ کی معقول رقم خرید جائداد کیواسطے مدرسہ کو عطا فرمائی۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔ ہماری دلی شکر گذاری اور مسرت اس خبر کے معلوم ہونے سے اور بھی زیادہ ہوگئی کہ آپنے اسیقدر رقم اسی غرض کیواسطے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کو بھی عطا فرمائی ہے۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ

(سلسلہ کے لئے القاسم ماہ رجب نمبر ۱۲ ملاحظہ ہو)

جب علم وحی کا بذریعۂ انبیاء کرام ہمپر طرح طرح سے سہل ہوجانا بالتفصیل معلوم ہوچکا تو اب صفت امانت کو بھی اُس پر قیاس فرمالیجئے کہ اوّل تو ملکۂ امانت ہمارے قلوب میں مثل دیگر ملکات خلقیہ اور فطرتًا رکھدیا گیا اُسکے بعد علم وعقل وجملہ ملکات حسنہ اور اخلاق فاضلہ حلم وحیا صدق وصفا سخاوت وشجاعت عفت ودیانت انصاف ومروت وغیرہ کے ذریعہ سے ملکۂ امانت کے کسب وترقی میں آسانی اور سہولت کردی گئی کہ انکی اعانت سے صفت امانت کو تقویت پہنچے اور انسان مغلوب ہوا وہوس جملہ خیانتوں سے اور بیجا خواہشوں سے محفوظ رہکر صراط مستقیم پر بسہولت قایم رہ سکے۔

ان سب سے قوی اور سہل تر ذریعہ امانت کی درستی اور ترقی اور جانچ کے لئے اتباع وفہم علم وحی ہے۔

ان تائیدات کے بعد اب کسی دوسری تائید کی ضرورت محسوس نہوتی تھی مگر مضمون امانت حسب بیان سابق چونکہ امر طبعی ہے اور رغبت ونفرت کا اُسپر مدار ہے اور سب جانتے ہیں کہ بسا اوقات امور طبعیہ کے مقابلہ میں اور طبیعت کی رغبت نفرت کے سامنے عقل وعلم انصاف وحیا مروت ودیانت سب مغلوب ہوجاتے ہیں اور آدمی مرغوب طبعی کے پیچھے کبھی ایسا بیخود ہوکر دوڑتا ہے کہ عقل وعلم کی آواز بھی اُسکے کان تلک نہیں پہنچتی اور دیانت وحیا پر نظر ڈالنے کی مہلت بھی اُسکو نہیں ملتی۔

بالکل ایسا قصہ ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ بلّی دربار شاہی میں مشعل مُنہ میں لئے کھڑی تھی چوہا سامنے سے گذرا تو مشعل کو فرش پر ڈال چوہے کی طرف بے اختیار دوڑی جس سے قریب تھا کہ تمام مکان میں آگ لگجاوے۔

اگر تھوڑا سا غور وانصاف کریں تو بلّی کے قصہ سے بدرجہا زاید تعجب خیز اور حیرت انگیز

مثالیں اپنے احوال اور افعال میں ہم بے تکلف مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اسلئے حق سبحانہ جل سلطانہ نے اپنے لطف ورحمت سے ایسی دولت ونعمت ہمکو عطا فرمائی کہ اس دشواری خاص میں ہمکو اُس سے کامل مدد مل سکے اور اس دشواری میں خاص سہولت پیدا ہو جائے۔

اور وہ انعام یہی ہے کہ حسب معروضۂ سابق حضرات انبیاء کے واسطے سے جیسے علم مرضیات الٰہی کہ جس تلک ہمکو رسائی غیر ممکن تھی ہمپر سہل فرما دیا گیا بعینہ اسی طرح پر انبیاء کرام کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے محض اپنی قدرت ورحمت سے صفت امانت کو قلوب بنی آدم میں ایسا قایم اور قوی کر دیا گیا کہ خواہشات نفسانی اور مقتضیات طبعی کی دستبرد سے ہمکو نجات مل سکے اور اُنکی غارت گری سے دولت ایمان محفوظ رہ سکے۔ **شعر**

فشکراً لہ وا بتھاجا بہ　　　وان قصر الفعل عما وجب

شرح اس معما کی یہ ہے کہ حضرات انبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ کے وجود سراپا جود کی مثال ایسی سمجھئے جیسے آفتاب عالمتاب کہ جب آفتاب اپنے مطلع کے قریب آتا ہے اُسیوقت سے رات کی تاریکی دور ہونے لگتی ہے اور جب اُسکا نور عالم میں پھیلجاتا ہے تو ظلمت شب بالکل کافور اور محض معدوم ہو جاتی ہے اور ہر ہر جگہ آفتاب کا نور ایسا سرایت کرتا ہے کہ کوئی موقع اُسکے فیض سے محروم نہیں رہتا اور تاریکی شب اپنی حالت پر کہیں بھی قایم نہیں رہنے پاتی مکانوں کے اندر ہر چند نور آفتاب نہیں پہنچتا لیکن تاریکی شب وہاں بھی نہیں رہ سکتی البتہ اگر کوئی مکان ایسا ہو کہ اُسمیں کوئی دروازہ یا روشن دان یا کسی قسم کا سوراخ ہی نہو تو بیشک اُسکو آفتاب سے محرومی ضروری بات ہے اسی طرح پر یہ مقبولان بارگاہ الٰہی اور چشمہائے فیوض غیبی جب عالم نورانی سے اس جہان ظلمانی کی طرف بامر ارحم الراحمین گمراہوں کی ہدایت کے لئے نزول فرماتے ہیں تو ایک خاص برکت اور نور ہدایت بھی ان برگزیدگان عالم القدس والجبروت کے ساتھ ساتھ ضرور اس عالم میں آتا ہے اور اپنی اپنی قابلیت کے موافق تمام قلوب بنی آدم میں اُسکا اثر پہنچتا ہے اور کوئی اُس سے محروم نہیں رہتا اور خود بخود سب کے دلوں میں طلب حق کا جوش اور سب کی زبانوں پر کلمۃ الحق کا خروش ظاہر ہونے لگتا ہے ہر کوئی خواب غفلت سے

بیدار ہوکر اپنے نقائص علمی اور مفاسد عملی پر خود بخود متنبہ اور خبردار ہوجاتا ہے طلب حق قلوب میں ایسی موجزن ہوتی ہو کہ کسی قسم کی تکلیف و مشقت اور رنج و مصیبت اُنکو قبول امور حقہ سے مانع نہیں ہوسکتی اطاعت احکم الحاکمین میں ایسے چُست ہوجاتے ہیں کہ نفس امارہ کی مرغوبات اور دنیا کی محبت وحب جاہ ومال کو یک لخت پس پشت ڈالکر اور نام و نشان کو خاک میں ملاکر ہر ایک حکم الٰہی کی تعمیل کو اپنا منتہائے مطلوب اور غایۃ مقصود خیال کرتے ہیں ہاں جو کوئی شقی ازلی اور محروم حقیقی ہوتا ہے وہ اس سعادت و برکت سے بالکل بی بہرہ اور اس نعمت و دولت سے البتہ بے نصیب رہتا ہے اور اسی برکت اور نور ہدایت کو امانت بھی کہتے ہیں جسکا بیان ہمکو مقصود ہے۔

اب اہل فہم انصاف کریں کہ وہ صفت امانت جسکی تحصیل و تکمیل میں ہمکو سخت دشواری بلکہ ایک طرحکی معذوری و مجبوری نظر آتی تھی اُسکو حق سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے ہمپر کسقدر سہل و آسان فرمادیا جسکی کیفیت دیکھکر اب تو نہایت مسرت کے ساتھ ہم یہ شعر پڑھنے کو مستعد ہیں۔ **شعر**

آفتاب اندرون خانۂ ما　　در بدر میرویم ذرہ مثال

چنانچہ حدیث نبوی میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القران ثم علموا من السنۃ[1]

اہل فہم انصاف فرمائیں کہ اس ارشاد سے ہمارا مضمون مذکورۂ سابق جیسا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے ایسا ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آدمیوں کے قلوب میں اوّل مضمون امانت جاگزیں ہوتا ہے اُسکے بعد علم قرآن و علم حدیث سے ہدایت نصیب ہوتی ہے اور اسی امانت کو آیۃ انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمن[2] اور ارشاد سیذکر من یخشی[3] میں لفظ خشیۃ سے تعبیر کیا ہے اور ھدًی للمتقین وغیرہ آیات میں لفظ تقویٰ سے مذکور فرمایا ہے جنکے ملاحظہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بدون خشیت اور بلا تقویٰ یعنی بغیر حصول امانت آدمی کو اتباع احکام الٰہی اور ہدایت حاصل نہیں ہوتی بلکہ قرآن و حدیث اُسی کو نافع ہوتا ہے کہ اُسکے دل میں اوّل برکت مذکورہ یعنی امانت موجود ہو۔

[1] لوگوں کے قلوب میں پہلے امانت نازل ہوئی پھر انھوں نے قرآن وسنت سیکھا ۱۲ [2] آپ اُسی کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور خدا سے ڈرے ۱۲ [3] نصیحت وہی قبول کریگا جسمیں خشیہ ہو ۱۲

اب ہماری اس تمام تقریر پریشان سے صفت امانت کی حقیقت اور کیفیت بھی پوری واضح ہوگئی اور حدیث شریف مذکورہ عنوان لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ کی تحقیق بھی خوب واضح ہوگئی اور صفت امانت کی تحصیل میں جو دشواری اور دقت نظر آتی تھی اُسکی سہولت اور آسانی کی تفصیل بھی بشرح معروض ہوچکی وَالحَمْدُ لِلّٰہِ وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی خوب واضح ہوگیا کہ تمام خوبیوں کی جڑ اگر ہے تو صفت امانت ہے اسکے بدون نہ ایمان حاصل ہوسکے نہ خوف و محبت الٰہی نہ تقویٰ نہ طہارت نہ ہدایت نہ سعادت حتی کہ قرآن و حدیث یعنی علم وحی سے منتفع ہونا جو کہ تمام عقاید و اعمال اصول و فروع اسلامیہ کی اصل ہے وہ بھی بحکم حدیث مذکور صفت امانت پر ہی موقوف ہے۔

مگر جب یہ ہے تو پھر یہ بھی ضرور کہنا پڑیگا کہ قوی ضعیف جس درجہ کی کسی کی صفت امانت تسلیم کیجائیگی اُسی درجہ کا اُسکا ایمان بھی مانا جائیگا۔ بلکہ جملہ امور ہدایت عقاید ہوں یا اعمال عبادات ہوں یا معاملات اخلاق حسنہ ہوں یا احوال اُسی درجہ کے سمجھے جائینگے کہ جس درجہ کی صفت امانت ہوگی اور اسی کے ساتھ ساتھ اگر کسی کی صفت امانت میں کسی قسم کی کوتاہی یا کسی طرح کا نقصان یا کسی نوع کا خلل مانا جائیگا تو اُسی کے موافق اُسکے ایمان اور تمام اصول و فروع ہدایت میں بھی اُسکا تسلیم کرنا ضرور ہوگا۔

جسکا خلاصہ یہ نکلا کہ تمام خوبیوں کی اصل صفت امانت اور تمام خرابیوں کی جڑ فساد امانت ہے جسکو فتنہ کہتے ہیں کسی صاحب امانت نے کیا خوب فرمایا ہے۔ **شعر**

گر امانت بسلامت ببرم باکے نیست　　　بیدلی سہل بود گر نبود بیدینی

اسکے بعد اہل عقل کو اس امر کی تسلیم کرلینے میں بھی کسی دلیل کی احتیاج نہوگی کہ وصف امانت میں جملہ افراد انسانی مساوی نہیں ہوسکتی بلکہ جیسا علم و ایمان وغیرہ امور میں افراد انسانی ازحد مختلف ہیں ایسا ہی صفت امانت میں باہم فرق ضروری ہے اور جیسا نور آفتاب کو آئینہ اور دیگر اجسام لطیفہ و کثیفہ اپنی اپنی قابلیت کے موافق قبول کرنے میں مختلف ہیں اسی طرح پر قلوب بنی آدم امانت و برکت مذکورۂ بالا کے قبول کرنے میں ازحد متفاوت ہیں اور اسی تفاوت کی وجہ سے مراتب ایمانی میں جملہ مومنین کو متمایز سمجھنا ضروری ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جملہ اُمت مرحومہ سے افضل ہونا جو علماء میں ایک مہتم بالشان مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور بجز اکابر اہل سنت دیگر فرقوں کو اُسکا سمجھنا دشوار ہوا ہے اُسکا بڑا منشاء یہی برکت اور یہی امانت ہے یعنی جناب سید المرسلین و خاتم النبیین جب اُس پُر آشوب وقت میں ہدایت خلق اللہ کے لئے بھیجے گئے کہ جسکی نظیر شرک و جہالت میں زمانۂ سابق میں بھی کبھی نہ گذری تھی تو حسب قاعدۂ مذکورۂ بالا آپ کے ساتھ بھی مثل جملہ انبیاء علیہم السلام اُسی فیض و برکت و امانت مذکورہ کا پورا نزول ہوا مگر یہ فیض و برکت دیگر انبیاء کرام کی برکات و فیوض سے دو وجہ سے بہت فائق اور برتر تھے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل اور تمام انبیاء کے کمالات کے مرجع ہیں کیونکہ آپ کے کمالات اور دیگر انبیاء کے کمالات میں وہی نسبت ہے جو نور شمس اور نور قمر میں تعلق ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں چونکہ جہل و شرک کو وہ قوت تھی کہ کسی زمانہ میں نہوئی تھی تو ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں ایسے ہی اعلیٰ ہادی اور سامان قویہ ہدایت کی ضرورت تھی کہ اُس جہل و شرک کو جو کہ تمام عالم میں وبائے عام کی طرح پھیل کر قلوب بنی آدم میں اپنا سکہ جما چکا تھا اُسکو نیست و نابود کر کے نور ہدایت شرقاً و غرباً پھیلا دے۔ شاہان دنیا کو بھی جب کوئی بغاوت چھوٹی یا بڑی پیش آتی ہے تو اُسکی مدافعت کے لئے اُسی سردار اور سپہ سالار کو مامور کرتے ہیں جو اُسکے مناسب حال ہو اور اُسکی مدافعت کے لئے کافی سمجھا جائے بغاوت عظیم کے انسداد کے لئے کم درجہ کے افسروں کو کوئی نہیں بھیجتا یہاں تک کہ اگر بغاوت عام تمام مملکت سلطانی میں پھیل جانے کی نوبت آتی ہے تو ایسی خاص معتمد جلیل القدر سردار کو اپنا قایم مقام بنا کر بھیجنا پڑتا ہے کہ جو تمام خواص سلطانی میں ممتاز اور ہر طرح سے لایق و فایق سمجھا جاوے۔

الحاصل حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اس برکت و فیض خاص میں جملہ انبیاء علیہم السلام پر فایق و ممتاز ہونا مثل دیگر کمالات ضروری التسلیم ہے۔

(انشاء اللہ باقی آیندہ)

شریعت و طریقت

تصوف درحقیقت نام ہے "تعمیر الظاہر والباطن" کا جسکا مطلب یہ ہے کہ بندۂ مسلمان اپنے آقا حق تعالیٰ شانہ کی یاد سے اپنے جسم اور قلب دونوں کو آباد رکھے اور ظاہر ہے کہ کسی نو تعمیر مکان کی اندرونی و بیرونی زیبائش وہی معتبر ہے جو اُسکے مالک کی منشا اور مرضی کے موافق ہو۔ کسی معمار یا مزدور کو اسکا حق ہرگز حاصل نہیں کہ تراش خراش کرے اور مالک کی رائے میں دخل انداز ہو اسی طرح انسان کا جسم اور قلب جو مکان کا اندرونی بیرونی حصہ ہے سچے مالک و خالق حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اسلئے عطا ہوا ہے کہ معمار و مزدور بنکر اسکو مالک کی منشا کیموافق سجائیں اور آقا کی مرضی کے مطابق اسکی ایسی زیبائش کریں جسکو دیکھکر مالک خوش ہو جاے۔ مالک کا خوش ہو جانا ہی لاکھ انعاموں کا ایک انعام ہے چہ جائیکہ اُسپر دائمی لذت اور پائدار جنت کے ساتھ شرف دیدار کی نوازش بھی موعود ہے۔

یہ ہے اصل حقیقت سلوک کی جسکو حق تعالیٰ نے اس آیۃ مقدسہ میں ارشاد فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہ میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اسلئے کہ میرے غلام بنے رہیں" یعنی اپنی رائے کا دخل دئے بغیر غلامانہ آداب کیساتھ جسم کی ظاہری اور قلب کی باطنی آرائش میں مشغول ہوں اور آقا کے حکم کی تعمیل کئے جاویں۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن   دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

اور چونکہ ظاہری و باطنی زیبائش کا سجا سجایا ایک مکان مالک نے اصل یا نقشہ دکھا کر آپکے سامنے کردیا ہے اسلئے غلامانہ حیثیت سے معمار بنکر اپنے جدید مکان کی اندرونی و بیرونی آرایش کے کسی چھوٹے سے چھوٹے جزو میں بھی آپکو رائے زنی کا اختیار حاصل نہیں ہے اور اگر کوئی گندی طبیعت اپنے آقا کے مکان میں کوئی تغیر یا ترمیم کرے تو مالک کی مجرم اور آقا کی نافرمان بنیگی اُسپر مکان کی ہیئت بگاڑنیکا الزام قائم ہوگا اور قانون خداوندی کی اُس دفعہ کی ملزم قرار پائیگی جو مالک کی ساری لاگت برباد کرنیوالے دخل در معقولات دینے والے معمار پر قائم ہوا کرتی ہے۔

یہی ہے اصل کنہ اور سچا رمز بدعات سے بہ تشدد منع کئے جانے اور اتباع سنت نبویہؐ کے بتاکید شدید مامور ہونیکا جسکو ادنیٰ عاقل بھی ذرا سی توجہ سے سمجھ سکتا ہے اور جسکو شیخ سعدیؒ نے اس قطعہ میں ظاہر کیا ہے ؎

محال ست سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز درپے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہگزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

خلاصہ یہ ہوا کہ اعضاء کے جملہ حرکات و سکنات اور قلب کے تمام خصائل وخیالات غرض سارے قوائے بشریہ ظاہریہ و باطنیہ بے مثل نمونہ خداوندی یعنی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کے حالات و معمولات کا ایسا تابع بنالینا کہ عبادات و عادات اور معاملات و معاشرت غرض ہر امر میں جہاں جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے جو طریق برتا ہے اُسکو اختیار کرنا آپکا اقتضاء طبعی بنجائے سلوک اور طریقت کہلاتا ہے اور چونکہ خلاصہ عالم و عالمیاں سپہ سالار لشکر انس وجاں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تمدن اور حالات زندگی کا مجموعہ سنت کہلاتا ہے اسلئے ایسی اطاعت جسکا اوپر ذکر ہوا آپکی سنت کا اتباع کامل اور اقتدائے تام کہلائیگا اور اسی پر اول محبت اور اُسکے بعد محبوبیت و پروانہ مغفرت موعود ہے جسکی تعلیم اس آیۃ شریفہ میں دیگئی ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

سنت نبویہ اور شریعت مصطفویہؐ کے کمال اتباع کی تعلیم جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور کھلے الفاظ میں نہایت صاف حکم سے اسکو نجات و مغفرت اور ولایت و قرب خداوندی کا موقوف علیہ ظاہر کیا گیا ہے اسلئے اسمیں تاویل کرنے کی بھی کسی بندۂ مسلمان کو گنجایش نہیں ہے۔ یہی اتباع کامل جبتک نفس پر جبر اور تکلف کرنے سے ہوتا ہے شریعت کہلاتا ہے اور عمل کرنیوالے کو مطیع وزاہد خشک کہتے ہیں اور جسوقت اس اطاعت کا مضمون عادت بنکر طبیعت ثانیہ ہوجاتا ہے طریقت کہلاتا ہے اور عمل کرنیوالے کو صوفی اور صاحبدل کہنے لگتے ہیں۔

اسمیں شک نہیں کہ نجات اُخروی کا مدار اتباع سنت نبویہ پر ہی گو بتکلف اور نفس پر جبر کرنے سے حاصل ہو اسلئے تصوف کی تحصیل پر فرضیت کا حکم کسی نے نہیں لگایا بلکہ سب مستحب ہی بتاتے رہے مگر پہلی حالت معرض خطر ضرور ہے کیونکہ جبتک نفس جیسا دشمن ہلاک نہو اور اتباع سنت نبویہ میں جو

عین اطاعت حق سبحانہ ہے قلب کو لذت نہ آنے لگے اُسوقت تک نفس وشیطان کی رخنہ اندازی سے امن نہیں ہوسکتا ممکن ہو کہ آزادمنش طبیعت انسانیہ اتباع واطاعت کے بوجھ سے گھبراکر اُسکو چھوڑ بیٹھے اور خسران عظیم میں واقع ہوکر مورد عذاب خداوندی ہو اسلئے نفس کا مطمئنہ بنانا اور اتباع شریعت میں وہ مرتبہ حاصل کرنا جسکے سبب اطاعت خدا ورسول اوّل عادت بنے اور پھر محبوب ولذیذ شے کی طرح مرغوب ودلپسند ہوجاے جسکو طریقت کہتے ہیں اگر فرض نہیں تو متمم فرض ضرور ہے کہ اسکے بغیر نفس ایمان اور جملہ ثمرات ایمان علی شرف الزوال خطرناک غار کے کنارے پڑے ہوئے ہیں چنانچہ کسی صاحبدل نے کہا ہے۔ ؎

گر تو خواہی حری ودل زندگی　بندگی کن بندگی　زندگی مقصود بہر بندگی ست　زندگی بے بندگی شرمندگی ست
جز خضوع وبندگی واضطرار　اندرین حضرت ندارد اعتبار　ہرکہ اندر عشق یابد زندگی　کفر باشد پیش او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر　مغز باید تا دہد دانہ شجر

ایک بیمار شخص جسکو مرض کے سبب مطلق بھوک معلوم نہو اپنے معالج طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے تاکہ وہ طاقت بنی رہے جسکی وجہ سے مرض کا تحمل اور عوارض کی مدافعت کرسکے۔ اس بیچارے کو غذا میں کیسی ہی لذیذ کیوں نہو خاک مزہ نہیں آتا طبیب کے حکم کی تعمیل میں کھاتا تھوڑا بہت ضرور ہے مگر طبع پر جبر کرکرکے نوالے نگلتا ہی لقمہ اوپر کو اُبلا چلا آتا ہے مگر یہ قابل رحم سقیم الحال آئندہ حاصل ہوجانیوالی تندرستی کا لحاظ کرکرکے مصلحت کو نظر کے سامنے لالاکر بہ تکلف نیچے کو لیجاتا اور تیوری چڑھا چڑھا کر حلق سے اُتارتا ہے۔ اس بیچارے کی حالت پر ہر کسی کو ترس آتا ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جو چلتا پھرتا پورا تندرست اور جوان ہی۔ بلا کسی کی ترغیب کے ہر لذیذ نعمت اور مزہ دار غذا کی طرف اسکو طبعًا رغبت ہوتی ہے اسکا ہمیشہ جی چاہتا رہتا ہے کہ لذیذ سے لذیذ غذا کھاؤں چنانچہ فرمائش کرکرکے پکواتا اور مزے لے لے کے کھاتا ہی اندر سے جی بحال ہوتا اور ساری غذا جزو بدن بنکر تنومند وتوانا ہوتا جاتا ہے۔ اس خوش نصیب شخص کی حالت کیسی قابل رشک ہے کہ جو دیکھتا ہی غبطہ کرتا اور اسی جیسا تندرست وقوی المعدہ بننے کی ہوس کرتا ہے۔ بس یہی حال ہے اُس عامی عامل شریعت کا جسکے قلب میں حلاوت ایمان پیدا نہیں ہوئی اور اُس بندۂ خاص دلی صاحبدل کا جس کا دل حُب خداوندی سے معمور وآباد ہوچکا اور اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی طاعت ویاد سے مانوس بن چکا ہی

کہ اوّل الذکر شخص سنت نبویہ کا اتباع کریگا مگر جبراً قہراً جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی مصیبتوں کا نقشہ جما جما کر اور موخر الذکر شخص شریعت مصطفویہ کا اقتدا کریگا اپنی طبعی رغبت اور دلی اُنس و محبت کیساتھ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر دوزخ جیسا خطرناک مقام نافرمانوں کیلئے اور جنت جیسی پُربہار جگہ فرمانبرداروں کیلئے نہ بھی پیدا کیجاتی تب بھی باقتضائے طبعی اور بانس قلبی ان حضرات سے یہی اطاعت و تابعداری ظاہر ہوتی جو اَب ہو رہی ہے اسمیں سرِمو فرق نہوتا۔ ان سرشاران محبت کی غایت تمنا اپنے محبوب کو راضی کرنا ہے اور بس تغیرات عالم رات دن دیکھتے ہیں اور بزبان حال پکارتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رَو باک نیست　　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

ان طالبان رضا کی یہ شان ہو جاتی ہے۔ ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائی دوست طلب　　　کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

آپ نے دیکھا کیسی قابل رحم اور خطرناک حالت ہے اُس عامی زاہد خشک کی جو نمونہ خداوندی کے مثل تعمیر کرنی چاہتا ضرور ہے مگر ہر زیبایش میں مصلحت ڈھونڈکر اپنی ہمت بڑھاتا اور طبیعت کو اُبھارتا ہے تاکہ ہاتھ چلے اور تعمیر پوری ہو اسکو تعمیر کے اجزا میں جبتک حکمت کا علم نہیں ہو جاتا اُسوقت تک قدم آگے بڑھانا بارگران ہے۔ افسوس اگر کبھی کوئی حکمت غامضہ اسکی سمجھ میں نہ آئی تو کیا نمونہ میں نقص نکالیگا؟ ہاں بیشک اگر طبیعت کا یہی انداز ہے اور مالک کی عظمت و محبت کی جگہ حکمت و مصلحت کی وقعت دلمیں جمی ہوئی ہے تو ایکدن یہی ہونا اور کام کرتے کراتے ہلاکت و تباہی کے دریا میں ڈوبنا ہے۔ برخلاف اسکے کسقدر پیاری حالت ہے اُس صاحبدل بزرگ کی جسکی زمین قلب میں آقا کی محبت کا تخم جمگیا اور مالک کے ساتھ وہ اُنس پیدا ہوگیا جسکی وجہ سے نمونہ حسنہ کیموافق اپنے جسم و قلب کی تعمیر و آرائش میں مشغول ہی اور اجمالاً سمجھے ہوئے ہے کہ نمونہ خداوندی کا ہر پہلو موزوں اور زیبائش کا پورا حصّہ لئے ہوئے ہے۔ اسکو اتباع شریعت پر آمادہ کرنیوالی شی اگر ہے تو صرف محبت خدا اور رسول ہی کہ اپنے محبوب کی رضا کا جویاں بنکر تعمیل حکم کیلئے مجنونانہ وار لپکتا اور باقتضائے طبعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و معمولات کا شیدا بنکر اُس جانب دوڑتا ہے اسکے نزدیک اگر عزت ہے تو اسی میں ہی کہ متبع سنت بنجائے اور مال و متاع ہے تو یہی ہی کہ اتباع نبوی کا بھرپور خزانہ ملجائے۔

(باقی آئندہ)

معاونین خاص رسالہ القاسم

۱۔ جناب مولوی عبدالباقی خانصاحب رئیس الہ آباد دائرہ شاہ حجۃ اللہ صاحب۔ صہ/
۲۔ جناب قاضی محمد نظام الحق صاحب ناظم سرونج علاقہ ٹونک۔ صہ/
۳۔ جناب شیخ حفیظ الدین صاحب رئیس بڑوت ضلع میرٹھ۔ صہ/
۴۔ جناب مولوی عبدالملک خانصاحب رئیس خورجہ ضلع بلند شہر۔ صہ/
۵۔ جناب مولانا مولوی محمد عبدالرحمن صاحب خورجہ ضلع " " صہ/
۶۔ جناب قاضی محمد ظہیر صاحب رئیس یوسف پور ضلع غازی پور۔ صہ/

جناب مولوی شیخ محمد شفیع صاحب تاجر کلکتہ چونا گلی۔ بھی نہایت شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے علاوہ اپنی خریداری دائمی کے پہلے سال کی پانچ جلدیں کامل پوری قیمت پر صرف اشاعت کیلئے خرید فرما کر مختلف دیندار و اہل علم حضرات کو تقسیم فرما کر القاسم کی بیش بہا امداد فرمائے۔ علی ہذا القیاس۔

جناب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب پٹنہ والے تاجر کلکتہ بھی مستحق دعا و شکریہ ہیں جو ابتدا سے پانچ پرچے خرید فرما کر رسالہ کی بڑی امداد فرمانے کا ثواب حاصل فرما رہے ہیں۔ اسی طرح:۔

جناب مولوی محمد جلال الدین صاحب ہیڈ کوارٹر انسپکٹر پولیس ضلع بیڑ بھی القاسم کی اشاعت میں محض خلوص اور للہیت سے اعلیٰ قسم کی سعی فرما کر منتظمین کو مشکور فرما کر اجر دارین حاصل فرما رہے ہیں۔

اگرچہ ہمارا معمولی و مختصر شکریہ ان حضرات کی دینی خدمت کا کسی طرح صلہ نہیں ہو سکتا اور وہ اسکو پسند بھی نہیں فرماتے تاہم کبھی کبھی اداءً لحق الواجب ذکر کر دیا جاتا ہے۔

فہرست چندہ دار الحدیث جو بعد جلسۂ بنیاد لکھا گیا

۱۔ حاجی قدرت اللہ صاحب رئیس بجنور " "	ما/	یہ چندہ سابق فہرست میں درج ہونا چاہیئے تھا مگر سہواً رہگیا۔
۲۔ دیوان محمد یسین صاحب ساکن دیوبند " "	صہ/	
۳۔ حاجی عبد اللہ صاحب و حاجی مشیت اللہ صاحب تاجر خورجہ ضلع بلند شہر	ماا/	وصول
۴۔ شیخ رشید احمد صاحب تاجر صدر بازار میرٹھ "	ما/	
۵۔ مولوی عاشق الٰہی صاحب تذکرۃ الرشید ہر دو حصہ و مکاتیب رشیدیہ قیمتی	ما/	کتابیں وصول ہوگئیں اور بقدر ۵ سے فروخت ہوکر وصول ہونگے
۶۔ حضرت مولانا مولوی مسعود احمد صاحب " "	صہ/	
۷۔ حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحب " "	عہ/	وصول
۸۔ جناب مرزا حکیم بیگ صاحب تحصیلدار دیوبند "	سہ/	
۹۔ شیخ رفیع الدین صاحب تاجر ظروف مراد آباد "	صہ/	وصول
۱۰۔ منشی اشفاق علی صاحب رئیس سیکری ضلعدار جھانسی	صہ/	وصول
۱۱۔ " " از جانب مولانا فضل الرحمن صاحب مرحوم	صہ/	وصول
۱۲۔ " " از جانب شیخ بشارت علی صاحب مرحوم	صہ/	وصول
۱۳۔ منشی محمد حسین صاحب ساکن خورجہ " "	صہ/	وصول
۱۴۔ مسماۃ ننھی عرف پارو۔ سکنہ مظفر نگر " "	عہ/	وصول
۱۵۔ مولوی عبید الرحمن صاحب چاٹگامی " "	۴/	

فہرست چندہ درس گاہ خورد جو بعد جلسہ بنیاد لکھا گیا

۱۔ جناب مرزا حکیم بیگ صاحب تحصیلدار دیوبند "	عسہ	
۲۔ حضرت مولانا مولوی مسعود احمد صاحب "	صہ/	
۳۔ مولوی قاری عبد الوحید خانصاحب "	عما/	وصول
۴۔ میانجی محمد عبد اللہ صاحب امام مسجد ٹھیڑہ "	۲/	"

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

جلد ۲ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ نمبر ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ

(مطابق ماہ ستمبر ۱۹۱۱ء)

جو مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

اس مرتبہ تمام حضرات ناظرین کے نام کے رسالے مرتب ہونے کے بعد ایک تاریخ میں ڈاکخانہ کے سپرد کئے گئے ہیں ایک شہر ایک محلہ کے حضرات کو جو تقدیم و تاخیر کی وجہ سے شکایت ہوتی تھی اُمید ہے کہ اب نہ ہوگی۔

والسّلام

*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم حدیث کی تدوین

دار الحدیث کی بُنیاد

مسلمانوں نے جن علوم کو معراج کمال پر پہونچایا اور جنکے اندر دنیا بھر سے گوئے سبقت لیگئے اُنھیں میں سے فنِ روایت و تنقیدِ رجال بھی ہے۔ مسلمانوں سے پہلے اس ضروری اور مُہم فن کی طرف گویا توجہ ہی نہیں کی گئی اور نہ اُسکے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے گئے۔ اسلئے جو اہتمام اور تسلسل مذہبی روایات کا مسلمانوں میں ہے کسی اُمت میں نہیں پایا جاتا۔ اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ایسا فخر حاصل ہے جو دوسری اُمتوں کو نہیں ہے۔

مسلمانوں کی شریعت میں سب سے اوّل درجہ حجۃ و استدلال عظمت و ادب میں کلام الٰہی کا ہے اور اُسکے بعد حدیث نبویؐ کا۔ کلام الٰہی کی تدوین موجودہ صورت میں اوّل ہی مکمل طور پر ہوچکی تھی اور اس وجہ سے اُسمیں اختلاف کی گنجایش باقی نہیں رہی تھی۔ اور اُسکے بعد ہر طبقہ میں تواتر روایت نے اُسکے اندر کسی قسم کی تحریف و تبدیل یا تبدل و تغیر الفاظ و حرکات و سکنات سے بالکل مطمئن کر دیا تھا۔ مگر احادیث کی حالت اس سے مختلف تھی۔ ادھر شریعت کے احکام کا اکثر و بیشتر حصہ احادیث سے متعلق۔ ادھر اُس زمانہ خیر و برکت میں اسکی تدوین نہ ہوئی بلکہ

بلکہ برعکس ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ زبان مبارک سے احکام الٰہی سُنکر اقطار عالم میں پھیل گئے۔ اسوجہ سے علماء اسلام کو احادیث کی صحت وسقم ضعف وقوت معتبر وغیر معتبر ہونے کے لئے روایت ودرایت تنقید وتحقیق کے وہ اصول قائم کرنے پڑے جنکے تسلیم سے عقل سلیم کبھی انحراف نہیں کر سکتی۔ یہ وہ قواعد ہیں جنسے بہتر نہ دوسرے قواعد مرتب ہوسکتے ہیں اور نہ اُن پر پابند ہونیکے بعد صحیح وغیر صحیح ضعیف وقوی میں کبھی اشتباہ رہ سکتا ہے۔

یہ فن چونکہ شریعت اسلامی کا ضروری اور لازمی جزو تھا جسپر اُنکے مذہبی اقتدار کا مدار تھا اسلئے حاملان شریعت (علماء ربانیین) کی ایک بڑی اور مقتدر جماعت نے حدیث کی تدوین کا کام سنبھالا۔ راحت وآرام کو ترک کیا۔ گھر سے بے گھر ہوئے۔ ایک ایک لفظ کیلئے جنگل جنگل شہر شہر پھر کران قیمتی جواہر کو جمع کیا اور اس طرح متفرق احادیث کو تدوین کی صورت میں لاکر مجتہدین وفقہاء کے ہاتھ میں ایسا مکمل مجموعہ دیدیا جس سے استخراج احکام اور تدوین فقہ وکلام میں اُنکو نہایت سہولت ہوگئی۔ فقہ وحدیث چونکہ دونوں علحدہ اور مستقل علم تھے اِسلئے علماء اسلام میں دو برگزیدہ اور مقتدر جماعتیں محدثین وفقہاء کی قابل اقتداء شمار ہوئیں۔

محدثین کے حالات اُنکی قوت حافظہ اور وسعت روایت احتیاط وحزم اور روایات احادیث کے بارہ میں غایت باریک بینی پر نظر کیجاتی ہے تو ہماری حیرت اور استعجاب کی انتہاء نہیں رہتی محدثین کے حالات اور علم حدیث کی خیر وبرکت کا اندازہ کرنے کیلئے بطور نمونہ امام بخاری کے بعض حالات بیان کردینے کافی معلوم ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے وہ زمانہ پایا کہ علم حدیث کا چاند منتہائے عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ ہزارہا امام فن ایک سے ایک اعلیٰ موجود تھے۔ ایسے وقت کسی کا چراغ جلنا۔ یا مقبولیت وشہرت کا حاصل ہونا دشوار اور سخت دشوار امر تھا۔ کیونکہ محض دعوے سے کوئی شخص محدث وحافظ نہ بن سکتا تھا امام بخاری کو قدرت نے اُس علم کی امارت وریاست کیلئے انتخاب کیا تھا۔ "امیر المومنین فی الحدیث" کا خطاب درگاہ باری سے ازل میں اُنکے لئے تجویز ہوچکا تھا۔ جسکو دنیا کی تمام عقول سلیمہ اور قلوب مطمئنہ نے قبول کرلیا۔ اور کتاب صحیح بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ (کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں میں صحیح تر کتاب) کا معزز اور پُر مغز خطاب دیا گیا۔

امام بخاری ابھی نوعمر ہی تھے۔ ڈاڑھی کا بال تک چہرہ پر نمودار نہوا تھا مگر بڑے بڑے محدث انکی شاگردی کو فخر سمجھتے تھے۔ ابوبکر اعین لکھتے ہیں ہمنے بخاری سے اُس زمانہ میں روایت کی جبکہ اُنکے چہرہ پر ایک بال بھی نہ تھا۔ طبقات شافعیہ جلد ثانی صفحہ ۳

سلیم بن مجاہد لکھتے ہیں "میں محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُنھوں نے فرمایا اگر ذرا پہلے آتے تو میں ایسا لڑکا دکھلاتا جسکو ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں" طبقات شافعیہ جلد ثانی
کسی شخص نے امام بخاری کے سامنے اسحٰق بن راہویہ کا یہ مقولہ بیان کیا کہ مجھے ستر ہزار حدیثیں ایسی یاد ہیں گویا کتاب میں دیکھ رہا ہوں امام بخاری نے فرمایا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو تم میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جنکو دو لاکھ حدیثیں ایسی ہی طرح محفوظ ہیں۔

محمد بن حمدویہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری کہتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح۔ لیکن اُنھوں نے اسقدر تنقید و احتیاط اور دربارہ روایت اسقدر تشدد سے کام لیا کہ صحیح بخاری میں منجملہ ایک لاکھ حدیث کے صرف سات ہزار سے کچھ زیادہ درج فرمائی ہیں۔
امام بخاری کی نوعمری ہی میں اسقدر شہرت و مقبولیت ہوئی تو ائمہ حدیث میں اس کا چرچا ہو گیا۔ اسی زمانہ میں اُنکو بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ بغداد ائمہ حدیث کا مرکز تھا۔ وہاں کے بڑے بڑے محدث جمع ہو کر امام بخاری کے پاس بغرض امتحان آئے۔ اور سو حدیثیں منتخب کر کے ہر ایک حدیث کے متن کے ساتھ دوسری سند لگادی اور اُن میں سے دس نے دس دس حدیثیں لیکر ہر ایک نے نمبروار امام بخاری سے پوچھنا شروع کیا۔ ایک ایک محدث حدیث کی روایت کرتے جاتے تھے اور امام بخاری سُنکر فرما دیتے تھے میں اس حدیث کو نہیں جانتا یہانتک کہ کل سو کی سو حدیثوں کا انکار کر دیا۔ جو لوگ فن حدیث سے ناواقف تھے اُنھوں نے تو اس انکار کو امام بخاری کی قلت روایت اور عجز پر محمول کیا۔ لیکن واقف کار سمجھ گئے کہ یہ شخص معمولی نہیں ہے امام بخاری نے اس طرح کل احادیث سے انکار کرنے کے بعد ہر ایک حدیث کو اُسی ترتیب سے بیان کرنا شروع کیا جس طرح اُن محدثین نے بیان کیا تھا اور اُن میں سے ہر ایک کو کہا کہ تمنے جو پہلی حدیث بیان کی تھی وہ اس طرح ہے اور دوسری اس طرح۔ یہانتک کہ ہر ایک حدیث کے ساتھ اُسکی اصلی سند کو بیان فرمایا۔ یہ حال دیکھکر سب محدثین نے آپکے فضل و کمال کو

تسلیم کرلیا۔ اور اُن کے اسی کمالِ حفظ کا نتیجہ تھا کہ بعض محدّثین نے یہانتک فرمادیا کہ بخاری اسحق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل سے علم حدیث میں بیس گُنا بڑھے ہوئے ہیں۔

امام بخاری کی وفات ہوئی تو قبر میں سے بہت دنوں تک مُشک کی خوشبو مہکتی تھی اور لوگوں نے قبر سے آسمان تک سفید ستون دیکھے۔ لوگ قبر کی مٹی بغرض تبرک اس کثرت سے اُٹھا کر لیجاتے تھے کہ جسقدر مٹی ڈالی جاتی تھی وہ سب اُٹھا لیتے تھے۔ قبر پر پہرہ مقرر کیا گیا مگر کچھ مفید نہوا۔ مجبوری قبر کے گرد جالی دار کٹہرہ لگا دیا گیا۔

زمانہ سلف میں ہر فقیہ و محدث کا گھر۔ محلہ کی مسجد۔ مدرسہ اور دار الحدیث تھا۔ ایک ایک محدث کے گرد پروانہ وار ہزار ہا راویان حدیث جمع ہوتے اور اپنے دامنوں کو ان قیمتی جواہر سے بھر کر آئندہ نسلوں کے لئے ذخیرہ جمع کرتے تھے۔

حدیث کی طرف رغبت و شوق کا یہ حال تھا کہ فتنۂ خلق قرآن فرو ہو جانے پر خلیفہ متوکل باللہ نے محدثین کو روایاتِ حدیث کی عام اجازت دیدی تو مدینۂ منصور میں عثمان ابن ابی شیبہ کو تخت پر بٹھلایا گیا اور تیس ہزار طالبان حدیث اُنکے گرد جمع ہوگئے۔

لیکن جب زمانہ نے پلٹی کھائی اور حاملان ملّت نے نیشاپور و بغداد وغیرہ میں مدارس کا باقاعدہ اجراء کیا تو جس طرح ہر فن کیلئے جُدا جُدا شیخ ہوتے تھے اسی طرح علم حدیث کیواسطے بھی شیخ الحدیث کا عہدہ مقرر تھا۔ چھٹی صدی کے نصف تک علم حدیث کیلئے کوئی مستقل درسگاہ نہیں بنائی گئی لیکن علم حدیث کی وقعت اور عظمت اور اُسکی ضرورت اسکی طرف داعی تھی کہ علم حدیث کیلئے بھی مستقل درسگاہ بنائی جائے۔

اِس کمی کو پورا کرنا ایک ایسے بادشاہ کے حق میں لکھا ہوا تھا جسکا رتبہ دنیا بھر کے سلاطین سے اوّل نمبر پر ہے۔ ملک عادل نور الدین بن عماد الدین اتابک زنگی جسکے اوصاف و کمالات کی نظیر سلاطین میں تو کیا علماء و فقراء میں بھی ملنی دشوار ہے۔ اُسکی نسبت علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں:۔ قد طالعت تواریخ الملوك المتقدمین قبل الاسلام وفیه۔ فلم أر بعد الخلفاء الراشدین وعمر بن العزیز

(ترجمہ) میں نے اسلام کی اور اسلام سے پہلے کی تواریخ دیکھیں لیکن خلفاء راشدین اور عمر بن عبد العزیز کے بعد کسی کو

احسن سیرۃ من الملک العادل نور الدین۔ | ملک عادل نور الدین سے بہتر خصائل کا نہیں دیکھا۔

نور الدین حنفی المذہب اور بغایت متبع سنت تھا اُس نے بہت سے اسلامی مدارس خانقاہیں مسافر خانے بنائے۔ اور اُسکے روشن کارناموں میں جہاں دار العدل اور مشہور عالم بیمارستان (شفاخانہ) کی بنیاد نظر پڑتی ہے۔ وہیں دار الحدیث کے اجراء کا فخر بھی اُسکے لئے مخصوص نظر آتا ہے۔ نور الدین نے دمشق میں دار الحدیث قایم کیا اور اُسکے لئے لاکھوں روپیہ کی آمدنی کی جائداد وقف کرکے مدرسین اور طلبہ کیلئے بیش قرار تنخواہیں اور وظیفے مقرر کئے۔

دار الحدیث دمشق کے بعد دوسرا دار الحدیث مصر قاہرہ میں ملک کامل ابن ملک عادل ابن ایوب یعنی سلطان صلاح الدین کے بھتیجے نے قائم کیا۔ کتاب الخطط میں مقریزی نے اور حسن المحاضرہ میں علامہ سیوطی نے صاف اقرار کیا ہے کہ دُنیا بھر میں سب سے پہلا دار الحدیث دمشق میں نور الدین نے اور دوسرا دار الحدیث مصر میں ملک کامل نے قایم کیا۔ اور اس کے بعد دار الحدیث اشرفیہ وغیرہ قایم ہوئے۔ ان دار الحدیثوں میں شیخ الحدیث کا عہدہ اُن ہی کو ملتا تھا جو اپنے زمانہ میں فن حدیث کے اندر ممتاز و مقتدا مانے جاتے تھے اور یہ عہدہ علما کیلئے بہت بڑا معزز اور قابل فخر عہدہ سمجھا جاتا تھا۔

ہمارے سابق بیان سے معلوم ہوگیا کہ اُس زمانہ میں بھی جبکہ ہر بادشاہ بادشاہزادی اور امراء سلطنت یہانتک کہ خواتین بھی اپنے اپنے نام سے مدارس دینیہ قایم کرتے تھے اور ممالک اسلامیہ میں بے شمار مدارس ہر قسم کے کُھلے ہوئے تھے دار الحدیث کو ایک خاص وقعت اور اہمیت حاصل تھی اور اس کثرت مدارس کے وقت دار الحدیث زیادہ نہ تھے۔

ہندوستان میں باوجود اسقدر وسیع ملک ہونے کے مدارس کی وہ کثرت ہرگز نہیں ہوئی جو مصر و شام بغداد و نیشاپور۔ ہرات و خوازرم وغیرہ میں نظر آتی تھی۔ اور دار الحدیث کے نام سے تو جہانتک ہمارا علم ہے کوئی مدرسہ قائم نہیں کیا گیا۔ روایت اور سند حدیث کا وہی قدیم طریقہ مروج تھا یہ تو اُس زمانہ کا حال ہی جبکہ ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم تھی لیکن

لہ جسمیں سلطان بذات خود اُن مقدمات کا فیصلہ فرماتا تھا جو رؤسا اور ذی اقتدار لوگوں سے متعلق ہوتے تھے ۱۲

جب سے کہ ہندوستان میں چندہ کے مدارس کی کثرت ہوئی اُسوقت سے بھی خاص دارالحدیث کسی جگہ قائم نہیں ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ دیوبند کو اپنی قدامت اور عظمت کے اعتبار سے جو کچھ مقبولیت و شہرت حاصل ہے ظاہر ہے۔ یہ مدرسہ اہل سنت حنفی المذہب جماعت کا خالص دینی مدرسہ ہے اور اُس میں تمام فنون کی اعلیٰ اور مکمل تعلیم ہوتی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اس مدرسہ میں علم حدیث کا خاص اہتمام ہے جسکی وجہ سے اسکو اکثر مدارس پر شرف و فوقیت حاصل ہے۔ اقطار ہندوستان کے طلبہ علم حدیث کی سند کیلئے یہاں آتے ہیں اور دوسرے مدارس کے بعض فارغ التحصیل طلبہ صرف فن حدیث کی تکمیل کیلئے دیوبند آتے ہیں۔ شیخ الحدیث جو صدر مدرس کے لقب سے ملقب ہوتے ہیں خوش قسمتی سے ہمیشہ وہی بزرگ رہے ہیں جو اپنے زمانہ میں امام فن اور یگانہ مانے گئے ہیں۔

مگر باینہمہ مدرسہ میں دارالحدیث مستقل نہ تھا۔ اب یہ ارادہ کرلیا گیا کہ فن حدیث کی تکمیل کیواسطے دارالحدیث مستقل بنایا جاوے اور اُسمیں علم حدیث کے تمام شعبوں کی پوری تکمیل کرائی جاوے۔ اور جس طرح دنیا میں سب سے پہلے ایک حنفی المذہب بادشاہ نے دارالحدیث کی بنیاد ڈالکر قابل تقلید مثال قائم کی۔ اسی طرح اس آخری زمانہ میں حنفی المذہب جماعت کی طرف سے (جسکے سردار حلقہ اور مقتدا حضرات خاص طور سے ہمیشہ سے اس خدمت میں مشغول رہے ہیں) فن حدیث کی تکمیل کیلئے مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں دارالحدیث کی مستقل شاخ قایم کیجائے۔

اور اس خیال کی تکمیل کیلئے یہ ارادہ کرلیا گیا ہے کہ بالائے مدرسہ کی جملہ درسگاہیں یعنی درسگاہ کلاں جسکا تخمینہ پندرہ ہزار کا کیا گیا ہی معہ ہر دو درسگاہ شمال وجنوب دارالحدیث کے نام سے موسوم کیجاویں۔

علم حدیث کی عظمت اور شرافت اور مسلمانوں کے دلوں میں اُسکی محبت کے بیان کے واسطے عبارت آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں حدیث کی محبت اور وقعت مرکوز ہے

اوّل تو اس وجہ سے کہ شریعت کے بہت سے احکام حدیث سے مستنبط و ماخوذ ہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ علم حدیث میں جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو بجنسہٖ ضبط کرنیکی کوشش کی گئی ہے۔ اور اُسکی حفاظت کا سامان ۔صحیح کو غیر صحیح سے متمیز کرنیکا اہتمام کیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کونسا مسلمان ہے جو دارالحدیث کی تعمیر کا نام سُنے اور اُسکے قلب میں غیر معمولی حرکت اور جوش پیدا نہو۔

یہی وجہ ہے کہ القاسم نمبر ۱۲ متعلق ماہ رجب ۱۳۲۹ھ میں بعنوان "یوم مسعود" دارالحدیث کے بنیادی جلسہ کی کیفیت دیکھکر مسلمانو کو اُسکے جلد مکمل کرنیکی فکر ہوگئی۔ جہانتک بھی اطلاع ہوتی جاتی ہے دارالحدیث کی امداد کا خیال وسیع ہوتا جاتا ہے جسکو دیکھتے ہوئے خداتعالیٰ کے فضل سے قوی اُمید ہوتی ہے کہ دارالحدیث کی تکمیل کیلئے جسقدر روپیہ مطلوب ہے انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد وصول ہوجائیگا۔

مسلمانوں کی رغبت اور شوق کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اس بے نظیر کارخیر کا کوئی ایک ہی شخص متکفل ہوجائے اور عام چندہ دینے والی شرکت سے محروم رہیں اسلئے اُنھوں نے اسقدر عجلت کی کہ جس روز "القاسم" پہنچا اُسی روز دارالحدیث کا چندہ بھیجدیا اور لکھدیا کہ اس خیال کی وجہ سے بعجلت تمام روپیہ بھیجا جاتا ہے۔

اس سے بھی بڑھکر مسلمانوں کے دلی شوق و رغبت کا پتہ دینے والی (اور اس بات سے آگاہ کرنے والی کہ مسلمانوں کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کسقدر محبوب ہے اور اُنمیں کا ہر فرد آپ کے معظم و محترم نام پر جان و مال فدا کرنیکو تیار ہے) یہ خبر ہے جس کو سنکر یقین ہی کہ ہر دل میں ایک نئی قسم کی حرکت پیدا ہوجائیگی کہ دارالحدیث کی تعمیر اور جلسۂ بنیاد کی خبر دیکھکر بعض اہل خیر حضرات کو یہ خیال ہوا کہ دارالحدیث میں جناب رسول کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم کے نام مبارک کی طرف سے چندہ دیں۔ اُنھوں نے اس قسم کا چندہ دینے کے ساتھ ہی یہ بھی آرزو ظاہر فرمائی کہ اس مد میں سب سے پہلے اُنکا نام لکھا جاوے کیونکہ اس بارہ میں سبقت کرنے والے وہی ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ ایسی مثال قائم کی گئی ہے جسکی تقلید سب مسلمانوں کو کرنی چاہئے دار الحدیث کی تعمیر فی حد ذاتہ خود بڑی باعظمت ووقعت بات ہے۔ لیکن اُسمیں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک سے روپیہ لگایا جائے تو دینے والے کا اجر اور دار الحدیث کی عظمت اضعاف مضاعف بڑھ جاویگی۔

دار الحدیث کی تعمیر کے متعلق اسقدر عرض کردینا ضروری ہے کہ جلسہ سنگ بنیاد کے بعد جناب مولوی سیّد عاشق حسین صاحب اسٹیٹ انجنیر بہاولپور خاص اُسکے متعلق نقشہ وغیرہ تجویز کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے آپنے اُسکی تعمیر کے متعلق بعض نئے مشورے دئے ہیں۔ جنپر عمل کرنیکی صورت میں مکان دار الحدیث کی صورت اور تخمینۂ تعمیر میں فرق ہوگا۔ بعد استقرار رائے اسکی مفصل کیفیت شائع کی جاویگی۔

امداد مدرسہ عالیہ دیوبند

غیر معمولی عطیہ

(۵)

عالیجناب حاجی عبد الرحیم صاحب رئیس بسی علاقہ پٹیالہ کو مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے ساتھ خالص اور سچی ہمدردی ہے۔ آپ نے جلسہ دستار بندی کے موقع پر خاص طور سے امداد فرمائی تھی۔ اور اُسکے کچھ عرصہ بعد بلا کسی تحریک کے مبلغ ایکہزار روپیہ عطا فرماکر بیش از بیش توجہ و ہمدردی کا ثبوت دیا۔ جزاھم اللہ وکثر فی المسلمین امثالھم۔

(۶)

القاسم نمبر ۱ جلد ۱ میں جمال النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کے گرانقدر عطیہ مبلغ دو ہزار روپیہ تذکرہ ہو چکا ہے۔ اُسی سلسلہ میں یہ اظہار کیا جاتا ہے کہ جناب مولوی بشیر الدین احمد صاحب نے علاوہ دو ہزار سابق کے مالعہ اور ارسال فرمائے ہیں۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ

سلسلہ کے لئے القاسم ماہ شعبان نمبر۱۲ جلد ۱ ملاحظہ ہو

آپ بحکم ربّ العلمین تمام عالم کی اصلاح و ہدایت کے لئے اس عالم میں بھیجے گئے اور اعلیٰ درجہ کا فیض امانت اور نور ہدایت آپ کے ساتھ ساتھ ایسا ہی تھا جیسا آفتاب کے ساتھ نور تو اس نور ہدایت اور اس برکت و امانت سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وہی حصہ ملا جو نور آفتاب سے کو اکب اور آئینہ مجلا و مصفیٰ کو ملتا ہے حضرات صحابہ میں باہم فرق مراتب ہو مگر اور کوئی اس کمال میں اُنکا ہم پلہ نہیں جن لوگوں کی نظر صرف ریاضات و مجاہدات و اعمال صالحہ پر قاصر رہی اُنکو بالبداہتہ ایسے شکوک پیش آئے کہ جن سے فضلیۃ صحابہ کو کما حقہ تسلیم نکر سکے اور جنکی نظر غایران تمام کمالات کے اصل یعنی ملکۂ امانت تلک پہنچی اُنکو افضلیت صحابہ کی تسلیم کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی اور جب حضرات صحابہ کو صفت امانت میں سب امۃ سے افضل مانا جائیگا تو حسب معروضہ سابق اُنکے ایمان کو بھی تمام مومنین کے ایمان سے اعلیٰ اور اکمل کہنا ہوگا ہاں اگر کوئی شخص ریاضات شاقہ یا عبادات بدنی و مالی یا علم جزئیات شرعیہ میں کسی صحابی سے بڑھ جائے تو اسکے تسلیم کرنے میں کوئی تامل اور دُشواری نہیں۔

مگر یہ فوقیت حضرات صحابہؓ کے کمال کے مقابلہ میں ایسی ہے کہ کسی قوی البصر گوشہ نشین کو تو مشاہدہ جزئیات مختلفہ کی نوبۃ کم آئے اور ضعیف البصر سیاح دایر سایر کو جزئیات مختلفہ کثیرہ کا مشاہدہ میسر ہو تو ادنیٰ صاحب عقل بھی مشاہدۂ جزئیات کثیرہ کی وجہ سے اس ضعیف البصر کو ہرگز قوت بصر میں اُس قوی البصر پر ترجیح ندیگا بلکہ قوۃ بصر میں باوجود قلت مبصرات شخص اوّل ہی کو فایق و افضل سمجھیگا۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ ایمان اور تمام اعمال صالحہ کا وجود و عدم اور کمال و نقصان بلکہ امانت کے وجود و عدم اور کمال و نقصان کے ساتھ وابستہ ہے تو ارباب فہم بلا تامل

تسلیم کرینگے کہ کفر اور تمام اعمال بد کا وجود و عدم ضد امانت یعنی فتنہ کے وجود و عدم پر اسی طرح موقوف سمجھا جائیگا جیسے ہدایت کے وجود و عدم کو علم کے وجود و عدم پر موقوف کہنے سے ضلالت کے وجود و عدم کو جہل کے وجود و عدم پر موقوف کہا جاتا ہے۔

اور اسی پر کیا موقوف ہے جنکو عقل سے کچھ بھی لگاؤ ہے وہ ایک ضد کی حالت سمجھ لینے سے بے تکلف دوسری ضد کا حال معلوم کر لیا کرتے ہیں۔

تو اب کوئی صاحب فہم و انصاف حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے افضل الامۃ ہونے میں انشاء اللہ متأمل نہوگا کیونکہ صفت امانت اور برکات نبوت میں جو کہ جملہ امور ایمانی کی اصل ہے حسب معروضہ سابقہ حضرات صحابہ کا نمبر سب سے اول اور افضل ہے۔ اور جب حضرات صحابہ کی افضل الامۃ ہونیکی لم اور علۃ معلوم ہوگئی۔ تو اب یہ بھی واجب التسلیم ہوگا کہ جسکی صفت امانت فاسد و خراب ہوگی اُس سے زیادہ ایمان سے محروم اور بدنصیب کوئی نہوگا بلکہ اُس کا ناقص الایمان اور بدترین خلائق ہونا ایسا ہی مسلم ہوگا جیسا حضرات صحابہ کا افضل الامۃ اور اکمل المومنین ہونا واجب التسلیم ہے گو وہ کیسا ہی صاحب کمال و عقل سمجھا جائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ امانت سے ضروری اور بہتر اور فتنہ سے زیادہ مضر اور بدتر ہمارے حق میں دوسری چیز نہیں ہوسکتی اور جس زمانہ میں امانت کا غلبہ ہوگا وہ زمانہ خیر القرون اور جس زمانہ میں فتنہ کا غلبہ ہوگا وہ زمانہ شر القرون کے خطاب کا مستحق ہوگا یہی وجہ ہے کہ ہمارے مربی اوّل رؤف و رحیم۔ بشیر و نذیر نے جیسا ہدایت کے دونوں ارکان یعنی علم و امانت کی حقیقت اور اُنکی ضرورت و منفعت پر ہمکو طرح طرح سے مطلع فرمایا ایسا ہی اُن دونوں ارکان کی ضد یعنی جہل و فتنہ کی اصلیت اور اُنکی خرابی و مضرت سے ہمکو آگاہ فرمانے میں ہر قسم کی تاکید اور تنبیہ سے کام لیا جو حضرات کتب علم وحی کی ورق گردانی کرتے رہتے ہیں اُنکو میری تصدیق میں تامل نہوگا اُن ارشادات کے ملاحظہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اُس جہالت و ضلالت کے زمانہ میں کہ جو جہالت و ضلالت میں اپنا نظیر نرکھتا تھا اپنی رحمت سے قلوب بنی آدم میں مضمون امانت کو القا فرمایا اور اپنے بندۂ خاص سرآمد جملہ خواص کو بھیجکر اسکے فیض و برکت سے مضمون امانت کو وہ ترقی عطا فرمائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ کا کچھ

ہوگیا اور زنگ خوردہ قلوب کو ایسا مجلی اور مصفی کردیا کہ بھلے برے کی تمیز گویا آنکھوں سے سب کو محسوس ہونے لگی اور قلوب انسانی کو ہر طرح سے قابل قبول ہدایت بناکر علم وحی یعنی قرآن وحدیث سے مالا مال کرنا شروع کردیا جسکے فیض سے وہی افراد کہ جنکو جاہل کافر مشرک گمراہ کہا جاتا تھا چند روز میں رئیس الموحدین اور راس المتقین اور امام الاصفیا والصالحین نظر آنے لگے اور جنکی وجہ سے شرک وضلالت میں وہ زمانہ بے نظیر شمار ہوتا تھا آج ہم انہین کے طفیل سے ہدایت وسعادت میں کسی زمانہ کو اسکا ہم پلہ نہیں کہہ سکتے بلکہ آیندہ کو بھی امید نہیں کرسکتے اسکی مثال بالکل ایسی سمجھنی چاہیئے جیسے اوّل زمین کو قابل زراعت بنایا جاتا ہے پھر اسمیں تخم ریزی کرتے ہیں جسقدر زمین قابل اور تخم ریزی کامل ہوگی اسیقدر زراعت اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور ان دونوں جزو میں جتنی خرابی اور کمی ہوگی اسی قدر زراعت میں خرابی و نقصان ظاہر ہوگا ایسے ہی جس زمانہ جس گروہ میں علم وامانت جسقدر کامل ہونگے اسیقدر رہدایت وخیریت ان میں کامل ہوگی اور جس ملک اور جس زمانہ اور جس قوم میں جسقدر علم وامانت میں نقصان ہوگا اسی قدر ان میں خرابی اور برائی اور گمراہی کا ظہور ہوگا۔

اسی کے ساتھ اس بشیر ونذیر عالم علوم اولین وآخرین نے خوب سمجھا دیا کہ یہ خیریت جو میرے زمانہ میں ہے ہمیشہ قایم نرہیگی بلکہ کچھ عرصہ کے بعد علم وامانت میں خلل آنا شروع ہوجائیگا اور رفتہ رفتہ جہل کا غلبہ اور فتنہ کا تسلط قلوب بنی آدم پر پورا پورا ہوجائیگا اور علم و امانت کے خراب ہوجانے کے بعد تمام خرابیں میری امت میں عام اور شائع ہوجاوینگی اور تحریف کتاب اللہ اور تغیر احکام خداوندی اور ہر قسم کی بداعمالی اور فسق وفجور میں یہود ونصاریٰ اسے کم نرہینگی اور تمام گمراہی اور بداعمالی کی اصل اصول یعنی فتنہ کی تشریح خوب واضح فرمادی اور فتنہ کے جملہ اقسام ظاہری وباطنی خاصہ اور عامہ متعلقہ ملک وملت سب کو ایسا ظاہر فرمادیا کہ آج ہمکو اپنی حالت دریافت کرنے کیلئے اپنے گریبان کی طرف سر جھکانیکی بھی حاجت نہیں۔ اور ابنائے زمانہ کی بڑی بڑی تحقیقات اور سلف صالحین اور علمای راسخین پر انکے کڑے کڑے اعتراضات اور احکام شرعیہ سے انکے بڑے بڑے اختلافات اور اسپر انکے مداحین کے عظیم الشان عطا کردہ خطابات سب کو دیکھکر اور سنکر بجز اسکے کہ ارشادات نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی

تصدیق آنکھوں سے اور کانوں سے محسوس ہونے لگی بحمد اللہ اور کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا۔

اہل علم و فہم کو معلوم ہے کہ جہل مرکب اور علم میں اور امانت و فتنہ میں باہم امتیاز کرنا دشوار ہے جو ہر ایک کا کام نہیں مگر حسب معروضات سابقہ پیروانِ قرآن و حدیث اور متبعان احکام خدا و رسول کو اسمیں اسقدر سہولت ہے کہ کوئی دقت ہی نظر نہیں آتی ہمارے اعمال کیسے ہی برے ہوں مگر قرآن و حدیث کے ہوتے ہمکو دربارۂ علم و امانت کسی مغلطہ میں مبتلا ہونیکی بحمد اللہ کوئی وجہ نہیں۔

مثلاً ہم جب یہہ دیکھینگے کہ کوئی مدعی عقل و علم قرآن و حدیث کا کسی امر میں دیدہ و دانستہ خلاف کر رہا ہے یا کوئی ناواقف اپنی خودرائی اور عقل کے زور سے احکام شرعیہ میں دخل دیتا ہی تو ارشاد رسول علیہ السلام ان من العلم لجهلا (ترجمہ) بعض علم تو سراسر جہل ہوتا ہے۔ اور اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا (ترجمہ) لوگ جاہلوں کو سردار بنالینگے پھر ان سے مسئلے پوچھے جاوینگے تو وہ بلا علم کے فتوی دیکر خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ دیکھکر ہم بلا تو رہ اسکو جاہل اور ضال و مضل سمجھنے اور کہنے پر ماموراور مستعد ہونگے اور اسکے فتوے کو واجب الرد اعتقاد کرینگے۔

اور جب کوئی ہمکو قرآن و حدیث کے متعلق ایسے مضامین سمجھائیگا کہ نہ ہمنے کبھی سُنے نہ ہمارے اکابر نے تو حسب ارشاد رسول کریم۔ يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الاحاديث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم۔ (ترجمہ) آخر زمانہ میں بہت سے جھوٹے دجال نکلینگے جو تمکو ایسی باتیں سُنائینگے کہ نہ تمنے کبھی سُنی ہونگی نہ تمھارے باپ دادانے۔ ایسے لوگوں سے بچتے رہنا کہیں تمکو گمراہ نکردیں اور فتنہ میں نہ مبتلا کردیں۔

ہم بیشک اسکے اقوال سے اجتناب اور نفرت کرینگے اور اُس کو گمراہ کرنیوالا اور فتنہ میں ڈالنیوالا بالیقین خیال کرینگے اور اسکو صاحب علم و صاحب امانت تو وہی کہہ سکتا ہی جو خود پورا جاہل اور پورا مفتون ہو۔

اور اگر ہم کسی کرسی نشین کو دیکھیں کہ وہ اپنے عقلی خیالات سے ہمکو متابعت حدیث سے روکتا ہے اور احادیث کو غیر معتبر بتا کر ہمکو صرف کتاب اللہ کی متابعت کی رای دیتا ہے

توحسب ارشاد مخبر صادق الا انی اوتیت القران و مثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القراٰن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

(ترجمہ) آگاہ ہوجاؤ کہ مجھکو قرآن مجید عطا کیا گیا ہے اور اسکے ساتھ اتنا ہی آور۔ دیکھنا ایک بہت پیٹ بھرا ہوا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا کہیگا کہ تم اس قرآن کو لے لو (اور حدیث وغیرہ کو چھوڑدو) جو کچھ اسمیں حلال پاؤ اُسکو حلال سمجھو اور جسکو حرام پاؤ اُسکو حرام سمجھو حالانکہ خدا کے رسولؐ نے جس چیز کو حرام بتلایا ہے وہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا خدا تعالیٰ کا (قرآن میں) حرام بتلایا ہوا

ہمپر فرض ہوگا کہ ہم اُس مالدار مسند نشین کے کلام کو لغو اور باطل سمجھیں اور ہرگز ہرگز سوائے تردید و ابطال کے اُس کی طرف توجہ بھی نکریں۔

الغرض اس پرآشوب وقت میں جسقدر فتنہ ظاہری و باطنی خاصۃ و عامہ بڑے چھوٹے عالمگیر نظر آرہی ہیں انشاء اللہ ایک بھی ایسا نہوگا کہ جسکی حقیقت اور حالت مخبر صادق جامع علوم اولین و آخرین کی احادیث صادقہ میں موجود نہو۔ احادیث رسول امین کو سرسری نظر سے دیکھکر بھی ہمکو علم و جہل اور امانت و فتنہ میں کوئی التباس کوئی خلجان نہیں پیش آسکتا بلکہ سہولت سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ امر فتنہ کی کس قسم میں داخل ہے اور وہ امر کس قسم میں ہاں جس بدقسمت کو احادیث ہی سے استنکاف اور بیخبری ہو وہ ضرور وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ کا مصداق ہوگا حتی کہ جہل کو علم اور فتنہ کو امانت سمجھیگا سوایسے لوگ جو چاہیں کریں وہ جانیں ہمکو تو صرف یہ بتلا دینا منظور ہے کہ جسقدر امانت ضروری اور مفید امر ہے اُسیقدر فتنہ ہمارے حق میں مضر اور تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور حسب ارشاد رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سلف کا زمانہ جیسا امانت و ایمان و علم و صدق و ہدایت و خیریت کا زمانہ تھا ویسا ہی حسب ارشاد مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ زمانہ ہجوم فتنہ اور فساد امانت اور جہل و ضلالت کا زمانہ ہے اور ارشاد حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔

انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر۔

میں تمہارے گھروں میں فتنوں کو گرتے ہوئے ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے بارش گرا کرتی ہے۔

اور يقبض العلم وتظهر الفتن۔	(ترجمہ) علم ضبط کرلیا جائیگا اور طرح طرح کے فتنے ظاہر ہونگے
اور ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويكثر الجهل۔	(ترجمہ) قیامت کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اُٹھالیا جائے اور جہل کی کثرت ہو۔
اور اذا ضيعت الامانة فانتظر الساعة۔	جب لوگ امانت کھودیجائے تو قیامت کے منتظر ہو بیٹھو۔
اور تعرض الفتن على القلوب كالحصير عودا عودا الخ	جیسے چٹائی میں ایک ایک تیلی لگاتے ہیں اسی طرح یکے بعد دیگرے فتنے دِلوں پر پیش ہونگے۔

وغیرہ ارشادات کا پورا مصداق ہی حتی کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا ہے لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا ما اشرب من هواه یعنی بعض قلوب میں فتنہ اسقدر راسخ ہوجائیگا اور مضمون امانت سے اتنی دور جاپڑینگے کہ شریعت وعلم وعقل سب سے آزاد ہوکر اپنی خواہشات بیہودہ کے ساتھ جس چیز کو موافق دیکھینگے اُسکو معروف اور اچھا سمجھیں گے اور جو چیز اُنکی خواہشات کے خلاف ہوگی اُسکو منکر اور بُرا کہینگے یعنی عقل ونقل و اقوال اکابر سب کو پس پشت ڈالکر صرف اپنی ہوا وہوس کے مقلد اور تابع ہونگے اور اُسی کو مفید اور حق سمجھینگے سو میرے نزدیک اگر چند لمحہ کے لئے ہم گریبان کی طرف سر جھکا کر غور کرینگے تو موجودہ زمانہ میں اس اخبث المراتب کے نظایر ملنے میں بھی غالبًا ہمکو دشواری نہوگی والعیاذ باللہ الرحیم۔

ہمارے مقدس اکابر اسی بدترین حالت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ بعض افراد انسانی اپنی اصل طبیعت سے ملحد مزاج اور ایسی زندیق فطرت ہوتے ہیں کہ ظاہر میں گو کلمۂ اسلام زبان سے کہتے ہیں لیکن خدا ورسول۔ دین ومذہب۔ حساب وکتاب۔ عذاب وثواب۔ دوزخ وجنت وغیرہ امور کا اُنکے دلمیں یقین اور ان امور پر اُنکو وثوق واعتماد نہیں ہوتا صرف نشیب وفراز دنیوی ہی میں سعادت وشقاوت کو منحصر سمجھتے ہیں اور حصول جاہ اور تحصیل مال کو اصلی کمال اور منتہائے پرواز جانتے ہیں وہ عاقل وفہیم اُسی کو سمجھتے ہیں جو تحصیل جاہ ومال میں مشغول ہو اور حکیم ومصلح قوم حتےّٰ کہ ہادی ومقتدا اُسی کو کہتے ہیں جنکو نشیب وفراز دنیوی میں مہارت اور مصروفیت ہو اور جسکو ان امور سے مجتنب اور یکسو پاتے ہیں اُسکو جاہل اور

غبی اور بیوقوف اور نکما خیال کرتے ہیں جو سعی وجانفشانی تحصیل دنیا کا باعث نہو اُس کو بیہودہ اور جو محنت ومشقت وسیلہ حصول اغراض دنیوی نہو اُسکو بی سود تصور کرتے ہیں۔ جو لوگ اتباع انبیاء اور ہادیان دین میں سرگرم ہیں اُنکو بے عقل اور احمق کہتے ہیں اور اقوال وافعال ومعاملات وعادات میں مذہب کی رعایت اور پابندی کو حماقت اور سناہت بتلاتے ہیں طاعت وعبادت میں جانکاہی اور مشقت کو نادانی اور صبر وقناعت اور زہد وتوکل کو دلیل کمزوری اور ناتوانی سمجھتے ہیں احکامات شرعیہ کو رسوم بے اصل سے زیادہ نہیں مانتے اور طرح طرح سے طعن وتشنیع اُسپر کرتے رہتے ہیں۔ مضامین شاعرانہ اور دلایل فلسفیانہ وملحدانہ احکام ربانی کے مقابلہ اور معارضہ میں پیش کرکے ہر طرح سے اُن احکام حقّہ کی توہین اور اُن پر طعن اور تشنیع کرکے عوام کی نظروں میں اُنکی وقعت واعتبار گھٹانیکی سعی کرتے رہتے ہیں اُنکی تحریر وتقریر میں چرب زبانی اور شوخ قلمی کے ساتھ امور شرعیہ اور پابندان شرع پر طرح طرح سے طنز ورمز طعن وتشنیع استہزاء وتلبیس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوتا اور اپنے مخترعات وایجادات کو احکام حقہ شرعیہ پر ترجیح دینے میں مطلق العنانی وبے باکی وچالاکی سے پورا کام لیتے ہیں دنیا کے جزوی اور احتمالی منافع کی اسقدر رعایت واہتمام کرتے ہیں کہ اُنکی وجہ سے احکام مصرحہ قطعیہ شرعیہ کے انکار وتحریف وتاویل کی کچھ بھی پرواہ نہیں کیجاتی اور خم ٹھوک کر فخر ومباہات کے ساتھ احکام حقّہ کی تکذیب وتردید کیجاتی ہے۔

سو اب یہ تو کیا عرض کروں کہ ایسے لوگوں کے حق میں شریعت کیا حکم دیتی ہے اور ہمارے مقدس اکابر نے کیا فرمایا ہے جو طالب حق ہو تحقیق کرلے ہمکو تو اس موقع پر صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ ہمارے مربی اول اور اُنکے سچے جانشینوں نے یہ تمام فتنے اور اُنکے تفصیلی حالات واحکام مشرح بیان فرماکر ہمکو ایسا بے نیاز فرمادیا تھا کہ آج ہمکو اپنے یا کسی دوسرے کی وسعت خیالی اور اختراع عقلی اور رطب اللسانی اور خوش بیانی اور کمال علمی اور دور اندیشی اور دلائل فلسفی اور شواہد ہیئت وطبعی اور طمع مفاد دنیوی وغیرہ دیکھکر یا سنکر سوا اسکے کہ اپنے مقدس ہادی کے ارشادات صادقہ کی تصدیق اور زیادہ

ہوتی بشرط فہم وانصاف ان باتوں کا دوسرا کوئی اثر ہم پر نہو سکتا۔

اس سے زیادہ تعجب خیز کونسا امر ہوگا کہ مربی صادق نے جن باتوں کو تفصیلی و تحقیقی طور سے ہمکو بتلادیا تھا اور اُنکے حالات و احکام پوست کندہ سمجھا دئیے تھے کہ زمانۂ غلبۂ جہل وفتنہ میں ایسا ایسا ہوگا جب آج جبکہ وہ ناپاک امور ہو بہو ہمارے سامنے پیش آئے تو بجائے تصدیق ہمنے یہ کیا کہ جہل کو علم اور فتنہ کو امانت یقین کرکے ارشادات صادقہ مربی شفیق ورحیم کے مقابلہ کے لئے بڑی چستی کے ساتھ کمر باندہ کر کھڑے ہوگئے۔

فنعوذ باللہ من شرور انفسنا وفساد علمنا وامانتنا۔ | (ترجمہ) ہم خدا تعالی سے اپنے نفسوں کی شرارت اور علم وامانت کے فاسد ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور اُس غلبۂ جہل وفتنہ نے ہمکو ایسا مسخ کردیا کہ جملہ احکام ومعاملات ورسوم وعادات وغیرہ شرعیہ کو سٹے کرکے نماز وروزہ حج وزکات جیسی عبادات محضہ اور ارکان اسلامیہ میں بھی صرف ترک ہی پر ہمکو قناعت نہوئی بلکہ یہانتک نوبت پہنچی کہ اپنے علم وعقل کے زور سے ارکان مذکورہ میں بھی کاٹ تراش کرنا اور اُنکی ضرورت اور لزوم میں رخنہ اندازی کرنا شروع کردیا۔ **شعر**

نخوت نگر کہ میخلد اندر دلش زرشک | حرفے کہ در پرستش معبود میرود

جو حضرات مدعیان اسلام خدانخواستہ اس حد تلک پہنچ چکے ہوں کہ جنکی کیفیت بذریعہ حدیث شریف اور ارشاد اکابر ابھی عرض کرچکا ہوں اُنکی خدمت میں تو ناصحانہ ہماری صرف یہ عرض ہے۔ **شعر**

ببال وپر مرواز رہ کہ تیر پرتابی | ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

اور جو حضرات بحمد اللہ اس حد تلک نہیں پہنچے بلکہ اُنکے دل میں اسلام کی صداقت اور محبت اور خیر خواہی باقی ہے مگر اسلام کی صداقت کے ساتھ اپنے علم وعقل ہمت و تدبیر پر بھی پورا اعتماد ہے اور اس وجہ سے اپنی عقل وفہم کے موافق اسلام کی اصلاح اور مسلمانوں کی درستی کرنا چاہتے ہیں اُنکی خدمت میں خیر خواہانہ یہ عرض ہے۔ **شعر**

چو مرد دیں نۂ بانفس کافر برنمے آئی | سکندر نیستی اندیشہ از نیروی دارا کن

ہم مکرر عرض کر چکے ہیں کہ احکام الٰہی میں کسی کی عقل کافی تو کیا دخل دینے کی بھی لیاقت اور منصب نہیں رکھتی۔

اسوقت تلک جو جو ستم و جفا مدعیان اسلام کے ہاتھ سے دین اسلام پر ہو چکا ہے سچے اسلام کی نیست و نابود ہو جانے کیلئے کافی سے بھی زاید ہے چنانچہ ادیان صادقہ گذشتہ مردہ سب اسکی زندہ نظیر ہیں۔ مگر اُسی مربی شفیق اور مخبر صادق نے یہ بھی فرما دیا ہی کہ ہر چند اسلام کے اندر اخیر زمانہ میں سب ادیان سابقہ سے زاید اختلافات و فتنے ظہور پذیر ہونگے مگر حق تعالیٰ کی رحمت سے یہ ہوگا کہ ایک جماعت ہر قرن میں ایسی بھی موجود رہیگی کہ اسلام کی حمایت اور اُسکے احکام کی حفاظت سچے ذریعہ سے کرتی رہیگی اور در بارۂ دین اسلام وہ جملہ اہل باطل پر غالب رہیگی اُنکی وجہ سے احکام الٰہی اور دین اسلام اہل باطل اور اہل فتنہ کے تصرفات سے محفوظ رہینگے جو جو اختراعات اور غلط باتیں ارباب جہالت و فتنہ دین میں وقتاً فوقتاً ملاتے رہینگے اُنکو وہی جماعت قلیل اپنے اپنے زمانہ میں دین حق سے ایسے نکالتے رہینگے جیسے دودھ سے مکھی یا خمیر سے بال۔ اور اہل فتنہ اور اہل ضلالت کا اثر اُنکے متبعین ہی تلک محدود رہیگا اسلام کے خط و خال پر اُسکا اثر نہ آنے پائیگا اور اُسی غریب جماعت کی حمایت سے باذن اللہ دین اسلام اخیر تلک اپنی اصلی حالت پر محفوظ رہیگا سو یہ محض حق تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسکا مشاہدہ برابر ہو رہا ہے اور کسی دین کو نصیب نہیں ہوا اگر گوش حقیقت نیوش ہو تو غریب اسلام آج اپنے دانا دشمن اور نادان دوست کو (یعنی اُنہیں دونوں قسم کی جماعتوں کو جنکا ابھی ذکر ہو چکا ہے) خطاب کر کے باواز بلند کہہ رہا ہی۔

شعر۔ قتل این خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ۔ ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود +

اِس پر طرہ یہ ہے کہ اُس غریب باخبر جماعت سے جیسے احکام شرعیہ اور علوم مذہبی اسلامی کی حفاظت اور حمایت کرائی جاتی ہے ویسے ہی اُس جماعت کو اُس فیض و برکت میں سے اپنے اپنے درجہ کے موافق حصہ عنایت کیا جاتا ہے جو حسب معروضات سابقہ ہمارے مربی مقدس اور ہادی اوّل کے ہمراہ تھا اور جس فیض و برکت کا اثر قلوب بنی آدم میں پہنچکر موجب ہدایت عامہ خلق اللہ ہوا تھا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ہدایت کے وہی دو رکن اعظم کہ جنکا نام علم وحی اور صفت امانت تھا اُن دونوں میں سے ہر زمانہ میں اُس جماعت موصوف کو درجہ بدرجہ حصّہ عنایت ہوتا ہے اور اُن سے نیابت رسول اور ہدایت مخلوق کا کام لیا جاتا ہے اور جیسے وہ حضرات علم وحی کے عالم ہوتے ہیں ویسے ہی اُنکی مجالست اُنکے قرب اُنکے تعلق اُنکی محبت سے کیفیت امانت دلوں میں ظاہر اور ترقی پذیر ہوتی ہے اور یہی حضرات رسول کے سچے نایب اور علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کے واقعی مصداق ہوتے ہیں اِنہیں نفوس قدسیہ کی ہمت و برکت سے بقای دین و ایمان اور اِنہیں کی فیض و حمایت سے جہل و فتنہ کی روک تھام ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ حق سبحانہ کا اتنا بڑا انعام ہے جسکی قدر وہی جان سکتا ہے جسکو مرتبۂ نبوت کی عظمت اور انبیاء کرام کے کمالات کی حقیقت کما حقہ معلوم ہو ورنہ جن افراد زمانہ کے قلوب میں خود انبیاء کرام ہی کی کل حقیقت یہ ہے کہ نبی مصلح قوم کا نام ہے تو اُن کی آنکھوں میں بیچارہ غریب نائبوں کی کیا وقعت ہوسکتی ہے فالی اللہ المشتکی من جور الفتنۃ والھویٰ۔

الحاصل وہ علم وحی اور امانت کہ جو ایمان اور اُسکی تمام اصول و فروع کے لئے مبنی اور موقوف علیہ تھی اُسکی تعلیم و تحصیل میں حسب بیانات سابقہ پوری وسعت اور سہولت فرمائی گئی اور حسب ارشادات نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام تا بقیامت اُس کا ایسا انتظام فرما دیا گیا کہ باوجود غلبۂ جہل و ضلالت اور باوجود کثرت فتنہ اور عدم امانت ان ہر دو کمال کا سلسلہ کسی حالت اور کسی وقت میں منقطع نہونے پاوے فالحمد للہ کما ینبغی لجلال وجھہ و نعظم سلطانہ۔

مگر اسی کے ساتھ اہل اذہان صافیہ اسکو بھی تسلیم کرلینگے کہ جیسا ان نائبان رسول کے ذریعہ سے اہل عالم کو اپنے اپنے تعلق اور مناسبت کے باعث علم وحی اور فیض امانت پہنچتا ہے اسی طرح پر اُن لوگوں کی وجہ سے کہ جنکے وقتاً فوقتاً آنیکی آپنے خبر دی ہی اور اُنکو امام فتنہ اور دجال اور کذاب فرمایا ہے اُنکی مجالست اُنکی محبت اور مناسبت سے ضرور بہت سے افراد کے قلوب میں اپنی اپنی لیاقت کے موافق جہل و فتنہ اور شر و ضلالت کا اثر ظاہر اور ترقی

پذیر ہوگا۔ یضل من یشاء و یھدی من یشاء۔

چنانچہ یہ دونوں اثر ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں جنکی تصدیق میں کوئی صاحب فہم وانصاف متأمل نہو گا۔

ہم اپنی غفلت اور ہوا و ہوس کے نشہ سے متنبہ ہوکر انصاف سے دیکھ لیں کہ اہل علم و امانت اور ارباب فتنہ وضلالت کے بارہ میں جو حضرت نبی کریم اور مربی رحیم نے ہمکو باتیں بتلائی ہیں وہ آج صاف صاف اپنے اندر اور دیگر حضرات کے اندر آنکھوں سے کھلے طور پر ہمکو نظر آتے ہیں یا نہیں جسکے ملاحظہ کے بعد ہمکو ایمان و کفر۔ علم و جہل۔ امانت و فتنہ کی شناخت میں کوئی دشواری نہیں ہاں ہم دیکھنا ہی نچاہیں یا دیکھکر بھی اپنی سینہ زوری کئے جاویں تو اسکا علاج کوئی نہیں کرسکتا لیکن حق تعالی کے یہاں سب کا علاج ہے اور سب کو معلوم ہے جو اُسکا یقین اب نہیں کرتا عنقریب مجبوراً کرنا پڑیگا۔

حضرت فخر الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام سے کسی نے ایمان کی علامت پوچھی یعنی ایمان ظاہری کی نہیں بلکہ ایمان اصلی حقیقی کی جو کہ قلب کے متعلق ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا اذا سرتك حسنتك وساءتك سیئتك فانت مومن۔ یعنی نیک کام کرکے تیرے دل میں مسرت ہو اور بُرا کام کرکے دل بُرا ہو تو تو مومن ہے۔ اب ہم کم سے کم اپنے ایمان قلبی کو کہ جسکا معلوم کرنا جاننے والے جانتے ہیں کہ کسقدر دشوار ہے اسی کسوٹی پر کھینچکر دیکھ لیں کہ کھرا ہی یا کھوٹا اور کسی امر میں حق تعالی کی اطاعت اور اُسکی عبادت کرنے سے ہمکو مسرت ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو کسقدر علی ہذا القیاس گناہ کرکے ہمارا دل بُرا ہوا یا نہیں اور ہوا تو کسقدر جسکے ذریعہ سے ہم اپنے ایمان کی قوت وضعف وجود و عدم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ اور اسی ارشاد سے ہماری سمجھ میں بخوبی یہ بھی آگیا کہ اگر کوئی ایسا ہو کہ عبادت اور نیک کام کرکے بجائے مسرت اُسکے دل میں تنگی اور کدورت اور بُرائی پیدا ہو اور بُرا کام کرکے دل میں انشراح اور مسرت وخوشی پیدا ہو یا کوئی شخص ایسا ہو کہ کسی عبادت خاص مثل صوم وصلوۃ وحج وزکوۃ سے اُسکے دل میں نعوذ باللہ اسقدر تنفر اور وحشت ہے کہ کسی حال اُسکے کرنیکا ارادہ بھی نہیں کرسکتا اور اُسکا متحمل ہی نہیں ہوسکتا

تو ایسے شخصوں کو کیا سمجھنا چاہئے اور ہم کیا ہر منصف فہیم بذریعہ ارشاد مذکور اُس کا حکم سمجھ سکتا ہے۔

اور اِس ارشاد مذکورہ کی حقیقت سمجھنا چاہو تو وہی ہی جو بالتفصیل معلوم ہو چکی یعنی جو شخص نیک کام کرکے مسرور اور برا کام کرکے مکدر و مغموم ہوتا ہے اُس شخص کی رغبت و میلان فطری یعنی صفت امانت معلوم ہوگیا کہ صحیح ہے جس پر ایمان کا مدار ہے اور جو شخص طاعت سے مکدر اور معصیت سے مسرور ہوتا ہے معلوم ہوگیا کہ اُسکی رغبت اور میلان قلبی یعنی امانت فاسد ہو چکی ہے اور لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ کا مصداق بنچکا ہے۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہاں سے بشرط تدبر و انصاف ہمکو یہ بات خوب دلنشین ہوگئی کہ بہت سے وہ احکام جزوی جو لباس و طعام رفتار و گفتار عادات و اوضاع نشست و برخاست کے متعلق ہیں اور اہل اسلام بکثرت اُن امور کو ایک حقیر بات سمجھکر اُن میں خلاف حکم شریعت کے اصلا پرواہ نہیں کرتے اُن میں دو امر قابل لحاظ ہیں ایک تو خلاف حکم شریعت کرنا یہ جس درجہ کا گناہ ہو دوسرے امر مخالف شرع کا استحسان اور اُس پر مسرت۔ یہ نہایت سنگین جرم ہے جسکا ذکر ابھی گذرا مثلاً ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہننا یا داڑھی منڈوانا یہ ایک گناہ ہے مگر ان امور کو کرکے دل میں مسرت ہونی اور انکے خلاف یعنی شریعت کی موافقت کو کراہیت اور ناگواری کی نظر سے دیکھنا یہ نہایت خوفناک امر ہے جو فساد رغبت یعنی نقصان امانت کی دلیل ہے جس سے اجتناب کلی سب پر لازم اور ضروری ہے یا فرض کیجے کہ کسی کے دل میں نماز یا حج یا کسی اور امر شرعی کے کرنیکا کوئی تقاضا اور اہتمام نہیں اور نہ حکم و تاکید خداوندی کا خیال ہے مگر دبے دبائے شرما شرمائے یا اپنی کسی نفسانی منفعت یا کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے اُس کام کو اپنے ارادہ سے ادا کر لیا تو اب غور کرنا چاہئے کہ اُس طاعت مفروضہ کو ادا کرکے اُسکے دل میں کیا کیفیت پیدا ہوئی اگر خدانخواستہ کسی قسم کی کراہیت و نفرت یا انقباض و کدورت پیدا ہوئی تو یہ اسقدر ردی علامت اور سخت امر ہے کہ حقیقت میں اُس فرض کے ترک کرنیکا جرم بھی اس جرم سے بہت گھٹا ہوا ہی اور اگر اُس فعل کو ادا کرکے مسرت اور استحسان دل میں

آیا تو ارشاد فرمودۂ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوگیا کہ اُس شخص کے دل مین بحمداللہ مضمون ایمان ابتلک موجود ہے گو ایک عظیم معصیت یعنی ترک فرض خداوندی میں مبتلا ہے یعنی فاسق ہی کافر نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ والحذر الحذر۔

المرام ہم پر اوّل فرض یہی ہو کہ علم وحی اور صفت امانت کو اُن طریقوں سے کہ جنکا ذکر ہو چکا ہے حاصل کریں اور اُسکی ترقی میں کوشش کرنے سے نہ رُکیں اور اپنی تمام عبادات و معاملات کی باگ اُنکے ہاتھ میں دیدیں اور تاوقتیکہ ہمارے یہ دونوں جزو پورے نہونگے ہمکو اپنی درستی مذہب اور اصلاح دین و ایمان کی توقع ایک خیال خام سے زیادہ نسمجھی جائیگی دنیاوی ثروت و وجاہت حکومت و عزت کسی قسم کا کمال یا دولت ان امور سے ہرگز تحصیل ایمان اور ترقی اسلام ممکن نہیں۔ شعر

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کاین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ہر چند زمانہ غلبہ جہل و ضلالت کا ہے اور فتنہ اپنا سکہ اکثر قلوب پر ایسا جما چکا ہے کہ کوئی خوش قسمت ہے اس موج طوفان خیز سے نکل سکے تو نکل سکے مگر حق تعالی کا فضل و رحمت نہ کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے نہ کسی مکان کے ساتھ نہ کسی جماعت خاص مین منحصر ہے نہ کسی ملک میں اُسکا دروازہ رحمت ہر وقت اور ہر کسی کے لئے رات دن کھلا ہوا ہے اور باآواز بلند یہ کہا جارہا ہے شعر

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ گر کافر و رند و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کا اعلان چارسو عام جو اس کا مصداق بن سکے سبحان اللہ توبہ سے کوئی مانع کوئی اُس سے خارج نہیں کسی قسم کی تنگی نہیں ادھر اسباب علم و امانت برابر موجود ہیں پھر دیر کیا ہے وما علینا الا البلاغ۔ واللہ ولی التوفیق وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ٭

سالانہ امتحان میں انعام خاص

مدرسہ عالیہ دیوبند میں اُن طلبہ کو جو سالانہ امتحان میں کامیاب ہوں حسب استحقاق انعام دیا جاتا ہے۔ لیکن کسی خاص فن میں سبقت لیجانیوالوں کے تفوق و امتیاز ظاہر کرنیکے واسطے کوئی انعام خاص نہیں دیا جاتا تھا۔ اِس نہایت ہی مفید طریقہ کا اجراء عالیجناب مولوی **مشفع احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر** نے فرمایا۔ آپ صفر المظفر ۱۳۲۸ھ میں معائنہ مدرسہ کی غرض سے دیوبند تشریف لائے اور اُسوقت یہ اعلان فرمایا کہ دو گھڑیاں قیمتی پندرہ پندرہ روپیہ اُن دو طالبعلموں کو دئے جاوینگے جن میں سے ایک علم تفسیر میں اول رہے اور دوسرا حدیث میں اِن دونوں گھڑیوں میں سے علم تفسیر کی گھڑی مولوی فخر الدین صاحب کیلئے اور علم حدیث کی مولوی حامد حسن صاحب کیلئے تجویز ہوئی۔

جلسہ تقسیم انعام ۱۳۲۸ھ میں جناب ڈپٹی صاحب موصوف معہ جناب منشی **محمد وجیہ صاحب** ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر و جناب منشی **عبد الرزاق صاحب** ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر تشریف لائے اور انعامی گھڑیاں خود اپنے ہاتھ سے عطا فرمائیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ سال آیندہ یعنی ۱۳۲۹ھ کے سالانہ امتحان میں علم فلسفہ کے اوّل نمبر طالب علم کو ایک گھڑی عطا فرماوینگے۔ مہتمم صاحب نے اپنی تقریر میں ظاہر فرمایا تھا کہ علم حدیث میں دو طالبعلم اسکے مستحق تھے۔ مولوی حامد حسن دیوبندی اور مولوی محمد شائق بھاگلپوری اور انمیں سے ہر ایک کیلئے ترجیح کی وجہ موجود تھی۔ مگر نمبروں میں ½ نمبر کی زیادتی کا خیال کرکے مولوی حامد حسن کیواسطے تجویز کی گئی۔ اِس پر منشی عبد الرزاق صاحب نے مولوی محمد شائق کو ایک گھڑی عطا فرمائی۔

۱۳۲۹ کا انعام چونکہ بہت عجلت کے ساتھ تقسیم کیا گیا۔ اسوجہ سے جناب ڈپٹی صاحب موصوف تو تشریف نہ لاسکے مگر مہتمم صاحب نے اسکا اعلان فرمادیا کہ علم فلسفہ کی گھڑی کے مستحق بھی کئی طلبہ ہوتے ہیں مگر چونکہ دوسرے مستحق طلبہ جملہ کتب فلسفہ کے امتحان میں شریک نہیں ہوئے۔ اسلئے یہ گھڑی مولوی محمد مصطفےٰ خاں بنارسی کے واسطے تجویز کیجاتی ہے۔

اس جلسہ میں جناب مولوی **سید عاشق حسین صاحب** انجنیر ریاست عالیہ بہاولپور تشریف فرما تھے۔ آپنے فرمایا کہ سال آیندہ ۱۳۳۰ھ کے سالانہ امتحان میں جو شخص علم ادب میں اوّل رہیگا اسکو ایک گھڑی عطا فرماوینگے یہ سلسلہ جسکے محرک جناب مولوی مشفع احمد صاحب ہوئے ہیں بہت ہی مفید اور نتیجہ خیز ہے۔ مدرسہ عالیہ دیوبند میں اسکو وسعت دینے کا خیال ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کے دوسرے اہل خیر و باہمت اصحاب علم کی قدردانی کا اظہار اور طلبہ کے اندر جوش و شوق پیدا کرنے میں جناب مولوی **مشفع احمد صاحب** کے مثال کی پیروی فرمادیں اور ہر فن کے طلبہ کیلئے دو دو تین تین انعام خاص کا مخصوص حضرات کی طرف سے اعلان ہوتا رہے۔

بعض جزئیاتِ انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بہ حج

منجملہ ارکان اسلام کے ایک فریضۂ حج ہے۔ جو بہ نسبت دوسرے ارکان کے اپنی ایک خاص شان کی وجہ سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ شانِ خاص یہ ہے کہ اس کی تکمیل کیلئے جسقدر سامان درکار ہے اُسکا ہر وقت میسر و مجتمع ہونا گویا پورا اختیاری نہیں ہے اور اُسمیں موانع کا پیش آجانا چنداں مستبعد نہیں۔ کیونکہ مال بھی زیادہ چاہیئے اور ہمت و قوت بھی زیادہ چاہیئے وقت و فراغ بھی زیادہ چاہیئے۔ اگر ایک سال تساہل کیا آیندہ سال تک امور مذکورہ میں کُلاً یا بعضاً تغیر ہو جانا زیادہ بعید نہیں۔ یہ مجموعی شان دوسرے ارکان میں نہیں۔ اسی واسطے احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہے وہ بہت جلدی کرے اور عجب نہیں کہ اسی شانِ خاص کے سبب یہ عمر بھر میں ایک ہی بار فرض کیا گیا ہو۔ اور گو اہل مکہ اور اُسکے قرب و جوار والوں کیلئے یہ اشکال نہیں۔ مگر بمقابلہ آفاقیوں[1] کے اُنکی تعداد ہی کیا ہے۔ قواعد انتظامیہ اکثری حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور چونکہ اسمیں افعال بھی متکثر و متعدد و مختلف ہیں اور متعلق ہیں امکنہ[2] خاصہ و ازمنہ خاصہ کے ساتھ اور اس اعتبار سے بھی یہ دوسرے ارکان سے ممتاز ہے اسلئے اسکے احکام و مسائل بھی لوگوں کو کم معلوم ہیں اور اُنکا چرچا بھی کم ہے۔ امر اوّل کے سبب اسمیں عملی کوتاہی زیادہ واقع ہوتی ہے اور امر ثانی کے سبب علمی کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔

عملی کوتاہی تو یہ ہے کہ اسکے ادا میں لوگ سُستی بہت کرتے ہیں۔ وہمی ضروریات و خیالی تعلقات سے فارغ ہونے کے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فارغ ہو کر چلیں گے۔ پھر اُس کام کے بعد دوسرے کام کا اسی طرح انتظار رہتا ہے حالانکہ یہ سلسلہ عمر بھر منقطع

[1] حدود حرم سے باہر رہنے والے ۱۲ [2] امکنہ مکانات ازمنہ اوقات ۱۲

نہیں ہوتا بقول شاعر ؎ لا ینتھی الارب الا الی ادبٍ + وقول شاعر ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

اس کا علاج یہی ہے کہ بیچ ہی میں سارے کام چھوڑ کر اور ظاہراً سرسری طور پر اُن کا انتظام کر کے اور باطناً خدا تعالیٰ کے حوالہ کر کے چل کھڑا ہو۔ اور اس علاج کی ہمت باندھنے کیلئے اُن وعیدوں کو یاد کرے جو باوجود فرضیت کے اُس کے ترک پر آئی ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے ترک حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور حدیث شریف میں یہودیت و نصرانیت کی حالت پر موت آجانیکی برابر بتلایا ہے۔ اس سے زیادہ کیا وعید ہو گی۔

اور اگر فکرِ تعلقات زیادہ مشوش کرے تو یوں سوچے کہ اگر میں ابھی مر جاؤں تو اس تمام کارخانہ کا کیا انتظام ہو۔ تو سفر کرنا موت سے تو بڑھکر نہیں اُسوقت ہمیشہ کیلئے اس سب کو چھوڑ دیتا۔ اب تھوڑے روز کے لئے چھوڑنے پر دل سمجھا لے۔ اپنے دل کو سمجھا لینا ہی کیا مشکل ہے اور وہ بھی مہتم بالشان ضرورت کیلئے۔

اور علمی کوتاہیاں بکثرت ہیں۔ مگر بعض تو عین موقع کے متعلق ہیں اُنکا تو عام کو پہلے سے سمجھنا اور یاد رکھنا دونوں تکلف سے خالی نہیں۔ اُسکی تدبیر بجز اسکے کچھ نہیں کہ وہاں پہنچکر مطوف ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو احکام حج سے پورا آگاہ اور اپنے تدیّن کی وجہ سے اپنے حجاج کے افعال حج کا پورا نگراں اور مطلع کر دینے والا ہو۔ اکثر لوگ مطوفین اپنی دنیوی آسایش کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ دنیوی حوائج تو کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ضرورت تو دینی حاجت کے انتظام کی ہے۔ سو جب حج کو جانے لگے جو علماء حج کر آئے ہیں اوّل اُن سے درباره تعیین مطوف مشوره کر لے ورنہ ناواقفی سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ حج ہی فاسد یا کالفاسد[۱] ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ علماء کو بھی ہر وقت مسائل حج کے مستحضر نہیں رہتے۔ اسلئے اُن کیلئے بھی مناسب ہے کہ مناسک کے معتبر رسالے خواہ کسی زبان میں ہوں سفر میں ہمراہ رکھیں اور اُنکا مطالعہ کرتے رہیں۔ اور پھر بھی جہاں اشتباہ واقع ہو وہاں کے علماء حاذقین سے پوچھ لیں کہ اُنکو یہ احکام زیادہ مستحضر رہتے ہیں اور

---

[۱] مثل فاسد کے ۱۲

پوچھنے میں عار نکریں اور دوسروں کو اُسوقت بتلاویں جب پورا اطمینان ہو ورنہ وہاں کے علماء کے حوالہ کردیں اور جو اُنکی زبان نہ سمجھے وہ بذریعہ اپنے مطوف یا کسی اپنے ہموطن بھائی کے جو وہاں مدّت سے مقیم ہو اور ترجمہ کر سکے دریافت کرلے۔ یہ تو بیان تھا اُن علمی کوتاہیوں کے متعلق جنکا عین موقع پر صدور ہوتا ہے۔ بعضی علمی کوتاہیاں وہ ہیں جنکا صدور قبل سفر ہوتا ہے اور بعض اُن میں باوجود امر شرع اس سفر سے مانع ہوجاتی ہیں اور بعضے باوجود نہی شرع کے اس سفر پر باعث ہوجاتے ہیں چنانچہ ہر ایک میں نظر کرنے سے معلوم ہوا جاتا ہے۔

سو ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ سفر حج کو اُسوقت فرض سمجھتے ہیں جب مدینہ منورہ کے سفر کیلئے بھی وسعت ہو اور اگر اتنا خرچ ہو کہ صرف حج کرسکتا ہے مدینہ طیبہ نہیں جاسکتا تو یہ لوگ اُس حالت میں حج کو فرض نہیں سمجھتے۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سخت غلطی ہے۔ مدینہ طیبہ کا سفر ایک مستقل طاعت ہے واجب ہو یا مستحب علی اختلاف الاقوال۔ خواہ روضہ منورہ کے قصد سے جیساکہ جمہور کا قول منصور ہے یا صرف مسجد نبوی کے قصد سے جیساکہ بعضے قائل ہوئے ہیں (اور یہ مقام اس مسئلہ کی تحقیق کا نہیں ہے۔ نشر الطیب کی ستائیسویں فصل کے آخیر میں بقدر ضرورت اسکو لکھدیا گیا ہے۔) بہر حال سفر مدینہ کی استطاعت پر فرضیت حج کی موقوف نہیں ہے اگر صرف سفر حج کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور سفر مدینہ کی استطاعت نرکھتا ہو اُسکے ذمہ حج فرض ہے۔ اگر نکریگا تمام اُن وعیدوں کا مورد ہوگا جو ترک حج پر آئی ہیں۔ باقی حج کے بعد اگر کچھ سامان سفر مدینہ کا ہوجاوے یا پیادہ چلنے کی ہمت ہوجاوے جیسا شوق کے غلبہ میں ایسا ہوجاتا ہے تو اُس شرف کو بھی حاصل کرلے ورنہ سردست واپس آجائے اور عزم رکھے کہ خدا تعالیٰ توفیق دیگا تو مستقل سفر مدینہ کا کرونگا۔ اور جب سامان ہوجاوے ایسا کرے بھی۔ اور اگر عمر بھر بھی سامان نہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس تمنا و عزم کا اجر بھی اُس سفر مبارک کے اجر کے قریب قریب ہی ہوگا جیسا کہ چند حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل خیر کی نیت بھی اجر میں مثل فعل خیر ہی کے ہے۔ اور ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کے پاس مال حرام اس مقدار میں جمع ہوجاتا ہے کہ حج کو کافی ہو مگر یہ شخص سمجھتا ہے کہ یہ تو مال حرام ہے اس کا حج میں خرچ کرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے اور مال حلال اسقدر میرے پاس

ہے نہیں اسلئے میرے ذمہ حج فرض نہیں۔ اور یہی خیال بعض لوگوں کو زکوٰۃ میں بھی ہے۔
پس یہ لوگ نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ مدار فرضیت حج
وزکوٰۃ کا خاص مقدار مال کا مالک ہوتا ہے۔ اُسکے حلال ہونے کو فرضیت میں دخل نہیں اسلئے
ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں۔ البتہ حرام مال سے جو حج ہوگا وہ مقبول
نہوگا۔ لیکن فرض ادا ہوجاویگا۔ یعنی اِس شخص پر یہ مواخذہ نہوگا کہ حج کیوں نہیں کیا۔ گو یہ
مواخذہ ہو کہ مال حرام کیوں جمع کیا اور اُس سے کیوں منتفع ہوا۔ سو ادا ہوجانا اور چیز
ہے اور قبول ہونا دوسری چیز۔ اگر قبول ہونا بھی چاہتا ہے اور بجز اِس مال حرام کے اسکے
پاس اور کچھ نہو تو ایسا کرے کہ کسی کافر سے قرض لیکر اُسکو حج کیلئے الگ رکھے۔ پھر خواہ وہ قرضہ
اگلے ہی دن خواہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس حرام مال سے ادا کردے تو یہ روپیہ قرض لیا ہوا
اُسکی نسبت غنیمت ہوگا۔ اور بعضے جو کہا کرتے ہیں کہ دوسرے کے روپیہ سے بدل لے سو اگر
ہاتھ در ہاتھ بدلا تو وہ بدلہ کا روپیہ بھی ایسا ہی حرام ہوجاویگا یہ اصل کے پاس کا روپیہ تھا۔ دست
بدست لینے کا اور حکم ہے اور قرض لیکر پھر ادا کرنیکا اور حکم ہے۔ اور اِس تدبیر کے بتلانیکا یہ مطلب
نہ سمجھا جائے کہ مال حرام جمع کرنیکی اجازت دیجاتی ہے یا ایسا کرنے کے بعد حرام مال جمع کرنیکا
گناہ اُتر گیا۔ یا اُسکے تدارک کی شرعاً ضرورت نہ رہی۔ حاشا وکلّا یہ مطلب ہرگز نہیں۔
حرام مال لینے کا جو گناہ ہے وہ اب بھی باقی ہے اور اُسکا تدارک اب بھی واجب ہے یعنی جن
لوگوں کا وہ حق ہے اُنکو واپس کرنا۔ جسکا مستحق نہ ملے اُسکے ورثہ کو دینا اور جہاں معلوم نہو
اُسقدر مال اُن مستحقین کی طرف سے مساکین کو دیدینا اور اِس سب کے ساتھ توبہ اور استغفار
کرنا اور اگر بالفعل تدارک پر قادر نہو تو اسکی فکر میں رہنا اور جتنی جتنی گنجایش ہوتی جاوے
اُتنا اُتنا ادا کرتے رہنا یہ سب واجب ہے۔ غرض اس حیلہ سے حرام وحلال کے احکام نہیں
بدلگئے یا رفع نہیں ہوگئے۔ مقصود اِس سے اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ لوگ جو حج وزکوٰۃ کو
اپنے ذمہ فرض نہیں سمجھتے یہ انکی غلطی ہے۔ یہ دو علمی غلطیاں تو وہ ہیں جنمیں حج کے امر شرعی کی
ممانعت کیجاتی ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ جنکے پاس نہ تو حج کا سامان ہے اور نہ قلب میں غنا اور

قوت توکل ہو مگر لوگوں سے بھیک مانگ مانگ کر اُنکو پریشان کر کے حج کو جاتے ہیں۔ سو اس طرح حج کو جانا حرام ہے۔

ایک کوتاہی بعضی عورتوں کی یہ ہے کہ باوجود شوہر یا محرم کے ہمراہ نہونے کے پھر حج کو جاتی ہیں اور گو بعض ائمہ کے قول پر بعض خاص قیود و شروط کے ساتھ اسکی گنجایش ہے لیکن اول تو عوام کو ایسی بے قیدی کی اجازت نہیں کہ جسوقت جسکا قول دل چاہا لیلیا۔ دوسرے جانیوالیاں اُن قیود و شرائط کو نہ جانتی ہیں نہ اُنکی پرواہ کرتی ہیں۔ ہر حال میں چلی جاتی ہیں جو کہ اُن ائمہ کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ تیسرے اُسوقت اتنا فساد نہ تھا۔ ثقہ عورتوں کے ساتھ امن غالب تھا اور اس زمانہ میں فساد اسقدر غالب ہے کہ عورتوں کے ہوتے ہوئے بھی شریر طبیعتیں شرارت سے نہیں چوکتی۔ پھر تعاون و ہمدردی کم ہوتی جاتی ہے۔ اگر بیماری وغیرہ پیش آگئی تو کم عورتوں سے اُمید ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر اُن کی امداد کریں۔ اکثر لوگوں کو خصوصاً ضعفا و نسوان کو نفسی نفسی میں مشغول دیکھا ہے۔ تو بوجہ مجبوری مرد ہی امداد کرینگے۔ تو لامحالہ اُتارنے میں چڑھانے میں اجنبی مرد اسکا ہاتھ بھی پکڑینگے کمر بھی تھامیں گے تو ایسے وقت فتن سے محفوظ رہنا جانبین کا یا ایک ہی جانب کا مشکل ہے خاصکر قلب اور عین کے فتنہ سے۔ تو ایسے حج کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب شریعت اسکو حاضر ہونیکا حکم نہیں کرتی بلکہ روکتی ہے تو پھر یہ کیوں مصیبت میں پڑتی ہے البتہ اگر اس عورت کو مالی استطاعت ہو اور محرم و شوہر موجود نہو یا جانے پر آمادہ نہو (کیونکہ اُسکو شرعاً اسکا اختیار حاصل ہے) تو اسمیں فقہا مختلف ہیں کہ آیا استطاعت مالی سے نفس وجوب حج کا اسکے ذمہ ہوگیا ہے یا نفس وجوب بھی نہیں ہوا۔ پہلے قول پر اس عورت کے ذمہ حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ اور دوسرے قول پر نہیں۔ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ وصیت کی جائے اگر یہ وسوسہ ہو کہ اگر وصیت نافذ نہ کی گئی تو حج میرے ذمہ رہیگا اسکا جواب یہ ہے کہ لیکن گنہگار نہو گی۔ کیونکہ اسنے اپنے ذمہ کے واجب کو یعنی وصیت کو ادا کر دیا۔ اب نفاذ اُسکا جبکہ مال چھوڑ جاوے ورثہ کے ذمہ واجب ہے اگر وہ کوتاہی کرینگے اسکا مواخذہ اُن سے ہوگا

یہ کوتاہیاں علمی وہ ہوئیں جن میں حج سے نہی شرعی کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اور سب سے اوپر

ایک عملی کوتاہی تھی۔ یہ سب پانچ کوتاہیاں ہوئیں جو شرائط حج کے متعلق ہیں۔ علاوہ اُن غلطیوں کے جو نفسِ حج میں ہوتی ہیں جن پر مطوف عالم شفیق مطلع کردیگا یا علماء کو کتب مناسک مطلع کردینگی۔ دو کوتاہیاں حج سے خارج مگر اُسی سفر کے متعلق یاد آگئیں پس وہ پانچ ملکر یہ سب سات ہو جاوینگی۔

ایک کوتاہی یہ کہ بعضے لوگ حج کو جاتے ہیں اور ریل میں یا جہاز میں یا اونٹ پر فرض نمازیں برباد کرتے ہیں۔ سو اُنھوں نے ایک فرض تو ادا کیا اور اتنے کثیر فرض فوت کئے اور اگر حج فرض نہیں تھا نفل تھا تو اور بھی غضب ہوا کہ ایک نفل کیلئے اتنے فرض گئے گذرے سو ایسے شخص کو تو حج کرنا جائز بھی نہیں۔

ایک کوتاہی جو باعتبار تعدیہ ضرر کے سب سے اشنع[1] واقع ہے یہ کہ بعضے لوگ حج کرکے آتے ہیں اور وہاں کے مصاعب[2] اور مصائب اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ سُننے والا حج کو جانے سے ڈر جائے۔ ایسے شخص کے یصدون عن سبیل اللہ[3] کے مصداق ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اور اگر وہ شکایات غیر واقعی ہوں چنانچہ اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ بات کو بہت بڑھا کر کہا جاتا ہے اور نیز اُس مصیبت کی بنیاد کو تو ضرور ہی غلط ظاہر کیا جاتا ہے جسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اکثر ایسے واقعات کا سبب اپنی حماقت ہوتی ہے تو اپنی حماقت کون بیان کرتا ہے تو اس طور پر وہ شکایات یا اُنکے بعض اجزاء غیر واقعی ہوتے ہیں تو اگر ایسا ہو تو یہ لوگ یصدون عن سبیل اللہ کے ساتھ ویبغونہا عوجاً[4] کے بھی مصداق ہونگے۔ اور چونکہ باوجود علم واقعہ کے غصہ میں ایسا کرتے ہیں اسلئے جملہ وانتم شھداء[5] کے بھی یہ مخاطب ہونگے اور اسکے جواب میں اُنکو بھی وہی کہا جاویگا وما اللہ بغافلٍ عما تعملون[6]۔ اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ یہ آیت جسکے جملے اس حالت اخیرہ کی تقریر میں جابجا نقل کئے گئے قرآن مجید میں بھی بعد ذکر حج کے متصل ہی وارد ہے اور مجکو بھی حج ہی کے اس خاص مضمون کے ساتھ یاد آئی تو قرآن مجید میں یہ اتصال میرے اس استدلال کا ایک خاص لطافت کے ساتھ موید

---

[1] بہت شنیع بہت قبیح ۱۲ [2] دشواریاں ۱۲ [3] خدا تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں ۱۲ [4] اُس راہ کیلئے کجی چاہتے ہیں یعنی شبہات سے اُسکو باطل کرنا چاہتے ہیں ۱۲ [5] حالانکہ تم حاضر ہو ۱۲ [6] جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُس سے بے خبر نہیں ۱۲

ہو گیا۔ اگر مصائب واقعی بھی ہوں تب بھی یہ سمجھنا چاہئیے کہ یہ سفر عشق ہے۔ محبوب کے دربار میں حاضری دینے کے لئے تو سفر عشق میں خار بھی گل اور زاغ و زغن بھی بلبل معلوم ہونا چاہئیے۔ وَلنعمَ ما قیل۔ وعلیہ یختم ھذا القول الجمیل ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئی گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمتِ قاروں باشی

در رہِ منزلِ لیلی کہ خطرہاست بجاں — شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

وصلی اللہ علی سید المرسلین۔ الذی ولد و نبئ فی ھذا البلد الامین۔

کتبہ اشرف علی صباح لیلۃ البرات ۱۳۲۹ھ

تقریظ

سفرنامہ حجاز و شام و بیت المقدس

یوں تو ملک حجاز کے سفرنامہ بہت سے لکھے گئے اور ان سے عازماں سفر بیت اللہ کو بہت کچھ سہولتیں راستہ کے حالات اور کرایہ وغیرہ کے معاملات میں ہوگئیں۔ مگر فی الحقیقت جیسے سفرنامہ کی ضرورۃ تھی اُسکے اعتبار سے بالکل ناتمام تھے۔ خصوصاً جب سے حجاز ریلوے جاری ہوگئی۔ اور حجاج کے لئے دوسرا راستہ نکل آیا جسمیں حجاز کے ساتھ دوسرے مقامات متبرکہ اور بلاد اسلامیہ مثل بیروت و دمشق۔ بیت المقدس اور خصوصاً اُن مقامات کی زیارۃ بھی نصیب ہوتی ہے جہاں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قدم مبارک پہونچے تھے۔ مثل تبوک وغیرہ یہ سب مقامات حجاز لین پر واقع ہیں۔ مسلمانوں کو ایک ایسے سفرنامہ کی ضرورت تھی جسمیں اُن تمام مقامات کے حالات اور حجاز ریلوے کے متعلق پوری کیفیت درج ہو۔ لہذا اُنکو جناب مولوی عاشق الٰہی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئیے کہ آپنے امسال حج بیت اللہ اور زیارۃ مدینہ طیبہ زادہا شرفہا سے فارغ ہو کر حجاز ریلوے پر سفر کر کے تمام حالات جزو کل قلمبند کردئے۔ حجاز ریلوے پر جتنے اسٹیشن واقع ہیں اُنکے نام تعداد مسافۃ شرح کرایہ اور علی ہذا درعاس حیفہ تک کے تمام حالات دمشق و بیروت اور بیت المقدس اور مصر کے حالات سب چشم دید ایسی تحریر فرمائی ہیں کہ گھر بیٹھے تمام مقامات کی سیر ہو جاتی ہے۔ ہر شخص جو بعزم سفر حجاز روانہ ہو اُسکو ضرور اپنے ساتھ یہ سفرنامہ جس کا نام زیارۃ الشام والقدس مع سیاحۃ المصر والعراق ہے رکھنا چاہئیے۔

ملنے کا پتہ میرٹھ کمبوہ دروازہ جناب مولوی عاشق الٰہی صاحب۔ قیمت ۸

۱؎ کسی نے کیا خوب کہا ہے اور اسی پر ہم اس عمدہ مضمون کو ختم کرتے ہیں ۱۲ ۲؎ خدا تعالیٰ کی رحمۃ نازل ہو سید المرسلین پر جو کہ تولد ہوئے اور نبی بنائے گئے اسی معزز شہر یعنی مکہ معظمہ میں ۱۲ ۳؎ شب برات کی صبح ۱۲

شریعت و طریقت

(القاسم نمبر ۱۲ جلد اوّل ملاحظہ ہو)

شریعت کو بصورت تمثیل ناقص اگر شیریں مانا جائے تو انکو فرہاد کوہ شکن کہنا پڑیگا کہ تعمیل حکم میں سر کھپانا عین زندگی سمجھتے ہیں اور لیلی عامر یہ کہا جائے تو یہ اُسکے مجنوں ثابت ہونگے کہ اُس کی ہر ہر ادا اِن سے پوچھنی چاہئے کہ کیسی پیاری ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

؎ ای دل آن بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہِ منزل لیلی کہ خطرہاست بجاں — شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

ان بزرگواروں کے نزدیک شریعت کے ہر حکم میں بڑی مصلحت یہی ہے کہ وہ اُنکے آقا کا حکم ہے اور اُسکی تعمیل سے مالک راضی ہوجاتا ہے اور سنت نبویہ کے ہر طرز کو خواہ از قبیل عبادات ہو یا از قبیل عادات معاشرت ہو یا تمدن احوال غم ہوں یا انداز ہائے شادی و سرور اختیار کرنے میں بڑی حکمت یہی ہے کہ حق تعالی شانہ کے پیارے محبوب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل ہے اور پیاری کی ہر ادا پیاری ہوتی ہے۔ آہ تعجب ہے اور بسا تعجب ہے کہ محمّد بن زکریا طبیب جسمانی کا ہر قول و فعل بے چون وچرا ماننے کے قابل ہو اور محبوب رب العالمین محمّد بن عبد اللہ علیہ الصلوۃ والسلام طبیب روحانی کے عادات و معمولات میں حکمت و علت اور مصلحت ڈھونڈے جاے۔ کیا شان محبت سے یہ انداز بعید نہیں؟ ذرا غور فرما کر خود ہی فیصلہ کیجیے کیا جواب دیجئے گا قیامت کے دن اگر آپکا شفیق پیغمبر جس نے ماں باپ سے زیادہ فرمائی اور آپکی فلاح دارین میں کوئی دقیقہ اُٹھا کر نہیں رکھا شکایت فرمائے کہ ای میرے روحانی بچو! کیا میرے حقوق ادا کرنیکا یہی طریق تھا جو تمنے برتا اور کیا میری تمہارے ساتھ محبت کرنیکا یہی صلہ تھا جو تمھاری محبت کے میرے ساتھ ظاہر ہونے میں مجھے ملا۔ واللہ العظیم اُسوقت شرما کر بجز گردن جھکا لینے کے کوئی جواب بن نہ پڑیگا اور ندامت اُٹھانی ہوگی ایسے وقت کہ ندامت نافع نہو گی۔ اسی مضمون کو جناب رسالتماب علیہ الصلوۃ والسلام نے اس حدیث میں ظاہر فرمایا ہے کہ لن یکون احدکم مومنا حتی اکون احب الیہ من نفسہ ومالہ وولدہ والناس اجمعین او

کما قال اور اسی حالت کو کسی مسلوب الارادہ فرمانبردار اہل دل نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

زد لم نشاں چو خواہی کہ ز دل خبر نہ دارم تو بگو کہ دل چہ باشی من از و اثر ندارم

حق تعالیٰ شانہ کیساتھ انس و محبت جسکی بدولت عبادت سہل طاعت آسان اور آقا کی خدمت میں ہر دم مشغول رہنا لذیذ و محبوب بنجاے اصطلاح صوفیہ میں نسبت کہلاتی ہے اسلئے کہ ارتباط ہے خالق و مخلوق کے درمیان اور ارتباط بھی وہ ارتباط جسکی کہیں انتہا نہیں۔ اسمیں ترقی کرنیوالا شخص وہ پیاسا ہے جو سمندر کے پانی سے پیاس بجھانا چاہتا ہے اور جسقدر پیتا ہے اسیقدر العطش العطش پکارتا ہے جس مرض میں یہ مبتلا ہے وہی اسکی دوا ہے اور جو اسکے لئے شفا ہے وہی اسکا عین مرض ہے یہانتک کہ اسی میں فنا ہو کر حیات ابدی حاصل کرتا اور مر مٹکر جاوید زندگی پاتا ہے ؎

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ من الھویٰ کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

اپنی محبت کا مضمون حق تعالیٰ نے فطری طور پر ہر ذی روح کو عطا فرمایا ہے اور بندۂ مومن کے حصہ میں تو یہ دولت اسقدر آئی ہے کہ کسی شے کی محبت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ خود کلام اللہ میں ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ کہ ایمان والوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ کی ہے" مگر غفلت و بے خبری اور ماسوی اللہ کے ساتھ تعلقات کی کثرت و قوت نے اس فطری محبت خداوندی کو ایسا دبا لیا ہے جیسے چولھے کی راکھ چنگاری کو چھپا لیتی ہے اسلئے عوارض کا اٹھا دینا اور موانع کا ہٹا دینا اُسکے اشتعال کو کافی ہے اسی چنگاری کو ایک صاحبدل نے درد محبت کیساتھ تعبیر کر کے لکھا ہے ؎

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

اور یہ راکھ کا ڈھیر نہیں ہٹ سکتا جبتک کہ چند روز بہ تکلف نفس پر جبر کر کے قدم قدم پر اتباع سنت نبویہ کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ سچ مانئے جسوقت اس چنگاری کے مشتعل کرنیکا آپ مخض ارادہ کرینگے توفیق ایزد متعال آپ کے شامل حال ہوگی ہوائے رحمت خداوندی کے جھونکے چلینگے اور حدیث قدسی کا وہ مضمون صادق آئیگا کہ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ ابھی تک آپ طالب تھے اب مطلوب بنجائینگے اور اسوقت تک آپ محب کہلاتے تھے اب محبوب کہلائینگے شفیق ماں اپنے

پیارے بچے کو گود میں دبا لینے کیلئے صرف اسی کے منتظر ہے کہ اُسکا ناطاقت بچہ گرتا پڑتا مرتعش پاؤں سے کھڑا ہوکر ایک دو قدم ماں کیطرف اُٹھائے پھر ماں کو تاب نہیں کہ اُسے گرنے دے اور لپک کر گود میں نہ اُٹھائے یاد رکھئے یہ چٹک تو وہ چٹک ہے کہ جبوقت حاصل ہو گئی دوسروں سے مستغنی بنا کر چھوڑیگی۔ آپ اسی ایک کے ہو کر رہیں گے اور کہیں گے۔ ؎

آنہا کہ خواندہ ام ہمہ از یاد من برفت　　الا حدیث دوست کہ تکرار میکنم

دوسرا خیال آپکے لئے وبال جاں ہوگا اور دوسرا شغل اغیار کی طرح بار گراں۔ اُسوقت آپ کا طبعی اقتضا یہ ہوگا۔ ؎

نخواہم جز تو یک ساعت تفکر در دگر کردن　　کہ در ہر دو جہاں جانان ندارم جز تو دلداری

دنیا کے ضروری مشاغل بھی آپکے دینی مشاغل بنجائینگے اعضاء بضرورت تحصیل معاش کسب میں مصروف ہونگے تو قلب مشغول بحق سبحانہ اور دل اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ بقول شخصے۔ ؎

دل پیش توام دیدہ بجائے دگرستم　　تا خلق نداند کہ تراامے نگرستم

خلاصہ یہ ہے کہ طریقت عین شریعت ہے مگر اُسوقت جبکہ شریعت کا اثر قلب میں پیدا ہوجائے اور اتباع سنت و اطاعت حق سبحانہ اقتضائے طبعی بنجائے کہ قلب کو عبادت میں لذت آئے اور دل کو مشغولیت بخالق سے اُنس پیدا ہوکر مزہ آنے لگے اور اسکی پہلی سیڑھی یہ ہی کہ معمولات وعادات اور تمدن و معاشرت بلکہ ہر حرکت و سکوں پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے اقتدا واتباع کا لحاظ رکھا جائے۔ دعا کرو کہ حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں دونوں کو اس نعمت سے مالا مال فرمائے اور قال کو حال بنائے۔ ؎

از ساحت دل غبار کثرت رفتن　　خوشتر کہ بہرزہ در وحدت سفتن
مغرور سخن مشو کہ توحید خدا　　واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

منعم حقیقی کے انعامات کا دروازہ ہر بندہ کیلئے کھلا ہوا ہی کیا عجب ہے ہمیں بھی بھیک ملجائے۔ ؎ ہر چند نہ ام لائق درگاہ سلاطین نا میدنہ ام　　کآخر بکرم ہم بہ نوازند گدارا۔ گاہی بہ نگاہے۔

(باقی آیندہ)

اسمائے گرامی حضرات معاونین رسالہ القاسم

(دلی شکریہ کے ساتھ درج ہوتے ہیں)

(۱) جناب مولانا مولوی محمد عبد الرب صاحب جانشین حضرت مولانا حافظ احمد صاحب جونپوری صہ،

(۲) جناب مولوی محمد ممتاز خاں صاحب۔ گوہانہ ضلع رہتک۔ صہ،

(۳) جناب مولوی محمد سعید صاحب سب رجسٹرار ضلع بلیا۔ صہ،

(۴) جناب مولوی محمد یوسف صاحب مدرس مدرسہ بگھرہ ضلع مظفر نگر (آپ رسالہ بھی نہیں لیتے) للعہ

(۵) جناب مولوی محمد برکت اللہ صاحب محمد گنج ضلع بستی۔ (دوبارہ برائے سال دوم) صہ،

(۶) جناب حاجی سید نور الحسن صاحب رئیس رتھیڑی ضلع مظفر نگر (〃) صہ،

(۷) جناب حاجی نور محمد و محمد خلیل صاحبان سوداگران مظفر نگر (〃) صہ،

(۸) جناب میر احمد شریف صاحب وکیل درجہ اوّل حیدر آباد (〃) صہ،

(۹) جناب مولوی سید محمد اختر صاحب ماسٹر ہاپوڑ ضلع میرٹھ (〃) صہ،

حمائل شریف

عرصہ ہوا مشہور معروف کاتب قرآن مجید منشی ممتاز علی صاحب مرحوم نے ایک حمائل شریف لکھکر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ سے تصحیح کراکر طبع کرائی تھی۔ ان بزرگوں کے خلوص نیت اور اپنی صحت و نفاست کی وجہ سے وہ حمائل شریف کچھ ایسی مقبول ہوئی کہ چالیس سال گذرنے کے بعد بھی دیندار مسلمان اسکے طالب و مشتاق نظر آتے تھے مسلمانوں کی اسی آرزو اور شوق کو پورا کرنے کیلئے "قاضی عبد الهادی و مولوی محمد بشیر الدین صاحب مہتمم مطبع مجتبائی میرٹھ محلہ اندر کوٹ" نے نہایت کوشش اور اہتمام سے اسی قسم کی صحت و صورت اور ہو بہو تمام خوبیوں کو ملحوظ رکھکر اسکی نقل طبع کرائی۔ ہے جو دفتر القاسم میں اظہار رائے اور اعلان کیلئے بھیجی گئی ہے اور نقل مطابق اصل کی پوری مصداق ہے اور حاشیہ پر حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب کا مقبول ترجمہ کا اضافہ نہایت مناسب و نفع بخش ہے۔ بلا جلد کا ہدیہ دو روپیہ اور مجلد عہ۸ ہے مگر ناظرین القاسم سے ۸ رر رعایت کا وعدہ فرمایا ہے۔ قاضی صاحبان موصوف سے مذکورہ بالا پتہ پر مل سکتی ہے۔

فہرست چندہ دار الحدیث جو بعد اشاعت القاسم ماہ شعبان ۱۳۲۹ھ وصول ہوا

نمبر	نام	رقم	کیفیت
۱	منجانب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ حافظ محبوب الٰہی صاحب تاجر ظروف مراد آباد	سے	وصول
۲	" حافظ محبوب الٰہی صاحب۔ از جانب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ	عمر	"
۳	" حافظ محبوب الٰہی صاحب از جانب امام غزالیؒ	عمر	"
۴	" " از جانب شاہ ولی اللہ صاحبؒ	عمر	"
۵	" " منجانب والدین خود	عمر	"
۶	مولوی سراج الدین صاحب چاٹگامی از جانب مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ	عمر	"
۷	ایک معلوم الاسم محترم معاون	مار	"
۸	معرفت جناب مولوی فیض محمد خانصاحب مقیم کلکتہ	مار	"
۹	جناب غلام حبیب صاحب اینڈ برادرس ٹھیکہ دار چھاؤنی انبالہ	مار	"
۱۰	معرفت جناب منشی برکت اللہ صاحب۔ از محمد گنج ضلع بستی	ماعمہ	"
۱۱	جناب مولوی محمد مبین الدین صاحب نگینوی رنجر ستار گنج ضلع نینی تال	عہ	"
۱۲	" از جانب والدین مرحومین خود	صہ	"
۱۳	" از جانب جدین مرحومین خود	صہ	"
۱۴	جناب حکیم قطب الدین صاحب۔ از اترولی ضلع علیگڈھ	صہ	"
۱۵	حاجی محی الدین صاحب سوداگر موچی بازار ۱۳۲۹ لشکر بنگلور	[illegible]	"
۱۶	جناب مولوی حکیم محمد حسن صاحب مدرس مدرسہ ہذا	عہ	موعود
۱۷	جناب مولوی محمد داؤد الحسن صاحب قاضی نہٹور ضلع بجنور	للعہ	وصول
۱۸	مرسلہ منشی عبد الرشید صاحب۔ از جانب بیوہ حاجی سپاہی خانصاحب ساکن سلطان نگر	عمر	"
۱۹	از جانب سمیر علی صاحب " "	عمر	"
۲۰	جناب حکیم عبد الرحیم صاحب ساکن رامپور ضلع سہارنپور	عمر	"
۲۱	منشی محمد عمر صاحب غازی پوری	[illegible]	"
۲۲	منشی ابو الحسن خانصاحب افسر مدرس صدر پور ضلع سیتاپور	عمر	"
۲۳	منشی فرزند حسین خانصاحب افسر مدرس مانسہرہ	عمر	"
۲۴	فرید علی صاحب طالب العلم مدرسہ ہذا	۴ر	"
۲۵	مولوی قدرت اللہ صاحب۔ مدرس مدرسۃ الغرباء مراد آباد	عمر	"
۲۶	جناب حکیم محمد یعقوب صاحب۔ قنوجی	صہ	"
۲۷	" از جانب ہمشیرزادی خود	عہ	"
۲۸	" از جانب اہلیہ صاحبہ خود	۶	"
۲۹	جناب مولوی ابو الطاہر ظہور احمد صاحب از بانکی پور	[illegible]	"
۳۰	جناب محمد حامد اللہ صاحب ساکن مچھلی شہر جونپور	عہ	"

چندہ درسگاہ خورد بعد القاسم ماہ شعبان ۱۳۲۹ھ

نمبر	نام	رقم	کیفیت
۱	جناب چودھری احمد حسن صاحب ساکن خورجہ	عہ	وصول
۲	جناب مولوی محمد دین صاحب میڈیکل آفیسر و افسر نصر بفات ریاست عالیہ بہاولپور	صہ	"
۳	جناب مولوی حکیم محمد حسن صاحب مدرس مدرسہ ہذا	صہ	موعود

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۳ | بابت ماہ شوال مکرم ۱۳۲۹ھ | جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ شوال ۱۳۲۹ھ

مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء

جو مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

اس مرتبہ رسالے کے ہمراہ ایک ورق بطور اشتہار بھیجکر مکرم حضرات ناظرین سے اُمید کیجاتی ہے کہ اسکو کسی عمدہ موقع پر چسپاں کرکے اشاعت کا ثواب حاصل فرمائیں۔

شکایت کرنیوالے حضرات اگر نمبر خریداری بھی تحریر فرمایا کریں تو نہایت سہولت ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذخیرۂ آخرۃ

ہر شخص اپنے مال کی حفاظت اِسلئے کرتا ہے کہ اڑے وقت میں اُسکے کام آئے۔ لیکن اس تعین میں اکثر غلطی ہوجاتی ہے کہ وہ کونسا سخت وقت ہے جسمیں مال کام آتا ہے۔ چونکہ انسانی عقل دنیا کی ہے پیش نظر حوادث وواقعات تک محدود ہوتی ہے اِسلئے آخرۃ کے سخت خطرناک اور دشوار گذار گھاٹیوں کی طرف اُسکا دہیان کبھی نہیں جاتا۔ اور اسی وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جنکی شان رحمۃ للعالمین فرمائی گئی ہے اور جو اُمۃ پر اُنکی جانوں سے بھی زیادہ شفیق و مہربان ہیں اور جنکی ذات پاک کے بارہ میں بالمومنین روف رحیم نازل ہوا ہے) اُس عقدہ کو اپنے اس ارشاد سے حل فرمادیں۔

یقول ابن آدم مالی مالی قال و هل لك یا ابن آدم الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت (رواہ مسلم)	(ترجمہ) آدمی کہتا ہے "میرا مال ہے میرا مال ہے" حالانکہ (اے آدم زاد) اُسمیں تیرا صرف اتنا ہی ہے کہ جتنا تونے کھاکر ختم کردیا یا پہنکر پُرانا کردیا یا صدقہ کرکے آخرۃ کیلئے قائم کردیا ۱۲

اِس حدیث میں صاف بتلادیا گیا کہ جو مال تمھارے پاس ہے اُسمیں تمھارے کارآمد وہی حصہ ہے جو تمنے خود دنیا کی ضروریات خورونوش اور بود و باش وغیرہ میں صرف کیا یا صدقہ کرکے آخرۃ کیواسطے جمع کر رکھا۔ اُس دستور العمل کے موافق جو آپ اپنی

اُمت کی ہدایت کے واسطے چھوڑ گئے تھے جس کسی کو توفیق ہوتی ہے وہ اپنے اموال میں سے خیر دائم کے طور پر کچھ ذخیرہ جمع کر جاتا ہے۔ مگر ایسے بندے بہت کم ہیں اسکے بجای لاکھوں کروڑوں آدمی وہ ہیں جو بے انتہا مال و دولت وارثوں کے لڑنے جھگڑنے اور باہمی مقدمہ بازی کے لئے چھوڑ جاتے ہیں اور وہ ساری دولت یوں ہی آپس کی خانہ جنگیوں میں برباد ہوجاتی ہے۔ افسوس کہ نہ یہ لوگ زندگی میں اپنے لئے خود کچھ کرکے جاتے ہیں اور نہ اُنکے ورثہ مرنے کے بعد اُنکو کبھی یاد رکھتے ہیں۔

ہمکو ابھی حال میں اپنے ایک مکرم دوست اور مدرسہ کے نہایت سچے ہمدرد شیخ حبیب الرحمٰن صاحب ساکن دیوبند کے تازہ انتقال سے جسقدر بھاری صدمہ پہنچا ہے اُسی قدر اسکی مسرت ہے کہ خدا تعالیٰ نے شیخ صاحب مرحوم کو اپنی متروکہ جائداد کے بارہ میں نیک توفیق عطا فرمائی اور اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے موافق بہت اچھا ذخیرہ آخرۃ اپنے واسطے جمع کرلیا۔ اور مصارف خیر میں سے بھی آپنے اُس مصرف کا انتخاب کیا جو بہتر سے بہتر اور مبارک سے مبارک تھا۔ کون نہیں جانتا کہ علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم سے بہتر دنیا میں کوئی مصرف نہیں۔ یہ ہی وہ چیز ہے جس سے پیدایش کائنات کی اصلی غرض پوری ہوتی ہے اور مذہب اسلام شیوع پاتا ہے اور اسی کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

الا ان الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالم او متعلم۔ (ابوداؤد و ترمذی)	(ترجمہ) خوب سن لو دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور اُسکے متعلقات اور علم (دین) سکھلانیوالا اور سیکھنے والا۔

ہم اپنے ناظرین کو شیخ صاحب مرحوم کی جانگداز وفات کی خبر سُناکر خوشی کے ساتھ یہ اطلاع دیتے ہیں کہ اُنہوں نے اس حدیث کی بھی پوری تعمیل کی اور اپنے انتقال سے کچھ زمانہ پہلے اپنی جائداد کا ایک معقول حصہ مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے لئے وقف فرماکر نہ صرف اپنے لئے صدقہ جاریہ چھوڑا۔ بلکہ دیوبند جیسی بستی میں ایک اعلیٰ درجہ کی

نیک مثال قائم کردی۔ رحمہ اللہ وایانا وایاکم۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔
کتنے ہی صاحب ثروت ہیں جو اسی طرح ایک جزو قلیل بھی اپنی کمائی کا ٹھکانے سے
لگا جائیں تو آخرۃ میں خارج از قیاس وگمان دولت انکو ملے۔ اور بہت سے نیک نہاد
ہیں جو اس خیال کو دل میں لئے ہوئے ہیں۔ مگر امروز وفردا میں وقت ہاتھ سے نکل
جاتا ہے اور وہ پھر کچھ نہیں کر سکتے۔ ع

خیرے کن ای فلان وغنیمت شمار عمر زان پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

آخر میں سب حضرات مرحوم کے لئے دعاء مغفرت فرمائیں۔

تبلیغ وہدایت

الحمد للہ۔ تبلیغ وہدایت کا سلسلہ جس پیمانہ پر مدرسہ عالیہ دیوبند میں جاری
کیا گیا تھا۔ اپنے اسی متانت وتدریجی رفتار میں جو مدرسہ کے اصول میں داخل ہی
ترقی پذیر ہے۔ مدرسہ بوجہ مستقل سرمایہ نہونے کے اس صیغہ کو کافی وسعت نہیں دیسکا تاہم
جسقدر گنجایش ملتی جاویگی ترقی دیجاویگی۔

ماہ شعبان ورمضان میں مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ اور علما مختلف مقامات پر تشریف
لیگئے۔ اور اپنے پُر اثر بیانات سے بیحد فائدہ پہونچایا۔ رسالہ القاسم میں اسکی تو گنجایش
نہیں کہ یہ حالات مفصل درج کئے جاویں تاہم بغرض اطلاع اجمالی کیفیت ہدیہ ناظرین کرنا
ضروری معلوم ہوتا ہے۔ امید کہ ناظرین اس اجمالی کیفیت سے اس صیغہ کی اہمیت
اور اسکے مفید ہونیکی ضرورت کا اندازہ کرکے یہ راے ضرور قایم کرینگے کہ تبلیغ واشاعت
کیلئے مدرسہ عالیہ دیوبند سے بہتر وموزوں جگہ دوسری نہیں ہے۔ اور یہ بھی خیال فرمالینگے
کہ اس صیغہ کو کسقدر جلد مستقل کردینے کی حاجت ہے۔

مولوی سید ہادی حسن صاحب نے جو منجانب مدرسہ اسی خدمت کیلئے مامور ہیں عرصہ
تین ماہ سے دہرہ دون ومنصوری میں قیام کیا اور اپنی مسلسل تقریر وبیان سے بیحد فائدہ
پہونچایا اور مسلمانوں نے بھی مولوی صاحب کے مواعظ کو نہایت رغبت وشوق سے

سُنا اور صدق دل سے اعتراف کیا کہ یہ سلسلہ جو منجانب مدرسہ قائم کیا گیا نہایت ضروری اور بیحد مفید ہے۔ دہرہ دون کے معتبر حضرات کا دستخط شدہ خط مدرسہ میں آیا جسمیں امور ذیل درج تھے۔

(۱) مولوی سید ہادی حسن صاحب جنکے مواعظ حسنہ اور علمی تبحر سے یہاں کے لوگ ایک عرصہ سے واقف تھے حسن اتفاق سے منجانب مدرسہ مامور ہوکر یہاں تشریف لائے اور مخالفین اسلام کا بڑی عمدگی و فصاحت سے جواب دیا۔

(۲) مسلمانان دہرہ دون کا اشتیاق مولوی صاحب کے وعظ سننے کا بہت زیادہ ہے قلیل عرصہ میں اُنکی سیری نہیں ہوسکتی لہذا اُنکو چند ایام قیام کی اجازت دیجائے۔

(۳) یہ مدا شاعت اسلام جو مدرسہ سے شروع ہوا ہے ہم مسلمانان دہرہ کو اس سے نہایت خوشی ہے۔ اسکی بہت ضرورت تھی۔ اُمید ہے کہ رفتہ رفتہ چند عالم اسمیں اضافہ کئے جاوینگے۔

کوہ منصوری سے جناب مولانا حکیم **خلیل الرحمن** صاحب امروہی طبیب خاص جناب امیر محمد یعقوب خان صاحب و جناب مولوی **مرتضیٰ علی** صاحب نگینوی تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) مولوی ہادی حسن صاحب واعظ احکام ملّت بیضا دو ہفتہ سے کوہ منصوری پر اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں یہ ایسی عمدہ خدمت ہے جسکی ہندوستان کے اکثر اطراف میں نہایت ضرورت ہے۔

(۲) نہایت خوب ہو اگر واعظین صالحین کی تعداد تبلیغ احکام شریعت نبوی علی صاحبہا الف الف صلوۃ و سلام اور زیادہ کی جائے۔

مولوی حافظ عبد السمیع صاحب دیوبندی اور مولوی احمد حسن صاحب کیرانوی نصف ماہ شعبان کے بعد انبالہ تشریف لیگئے اور وہاں پر نہایت خوبی سے احکام شریعت کی تبلیغ کی مسلمانان انبالہ نے نہایت اہتمام سے مجالس وعظ منعقد کیں۔ اور اتباع شریعت کا خاص جوش اُن میں پیدا ہوا۔ انبالہ سے یہ دونوں صاحب بستی متصل سرہند گئے وہاں جناب حاجی عبد الرحیم صاحب نے مجالس وعظ کے انعقاد کا نہایت اہتمام کیا اور ہر دو

مولوی صاحبوں کو بہت اصرار کے ساتھ زیادہ قیام پر مجبور کیا۔ بسی سے پٹیالہ ہوتے ہوئے مولوی عبدالسمیع صاحب کلانور تشریف لیگئے اور وہاں چند روز قیام کرکے مسلمانان کلانور کو اپنے بیانات سے مستفید کیا اور مولوی احمد حسن صاحب نے بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں چند وعظ بیان کئے اور اہل بڈہانہ نے بہت رغبت وشوق سے وعظ سنے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

کرانچی میں آریہ جماعت کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا اور اسمیں اہل اسلام سے مناظرہ کی قرارداد ہوگئی۔ تب انجمن ضیاء الاسلام کرانچی کیجانب سے مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی عثمانی مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند کی طلب میں تار آیا۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف ۲۲ر رمضان کو روانہ کرانچی ہوئے۔ اور وہاں بحمد اللہ مولوی صاحب کے نہایت موثر بیانات ہوئے جو بہت ہی دلچسپی سے سُنے گئے اور اہل کرانچی پر اُن بیانات کا گہرا اثر پڑا۔ اور مولوی صاحب ہی کی موجودگی میں جمعیۃ الانصار کی شاخ قاسم المعارف کا باضابطہ انعقاد و افتتاح ہوا۔ ۲۸ر رمضان ۲۹ھ کو عین تراویح کے وقت سکرٹری صاحب انجمن ضیاء الاسلام کا تار بدیں مضمون موصول ہوا کہ مولوی شبیر احمد صاحب نے نہایت کامیابی حاصل کی اور آج کی میل میں روانہ دیوبند ہوگئے۔ ۳۰ر رمضان کو دس بجے دن کے مولوی صاحب موصوف بخیریت تمام دیوبند پہونچے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

مولوی سید مرتضی حسن صاحب مدرس مدرسہ عالیہ رمضان المبارک میں کلکتہ تشریف لیگئے اور وہاں جامع مسجد کلاں اور انجمن معین الاسلام اور دوسرے مقامات پر متعدد بیانات ہوئے یہ بیش بہا بیانات تھے جو آجتک اہل کلکتہ نے نہ سُنے تھے ان بیانات سے جسقدر اہل کلکتہ محظوظ ہوئے اور جو کچھ اُن حضرات کے قلوب پر اثر پڑا اسکا اندازہ تحریر سے ہونا مشکل ہے اور نہ القاسم میں اسکی گنجایش ہے۔ جو عجیب و غریب واقعات وہاں پیش آئے اور جس زور کے ساتھ اتباع شریعت کی محبت وہاں کے عام وخاص قلوب میں راسخ ہوئی اُسکے حالات کسی وقت مفصل تحریر کے ذریعہ سے شاید شایع ہوں۔ کلکتہ کی تحریریں اس بارہ میں ہمارے پاس آئی ہوئی ہیں مگر بوجہ عدم گنجایش درج کرنے سے معذور رہیں۔ مولوی صاحب کے دوران قیام میں وہاں کے مقتدر حضرات نے نہایت

جوش کے ساتھ جمعیۃ الانصار کی شاخ قاسم المعارف کا انعقاد و افتتاح کلکتہ میں کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

یہ امر بھی ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ کرانچی و کلکتہ میں کسی قسم کی تحریک مدرسہ عالیہ کے چندہ کیلئے نہیں ہوئی اور نہ اسکا خیال کیا گیا۔ البتہ انبالہ۔ بسی۔ دہرہ۔ منصوری کلانور میں خاص خاص حضرات کی توجہ سے مدرسہ عالیہ کی اعانت کی تحریک بھی ہوئی۔ مثلاً بسی میں جناب حاجی عبدالرحیم صاحب نے جو خاص معاون مدرسہ ہیں اور گذشتہ سال ایکہزار روپیہ مدرسہ کو عطا فرما چکے ہیں۔ اس موقع پر مبلغ یکصد ؏ روپیہ اپنی ذات سے عطا فرمایا اور دوسرے حضرات سے بھی چندہ دلوایا۔ علیٰ ہذا انبالہ میں جناب منشی غلام حبیب صاحب ٹھیکہ دار انبالہ نے مبلغ یکصد ؏ روپیہ دارالحدیث کے لئے عطا فرمایا۔ جزاھم اللہ خیراً الجزا۔

توفیق الٰہی

حق تعالیٰ کے فضل و توفیق کیلئے نہ کوئی خاص صورت معین ہے اور نہ کسی زمانہ اور مکان کی قید ہے جب ادھر سے کشش ہوتی اور داعیہ جذب پیدا ہوتا ہے تو ایک نہایت منہمک و مشغول اشغال دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور آن کی آن میں تمام تعلقات منقطع ہو کر تجرد کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

جناب مولوی سید جمال شاہ صاحب تحصیلدار فاضلکاہ کو آخری زمانہ ملازمت میں تحصیل علم دین کا شوق پیدا ہوا اور اسی مقصد کے لئے ایک سال کی رخصت حاصل کرکے ماہ شعبان ۲۸ھ میں بغرض طالب علمی رونق افروز دیوبند ہوئے۔ لیکن دیوبند آکر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک عالم کو اپنے ساتھ رکھکر اس خیال کو پورا کریں۔ اس بنا پر مولوی محمد ابراہیم صاحب لدھیانوی کو اپنے ہمراہ لیگئے۔ اور تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ مگر داعیہ جذب آلٰہی آنکو حرمین شریفین کے مقامات اور راستوں کی سیر کرانا چاہتا تھا۔ شوال ۲۸ھ میں حج کا ارادہ کر دیا اور وہاں سے واپس آنیکے کچھ عرصہ بعد داعی اجل کو لبیک کہکر کے عالم آخرۃ میں تشریف لیگئے۔ لیکن شاہ صاحب نے وصیت فرمائی کہ میری کل کتابیں مدرسہ دیوبند میں بھیجدی جاویں۔ آپ کے برادر سید مدد علی صاحب نے اس وصیت پر پورا عمل کیا۔ اور کل کتب خانہ جنمیں ہر فن کے قریب تین سو نسخے کے ہیں مدرسہ میں بھیجدئے۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی مغفرت فرمائے اور دوسرے باہمت مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ اپنے لئے جو کچھ کرنا ہے اپنے اختیار سے کر جائیں۔ واللہ الموفق۔

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بہ نماز

(بقیہ ماہ رجب نمبر ۲ جلد اوّل)

ایک کوتاہی نماز کے متعلق یہ ہے کہ بعضے آدمی حتی الامکان نماز تو فوت نہیں ہونے دیتے مگر وقت کا اہتمام نہیں ہوتا اکثر تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں۔ بعض دفعہ قضا بھی ہو جاتی ہے گو کم سہی اور گو پھر فوراً قضا پڑھ بھی لیتے ہیں پھر بعض کو تو کوئی مجبوری ظاہری ہوتی ہے گو وہ مجبوری اسلئے معتبر نہیں کہ اگر اُس میں سعی و توجہ کرتے تو ضرور کوئی صورت انتظام کی نکل آتی مگر بعض تو محض بیکار گپوں میں مشغول رہکر وقت کو اخیر کر دیتے ہیں اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ بعضے اِنمیں مشائخ ہیں اور محض تضلیل شیطانی یا تسویل نفسانی سے تاخیر صلوٰۃ کے خوگر ہو گئے ہیں چنانچہ ہر ایک کے متعلق مختصر مختصر کلام کیا جاتا ہے جو لوگ ظاہراً کوئی مجبوری بتلاتے ہیں اُن میں بعض کو تو کسی درجہ میں بھی مجبوری نہیں جیسے تاجر و مزدور و حاکم اجلاس و اہل حرفہ و امثالہم کہ یہ لوگ بالکل آزاد ہیں تھوڑی دیر کے لئے کام چھوڑ سکتے ہیں سو اُنکے عذر کے متعلق تو کسی جواب کی ضرورت نہیں اور بعض کو البتہ کسی درجہ میں مجبوری ہے جیسے نوکر ایسے افسر کا جسکے سامنے اپنی رائے سے کچھ نہیں کر سکتا سو اُسکے متعلق یہ ہے کہ اوّل تو اوقات نماز میں اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دیکھا سُنا اکثر یہی ہے کہ باستثناء شاذ و نادر کوئی افسر نماز سے منع نہیں کرتا اور اگر کسی طرح اجازت حاصل نہ ہو نہ خود اُس سے نہ اُسکے بالا افسر سے تو اس صورت میں ایسی نوکری ہی جائز نہیں خدا تعالیٰ دوسرا سامان رزق کا کر دیگا ایسی نوکری چھوڑ دینا چاہئیے البتہ جس شخص کے پاس بظاہر سر دست کوئی سبیل ضروری معاش کی بھی نہ ہو نہ نوکری میں نہ سرمایہ ہو کہ تجارت کرے نہ مزدوری

کی عادت ہو اور بدون عادت چلنا دشوار ہوتا ہے تو ایسی حالت میں نوکری چھوڑنے میں تعجیل نکرے اس فکر میں لگا رہے دوسرے خیر خواہوں سے بھی سعی کراوے اور تا حصول کسی سبیل کے ہمیشہ اس بلائے اختلال وقت صلوۃ سے استغفار اور دعائے استخلاص اور دوسری سبیل کے استحصال کی کرتا رہے۔

اور جنکو برائے نام بھی مجبوری نہیں محض بیکار وقت ضائع کرتے ہیں اُنکو اپنی حالت پر خاص طور سے نظر کرنا چاہئے اور نفس سے محاسبہ کرنا چاہئے کہ جب پانچوں وقت نماز پڑھنا پڑے تو تاخیر اوقات سے کونسی آسانی و تخفیف نکلی اور مجبوری کچھ ہی نہیں تو نہ کوئی مصلحت تھی کہ تاخیر کے اختیار کرنیکا مرجح ہو نہ کوئی مجبوری تھی کہ تاخیر بالاضطرار کا سبب ہو پھر وبال لینے سے کیا حاصل ہوا اگر نفس یہ کہے کہ تاخیر کرنے سے شغلہ تفریح کا وقت زیادہ مل سکتا ہے تو اُسکو جواب دینا چاہئے کہ اگر دو نمازیں اوّل وقت میں پڑھی جاویں تب بھی اُنکے مابین اُتنی ہی گنجایش ہوگی جتنی اِن دونوں نمازوں کو اخیر وقت پر پڑھنے سے ملتی ہے مثلاً اگر کسی نے ظہر چار بجے پڑھی اور عصر سات بجے تو درمیان میں تین گھنٹے ملے۔ سو اگر ظہر دو بجے پڑھتا اور عصر پانچ بجے تب بھی درمیان میں تین گھنٹے ملتے تو جتنا کام درمیان میں تاخیر کی صورت میں کر سکتا ہے اُتنا ہی تعجیل کی صورت میں کر سکتا ہے۔ پھر تاخیر میں بجز مضرت کے کونسی مصلحت ہوئی۔

اور ایسے مشایخ کو اولاً تو تضلیل شیطانی اور کبھی تسویل نفسانی اس تاخیر کا سبب ہوتی ہے تضلیل شیطانی اس طرح کہ اُنہوں نے اپنی تجویز سے یا اپنے شیخ کی تعلیم سے کوئی معمول یا ورد ایک خاص مقدار سے مقرر و ملتزم کر لیا اور اُسمیں وقت کی تعیین محض کسی مصلحت زائدہ غیر ضروریہ کے سبب سے تھی مگر بروے غلو اس عالم ملتزم نے اُسکو ایسا ضروری سمجھا کہ اُسکی حفاظت کیلئے مہمات دینیہ کی بھی پروا نہ رہی مثلاً بعض اوراد مابین سنت و فرض فجر کے پڑھے جاتے ہیں۔ میں نے بعض متشددین و مصرین کو دیکھا ہے جماعت کھڑی ہو گئی مگر وہ اپنے ورد میں مشغول ہیں حتی کہ جماعت فوت کر دی اور بعض اوقات خود وقت بھی تنگ ہو گیا مگر اُس ورد کی ترتیب میں

تغیّر و تبدیل کو ہرگز جائز نہ رکھینگے۔ حالانکہ یہ تغیّر فی نفسہ جائز تھا اور جب عدم تغیر سے جماعت فوت ہو کُلاً یا بعضاً یا وقت تنگ ہو جاوے اُسوقت تغیر واجب تھا۔ مگر انکو ترک واجب کی ذرا پروا نہیں۔ پھر اپنے اس التزام پر اسقدر شاداں و نازاں ہیں کہ اپنے کو صاحب استقامت سمجھتے ہیں کہ کبھی معمول میں تغیر نہیں ہوتا۔ میں نے ایک شخص کو یہ فخر کرتے ہوئے سُنا ہے کہ صاحب میری فرض نماز تو ناغہ ہو جاتی ہے مگر پیر صاحب نے جو کچھ بتلا دیا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ غلو فی الدین[1] اور اتخاذ احبار و رہبان کی یہ اقبح افراد میں سے ہے سبب اسکا جہل ہے علوم شرعیہ سے کہ حدود اعمال کی معلوم نہیں۔ خواہ یہ بے علمی بسیط ہو یا مرکب ہو علی اختلاف الاقوال۔ یہ تو تضلیل شیطانی تھی۔ اور تسویل نفسانی اس طرح سے ہو کہ افراط فی الشفقۃ علی الخلق کے سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لینے سے بہت لوگ جماعت سے رہ جاوینگے خوب انتظار کرنا چاہیئے تاکہ سب جماعت میں ملجاویں اور کوئی محروم نہ رہے اسکا نام تسویل اسلیئے رکھا گیا کہ صورۃً یہ خیال نہایت محمود ہے اور نفسانی اسلیئے کہا گیا کہ منشا اِسکا ایک صفت ہے صفات نفسانیہ سے کہ وہ شفقت ہے اور گو وہ فی نفسہ صفت محمودہ ہے اور اسلیئے جو خیال اس سے ناشی ہے کہ وہ خیر خواہی ہے آنیوالے نمازیوں کی کہ کوئی محروم نہ رہجاوے وہ بھی نیک ہے مگر ہر محمود اُسیوقت تک محمود ہے جب تک وہ کسی امر مذموم کو متضمن نہ ہو اور یہاں یہ شفقت اور یہ خیر خواہی سبب ہوگئی تضییق[2] وقت کی حد غیر مشروع تک اور یہ مذموم ہے اسلیئے وہ منشا اور ناشی سب مذموم ہوگیا۔ اور ان سب نمازوں میں سب سے زیادہ قابل نظر ایسے حضرات کیلیئے جمعہ کی نماز ہے کیونکہ اور نمازوں کا اگر وقت نکل گیا اور علم نہوا تو وہ فرد قضا کی تو بن سکتی ہیں گو بعض فقہاء کے نزدیک سہی۔ اور جمعہ کا وقت اگر نکل گیا تو

---

[1] یعنی حق تعالیٰ نے جو دین میں تشدد کرنیوالوں کی اور اپنے پیشواؤں کو بمنزلہ معبود سمجھنے والوں کی سخت مذمت فرمائی ہے اُسی کی بہت بُری مثال یہ جاہلانہ فعل ہے ۱۲ فقیر اصغر حسین

[2] یعنی اس خیر خواہی کی وجہ سے وقت اسقدر تنگ ہوگیا جسکی شرعاً اجازت نہیں ۱۲

اُسکی قضا ظہر سے ہوسکتی تھی نہ کہ جمعہ سے۔ پس جب جمعہ پڑھا تو وہ نہ ادا ہوا کیونکہ وقت نہ تھا اور نہ قضا کیونکہ قضا میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا۔ تو بس یہ نماز ان سب کے ذمہ پر واجب رہی۔ اور رہی وہ مصلحت کہ کوئی رہ نجاوے۔ اوّل تو جب اُس میں اتنا بڑا مفسدہ لازم ہے تو اُس مصلحت کا کیا اعتبار۔ پھر وہ مصلحت بھی کچھ تاخیر کے ساتھ خاص نہیں۔ تجربہ سے یہ امر یقینی ہے کہ اس باب میں جس جگہ جیسی عادت کا التزام کرلیا جاتا ہے تمام لوگ اُسی کے تابع ہوجاتے ہیں۔ جہاں سویرے نمازیں ہوتی ہیں سب کو تقاضا سا رہتا ہے کہ جلدی چلو چنانچہ سب فوراً جمع ہوجاتے ہیں اور کوئی بھی متخلف نہیں رہتا۔ اور جو رہنے والے ہیں وہ مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اِس تاخیر میں بھی رہجاتے ہیں بلکہ اکثر رہتے ہیں اُنکو بفکری رہتی ہے کہ میاں ابھی کیا جلدی ہے وہاں تو بہت دیر میں جماعت ہوا کرتی ہے بس اسی میں رہجاتے ہیں تو تاخیر کی وہ غرض بھی حاصل نہیں ہوئی اور اگر حاصل بھی ہوتی تب بھی وہ لاحاصل ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔ بہرحال وقت کا اسقدر موخر کرنا نماز کا بالکل تباہ کرنا ہے چنانچہ احادیث میں اِس پر سخت زجر آیا ہے اور ایسی نماز کو منافقوں کی نماز فرمایا ہے۔ اور گاہ گاہ اہل علم میں سے بھی بعض کو اسمیں ابتلاء ہوتا ہے جسکا اکثر موقع یہ ہوتا ہے کہ مدرس کو کوئی کتاب ختم کرانا ہے یا سبق کسی خاص مقام تک پہنچانا ہے یا ممتحن کو کسی جماعت کو امتحان سے فارغ کرنا ہے یا مصنف کو کسی مضمون کا پورا کرنا ہے تو ان مقاصد کو رعایتِ وقت پر بسا اوقات ترجیح دیدی جاتی ہے۔ اسکا وقوع علماء سے بہ نسبت مشائخ کے اور بھی زیادہ عجیب ہے کیونکہ یہ اصل وضع میں مقتدائے دین ہیں۔ جب مقتدا ایسا کریگا پھر مقتدی کا کیا پوچھنا ہے۔

ایک کوتاہی (گو ایسا شاذ ہوتا ہے مگر ہوتا ہے) اِس کوتاہی مذکور کے مقابل کوتاہی ہے یعنی نماز میں اسقدر تعجیل کرنا کہ وقت بھی آنا یقینی نہو۔ بعض لوگ فجر کی نماز صبح صادق سے پہلے شروع کرتے ہوئے دیکھے سُنے گئے۔ بعض اہل افراط

جمعہ کے روز دن بھی نہیں ڈھلنے دیتے اور کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بعضے مریضوں کو دیکھا گیا کہ مغرب کے تھوڑے ہی دیر بعد آسانی کیلئے عشا پڑھ لیتے ہیں وقت بھی نہیں آتا۔ اور جسکے مسلک پر مثلین کا قول بھی قوت رکھتا ہو اُسکے لئے عصر کی نماز مثلین کے قبل پڑھ لینا احتیاط کے خلاف ضرور ہے۔ بہرحال وقت میں افراط وتفریط کرنا دونوں واجب التحرز ہیں۔ اگر اجلاس پر حاضری کا مُعیّن وقت پر حکم ہو تو قبل از وقت آکر اظہار دینا۔ یا وقت ختم کرکے آنا دونوں بیکار ہیں تو شریعت کی تعیین کی وقعت وعظمت کیوں نہ کیجائے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ شرائط وارکان میں ذرا سے عذر موہوم سے اُسی رخصت پر عمل کرنے لگتے ہیں جو کہ عذر قوی کے متعلق ہے۔ مثلاً ذرا حرارت کا شُبہ ہوا یا ذرا ہوا میں خنکی ہوئی بجائے وضو وغسل کے تیمم کرلیا۔ ذرا طبیعت میں کسل ہوا بیٹھکر نماز پڑھنے لگے۔ ریل میں ذرا جگہ کی تنگی ہوئی جسکا آسانی سے انتظام ہو سکتا تھا بیٹھکر اور بعض دفعہ بے رُخ بعض دفعہ اشارہ سے نماز پڑھنا شروع کردی بلکہ ریل میں تو بالکل نماز ہی اُڑا دیجاتی ہے۔ بالخصوص عورتیں تو ریل میں شاذ ونادر ہی نماز پڑھتی ہونگی۔ اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ یہاں نہ پانی کا ٹھیک ہے نہ جگہ گنجایش کی ہے نہ تختہ پاک ہے نہ رُخ معلوم ہے یا رُخ کی طرف پڑھنا دُشوار ہے نہ پردہ کا پورا انتظام ہے۔ اور اِن عذروں سے مستورات کی نماز بہل کے سفر میں بھی اکثر برباد ہوتی ہے۔ اور اِن سے زیادہ اُن لوگوں کی حالت قابل حسرت ہے جو حج کو جاتے ہیں اور ریل یا جہاز میں بیہودہ وساوس سے یا کاہلی سے نماز نہیں پڑھتے ایک عبادت ادا کرنے چلے اور پانچ فرض روزانہ برباد کئے۔ اگر جہاز ہی کی ضایع شدہ نمازیں شمار کی جاویں اور ایک پھیرے میں پندرہ دن کی رفتار فرض کیجاوے تو پانچ نماز روز کے حساب سے پچھتّر نمازیں ہوتی ہیں اور اسی طرح اگر واپسی کا پھیرا لیا جاوے تو اتنی ہی اُسمیں ہوکر ڈیڑھ سو ہوئیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک فرض ادا کیا اور ڈیڑھ سو فرض برباد کئے۔ کیا ایسے شخص کے حج کو کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا فرض سمجھکر

کیا گیا ہے اگر یہ تھا۔ تو ڈیڑہ سو فرض بھی تو خدا ہی کے تھے انکو کس دل سے ضایع کرنا گوارا کیا سچ ہے کہ ہم لوگوں کو باعث عبادت کا بھی اکثر امور نفسانیہ امتیاز یا دفع ملامت وغیرہ ہوتا ہے۔ یا اگر مجرد نہیں ہوتا تو آمیزش زیادہ ضرور ہوتی ہے۔ بہر حال اگر ان لچر بناؤں پر نماز ترک کردی تب بھی۔ اور اگر اسمیں بلا فتوی شرعی رخصت پر عمل کرلیا کہ وہ بھی ترک ہی کے حکم میں ہے تب بھی نہایت بددلی کی دلیل ہے۔ ایسی نماز پر تو خاصہ شبہ ہوتا ہے کہ محض دکھلاوے کیلئے نام کرنے کو پڑھتے ہیں ایسے نمازیوں کی شان میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوة قاموا کسالی یرآؤن الناس ولا یذکرون الله الا قلیلاً۔ بڑی وجہ اسکی دو امر ہیں ایک مسائل کی ناواقفی۔ دوسرے نماز کی عظمت دل میں نہونا اوّل کا علاج علم وواقفیت ہے، جسکا طریق سہل یہ ہے کہ نماز کے متعلق جو صورتیں پیش آجاویں یا جو جو احتمال ذہن میں آتے رہیں اُن سب کو حافظہ میں یا کتابت میں مقید ومحفوظ کرکے زبانی یا بذریعہ خط علماء ماہرین سے پوچھتے رہیں۔ دوسرے کا علاج یہ ہے کہ دل میں وعیدین مخالفت احکام کی سوچیں تاکہ ان احکام کی عظمت پیدا ہو۔ جب عظمت پیدا ہوگی تو ضرور اُسکی کوشش وارادہ کریگا۔ جب کوشش وارادہ کریگا خود ان عذروں کا لغو ہونا سمجھ میں آجاویگا۔ کیا کسی تقریب میں جانیکے وقت یا کسی معزز مہمان کے آنیکے وقت جبکہ بدن اور کپڑے میلے ہوں یہی شخص جو ادنے بہانہ سے تیمم کرتا ہے غسل کرکے کپڑے بدلتا ہوا نہیں دیکھا جاتا کیا ایسے ہی موقع پر اگر دیر تک کھڑا ہونا پڑے بلکہ چلنے کی ضرورت ہو تو کیا اُسکو آسان نہیں ہوجاتا مگر نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ کیا ریل میں اپنی آسایش کی ضرورت سے یا اپنے کسی مریض رشتہ دار کے آرام دینے کیلئے مسافروں سے جگہ دینے کی اس نے کبھی درخواست نہیں کی۔ تو نماز کیلئے مُہر سکوت مُنہ پر کیوں لگائی جاتی ہے بلکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ نماز میں وہ اثر اور برکت ہے کہ جب نماز کے لئے جگہ دینے کی درخواست کیجاتی ہے تو شواذ تو ہر جگہ مستثنےٰ ہوتے ہیں اور شمار میں نہیں آیا کرتے باقی کہیں نہیں دیکھا کہ کسی نے

ذرا بھی عذر کیا۔ مخالف مذہب والے تک رعایت کرتے ہیں۔ مگر خود ہی کوئی کچا اور اور کم ہمت ہو تو کیا علاج۔ ورنہ ریل میں اچھے خاصے کھڑے ہو کر رکوع و سجدہ کیساتھ اور رُخ کی طرف نماز ہوتی ہے اور اگر کبھی موقع پر واقعی عذر ہو تو وہاں شریعت نے تنگ نہیں کیا۔ رُخص پر عمل جائز ہے اور بعضے عذر بالخصوص مستورات کے جو عذر مذکور ہوئے مسائل جاننے سے رفع ہو جائینگے۔ اُن ہی میں سے ایک عذر پردہ کا ہے کہ بہلی سے اُتر کر نماز پڑھنے سے بے پردگی ہے۔ تو اسکے متعلق حکم شرعی سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے وقت میں صرف برقع کا پردہ کافی ہے۔ بہلی کے احاطہ میں رہنا ضرور نہیں۔ اور حجاج کا نماز ترک کرنا اگر احکام کی عظمت نہونے سے ہے تو اُس کا علاج ابھی مذکور ہوا کہ وعیدیں مخالفت احکام کی سوچے۔ اور اگر جہاز میں پاکی کا اہتمام نہ ہونا اس کا سبب ہے تو اسکے متعلق اوّل کوتاہی کے ضمن میں جہاں بیماروں کا نماز چھوڑ دینا بخیال نجاست بدن و پارچہ کے مذکور ہے بیان کیا گیا ہے اور اگر یہ حج نفل ہے اور کسی سبب سے اہتمام نماز کا نہوسکے تو اُس شخص کو اس حج کیلئے سفر کرنا ہی جائز نہیں وہ اپنے گھر رہکر کام میں لگے۔ وعلیٰ مثلہ یحمل ما قال العارف المسعود بک[۵]

ای قوم بحج رفتہ کجائید کجائید		معشوق درینجاست بیائید بیائید

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعدیل ارکان و اتیان سنن کا اہتمام نہیں کرتے نہ قومہ ہے نہ جلسہ ہے۔ رکوع میں بھی ہیئت مسنونہ پر نہیں قیام بھی قدر قرأت مسنونہ سے کم ہے۔ قرأت میں بھی غلط صحیح کی خبر نہیں۔ نماز کیا پڑھتے ہیں بیگار ٹالتے ہیں۔ ایک حدیث میں ایسے شخص کو نماز کی چوری کرنے والا فرمایا ہے۔ اور ایک حدیث میں ایک ایسے شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم اس ارشاد کے بعد دیا کہ جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ یعنی یہ نماز تیری نہیں ہوئی۔ یہ مسئلہ فقہیہ تو الگ رہا کہ اسکی نماز ہوئی یا نہیں لیکن اگر ہوئی بھی تو وہ بھی ایسی ہی ہوئی جیسی ایک ایک کنیزک لنگڑی لُنجی اندھی بہری گونگی اپاہج بیمار ہو اور وہ ایک درجہ میں

[۵] یعنی عارف مسعود بک نے جو شعر کہا ہے وہ ایسے ہی موقعہ پر حمل کیا جائیگا ۱۲

آدمی تو ہے مگر قابل اسکے نہیں کہ کسی صاحب کمال صاحب جمال صاحب جلال بادشاہ کی نذر میں پیش کیجا سکے اور وہ اُسکو قبول کرلے اسی طرح یہ نماز ایک درجہ میں نماز کہلائی جاویگی مگر جب اُسکے ارکان جو بمنزلہ اعضا کے ہیں ناقص ہیں تو وہ قابل اسکے نہیں کہ حق تعالیٰ کی حضور میں قبول ہو سکے یا اعضاء درست ہوں مگر ہیئت مسنونہ پر نہونے سے ایسی ہوگی جیسے تندرست کنیزک خال وخط ناز وادا سے خالی ہو جو بادشاہ کو مطبوع خاطر ہے۔ پس درجہ کمال میں مقبول نہوگی یعنی محبوب نہوگی گو لیلی جاوے۔ اسلئے اُسکی تعدیل اور تکمیل ضروری ہے رکوع وسجود وغیرہ کی درستی کیلئے تو خالی ارادہ کافی ہے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں۔ البتہ قیام بقدر مسنون کیلئے کچھ سورتیں خاص سیکھنا ضرور ہونگی جسکے لئے عم کا سیپارہ حفظ ہونا کافی ہے کہ اسمیں سورہ بروج تک طوال مفصل ہے اور لم یکن تک اوساط اور اس سے سورہ ناس تک قصار کہ انکے یاد کرنے سے مختلف نمازوں میں سنت ادا ہو سکتی ہے۔ اور تصحیح قرآن کیلئے کچھ توجہ کرنا پڑیگی۔ جسکے متعلق اسکے قبل عنوان اصلاح معاملہ بقرآن مجید کے ذیل میں عرض کرچکا ہوں۔ اُسکا ملاحظہ فرمانا اس باب میں کافی ہوگا۔ اور جس طرح اپنا قرآن صحیح کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گھر والوں کی نماز اور قرآن جسقدر نماز میں پڑھا جاتا ہے اہتمام کرکے درست کرادیں اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کام میں چند روز صرف کریں تو بہت آسانی سے اسمیں کامیابی ہو سکتی ہے۔ غرض اس طرح سے نماز کی تکمیل وتعدیل میسر ہو جاویگی۔ اور بعض بارہ مہینے اچھی خاصی نماز پڑھتے تراویح میں تعجیل کی مشق کرنے لگتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی نمبر میں اسکے متعلق خصوصیت کے ساتھ عرض کیا جاویگا۔

ایک کوتاہی کہ وہ نمازی امراء میں بالخصوص کثرت سے ہے جماعت کا ترک کرنا ہے۔ نصوص سے اُسکا حد درجہ اہتمام ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ اُسکے ترک پر جو وعیدین آئی ہیں اُن پر نظر کرکے بہت علماء نے اُسکو واجب کہا ہے اور بعض محققین فقہاء حنفیہ نے بھی اسکو اختیار کیا ہے اور واجب عمل میں اور ترک کے گناہ

اور سزا میں برابر فرض کے ہے پس ایک فرض کو ادا کرنا اور اُسکے مساوی کو ادا نکرنا یہ کس درجہ کی غلطی ہے۔ اور تتبع سے جہانتک دیکھا گیا سبب ترک جماعت کا اکثر دو امر ہیں ایک سُستی کہ اتنی دور کون جائے۔ دھوپ میں کون جائے۔ دوسرے تکبر کہ ذلیل لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑیگا یا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پڑیگی۔ اور کبھی اس کا سبب مسجد میں ان لوگوں کی شان وعادت کے موافق سامان آسایش کا مفقود ہونا ہوتا ہے چنانچہ میں نے ایک صاحب کو یہ عذر کرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں وضو کا موقع ایسا ہے کہ وہاں بیٹھیں تو کپڑوں کو کائی لگجاتی ہے۔ چٹائیاں سڑی ہوئی جنمیں گرد وغبار بھرا ہوا ہوتا ہے ہیں جس سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں۔ ہوا کا گذر نہیں دل پریشان ہوتا ہے۔

سُستی کے متعلق تو اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اگر اُسی وقت میں کوئی دنیا کا کام جسمیں مال وجاہ کا نفع ہو نکل آوے یہی حضرات اس طرح اُسکی طرف دوڑیں کہ ذرا بھی کسل ہو نہ گرانی ہو۔ افسوس کیا آخرت کی ضرورت اس درجہ پر بھی نہ رہی۔ میں نے ایک صاحب کو دیکھا ہے کہ اُنکے دروازے پر مسجد تھی مگر کبھی وہاں تشریف نہ لاتے تھے ایکبار اُنکے یہاں لڑکے کی تقریب بسم اللہ کی تھی اور اُنکے ایک غریب بھائی کسی بات پر اینٹھ گئے تھے عین جیٹھ بیساکھ کے دوپہر میں ایک بچے کی چھتری کہ وہ پورا سایہ بھی نکر سکتی تھی لگا کر اُنکے پاس ایک دُور محلہ میں گئے اور اُنکو منا کر لائے۔

یا اللہ۔ دنیا کی مصلحت کے وقت وہ سُستی کہاں چلی جاتی ہے۔ علاج اسکا وہی وعیدوں کا یاد کرنا ہے۔ اور تکبر کے باب میں یہ معروض ہے کہ اوّل تو آپکی شان ہی کیا ہے شاید وہ مساکین خدا تعالیٰ کے نزدیک تم سے زائد محبوب ومقبول وذی جاہ ہوں اسکے سامنے دنیوی عزت گرد ہے بلکہ عجب نہیں کہ قیامت میں تمکو ان ہی مساکین کی التجا کرنی پڑے اور اُنکی استدعا سے تمھاری رہائی ہو۔ تو باوجود قیام اس احتمال کے تمکو اُنکے حقیر سمجھنے کا کیا حق حاصل ہے۔ دوسرے اگر تمھاری شان اُن مساکین سے زائد بھی مان لیجاوے تو تم مساجد میں اُن مساکین کی تعظیم کیلئے تو نہیں

نہ بھیجے جاتے کہ خلاف شان ہو۔ بلکہ تم اور وہ سب ایک ایسے عظیم الشان کی تعظیم کیلئے جمع ہوئے ہو جسکی تعظیم سے تمھاری شان بڑھتی ہے کیا کسی بادشاہ کے دربار عام کے موقع پر کوئی شخص محض اس بناء پر حاضر ہوکر سلام کرنے سے اعراض یا اغماض کرنیکی ہمت کر سکتا ہے کہ وہاں تو غرباء بھی جاکر سلام کرتے ہیں۔ اور اُس سلام کیلئے جانا اہانت ہے۔ کیا سچ مچ ایسے دربار کے موقع پر سلام کرنا اہانت ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیا اگر کوئی ایسا سمجھکر نہ جائے تو وہ سرکش اور گستاخ نہ سمجھا جاویگا ضرور ضرور۔ تو تعجب ہے کہ دربار شاہی کے ساتھ تو یہ برتاؤ اور دربار الٰہی کے ساتھ یہ برتاؤ۔ صدق[1] اللہ تعالیٰ۔ ما قدروا اللہ حق قدرہٖ ان اللہ لقوی عزیز۔

اور اگر کسی مسکین کے امام ہونے سے عار آتی ہے تو اوّل تو وہ عار کی بات نہیں۔ کیا حکام کے درباروں میں حاضر ہونے کے وقت اردلی خاص کہ رتبہ اور ریاست میں تمھاری برابر نہیں پیشی کرنے کے وقت تمھارا پیشرو نہیں ہوتا۔ پھر اُسوقت عار کیوں نہیں آتی۔ یہ ساری عار خدا ہی کے معاملہ میں کیوں ہے اصل یہ ہی کہ وہاں تو خوشنودی مقصود ہے وہ جس طریق سے بھی حاصل ہو۔ اور یہاں یہی مقصود نہیں ورنہ کسی طریق سے بھی عار نہ آتی وللہ در العارف الرومی حیث یقول ؎

شاد باش ای عشق خوش سودائے ما ‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ وے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ اے تو افلاطون و جالینوس ما

دوسرے اگر پھر بھی عار ہے تو آپ لیاقت علمی و عملی اُن مساکین سے زیادہ حاصل کیجئے پھر آپ کے ہوتے ہوئے وہ غریب خود ہی امام نہ بنے گا۔ آپ امام بنئے اُس مسکین کو عار نہ آویگی وہ اقتدا کریگا اور جماعت ہوجاویگی۔ افسوس خود تو الحمد اور قل ہو اللہ بھی صحیح نہ جانتے ہوں۔ اِس تک کی خبر نہو کہ سجدۂ سہو کن کن صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے۔ اسلئے تو خود امامت کے قابل نہوں اور جو دوسرا اس قابل ہو اُس سے عار کریں یہ عار نہیں نار ہے ؎ زینہار از چنیں تکبر و عار + وقنا ربنا عذاب النار +

(باقی آئندہ)

[1] خدا تعالیٰ نے سچ فرمایا ہی کہ اللہ تعالیٰ کے رتبہ کیموافق لوگ اُسکی قدر نہیں جانتے حق تعالیٰ نہایت قوت والا اور غالب ہے

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ا جلد دوم ملاحظہ ہو)

یوم الاباقر مسلمانوں کے تائیدی واقعات کے سلسلہ میں ذیل کا واقعہ بھی اتنا عجیب ہے جسکو سُننے کے بعد اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے مؤید من اللہ ہونے کی نسبت کسی سخت منکر اور پردہ پوش کو بھی انکار کی گنجایش نہیں رہتی۔

قادسیہ کے مشہور عالم تاریخی واقعہ سے پہلے جسکا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عاصم ابن عمرو کو میسان کے فتح کیلئے روانہ کیا۔ عاصم ابن عمرو وہاں پہونچے تو دشمن قلعہ میں داخل ہوکر محفوظ ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو رسد کے بہم پہونچانے میں بڑی دقت پیش آئی دودہ اور گوشت کا ملنا سخت دشوار ہو گیا ایسی حالت میں جس قسم کی تکلیفیں پیش آنیکا احتمال ایک ایسے لشکر کے لئے جو دشمن کے مُلک میں پیش قدمی کرتا ہوا چلا جاتا ہے اور وہاں کے مقامات اور حالات سے کما حقہٗ واقفیت نہیں رکھتے ہوسکتا ہو اُسکا اندازہ کچھ دشوار نہیں ہے۔

عاصم بن عمرو نے ہرچند کوشش کی مگر گائے بیل بکریاں کہیں سے دستیاب نہ ہوئیں اتفاق سے ایک بن کے کنارہ پر اہل فارس میں سے ایک شخص ملا جو فی الواقع چرواہا تھا اُس سے پوچھا کہ دودہ اور باربرداری کے مویشی کہاں ہیں اُسنے صاف جھوٹ بولا کہ مجھے خبر نہیں ہے۔ لیکن اُسی وقت بن کے اندر سے ایک بیل نے باآواز بلند کہا:۔

کذب عدو اللہ - ھا نحن | (ترجمہ) دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم تو یہاں موجود ہیں۔

یہ آواز سنتے ہی عاصم اُس بن میں داخل ہوئے اور سب گائے بیلوں کو ہانک لائے اور لشکر پر تقسیم کر دیا جس سے لشکر میں خوشحالی اور فراخی پھیل گئی۔ دودہ گوشت کی کمی نہ رہی یہ تائید ایسے وقت پہونچی جب کہ مسلمان رسد کے نہ ملنے سے سخت

تنگی میں تھے۔ حجاج بن یوسف کو اس واقعہ کی اطلاع پہونچی تو اُس نے چند ایسے حضرات سے جنکے سامنے کا یہ ماجرا تھا طلب کرکے تصدیق کرنا چاہا۔ سب نے گواہی دی کہ ہم نے خود بیل کی آواز سُنی اور خود اُن بیلوں کو دیکھا۔ حجاج نے کہا تم غلط کہتے ہو۔ اُنہوں نے کہا تمہارا تکذیب کرنا اُسوقت ٹھیک ہوتا کہ ہم وہاں موجود نہ ہوتے اور تم موجود ہوتے۔ لیکن جبکہ ہم موجود تھے اور تم نہیں تھے تو یہ تکذیب کرنا بالکل بیجا اور ناجائز اور خلاف اصول ہے۔ حجاج نے سُنکر کہا بیشک تم صحیح کہتے ہو۔ لیکن یہ تو بتلاؤ کہ لوگ اس واقعہ کو دیکھکر کیا کہتے تھے۔ کہا لوگ اِس واقعہ سے اس پر استدلال کرتے تھے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہے۔ اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ تائید الٰہی شامل اور فتوحات ہمرکاب ہیں۔ حجاج نے کہا یہ تو جبھی ہو سکتا ہے کہ کل جماعت کے لوگ متقی اور ابرار ہوں۔ اِن گوں نے کہا یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ اُس لشکر کے دلوں کے اندر کیا بات پوشیدہ تھی اور وہ کن حالات کو اپنے اندر لئے ہوئے تھے اور کن مقامات کو پہونچے ہوئے تھے۔

فاما ما راینا فہار راینا قط ازھد فی دینا منہم ولا اشد بغضا لہا الیس فیہم جبان ولا غال ولا غدار۔

(لیکن ظاہر میں تو جو کچھ ہمنے دیکھا وہ یہ بات تھی کہ کوئی شخص اُن سے زیادہ زاہد دنیا سے بے لاگ اور اُسکو بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والا نہ تھا نہ اُن میں کوئی نامرد تھا اور نہ خیانت کرنے والا اور عہد شکن تھا)

اِس موقع پر اوصاف مذکورہ بالا کا ذکر کرنا اِس امر کی کُھلی ہوئی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا اصلی راز یہی تھا اور یہی وہ اوصاف تھے جنکی وجہ سے وہ مؤید من اللہ تھے اور جنہوں نے اُنکے لئے فتوحات کے راستے صاف کئے تھے اور یہ فتوحات صرف کُھلے میدانوں یا سر بفلک پہاڑوں یا آباد اور معمور شہروں تک محدود نہ تھیں بلکہ اقلیموں اور ملکوں سے پہلے قلوب مسخر ہوتے تھے۔

لیکن میرے دوستو کیا تم بتلا سکتے ہو کہ یہ لاکھوں مسلمان سب کے سب زہد و تقویٰ نفرت دنیا اور اس قسم کے اعلیٰ و منتہاء کمالات انسانی کے ساتھ متصف ہو کر ایک ہی

رنگ میں کیونکر رنگے گئے اور وہ کونسا قوی اثر تھا جس نے اُن میں سے تمام اخلاقی کمزوریوں کو نکالکر ملکی صفات بنا دیا تھا۔ جس نے اُنکی نظروں میں دنیا کو مردار سے زیادہ حقیر بنا دیا۔ دنیا اُنکی قدموں سے لگی پھرتی تھی اور وہ موئنھ نہ لگاتے تھے۔

یہ سب کچھ سرور دنیا و دین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمّی) کے جمال مبارک کی زیارت کا اثر اور صحابہ کرام رضوان علیہم کی فیض صحبت کی تاثیر تھی۔ غیر ذوی العقول حیوانات جب مسلمانوں کی راحت اور رضا کیواسطے اپنی جانوں کو پیش کرنے کیلئے حاضر اور موجود تھے اور اُنکو بھی یہ احساس کرا دیا گیا تھا کہ مسلمان محض دین حق کی تائید اور رضاء الٰہی کی اتباع کیلئے نکلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اشرف مخلوقات انسان کو باوجود عقل کامل اور مشاہدات عینی کے اسکا تیقّن نہوتا اور وہ صدق دل سے اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے ان اوصاف و اخلاق حسنہ کے فریفتہ نہوتے۔ ان باتوں نے ہر ایک دل میں اسلام کی سچائی کو بٹھلا دیا تھا۔ توفیق الٰہی جنکے شامل حال معلوم ہوئی مسلمان ہوگئے۔ اور جنکی قسمت میں محرومی لکھی ہوئی تھی محروم رہے مسلمانوں کی طرف سے کسی پر جبر ہوا اور نہ کوئی اسکی تدبیر کیگئی۔ ہاں اُنھوں نے اسلامی کمالات کی روشن دلیلیں دکھلا کر حجت تمام کردی۔ یہ ایسے کھلے واقعات ہیں جنکو سُنکر حجاج بن یوسف جیسے سفاک اور سنگدل شخص کو بھی اعتراف ہی کرنا پڑا کہ ایسی تائیدات جبھی ہوسکتی ہیں جبکہ لشکری متقی اور ابرار ہوں اس عجیب واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بہت آسان ہے کہ جو شخص خواہشات اور جملہ امراض نفسانی سے منسلخ ہوکر مرضیات خداوندی کا تابع محض ہوجاتا ہی اور ذات پاک خالق کائنات کے سواء کوئی مقصود اُسکا نہیں رہتا تو ہر چیز اُسکے تابع ہوجاتی ہی ؎

چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت   چوں از وگشتی ہمہ چیز از تو گشت

یہ مبارک اور مسعود دن اسلامی تواریخ میں یوم الاباقر[1] کے نام سے موسوم ہوگیا یوم الاباقر اور بنائے قیردان[2] کا واقعہ ایک نوعیت کا معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کی

---

[1] اباقر جمع الجمع ہے بقر کی ۱۲ [2] دیکھو القاسم نمبر ۱ سال دوم ۱۲

تائید کیلئے وہاں بھی حیوانات کی طرف سے اطاعت و فرمانبرداری کا ظہور ہوا تھا اور یہاں بھی۔ لیکن باوجود ایک نوع ہونیکے ان دونوں میں کچھ فرق بھی ہے۔ جسکو میں ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔

بظاہر سرسری نظر میں قیروان کا واقعہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔ کہ وحشی اور موذی جانور صحابہ کی ایک ہی آواز میں اپنے مانوس وطن کو چھوڑ کر چلے گئے اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور ادب کو اس درجہ ملحوظ رکھا کہ کوئی وحشیانہ حرکت اُن سے سرزد نہوئی اور غور کیا جائے تو یہ ایک قسم کا انقلاب ماہیت ہے۔ جس کے نہایت مستبعد اور محال ہونے میں کسی کو بھی تامل نہیں ہوسکتا۔ بخلاف پالتو جانوروں کے کہ وہ اصل طبیعت سے انسان کے ساتھ مانوس ہیں اگر وہ اڑے وقت اُنکے کام آگئے تو کیا تعجب ہے لیکن میرے خیال میں یوم الاباقر کا واقعہ زیادہ اہمیت رکھتا اور ایثار اور حب فی اللہ کا زیادہ پتہ دیتا ہے۔

یوم قیروان میں درندے اور زہریلے جانور صحابہ کی آواز سنکر نکل پڑے جسمیں دو ہی احتمال ہوسکتے ہیں یا تو یہ کہ برضاء و رغبت تعمیل حکم کیلئے تیار ہوگئے۔ یا یہ کہ جان بچانے کو وہاں سے چلے گئے کیونکہ اُنکو دھمکی دیگئی تھی کہ اگر اسکے بعد کسی کو یہاں پاوینگے تو قتل کردینگے۔

اور یوم اباقر میں بلا کسی قسم کے ایماء اور حکم کے محض مسلمانوں کی راحت اور رضائے خداوندی حاصل کرنے اور دین حق کی تائید کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے موجود ہوگئے۔ صورت اولی میں اطاعت حکم ہے یا خوف جان اور صورت ثانیہ میں ایثار ہے اور اپنی جان کی قربانی اور ان دونوں صورتوں کا فرق ظاہر ہے۔ خصوصًا جب یہ بھی دیکھا جائے کہ ان جانوروں نے اپنی موجودگی کو خود بیان کردیا۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ اس روایت کی تسلیم میں کسی کو تامل ہو۔ یا حیوانات کے کلام کرنے اور ایثار کو خلاف عقل یا خلاف عرف و عادۃ سمجھکر انکار کرنے بیٹھ جائے۔ سو امر اوّل میں تو اس وجہ سے کلام کرنیکی گنجایش نہیں کہ یہ روایت طبری اور ابن الاثیر

جیسی معتبر اور مستند کتابوں کی ہے امام حافظ علامہ طبری کا پایہ تنقید و تحقیق میں جس درجہ پر ہے اُسکو تمام اسلامی مصنفین و مورخین تسلیم کئے ہوئے ہیں۔ اور اسلامی تواریخ میں اکثر کا ماخذ وہی ہے۔ علاوہ بریں یہ واقعہ قرون اولی میں اسدرجہ مشہور اور بروایات معتبرہ منقول تھا کہ حجاج بن یوسف نے اپنے زمانہ میں یعنی صدی اوّل کے آخری حصّہ میں اسکی تحقیق کرنا چاہا تو ایک جماعت نے اس واقعہ میں موجودگی کی شہادت دی اور حجاج کو تسلیم کرلینا پڑا۔

رہا امر ثانی سو ہمیں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ جو لوگ انبیا علیہم السلام کے معجزات وخرق عادات کو صحیح اور واقع مانتے یا خلاف عقل نہیں جانتے اُنکو اولیا کی کرامات اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے ایسے تائیدی واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کی گنجایش نہیں ہے اگر کوئی خواہ مخواہ انکار ہی پر مصر ہو تو اُسکے سامنے بخاری و مسلم کی صحیح روایت کو پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینما رجل یسوق بقرۃ اذ اعیٰی فرکبھا فقالت انا لم نُخلق لھذا فقال الناس بقرۃ تتکلم فقال رسول اللہ فانّی اُؤمن بہ انا وابوبکر وعمر وما ھما ثمَّ الی اخر الحدیث۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ ماسبق میں ایک شخص گائے کو لئے جاتا تھا جب وہ تھک گیا تو اُس گائے پر سوار ہوگیا۔ گائے نے کہا کہ ہم سواری کے واسطے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کھیتی کیواسطے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسپر لوگوں نے تعجب کیا کہ گائے بولتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تو اس پر (یعنی واقعہ کی صحت اور گائے کے کلام کرنے پر) ایمان لاتا ہوں اور اُسکی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اسپر ایمان لاتے ہیں حالانکہ ابوبکر و عمر اس مجلس میں موجود نہ تھے (یعنی شیخین کے کمال ایمان پر آپکو اس درجہ اعتماد تھا کہ اُنکی غیبت میں اُنکی طرف سے تصدیق فرمائی)۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اُسکی صحت پر محدثین کو اعتماد و اتفاق ہے جس سے بعینہ واقعہ یوم الاباقر کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن اس پر بھی تسلّی نہو تو ہم دوسری صحیح

حدیث پیش کرینگے جس سے یہ بات ثابت ہو جاویگی کہ حیوانات جو ذی روح ہونے کے ساتھ کچھ بولتے بھی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی بات کو سمجھتے بھی ہیں اگر انسانی زبان میں کلام کرنے لگیں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ جمادات و نباتات میں علم و ادراک کو پیدا فرمادے۔

عن جابر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب استند الی جذع نخلۃ من سواری المسجد فلما صنع لہ المنبر فاستوی علیہ صاحت النخلۃ التی کان یخطب عندھا حتی کادت ان تنشق فنزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی اخذھا فضمھا الیہ فجعلت تان انین الصبی الذی یسکت حتی استقرت قال بکت علی ما کانت تسمع من الذکر والقرآن رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ خطبہ کے وقت کھجور کے سوکھے ہوئے ستون سے سہارا لگا لیتے تھے لیکن جب آپ کیلئے ممبر تیار کر لیا گیا اور آپ اُسپر بیٹھ گئے تو وہ کھجور کا ستون جسپر سہارا لگا کر آپ خطبہ پڑھتے تھے اس قدر رویا اور چیخا کہ قریب تھا کہ پھٹ جائے یہ حالت دیکھکر آپ ممبر سے نیچے تشریف لائے اور اُس ستون کو چمٹا لیا تب وہ اس طرح سبک، سبک کر رونے لگا جس طرح بچہ کو چپکا کرتے ہیں اور وہ سبکیاں لیکر تھمتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ستون کا رونا قرآن اور ذکر کی مفارقت پر تھا روایت کیا اسکو بخاری نے ۱۲

اس روایت سے ثابت ہے کہ بالکل بے روح اور خشک لکڑی سے بہ برکت قربِ ذات بابرکات سرور کائنات علیہ الف الف صلوات و تسلیمات نہ صرف زندوں کے سے افعال و حرکات صادر ہوئے بلکہ جسم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت اور ذکر الٰہی سے بعید ہو جانے کی وجہ سے وہ حالت طاری ہو گئی جو ایک عاشق زار پر ہوتی ہے جو ذکر الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا فنا اور مستغرق ہو گیا ہو جسکو تمام لذتیں اور نعمتیں خاک سے زیادہ بے وقعت معلوم ہوتی ہوں۔

مسلمانوں تم اُس حالت کی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے قایم کرو تو ایک حیرت انگیز سماں تمھارے سامنے پھر جائیگا۔ خشک ستون آپکی مفارقت مین بیتاب ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے اور آپ اُسکو گلے سے لگا کر پیار فرماتے ہیں اور اس طرح سبک سبک کر چپکا ہوتا ہے جیسا روتا ہوا بچّہ اپنی نہایت مہربان ماں یا باپ کی گود میں پہونچکر چپ ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

یہ حال ایک بالکل بے جان اور بے حس و حرکت شے کا ہے جسکو آپکے جسم مبارک سے چھونے نے اس درجہ تک پہونچا دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جو اشرف مخلوقات اور خلاصہ عالم ہونے کیساتھ آپ کی خدمت میں دن رات حاضر ہوتے اور تمام معاملات دیکھتے اور ہر قسم کے فیوض سے مستفیض ہوتے تھے وہ کس درجہ عشق و محبت میں پہونچے ہوئے ہونگے اور وہ کیون نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچّے خلیفہ و جانشین ہونگے اور کیوں نہ جن وانس حیوانات و نباتات و جمادات اُنکی جاں نثاری کے واسطے تیار ہونگے۔

یہ واقعہ ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے اور ایسے صریح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جن میں تاویل کی گنجایش نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی صاحب خدا تعالےٰ کی وسیع قدرت کو کسی قانون میں محدود کر کے محض اپنی عقل کے بھروسہ اس صحیح اور صریح روایت کو رد کرنے کیواسطے تیار ہو جائیں تو یہ دوسری بات ہے۔ مگر ایسے حضرات کو خداوند عالم کی غیر متناہی قدرت کا ضرور تصور کر لینا اور اس آیۃ شریفہ کو بغور سمجھ لینا چاہیئے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝

(ترجمہ) نہ پہچانا اُنھوں نے اللہ کو حق پہچاننے کا۔ اور زمین ساری اُسکی مٹھی میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے اُسکے داہنے ہاتھ میں۔ پاک اور برتر ہے وہ ذات اُس چیز سے کہ شریک کرتے ہیں ۱۲

معجزہ مذکورہ بالا معجزہ استوانہ حنانہ کے نام سے معروف و موسوم ہے اور

اس معجزہ کو عارف باللہ مولانا روم قدس سرہٗ مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں ؎

استن حنانہ از ہجر رسول — نالہ میزد ہمچو ارباب عقول
درمیاں مجلس وعظ آنچناں — کزوے آگہ گشت ہم پیر و جواں
در تحیر ماندہ اصحاب رسول — کز چہ مینالد ستوں باعرض وطول
گفت پیغمبر چہ خواہی ای ستوں — گفت جانم از فراقت گشتہ خوں
از فراق تو مرا چوں سوخت جاں — چوں ننالم بیتو اے جان جہاں
مسندت من بودم از من تاختی — بر سر منبر تو مسند ساختی
پس رسولش گفت کای نیکو درخت — اے شدہ با سر تو ہمراز بخت
گر ہمی خواہی ترا نخلے کنند — شرقی و غربی ز تو میوہ چنند
یا دراں عالم ترا سروی کند — تا تر و تازہ بمانی تا ابد
گفت آن خواہم کہ دائم شد بقاش — بشنوای غافل کم از چوبی لباش
آن ستوں را دفن کرد اندر زمیں — تا چو مردم حشر گردد یوم دیں

استوانہ حنانہ کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ کہ ذکر الٰہی کی قوۃ اور لذۃ کی کیا کیفیت ہے خشک اور بے جان لکڑی میں اُسکی یہ تاثیر ہے تو انسان میں جو اشرف مخلوقات ہے اور محض اسی غرض کیلئے پیدا کیا گیا ہے کیسی کچھ ہوگی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ غفلت کے ظلمات میں نہ پڑے اور اپنے دل کو نفسانی الائشوں سے پاک وصاف کرے انسان اگر ایسا کرے اور کرنا چاہئے تو اُسکا مرتبہ تمام مخلوقات سے بالاتر ہے اور وہ مستحق خلافت خداوندی ہے ورنہ اُسکے اسفل سافلین کے اندر گرنے میں کیا کلام ہے۔

ذکر الٰہی اور محبت خدا و رسول ہی میں یہ لذۃ ہے کہ کوئی لذۃ اُسکے ہمسر و ہمسنگ کیا پاسنگ بھی نہیں ہے دنیا و مافیہا اُسکے سامنے ہیچ ہے اور یہی وہ دولت ہے جسکا قلب اُس سے مالامال ہوگیا ہی سلاطین عالم اُسکے سامنے جبہہ سائی کرتے اور اُسکے در کی خاکروبی کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

ہاروں رشید جیسا جلال وجبروت والا خلیفہ حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں شب کے وقت حاضر ہوتا ہے اور آپ اندھیرے میں مکان کے کونہ سے لگ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہاروں رشید کا ہاتھ آپ کے بدن سے لگتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیسا نرم ہاتھ ہے کاش دوزخ کے ہاتھ سے نجات پاجائے۔ اور ہاروں رشید زار زار روتا ہے۔

حضرت فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں،۔

لَوْاِنَّ الدُّنیا بِحَذَ اِفَیرِھَا عُرِضَتْ عَلَیَّ وَلَا اُحَاسَبُ بِھَا لَکُنْتُ اَتقذَّرُھَا کَمَا یَتقذَّرُ کُمُ الجیفَۃ اذا مَرَّبِھَا اَنْ تُصِیبَ ثَوْبَہٗ۔

(اگر ساری دنیا مجھ پر اس طرح پیش کیجائے کہ مجھے کسی قسم کا محاسبہ اُسکے بارہ میں نہو تب بھی میں اُس سے ایسا ہی گھن کرونگا جیسا کہ تم مردار کے قریب گذرتے ہوئے گھن کرتے اور اپنے کپڑے کو اُسکی آلودگی سے بچاتے ہو)

یہ کیفیت حضرت فضیل کے قلب میں کیونکر راسخ ہوئی صرف ذکر الٰہی کی لذۃ سے اسی لذۃ سے آشنا ہونے کے بعد کوئی شے مرغوب ومحبوب نہیں رہتی۔

حضرت شبلی کے آخری وقت میں لوگ کلمہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ اپنے رب کیطرف مخاطب ہوکر کہتے تھے۔

اِنَّ بَیتًا اَنتَ سَاکنہٗ — غَیرُ مُحتَاجٍ اِلَی السُّرُجِ
جس گھر میں ترا مسکن ہے — چراغ کا محتاج نہیں ہے

وَجھُكَ المَأمُول حُجّتنَا — یَومَ یَاتِی النَّاسُ بِالحُجَجِ
ترا چہرہ جو اُمیدگاہ ہے ہماری حجت ہے — جس دن لوگ حجتیں پیش کرینگے

حضرت شبلی کا دل کیوں منور ہوا اور کس چیز نے اُنکو محو ومستغرق بناکر دنیا وفیہا سے مستغنی کردیا تھا محض ذکر الٰہی اور اُسکے پراسرار کیفیات نے۔

حضرت مولانا روم معجزہ مذکورہ بالا سے نتیجہ نکالتے ہیں۔

تا بدانی ہرکرا ایزد بخواند — از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
ہرکرا باشد ز یزداں کار و بار — یافت بار آنجا وبیروں شد ز کار
وانکہ اورا نبود زاسرار داد — کے کند تصدیق او نالہ جماد

گوید آرے بے زدل بہر وفاق — تا نگویندش کہ ہست اہل نفاق
گر بدیدی واقفان امر کن — در جہاں رو گشتہ بودی ایں سخن
صد ہزاراں زاہل تقلید و نشاں — افگندشاں نیم وہمے در گماں
کہ بظن تقلید و استدلال شاں — قائمست و جملہ پر و بال شاں
شبہہ مے انگیزد آں شیطان دوں — در فلتند ایں جملہ کوراں سرنگوں
غیر آں قطب زماں دیدہ ور — کز ثباتش کوہ گردد خیرہ سر

مضمون جب یہانتک پہونچگیا تو ہم اِس جگہ ایک لطیف وعجیب نکتہ اور معجزہ احیاءِ موتیٰ اور معجزہ استوانہ حنانہ میں فرق بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اہل علم وعقل اِس پُرلطف مضمون سے چند فائدے حاصل کرینگے۔ اوّل تو یہ کہ کمالات و معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائب اسرار معلوم ہونے سے اُنکے ایمان میں تازگی پیدا ہوگی۔ اور افضلیت رسول اللہ صلی اللہ ایسی واضح وروشن ہوجاویگی کہ کسی تھوڑے سے عقل والے کو بھی اُسمیں انکار وتامل کی گنجایش نہ رہیگی۔

دوسرے وہ خلجان رفع ہوجائیگا جو ممکن ہے کہ بعض نافہموں کے دلوں میں خطور کرے یا کسی نادان اور کم عقل کے قلم سے بھی نکل جائے کہ اہل اسلام کا دعوی ہے اور اُنکے ایسے مسلمات میں ہے جنمیں کسی ایک فرد کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء ورسل سے افضل ہیں۔ اور تمام انبیاء ورُسل آپ سے مستفیض ہیں مگر اہل اسلام ہی کے مسلمہ روایات کے موافق انبیاء سابقین کو جو معجزات دئے گئے وہ اپنی عظمت میں ایسے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اُس درجہ تک پہونچے ہوئے نہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بنگیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گارے کا پُتلا بنایا اور وہ ذی روح ہوکر اوڑنے لگا آپکے قم باذن اللہ کہنے سے مردہ زندہ ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معجزات روایت کئے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی اس درجہ کا نہیں ہے یہ لطیف و عجیب مضمون ایک ایسے قلم کا نکلا ہوا ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اِس آخری زمانہ میں اسلام کی حفاظت اور حمایت کیلئے پیدا فرمایا۔ جس نے اسلام کی حریم کو فلسفہ جدید اور دہریت کے

حملوں سے محفوظ فرمایا۔ جس نے ایک طرف علوم اسلامیہ کے تحفظ کے لئے ایک مضبوط حصار (مدرسہ اسلامیہ دیوبند) قایم کر دیا اور دوسری جانب مخالفان اسلام کے جملہ مایہ ناز اعتراضات کے وہ دندان شکن جواب دے کہ اُن سے بہتر نہ کوئی دیسکتا ہے اور نہ اُنکے بعد کسی مخالف کو سر اُبھارنے کی گنجایش ہے جس نے اسلامی احکام کے اسرار اور اُنکے مطابق عقل سلیم ہونے کو ایسی وضاحت سے دلائل عقلیہ کے ساتھ مدلل کرکے بیان فرمایا ہے۔ جسکی فی الواقع اس زمانہ میں ضرورت تھی اور یہ وہ طرز استدلال اور طریق بیان ہے جو صرف اُنہیں کا حصہ تھا میرا اشارہ حجۃ اللہ فی العالم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے آپ کے پُر عظمت نام اور مقدس ذات سے کون شخص ہے جو واقف نہیں ہے۔

مولانا قدس سرہٗ نے اپنی مفصل و مبسوط تقریر میں رسول اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمی و عملی میں یکتا اور افضل ہونیکو ثابت فرمایا ہے۔ کمالات علمی میں یکتا ہونے کے دلائل بیان فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے:۔

"پھر اعجاز علمی وہ بھی بمقابلہ اولین و آخرین اگر آپ کی خاتمیت اور یکتائی پر دلالت نہیں کرتا تو اور کیا ہے۔ ایسا شخص اگر خاتم النبیین نہیں تو اور کون ہوگا اور ایسا شخص سرور اولین و آخرین نہیں تو اور کون ہوگا۔ اہل فہم و انصاف کے لئے تو یہی بس ہے اور نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ"

کمالات علمی میں یکتا ہونیکی تقریر سے فارغ ہوکر کمالات عملی کی یکتائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"کمالات عملی میں بھی آپ یکتا ہیں اور ان میں بھی کوئی آپ کا ہمتا نہیں۔ ہر چند بعد اعجاز مذکور (یعنی اعجاز قرآنی جو کمالات علمی کی تقریر میں بیان فرمایا) اُن کے ذکر کی حاجت نہیں۔ مگر چونکہ اعجاز اگر کسی کے کمال پر دلالت کرتا ہے تو بعد اطلاع و علم دلالت کرتا ہے۔ سو جیسے جمال صورت آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے اور کمال آواز کانوں سے۔ اسلئے ہر اعجاز کے لئے ایک جُدی حالت اور جُدی کمال کی حاجت ہے اور اسلئے کمال علمی کے ادراک اور علم کیلئے کمال عقل و فہم کی حاجت ہے جو آجکل برنگ عنقا جہان سے مفقود ہے۔ اِسلئے کمالات عملی بھی بطور مشتے نمونہ از خروارے ہزاروں میں سے دو چار عرض کرتا ہوں"

مولانا نے اس موقعہ پر چند معجزات کا ذکر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا موازنہ انبیاء اولوالعزم کے معجزات سے کرکے آپ کے معجزات کی برتری اور تفوق کو ثابت فرمایا ہے۔ مگر ہم اُس پوری تقریر کو نقل کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ صرف استوانہ حنّانہ اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے اُسکو باختصار و توضیح بعض مواقع لکھتے ہیں۔ مولانا کے ارشاد کا حاصل یہ ہے:۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدہا بنگیا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے مُردہ زندہ ہوگیا یا گارے سے ایک جانور کی شکل بناکر خدائی قدرت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اوڑا دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے چھونے کی برکت سے کبھی کا سوکھا کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہوکر آپ کے فراق میں اور خدا کے ذکر کی موقوفی کے صدمہ سے چلاّیا۔ اور ایسا رویا کہ پھٹنے کے قریب ہوگیا۔ علی ہذا القیاس پتھروں اور سنگریزوں کے سلام اور آپ کی نبوت کی شہادت اور تسبیحات حاضرین نے سُنیں۔ اہل فہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ اعجاز اُن اعجازوں سے کہیں بڑھکر ہیں۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بیشک زندہ ہوا لیکن اژدہے کی صورت میں آکر زندہ ہوا اور وہی حرکات اُس سے سرزد ہوئیں جو اور سانپوں سے ہوتی ہیں۔ علی ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے گارے سے زندوں کی سے حرکات جبھی سرزد ہوئیں جب وہ گارا پرند کی شکل میں آلیا۔ آخر زندوں کی شکل کو زندگانی سے کچھ تو علاقہ اور مناسبت ہے جو زندگانی حیوانات کی شکلوں سے علیحدہ نہیں پائی جاتی۔ پتھر درخت وغیرہ میں کبھی زندگانی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اِس بنا پر زندگانی کا زندوں کی شکل میں ظاہر ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا زندوں کی شکل سے پایا جانا مستبعد ہے۔ اور اُس گارے کی شکل سے حرکات بھی وہی سرزد ہوئیں جو تمام پرندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ مگر سوکھے ستون کی زندگانی اور سنگریزوں کی تسبیح خوانی میں نہ شکل وصورت کا لگاؤ ہے نہ کوئی ایسا برتاؤ ہے جسمیں اور ہمجنس شریک ہوں یہ وہ باتیں ہیں کہ جمادات بلکہ نباتات اور حیوانات تو کیا بنی آدم میں سے بھی کسی کسی کو یہ شرف میسر آتا ہے۔ سوکھے ستون کا فراق نبوی میں رونا یا موقوفی خطبہ خوانی سے جو اُسکے قریب جوارمیں ہوا کرتی

تھی چلّانا اُس محبت خدا و رسول پر دلالت کرتا ہے جو مراحل معرفت طے کرنے کے بعد میسر آتی ہے۔ کیونکہ محبت کیلئے حق الیقین کی ضرورت ہے۔ اگر علم الیقین یعنی اخبار معتبر اور متواتر سے محبت پیدا ہوا کرتی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے آج لاکھوں عاشق ہوتے کیونکہ جو شہرہ اُنکے حسن و جمال کا اب ہے وہ اُسوقت کہاں تھا۔ علیٰ ہذا اگر عین الیقین یعنی مشاہدہ سے محبت ہوا کرتی تو کھانے کی چیزوں کی رغبت کیلئے چکھنے اور کھانے کی ضرورت نہ ہوتی فقط مشاہدہ کافی ہوا کرتا۔ استعمال کرکے دیکھنا خود اسکی دلیل ہے کہ رغبت کیلئے حق الیقین چاہیئے۔ اور اسی نفع اُٹھانے اور استعمال کرنے کو حق الیقین کہتے ہیں۔

ستون مذکور کا رونا اُس محبت خداوندی اور عشق نبوی پر دلالت کرتا ہے جو بے مرتبہ حق الیقین بہ نسبت ذات و صفات خداوندی و کمالات نبوی متصور نہیں اور ظاہر ہے کہ اس موقع خاص میں اس قسم کا یقین بجز کاملان معرفت اور کسی کو میسر نہیں آسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس سنگریزوں کی تسبیح و تہلیل میں اسی معرفت کی طرف اشارہ ہے جو سوائے خاصان خدا بے تعلیم و ارشاد ممکن الحصول نہیں اور ظاہر ہے کہ سنگریزوں کی تسبیح و تقدیس کو کسی کی تعلیم کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے۔"

یہ مولانا قدس سرہٗ کی تقریر کا اقتباس اور حاصل ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ استوانہ حنانہ کا معجزہ احیاء موتے۔ گارے سے جانور بنا کر اوڑا دینے سے بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ وہاں زندگانی کا ظہور ہے زندوں کی صورت میں ہی اور یہاں حیات کا ظہور لکڑی کے سوکھے ستون میں وہاں صرف اُنہیں حرکات کا صادر ہونا ہے جو ہر جاندار حیوان سے صادر ہوتے ہیں۔ اور یہاں اُس عشق و محبت خدا و رسول کا اظہار ہے جو انسانوں میں بھی بجز اہل معرفت و حقیقت دوسروں کو نصیب نہیں ہوتے۔ اور یہ ایسے کھلے ہوئے اور واضح فرق ہیں جنکو ملحوظ رکھنے کے بعد کسی کو بھی اس معجزہ کے تفوق میں کلام نہیں ہو سکتا۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ مضمون جسکی ابتداء یوم الاباقر سے ہوئی تھی۔ کسی قدر طویل ہو گیا مگر اس سے ہمارے ناظرین بہت سے عجیب و غریب فوائد حاصل کرلیں گے۔ معجزہ کے متعلق جتنے

یہاں بہت ہی اختصار کے ساتھ اُسیقدر بیان کیا ہے جس کا اِس موقع سے تعلق ہی۔ اس سے زیادہ نفس معجزات کی عقلی تحقیقات اور مفصل تقریر کا القاسم کے ناظرین کو انتظار کرنا چاہیے جو انشاء اللہ تعالیٰ مولوی شبیر احمد صاحب کے مضمون عقل و نقل میں (جسکے چند نمبر شائع ہو چکے ہیں) نظر پڑیگی۔ اور جس قسم کے شکوک و شبہات اسکے متعلق فلسفۂ جدید سے متاثر قلوب میں خطور کرتے ہیں سب کا قلع قمع اُس تقریر سے ہو جاویگا۔ اور اُنکو معلوم ہو جائیگا کہ جن تخیلات کی بناء پر نصوص قرآن و حدیث کو نہایت جرأۃ کے ساتھ رد کیا جاتا ہے۔ وہ چند موہوم اور مفروض و خود تراشیدہ قواعد پر مبنی ہیں۔

محاصرہ حمص مسلمانوں کیلئے تائیدات آسمانی کا ظہور کسی خاص نوعیت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جیسی ضرورت پیش آتی تھی اُسی کے موافق تائید ہوتی تھی اور یہی وہ بات تھی جسکا اعتراف اُنکے مخالفوں کو بھی تھا اور وہ دل سے مسلمانوں کو حق پر سمجھے ہوئے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق میں مصالحت کے معاملہ سے فارغ ہوئے تو حمص کی جانب رُخ کیا ہرقل کو اطلاع ہوئی تو اہل حمص کو بہت کچھ امداد کا وعدہ دیکر ہر طرح سے تسلّی دی۔ حضرت ابو عبیدہ نے حمص کا محاصرہ کرلیا موسم سردی کا تھا۔ اہل حمص نے باہم مشورہ کرکے یہ بات طے کی کہ لڑنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اہل اسلام کو محاصرہ کئے پڑے رہنے دینا چاہیئے۔ یہ لوگ سردی کا تحمل نہ کرسکیں گے۔ پیروں میں انکے موزے بھی نہیں جو بھی ہیں تو عربی وضع کے جو پیر کی کچھ بھی حفاظت نہیں کرسکتے اور نہ سردی سے بچا سکتے ہیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ شدۃ سردی سے اُنکے پیر پھٹ جائینگے اور بالآخر برف کیوجہ سے انگلیاں گرنے لگینگی اور یہ گھبرا کر لوٹ جائینگے یا فنا ہو جائینگے اور فی الواقع تھا بھی ایسا ہے۔ اہل عرب اِس قسم کی سخت سردی اُٹھانے کے خوگر نہ تھے اور نہ اُنکے پاس محافظت کا سامان تھا برخلاف اہل حمص کے کہ اوّل تو وہ اس ملک کے رہنے والے سردی کے متحمل۔ دوسرے ہر قسم کا سامان موجود۔ مگر یہ سب ظاہری خیالات تھے تائید الٰہی اسباب ظاہری پر موقوف نہیں ہے۔ غیب سے یہ صورت پیش آئی کہ اہل حمص کے پیر تو موزوں میں بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے پیروں پر کچھ بھی اثر نہوا عربی چپلوں میں اچھے

خاصے رہے کسی کی ایک اُنگلی بھی نگری۔

جب جاڑا گذر گیا اور اہل حمص کے خیالات پورے نہوئے۔ مسلمان اُسی طرح مستعدی سے صحیح وسالم رہے۔ تو ایک تجربہ کار بوڑھے شخص نے اہل حمص سے کہا کہ مسلمانوں سے صلح کرلینا بہتر ہے۔ اُن لوگوں نے انکار کیا پھر ایک دوسرے شخص نے کہا کہ جاڑا تو گذر گیا اور تمھاری سب اُمیدیں خاک میں ملگئیں خیالات غلط ثابت ہوئے اب کس بات کے منتظر ہو صلح کرلینی چاہیئے اُن لوگوں نے جواب دیا کہ اب برسام کے منتظر ہیں برسام جاڑے میں نہیں رہتا گرمی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اُس شخص نے کہا اِن خیالات کو چھوڑو:-

اِنَّ ھٰؤُلاءِ قَوْمٌ یُعَانُوْنَ وَلَانْ تَاتُوْھُمْ بِعَھْدٍ وَمِیْثَاقٍ خَیْرٌ مِنْ اَنْ تُوْخَذُوْا عَنْوَۃً اَجِیْبُوْنِیْ مَحْمُوْدِیْنَ قَبْلَ اَنْ تُجِیْبُوْنِیْ مَذْمُوْمِیْنَ فَقَالُوْا شَیْخٌ خَرِفٌ وَلَا عِلْمَ لَہٗ بِالْحَرْبِ۔

(یہ وہ قوم ہے جنکی غیب سے تائید وامداد ہوتی ہے تمھارا اُن کے پاس عہد وپیمان کے بعد جانا اس سے بہتر ہے کہ زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ۔ تم میری بات اسوقت مانوگے تو قابل تعریف قرار پاؤگے ورنہ بعد میں مجبور ہوکر مانوگے اور قابل مذمت بنوگے۔ اُن لوگوں نے کہا یہ تو بوڑھا ہوکر بہک گیا ہے اور اسکو لڑائی کا تجربہ بھی نہیں ہے۔)

اسکے بعد ایک دفعہ مسلمانوں نے حملہ کیا اور باآواز بلند تکبیر کہی تو حمص کے اندر زلزلہ آگیا دیواریں گر پڑیں یہ حالت دیکھی تو وہ گھبرائے اور اُن تجربہ کار بوڑھوں کے پاس گئے جنھوں نے اوّل ہی صلح کی رائے دی تھی۔ اور کہا کہ اب کیا کریں۔ اُن لوگوں نے ٹال دیا اور خوب ذلیل کیا دوبارہ جب پھر تکبیر کہنے پر زلزلہ آیا تو پھر اُنکے پاس گئے تب اُنھوں نے کہا تم خود صلح کی خواہش کرو۔ چنانچہ اہل حمص نے قلعہ کی دیواروں پر کھڑے ہوکر صلح کی خواہش ظاہر کی مسلمانوں کو خود یہ بات معلوم نہ تھی کہ یہ لوگ کس بات سے مجبور ہوکر صلح کرنی چاہتے ہیں اُنکو معلوم نہ تھا کہ تائید الٰہی نے اہل حمص کے اندر کس قسم کی پریشانی اور بدحواسی پھیلا رکھی ہے مگر چونکہ وہ امن واماں اور صلح کے ہروقت طالب اور خواہشمند اور خونریزی سے بچنے کو بدل پسند کرتے تھے اسلئے فوراً آمادہ صلح ہوگئے اور اُنھیں شرائط پر صلح کرلی جن شرائط پر دمشق میں کی تھی۔

ف برسام ایک مرض ہے جس سے جسم پر ورم اور ہذیان ہوتا ہے ۱۲

اس واقعہ سے ہر ذی فہم نہایت آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب فریق مقابل کے تجربہ کار عقلا کو مسلمانوں کے حالات کا مشاہدہ کرتے کرتے یہ یقین ہوگیا تھا کہ ہر موقع پر خدا کی طرف سے اُنکی اعانت ہوتی ہے اور اُنکی نصرت و کامیابی سراسر تائید الٰہی پر مبنی ہے ظاہری سامانوں پر موقوف نہیں ہے۔ تو کیسے ہوسکتا ہے کہ اسلام کی حقانیت کا اثر اُن پر نہ ہوا ہو۔ اُسکو سچا اور آسمانی مذہب نہ سمجھتے ہوں۔ ان ہی واقعات سے اور مسلمانوں کے حالات کے مشاہدہ نے اُنکے دلوں میں اسلام کی محبت کا بیج جما دیا۔ اور گویا اُنکے باطن میں نور ایمان چمک گیا۔ گو ظاہر میں بوجہ پابندی جاہ و مناصب یا خوف غوغاء عوام یا اندیشہ سلطنت اسوقت اسلام کا اظہار نکر سکے لیکن ظاہر ہے کہ جب ان موانع کے مرتفع یا ضعیف ہوجانے کیساتھ اُنکو مسلمانوں سے میل جول ہمنشینی اور ہم کلامی کی نوبت پہونچی اسلام بجلی کی رَو سے بھی زیادہ تیزی اور سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔ اور جو لوگ اپنی باطنی میلان کو ظاہر نکر سکے تھے اب بے خوف و خطر اسلام کے دائرہ میں داخل ہوگئے۔

یہ تھی اسلام کے بسرعت پھیل جانے کی اصلی لم۔ ورنہ مسلمانوں نے کسی ایک جگہ بھی کسی قسم کے دباؤ یا زور حکومت یا حیلہ و تدبیر سے کام نہیں لیا۔ تاریخیں موجود ہیں کوئی شخص ایک بھی مثال اسکی دکھلا سکتا ہے تو دکھلائے۔

دارُالحدِیث

کیلئے غیر معمولی سرگرمی

دارالحدیث کی بُنیاد رکھتے ہوے یہ خیال تو ضرور تھا کہ مسلمان اس مبارک نام اور مبارک مقصد کی لاج ضرور رکھیں گے اور ایک ایسی تعمیر کیلئے جو ہندوستان میں اپنی قسم کی پہلی تعمیر ہے ضرور توجہ فرمائینگے۔ مگر جس جوش اور سرگرمی کے ساتھ اہل اسلام نے اسکا خیر مقدم کیا اور جس خلوص اور عقیدتمندی سے اُسکی امداد کی طرف عام میلان و رغبت کا اظہار ہوا اُسکا خیال ہمکو بھی نہ تھا۔

بیشک یہ نہایت مسرت کی بات ہے کہ ابھی تک مسلمانوں کے بہت سے افراد میں

کامل احساس اپنی مذہبی ضروریات کا ہے۔ اور وہ ہر ضرورت کے درجہ اور قدر کی تمیز کرنیوالی عقل رکھتے ہیں۔

دار الحدیث کی تعمیر اور بنیاد کی خبر زیادہ تر القاسم کے ذریعہ سے شائع ہوئی ہے اور جس جس مقام پر خبر پہونچتی گئی وہاں سے برابر چندہ آرہا ہے۔ چندہ کی مقدار گو زیادہ نہو مگر جس رغبت سے بھیجا جاتا ہے وہ نہایت ہی فخر اور مسرت کے ساتھ قبول کرنیکے قابل ہے خصوصاً جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے اصحاب حضرت اقدس رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے نام مبارک سے بھیج رہے ہیں۔

بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں نہایت خوشی کے ساتھ معزز حضرات اس نہایت ہی مبارک تعمیر کے لئے گداگری کرنے کو فخر سمجھتے ہیں۔ ہم کو متعدد جگہ کی نسبت یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہاں ایک عام چندہ کی تحریک ہو چکی ہے۔ لیکن ہم ابھی اُن مواقع کی تفصیل کو دوسرے وقت پر چھوڑ کر خورجہ ضلع بلند شہر کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ خورجہ میں القاسم کے ذریعہ سے بنار دار الحدیث کی خبر پہونچ چکی تھی اور بعض مخیر و نیک دل اصحاب معقول مقدار میں امداد فرما بھی چکے تھے۔ مگر شروع شوال میں وہانکے بعض مخلصین کے اصرار سے مولوی شبیر احمد صاحب کے خورجہ پہونچنے پر ایک عام جوش پھیل گیا۔ نہایت تقاضا اور اصرار سے وعظ کہلائے گئے اور مولوی صاحب کے بہت سے با اثر اور موثر تقریریں ہوئیں۔ اُن تقریروں کا عوام اور تعلیمیافتوں پر ایسا گہرا رنگ چڑھا کہ لوگوں میں چندہ کی ایک عام تحریک پیدا ہوگئی اور ہر ایک قوم نے دار الحدیث کی حسب حیثیت شرکت کی۔ اور وہاں کے معزز حضرات نے نہایت مستعدی و فراخ دلی سے چندہ بھی دیا اور اپنا عزیز وقت صرف کرکے جگہ جگہ سے چندہ وصول کرایا۔ اور تین چار یوم میں (باوجودیکہ عنقریب وہاں کے مسلمان کئی چندوں میں اپنی جیبیں خالی کر چکے تھے) ساڑھے پانسو روپیہ نقد جمع ہوگیا اور توقع کیجاتی ہے کہ بہت جلد مقدار چندہ ایکہزار روپیہ تک پہونچ جائیگی جو اس سے پہلے کبھی کسی مدرسہ کے واسطے نہیں ہو سکے اور اگر حاجی عبد اللہ صاحب و حاجی محمد مشیت اللہ صاحب کے دو سو روپیہ کو جو سابق میں دیچکے ہیں اسمیں شامل کر لیا جائے۔ تو ایکہزار سے زائد ہو جاویگا۔ والحمد للہ علیٰ ذلك۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ حضرات اہل خورجہ کی طرح اور جگہ بھی یہی سرگرمی دکھلائی جائیگی اور یہ نہایت ہی ضروری ومفید تعمیر بہت جلد تیار ہو جائیگی۔

ہم القاسم نمبر ۲ جلد دویم میں ظاہر کر چکے ہیں کہ تخمینہ تعمیر بعد تشریف آوری جناب مولوی سید عاشق حسین صاحب سٹیٹ انجنیر بہاولپور اُس سے بہت زیادہ بڑھگیا جو اوّل ظاہر کیا گیا تھا۔

قصیدۂ نعتیہ

(اپنی اسلامی اور اصلی زبان عربی سے بہت کم مسلمان واقف ہیں اسلئے القاسم میں عربی اشعار کا بہت کم اور نہایت ہی منتخب حصہ رکھا جاتا ہی۔ اس مرتبہ حضرت مولانا **انور شاہ** صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند کا نعتیہ قصیدہ اہل محبّت وشوق کو وجد میں لانے اور قدردانان ادب وعربیت کو عرب العربا کے یاد دلانے کے لئے شائع کیا جاتا ہی اور عام ناظرین کی رعایت سے ترجمہ بھی لکھا جاتا ہی)

بَرَقٌ تَأَلَّقَ مَوْهِنًا بِالْوَادِی	فَاعْتَادَ قَلْبِی طَائِفُ الْإِنْجَادِ
آدھی رات کو جنگل میں ایک بجلی چمکی	تو میرے دل پر جنگل کو نکل جانیکے خیالات بار بار آنے لگے
أَسَفًا عَلَى عَهْدِ الْحِمَى وَعِهَادِهٖ	تُوْلِی عَلَى الْإِبْرَاقِ وَالْإِرْعَادِ
سبزہ زار اور اُسکی بہار کی بارش کے زمانہ کو یاد کر کے	جو خوب کڑک کر اور گرج کر برستی تھی
رِهَمٌ تَنَاوَحُ تَارَةً دِيَمٌ لَهَا	حَتّٰی غَدَا الْأَيَّامُ كَالْأَعْيَادِ
وہ متواتر ترشح جو جھڑیوں سے ملجاتا تھا	یہانتک کہ ہر روز روز عید ہو گیا تھا
هَبَّ النَّسِيمُ عَلَى الرُّبٰى فَتَضَاحَكَتْ	بُشْرَى الْعَمِيدِ عَرَارُهَا وَالْجَادِی
بلند زمین پر باد صبا چلی تو بے قراران عشق کو بشارت دینے کیلئے ہار سنگار اور زعفران باہم ہنسے	
لَعِبَتْ صَبَاهَا وَالشَّمَالُ وَتَارَةً	لَعِبَ الْغُصُونُ بِعِطْفِهَا الْمَيَّادِ
کبھی باد صبا اور باد شمال کھیلتی تھیں اور کبھی	نرم شاخیں اپنے لچکتے ہوئے کناروں سے کھیلتی تھیں
سَنَحَ الظِّبَاءُ فَكَادَ يَهْلِكُ مُغْرَمٌ	حُوْرَ الْعُيُوْنِ وَعِطْفَةَ الْأَجْيَادِ
سرمگیں آنکھوں والے ہرن گردنوں کو لچکاتے ہوئے نکلے	تو قریب تھا کہ عاشق مزاج لوگ ہلاک ہو جائیں

وَاَكَادُ اَشْرَقُ بِالدُّمُوعِ اِذَا بَدَا ۔۔۔ هَجْرٌ فَتَبْكِي الْوُرْقُ بِالْاِسْعَادِ

جب جدائی کا وقت آیا تو قریب تھا کہ آنسوؤں سے میرے گلے میں (اچھو ہوجائے) پھندا پڑجائے ۔ اور کبوتر میرے ساتھ ملکر رو رہے تھے ۔

اَسْقِي التُّلُولَ وَاَسْتَحِثُّ رَكَائِبِي ۔۔۔ وَجِلًا عَلَى التَّأْوِيبِ وَالْاِسْآدِ

میں (آنسوؤں سے) ٹیلوں کو تر کرتا تھا اور سواریوں کو جلد لیجا رہا تھا ۔ کیونکہ مجھے دن رات چلنے کا شوق تھا ۔

تَهْيَامِيَ الْاَتْهَامُ هَمِّي هِمَّةٌ ۔۔۔ نَفَتِ الْكَرَى عَنِّي عَلَى اِسْهَادِ

(مقصود) سرگشتگی، تھامہ کی حاضری تھی اور میرا قصد وہ مقصد اعلیٰ تھا ۔ جسنے باوجود کثرت بیداری کی میری نیند اڑادی

لِلّٰهِ دَرُّ صَحَابَةٍ اَلْفَيْتُهُمْ ۔۔۔ دِيَمَ النَّدٰى لِلْمُجْتَدِي وَالْجَادِي

سبحان اللہ میں نے کیسے اچھے حضرات کو پایا طالب عطا کیلئے باران سخاوت ہیں اور بہت عطا کرنے والے

فَرَقَ الصَّدِيعِ عَلَى مَنَائِرِ رِفْعَةٍ ۔۔۔ سُرُجَ الرَّشَادِ عَلَى ذُرَى الْاَطْوَادِ

صبح صادق کی روشنی ہیں رفعت کے میناروں پر ۔۔۔ چراغ ہدایت ہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر

وَاَبَرَّهُمْ قَلْبًا وَاَطْهَرَ ضِنْضِئًا ۔۔۔ وَاَقَلَّ تَكَلُّفَةً نُجُومَ النَّادِي

سب سے زیادہ شایستہ قلوب والے پاکیزہ نسب والے ۔۔۔ نہایت بے تکلف اور مجلس نبوی کے ستارے

اَنَا فِي اَمَانٍ مِنْ دَآدِيءِ حَيْرَةٍ ۔۔۔ وَلِيَ اهْتَدَى اَمْرٌ بِالنَّبِيِّ الْهَادِي

(خدا کا شکر ہے کہ) میں حیرت کی تاریکی سے محفوظ ہوں ۔۔۔ اور نبی ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ہدایت پایا ہوں

شَمْسُ الضُّحٰى بَدْرُ الدُّجٰى صَدْرُ الْعُلٰى ۔۔۔ عَلَمُ الْهُدٰى هُوَ قُدْوَةٌ لِلْقَادِي

(وہ نبیؐ) آفتاب نصف النہار ہیں اندھیری رات کے بدر مراتب عالیہ کے صدر نشین ۔ ہدایت کے نشان ہیں اقتدا کرنیوالوں کے پیشوا ہیں

مَوْلَى الْوَرٰى وَبَشِيرُهُمْ وَشَفِيعُهُمْ ۔۔۔ وَخَطِيبُهُمْ فِي مَشْهَدِ الْاَشْهَادِ

سردار خلائق اور انکے بشارت دینے والے ڈرانے والے ۔۔۔ اور انکے خطیب میدان حشر میں

مِنْ سَيِّدٍ عَبْدِ الْاِلٰهِ وَحَمْدُهُ ۔۔۔ وَحَبِيبُهُ وَخَلِيلُهُ الْحَمَّادِ

جو ہمارے سردار خدا کے بندے اور سراہے ہوئے ہیں ۔۔۔ اور حبیب اللہ اور خلیل اللہ ہیں خدا کی حمد کرنے والے ہیں

سَهْلُ الْعَرِيكَةِ اَكْرَمُ الْعَرَبِ الْاُلٰى ۔۔۔ خَيْرُ الْعِبَادِ وَخِيرَةُ الْعُبَّادِ

شریف النفس تمام عرب میں زیادہ شریف ۔۔۔ بہترین مخلوقات اور خلاصہ برگزیدہ عابدین

خَيْرُ الْوَرٰى بَيْتًا وَاَخْيَرُ مَحْتِدًا ۔۔۔ وَنَبِيُّهُمْ مِنْ مَعْدِنٍ مُنْطَادِ

خاندان کے لحاظ سے بھی بہترین خلائق اور طبعی شرافت میں سب سے افضل ۔ اور نبیِّ خلائق ۔ نہایت عالی نسب

خَتَمَ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ اِنَّهَا ‏ ‏ ‏ بُدِئَتْ بِهٖ خُتِمَتْ بِهٖ لِمَعَادٖ

آپ خاتم النبوۃ وخاتم الرسالۃ ہیں اور خلاصہ یہ ہے۔ کہ نبوت آپ ہی سے شروع ہوئی اور آخر آپ ہی پر ختم ہوگئی قیامت تک

اَلْعَاقِبُ الْمَاحِیْ وَاَکْثَرُ تَابِعًا ‏ ‏ ‏ وَالْقَاسِمُ الْمَبْعُوْثُ لِلْاِرْشَادِ

آپ خاتم الانبیا ہیں رسوم کفر کو مٹانیوالے سب سے زیادہ اُمت والے۔ خیر و برکات کو تقسیم کرنیوالے۔ ہدایت خلق کیلئے بھیجے گئے

وَالْاَفْصَحُ الْاُمِّیُّ اَصْدَقُ لَهْجَةً ‏ ‏ ‏ مِمَّنْ تَکَلَّمَ بِاللِّسَانِ الضَّادِیْ

افصح اور ناخواندہ (سبحان اللہ) اور سب سے زیادہ صادق اللسان۔ اور ہیں آپ اہل عرب سے

سِرُّ الْمُهَیْمِنِ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ‏ ‏ ‏ بُشْرٰی مُحَیَّاهُ حَیٰوةُ الصَّادِیْ

سرٌ من اسرار اللہ۔ عبداللہ اور رسول اللہ ‏ ‏ ‏ اُنکے چہرہ کی بشارت تشنہ لبوں کی حیات ہے

وَمُفَخَّمٌ فَخْمٌ تَهَلَّلَ وَجْهُهٗ ‏ ‏ ‏ ضِحْکًا کَضِحْکِ الْبَدْرِ اِذْ هُوَ بَادٖ

بارُعب باعظمت۔ کہ چہرہ مبارک۔ ہنسی کیوقت ایسا چمکتا تھا جیسے صاف آسمان میں چودھویں رات کا چاند

اَلْاَبْلَجُ[1] الْاَقْنٰی[2] الْاَزَجُّ[3] وَرَحْمَةٌ ‏ ‏ ‏ لِلْعَالَمِیْنَ وَاَجْوَدُ الْاَجْوَادِ

کشادہ ابرو۔ بلند بینی۔ کشیدہ و باریک ابرو والے ‏ ‏ ‏ اور رحمۃ للعالمین اور تمام سخیوں سے زیادہ سخی

وَاَفَتْ بِطَیْبَةَ دَارُهٗ وَلِمُلْکِهٖ ‏ ‏ ‏ بِالشَّامِ مَکَّةُ مَوْعِدُ الْمِیْلَادِ

مسکن و مقام آپکا مدینہ منورہ تھا اور مملکت آپکی ملک شام تک تھی۔ اور مکہ معظمہ میں آپکے تولد مبارک کا وعدہ اور پیشین گوئی تھی

وَلِرُعْبِهٖ سَارٍ مَسِیْرَةَ اَشْهُرٍ ‏ ‏ ‏ وَلِذِکْرِهٖ بَاقٍ عَلَی الْاٰحَادِ

آپکا رُعب جائے مقام سے ایک ماہ کی مسافت تک پہنچتا تھا۔ اور آپکا ذکر خیر ہمیشہ تعریف کے ساتھ باقی رہیگا

وَاَفٰی شَهِیْدًا مُنْذِرًا وَمُبَشِّرًا ‏ ‏ ‏ مِنْ رَبِّهٖ بِالْوَعْدِ وَالْاِیْعَادِ

تشریف لائے آپ خدا تعالی کی طرف سے شہید و مبشر و منذر ہوکر وعدۂ انعام اور خوف عذاب دلانیکے لئے

فَلِوَاءُهٗ وَمَقَامُهٗ مَعْ حَوْضِهٖ ‏ ‏ ‏ یَوْمَ التَّنَادِیْ لِلْوَسِیْلَةِ شَادٖ

پس آپکا جھنڈا اور مقام محمود اور حوض کوثر روز قیامت میں درجۂ وسیلہ کیلئے مشہور کرنے والا ہوگا

قَدْ جَاءَ وَالدُّنْیَا عَلٰی ظُلُمَاتِهَا ‏ ‏ ‏ وَالْجَهْلُ وَالْبُؤْسٰی عَلَی اِعْتَادِ

آپ ایسی حالت میں تشریف لائے کہ دنیا میں اندھیر اچھا رہا تھا۔ اور جہل اور سختی کا دور دورہ ہو رہا تھا

فَاَضَاءَ کَالْبَدْرِ الْمُنِیْرِ وَوَجْهُهٗ ‏ ‏ ‏ نُوْرٌ مُّبِیْنٌ فِیْ ظَلَامٍ دَادِیْ

پس اپنے چمکتے ہوئے ماہ کامل کی طرح دنیا کو روشن کردیا (اور کیوں نہو) چہرۂ مبارک تو شبہای تاریک کے اندھیرے کیلئے نور مبین ہے

باقی آیندہ

[1] مراد کشادہ ابرو ۱۲

[2] مراد بلند بینی

[3] مراد کشیدہ و باریک ابرو ۱۲

فہرست چندہ دار الحدیث جو بعد اشاعت القاسم ماہ رمضان ۲۹ھ وصول ہوا

۱	حافظ عبد الغفور صاحب جونپوری از طرف والدین	عمـ/	ایضاً	از جانب حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ	صہ/
۲	قاضی نظام الحق صاحب ناظم سرونج	عـ۵/	؍؍	از جانب والد صاحب خود	صہ/
۳	مولوی حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی	صہ/	؍؍	از جانب والدہ صاحبہ خود	صہ/
۴	مولوی منظور احمد صاحب نائب تحصیلدار سرہند	صہ/	۱۹	منشی امجد علی صاحب ساکن بہلاؤدہ	للعہ/
۵	خان بہادر جناب مولوی نظام الدین صاحب	سـ۵/	۲۰	منشی احمد حسن صاحب سب اوورسیر فرید پور ضلع میرٹھ	صہ/
	ڈپٹی کلکٹر بلیا۔		۲۱	جناب حاجی عبد الرحیم صاحب رئیس بستی متصل سرہند	عا/
۶	مولوی علی احمد صاحب نگینوی	عہ/	۲۲	معرفت مولوی محمد مبین صاحب از انبالہ	عہ/
۷	مولوی محمد سعید صاحب سب رجسٹرار بلیا	صـ۵/	۲۳	چودہری شاہ عبد الخالق صاحب ساکن پورسا	صـ۵/
۸	شیخ کدارو صاحب ساکن بلیا	عـ۵/		ڈاک خانہ نیت پور ضلع دیناج پور ملک بنگال	
۹	مولوی محمد اسحاق صاحب ساکن بلیا	۵/	۲۴	منشی سید اکبر علی صاحب از جالور	عسـ۵/
۱۰	منشی محمد اسلام صاحب ساکن جبنوئی ضلع مظفر نگر	عہ/	۲۵	منشی محمد حسین صاحب کلرک پنجاب	عما/
۱۱	مسماۃ امۃ کلثوم صاحبہ یوسف پوری			سول سکرٹریٹ لاہور	
	از جانب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	صہ/	۲۶	حکیم مبین الحق احمد صاحب پرنسپل مدرسہ	ـے/
۱۲	حافظ محمد عباس صاحب از مینڈھو	عـ۵/		انجمن کھٹور ضلع سورت	
۱۳	قاضی سید مظہر حسن صاحب از امجھر	ـے/ ۸	۲۷	منشی عبد الکریم صاحب از لاوڑ	صہ/
۱۴	مولوی جعفر علی صاحب نگینوی	صہ/	۲۸	منشی عبد اللطیف صاحب رئیس لاوڑ	ـے/
۱۵	شیخ عبد الرحیم صاحب ساکن ایچولی	عہ/	۲۹	حافظ محمد صاحب ابن حاجی محمد اسمعیل صاحب	عما/
۱۶	مولوی محمد یوسف الہ آبادی طالبعلم مدرسہ ہذا	عہ/		از کفلیتہ ضلع سورت	
۱۷	منشی غلام مرتضی صاحب رجسٹرار قانونگو تحصیل	صہ/	۳۰	شیخ نصیر احمد صاحب سوداگر ظروف مراد آباد	صہ/
	جتناری ضلع بھوپال		۳۱	منشی شیخ رفیع اللہ صاحب سرشتہ دار فوجداری سرونج	عہ/
۱۸	حاجی سید مرتضی علی صاحب تاجر پارچہ چوک مراد آباد	صہ/	۳۲	مولوی حکیم رحیم اللہ صاحب رئیس بجنور	سـ۵/

نمبر	نام	رقم
۳۳	محمد ہاشم علی غلام علی مصطفے صاحب رانڈیری از کلکتہ بہ تفصیل ذیل :-	۵ عہ
〃	منجانب حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم	عہ
〃	ازجانب مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ	عـہ
〃	ازجانب مولانا محمود حسن صاحب مدظلہم	عـہ
〃	منجانب جناب استاد حافظ محمد صاحب رحمۃ اللہ	عـہ
〃	منجانب والدین	للعہ
〃	ازجانب خود	عہ
〃	منجانب محمد و احمد مغفورین	عہ
〃	منجانب اقارب خود	عہ
۳۴	منجانب ہمشیرہ زادی صاحبہ جناب حافظ محمد یوسف صاحب امام مسجد شاہ گل دہلی	۵ سہ
۳۵	مولوی کرامت علی صاحب بھاگلپوری	عـہ ر
۳۶	منجانب ہمشیرہ مرحومہ منشی مداح حسین صاحب	صہ ر
۳۷	میاں حاجی عبداللہ صاحب سپروائزر کراچی بہ تفصیل ذیل :-	۵ عہ
〃	ازجانب خود	صہ ر
〃	ازجانب والدین خود	للعہ ر
〃	منجانب دوست محمد و نور احمد مرحوم پسران و دختر مرحومہ	ے ر
۳۸	منشی میاں محمود صاحب کلارک اسٹامپ آفس کراچی معہ متعلقین خود	سہ عہ
۳۹	مولوی علی احمد صاحب ساکن ادمری ضلع مراد آباد معہ والدہ خود	عہ ر
۴۰	مولوی محمد صادق صاحب از کراچی	عہ ر
۴۱	مولوی احمد صاحب ساکن چکوال ضلع جہلم	عـہ ر

نمبر	نام	رقم
۴۲	منشی نظام الدین صاحب محرر سائر اسٹیشن سہور خود و بہ تفصیل ذیل :-	عہ ر
〃	منجانب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ منشی محمد صالح صاحب ساکن ایٹہ	عہ ر
〃	منجانب مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ	عـہ ر
〃	منجانب مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہم	عـہ ر
〃	منشی محمد صالح صاحب ساکن ایٹہ	عـہ
۴۳	منشی محمد ایوب علی صاحب	عہ ر
۴۴	مولوی سید عبدالرحمن صاحب امام مسجد لاہور	عـہ ر
۴۵	سید لال شاہ صاحب ملازم چھاپہ خانہ ریلوے لاہور	عـہ ر
۴۶	حافظ رستم علی صاحب امام مسجد میاں صلابت لاہور	۸ ر
۴۷	منشی محمد اختر صاحب ماسٹر امدادی اسکول ہاپوڑ	صہ ر
۴۸	حافظ محمود علی صاحب نائب ناظم و مجسٹریٹ گوہر گنج ضلع جنوب علاقہ ریاست بھوپال	عہ ر
۴۹	حافظ عظیم اللہ صاحب ساکن کیرانہ	صہ ر
۵۰	چودھری برکت علی صاحب نمبردار آل کلان کیرانہ	عـہ ر
۵۱	ہمشیرہ صاحبہ مولوی احمد اللہ صاحب کیرانوی	عـہ ر
۵۲	مسماۃ پھاڑو ساکن کیرانہ	عـہ ر
۵۳	حاجی حافظ قاری بندو صاحب ساکن کیرانہ	ے ر
۵۴	میاں بندو صاحب ساکن کیرانہ	ے ر
۵۵	مولوی محمد علی صاحب کمرلائی طالب علم مدرسہ ہذا	صہ ر
۵۶	منشی عبدالمجید صاحب سابق کوتوال حال تاجر انبالہ ساکن پشاور	ماصہ
۵۷	میاں امام الدین صاحب موچی ساکن انبالہ	صہ ر
۵۸	بندو قصاب نرپڑہ ضلع میرٹھ	عـہ ر
۵۹	حافظ نور بخش صاحب رنگریز ساکن کوئلہ	عـہ ۸ ر

رجسٹرڈ نمبر ۱ ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ماہوار رسالہ

نمبر ۴ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۹ھ

مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۱ء

جو مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی۔

القاسم۔ یہ علمی و اخلاقی رسالہ۔ ماہوار طبع ہوتا ہے۔ اور عام خریداران سے سالانہ قیمت معہ محصولڈاک (عمہ) دو روپیہ آٹھ آنہ ہے۔ ایک آنہ خرچ وی پی علاوہ کو روانہ ہوتا ہے۔ جملہ خط و کتابت و ترسیل زر راقم کے نام ہونی چاہئے۔ الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور

دربار تاجپوشی

ملک معظم شہنشاہ ہند و انگلینڈ

آج کل ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں ہمارے **شہنشاہ ذیجاہ** کی پُر فوائد آمد آمد کا غُلغلہ بلند ہے اور ہمارے **مُلک معظم** اپنے نہایت وقیعانہ اور مربیانہ شان و شکوہ سے سرزمین دہلی کی مرتبہ افزائی فرمانیوالے ہیں "تمام رعایا کا عموماً اور مسلمانان ہند کا" جو کہ فطرتاً اور مذہباً حکومت کے حق میں وفادار پیدا کئے گئے ہیں" خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ اپنی سچی وفاداری اور قلبی مسرت اور جوش عقیدت کا ایسے مناسب پیرایوں میں اظہار کریں جو کہ ایک ایسے بڑے باجاہ وجلال اور محسن اور آزادی بخش بادشاہ کی جناب کے شایان شان ہوں۔

مذہبی گروہ جسپر سب سے زیادہ شریعت کی حدود و احکام کی پابندی لازم ہے اُسی کو سب سے بڑھکر اپنے ایک بینظیر منعم اور محافظ کی شکرگذاری اور احترام کا حق حاصل ہے۔ اُس مقدس گروہ کو ہمارے نزدیک اُس بیمثال اور گرامی قدر آزادی کی پوری قدر و عافیت سمجھنا چاہیئے جو اُنکو مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں گورنمنٹ کی فیاضی سے عطا ہو رہی ہے۔

ہماری التجا ہے کہ مسلمان اس نادر موقعہ پر اپنی کامل اطاعت و فرمانبرداری اور دلی خوشی کے ظاہر کرنے میں کسی ممکن طریقہ سے دریغ نہ کرینگے۔ اور اپنے شہنشاہ معظم کے حقیقی فلاح و بہبود کے دل سے دُعا گو رہیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالحدیث

کیلئے

بشارت

دیوبند کی مجوزہ دارالحدیث کی طرف جس رغبت اور شوق کی نظریں مسلمانان ہند کی پڑ رہی ہیں اُسکا اندازہ القاسم کے مسلسل مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس جن شوق آمیز الفاظ کے ساتھ چندہ کی قلیل اور کثیر رقمیں آرہی ہیں وہ ایسی گہری محبّت کا پتہ دیتی ہیں جو ہمارے خیال میں آجتک ہندوستان یا کم از کم مدرسہ عالیہ دیوبند کی کسی تعمیر کی نسبت ظاہر نہیں ہوئی۔ تاہم اسوقت تمام اہل اسلام کو یہ خوشخبری سُناتے ہیں کہ اُنکی یہ رغبت اور محبت بے وجہ نہ تھی۔ مسلمانوں کو اپنے ہادی برحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو روحانی و ایمانی نسبت ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے روحانی والد ہیں۔ یہ اُسکا پرتوہ تھا۔ دارالحدیث کی تعمیر اُس بارگاہ عالی میں منظور ہو چکی تھی اور وہیں کی منظوری کا یہ اثر تھا کہ مومنین کے دل بلا کسی ترغیب و تحریض کے جابجا اُسکی طرف متوجہ ہو گئے۔

بُنیاد دارالحدیث سے قبل بھی بعض صلحاء نے یہ مبارک خواب دیکھا تھا کہ عین موقع تعمیر دارالحدیث پر اکابر مدرسہ رحمۃ اللہ علیہم اپنے مبارک ہاتوں سے سامان تعمیر اُٹھا اُٹھا کر لائے اور مصروف تعمیر ہیں۔ لیکن ذیل کی بشارت نے صراحت کیساتھ اسکی مبارک تعمیر کی مقبولیت ظاہر فرمادی۔

سرونج صوبہ ریاست ٹونک میں مولوی سیّد مبارک علی صاحب مفتی سرونج نے ایکوقت دارالحدیث کی طرف توجہ دلائی تو جناب سیّد یوسف علی صاحب وکیل کی زبان سے یہ فقرہ نکلا

کہ اس مبارک کام کیلئے گداگری کرینگے۔

چنانچہ آپنے اور آپکے برادر عم زاد منشی محمد زکریا صاحب کوتوال سرونج نے تہیہ کرلیا کہ سیّد یوسف علیصاحب نواح سرونج سے اور منشی محمد زکریا صاحب خاص سرونج سے فراہمی چندہ کی کوشش فرمائینگے۔ اوران ہر دو مذکور الصدر حضرات نے نہایت ہمت کیساتھ یہ کام شروع بھی کردیا۔ ابھی ۶۲ عـــہ جمع ہونے پائے تھے کہ سیّد یوسف علی صاحب کو یہ بشارت ہوئی۔ جو انہیں کے الفاظ میں بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔

" نصف شب گذشتہ کے بعد میں نے بعالم خواب دیکھا کہ میں بسواری ریل ٹونک جارہا ہوں۔ ایک خاص مقام پر جو کف دست میدان ریگستانی ہے یکایک ریل ٹھر گئی اُسیوقت ایک شخص میرے پاس آئے کہا اوتر حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں۔ میں بکمال شوق اُنکے ہمراہ گیا۔ ایک جگہ چند مکان سرکی کے اور دو تین خیمہ کپڑے کے خلاف خیمہ یہان کی مکانیت کے طور پر قائم ہیں۔ اولاً میں مکان سرکی والہ میں گیا۔ جہاں چند صاحب تشریف فرما تھے ایک کسی قدر فربہ اندام کچھ سیاہ فام پیشانی پر سجدہ کا نشان کُرتہ کی گھنڈی کھلی۔ جنکے پاس چند کتابیں مجلد بچرم رکھی ہیں۔ باقی کا حُلیہ قوت متخیلہ نے فراموش کیا۔ فرمایا کہ اوّل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور جاؤ میں نے عرض کیا کیا حضور مجکو اندر خیمہ کے بلوالینگے۔ فرمایا ہاں۔ میں سلام علیک کرکے رخصت ہوا خیمہ مبارک پر پہونچا دروازہ خیمہ پر معلوم پردہ تھا یا کیا چنانچہ وہ علیحدہ ہو گیا۔ مجکو باریابی نصیب ہوئی حضور نے مسکراکے میری جانب ہر دو دست مبارک بڑھائے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر بوسہ دیا اور روتا رہا حکم بیٹھنے کا صادر ہوا۔ میں بیٹھ گیا۔ ہنسکر فرمایا کسقدر چندہ تونے وصول کیا۔ عرض کیا ۶۲ عـــہ ارشاد ہوا سرونج کا اہتمام زکریا کے ذمہ ہے میں نے عرض کیا۔ وہ میرا بھائی ہے ارشاد ہوا کہ اس اہتمام کا بار زکریا کو لینا چاہئے (یہ زکریا ولد مولوی محمد اسحاق کوتوال سرونج میرے برادر عم زاد ہیں) پھر ارشاد ہوا کچھ پڑھ میں نے سورہ فاتحہ شریف سُنائی ارشاد ہوا۔ قرآن شریف صحیح پڑھا کر۔ حضور کے قریب دو صاحب اور تھے ایک پورے قد کے قدآور جوان ڈاڑھی سینہ تک بال سیاہ وسفید سُرخ سپید رنگ خوبصورت چہرہ۔ دوسرے صاحب لانبے لاغر جسم اُنکا پورا حُلیہ یاد نرہا۔"

سیّد صاحب موصوف اس بشارت کو تحریر فرماکر لکھتے ہیں کہ "گو قبل ازیں دو مرتبہ مجکو زیارت

عـــہ یہ حُلیہ زیادہ تر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ عالیہ خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہٗ پر منطبق ہوتا ہے۔

نصیب ہوئی لیکن خاص صورت اور خاص کام چندہ دارالحدیث کی بابت جسمیں میں کوشاں ہوں اِس سے ایک خصوصیت اور عوام کے دلوں پر موثر ہونے کا سبب ہے اور جو حقانیت مدرسہ عالیہ کی میرے ذہن میں اب راسخ ہو چکی ہے اُسکا خاص سبب آپ حضرات اور مفتی صاحب سرونج ہیں۔
مسلمانوں کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ رویاء صالحہ کو مبشرات میں سے قرار دیا گیا ہے۔
بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ۔	(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبوت کے آثار میں سے صرف مبشرات باقی رہگئے ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ عمدہ خواب)

اور بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں:۔

الرویا الصالحۃ یراھا المسلم او تُری لہ	(عمدہ خواب جو مسلمان خود دیکھے یا کوئی اسکے لئے دیکھے)

ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارۃ خواب میں کرتا ہے وہ بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اسمیں شیطان کا دخل نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں وارد ہے:۔

من رأنی فقد رأی الحق۔	(جس نے مجھکو خواب میں دیکھا اُسنے ٹھیک دیکھا۔)

سید صاحب کا خواب رویا صالحہ میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد سے دارالحدیث کا عنداللہ مقبول ہونا بوضاحت ثابت ہے۔ اور یہ اُمید قوی ہوگئی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر التفات تکمیل دارالحدیث کی طرف متوجہ ہے تو توانشاءاللہ اب یہ مقبول عمارت بہت جلد اسی شان کے ساتھ تیار ہوگی جسکا نقشہ مولوی سید عاشق حسین صاحب نے تیار فرمایا ہے۔
سید یوسف علیصاحب کے خواب کے تذکرہ کے ساتھ اسقدر حال اور عرض کر دینا مناسب ہے جو ایک تازہ تحریر آمدہ سرونج سے معلوم ہوا کہ سید صاحب موصوف نے کچھ عرصہ کے بعد بروز جمعہ جامع مسجد سرونج میں اپنے اُس خواب کو مفصل بیان فرمایا جسکو سنکر باشندگان سرونج پر عجیب قسم کا اثر ہوا اور حضار جلسہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

دارالحدیث کے واسطے

ایکہزار روپیہ عطیہ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر التفات کا یہ نتیجہ ہے کہ عام وخاص کے قلوب میں تکمیل دارالحدیث کا خیال راسخ ہوچکا ہے۔

۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء یوم شنبہ کو عالیجناب شیخ صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور سندھ منتظمان مدرسہ کی استدعا پر دہلی سے بغرض ملاحظہ مدرسہ دیوبند تشریف لائے۔ اور دن بھر مدرسہ میں نہایت دلچسپی سے قیام فرماکر مدرسہ کے تمام حالات دیکھے۔ عمارات کا ملاحظہ فرمایا۔ درسگاہوں میں تشریف لیجاکر درس کو دیکھا خصوصًا حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ کے یہاں جماعت حدیث کا درس دیر تک سنتے رہے۔ اور درجہ قرأۃ میں چند لڑکوں کی قرأۃ سنی۔ بعد نماز ظہر درسگاہ کلاں میں طلبہ کے جلسہ میں تشریف لیگئے اور طلبہ کی بعض عربی فارسی کی شکریہ آمیز نظمیں سنیں۔ مناظرہ کا طریقہ دیکھا اور بہت محظوظ ہوئے۔ مددگار مہتمم مدرسہ نے ایک تحریر سنائی جسمیں مدرسہ کے حالات اختصار کے ساتھ درج تھے اسکو نہایت توجہ وغور سے سنا۔ نماز عصر تک وہیں تشریف رکھی اور آخر میں دارالحدیث کیواسطے ایکہزار روپیہ کا نوٹ عطا فرمایا اور طلبہ کی شیرینی کے واسطے عطا فرمائے۔ اور آیندہ مدرسہ کی معقول امداد کا بھی وعدہ فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ القاسم میں دارالحدیث کا ذکر دیکھکر میرا خیال ہوا تھا کہ اسقدر رقم بھیجوں جو ابتک دارالحدیث میں نہیں آئی۔

سو الحمدللہ جناب وزیر صاحب موصوف کا یہ نیک خیال اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا۔

ہمیں معلوم ہے کہ چند معتقد حضرات کا بڑی بڑی رقمیں دینے کا خیال ہے مگر اسوقت تک جسقدر چندے آئے ہیں اُن میں اسقدر کوئی چندہ نہیں ہے جناب موصوف نے جس اسلامی سادگی کا برتاؤ کیا اُس سے تمام خادمان مدرسہ ممنون ہیں۔ جناب موصوف نے اپنی کمال تواضع وانکساری سے بخاری طلبہ کی دعوت چاہ بھی قبول فرمائی۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بہ قربانی

جس طرح ملحقات زکوٰۃ میں سے صدقہ فطر ہے جسکے متعلق پہلے ایک پرچہ میں بقدر ضرورت مضمون لکھا جاچکا ہے اس طرح اُسکے ملحقات میں سے قربانی بھی ہے انقلاب کے اثر میں مثل دیگر اعمال دینیہ کے یہ بھی شریک اور اس حیثیت سے واجب الاصلاح ہے چنانچہ اسمیں ایک کوتاہی جو از اس التفریطات ہے یہ ہوتی ہے کہ بعضے لوگ باوجود وسعت اور وجوب کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعضے خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی بلکہ بعضے دیہات کے لوگ اسکو جانتے تک بھی نہیں بعضے سستی و بے پروائی کے سبب نہیں کرتے بعضے بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں پس اگر سبب اسکا ناواقفی و بیخبری ہے تو اسکی اصلاح یہ ہے کہ انکو اسکے وجوب سے اور ترک پر جو وعید ہے جیسا ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا - اسپر انکو اطلاع دیجاوے بالخصوص واعظین و خطبا ریا اُن اہل علم کو جو دیہات میں وعظ و تبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں ضرور ہے کہ وہ دیہات کے لوگوں کو جبکہ وہ جمعہ میں حاضر یا خود دیہات میں جانا ہو اسکے وجوب پر بلکہ اسکے متعلق دوسرے احکام پر بھی آگاہ کردیں بعضے باوجود اسقدر وسعت کے کہ جسپر قربانی واجب ہوتی ہے اپنے ذہن میں اپنے کو اسلئے بری سبکدوش سمجھے ہوئے ہیں کہ انکو اس وسعت کی مقدار معلوم نہیں تو انکو اس سے آگاہ کیا جاوے کہ جسکے پاس حوائج ضروریہ سے زائد تخمیناً پچاس روپیہ نقد یا مال تجارت یا زیور یا جائداد و مکانات علاوہ مکان سکونت و کفایت معاش سالانہ کے موجود ہو بس اتنی وسعت پر قربانی واجب ہوجاویگی خواہ مرد ہو یا عورت البتہ بچوں پر یا بچوں کی طرف سے واجب نہیں - اور اگر بے پروائی اسکا سبب ہے تو ان لوگوں کو غور کرنا یا غور کرانا چاہیئے کہ دنیا کے جلب منافع و دفع مضار کے لئے اگرچہ وہ درجۂ ضرورت میں نہ ہوں اور اگرچہ وہ موہوم بھی ہوں کسقدر روپیہ موقع بے موقع بلکہ بے ضرورت ہی خرچ کیا کرتے ہیں اور پھر وہ فانی تو کیا آخرت کے اتنے بڑے ثواب کی تحصیل

سکے لئے کہ اُس سے زیادہ کوئی منفعت نہیں اور اتنے بڑے گناہ و عذاب سے بچنے کے لئے کہ اُس سے بڑھکر کوئی مضرت نہیں اور پھر دونوں یقینی اور باقی اور ضروری الرعائت بے پروائی اور سستی کی جاوے کتنی بڑی نادانی ہے اور اگر سبب اسکا بخل ہی تو فوری علاج تو اس کا ان ہی منافع و مضار کا استحضار ہے جسکا ابھی بیان ہوا اور باقاعدہ علاج اسکا یہ ہے کہ مادہ بخل کا استیصال کیا جاوے جسکی تدبیریں کتب فن میں ملینگی۔ (اور خدا تعالیٰ نے مدد فرمائی تو اپنے سلسلہ مضامین میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اُسکا بیان ہو جاویگا۔ بعضے لوگوں کو اس سے بڑھکر ایک سبب اس ترک کا ہو گیا ہے کہ وہ اسکے عبادت ہونے میں شبہ کرتے ہیں۔ بالخصوص حج کی قربانی کو تو بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعت مال ہی سمجھتے ہیں اُنکی اصلاح یہی ہی کہ وہ علماء محققین سے اپنی تسلی مفصل شبہات پیش کرکے کرلیں مجمل یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت امتثال امر الٰہی ہے جب اسکا مامور بہ ہونا ثابت ہے پھر عبادت ہونے میں کیا شک رہا یہ سوال کہ امر الٰہی کس حکمت سے ہوا گو ایسے سوالات کے جوابات میں اسوقت خاص دلچسپی سے کام لیا جاتا ہے مگر سچا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہمسے پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم بانئے قانون نہیں جو قانون کی لم جاننے کے مدعی ہوں ہم ناقل وحاکی قانون ہیں جب واضع قانون کے روبرو کھڑے کئے جاؤ گے اگر ہمت ہوگی پوچھ لینا پھر جو جواب اُنکے نزدیک مصلحت ہوگا عنایت کردینگے خواہ تقریر و مقال سے خواہ تعزیر و نکال سے۔ دفعات قوانین کی علل وکلاء یا مجسٹریٹ و جج سے پوچھنا سخت نادانی ہے۔ اگر کوئی پوچھے بھی اُنکو یہ جواب دینے کا حق ہے کہ واضعان قانون سے پوچھو ہم اُسکے بتلانے کے ذمہ دار نہیں تو علماء ایسے سائلوں کو ایسا جواب کیوں نہیں دیسکتے ہیں اور جب دیسکتے ہیں تو کیوں نہیں دیتے۔ کیوں سائل کی بے محل فرمایش کا اتباع کرتے ہیں اسی طرح اضاعت مال کے شبہ کا جواب ہے کہ اضاعۃ اسوقت ہوتی جب اسمیں کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور جب فائدہ اسمیں رضائے حق ہے جسکا مقابلہ کوئی فائدہ نہیں کرسکتا تو اضاعۃ کیسے ہوئی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے وسعت والے قربانی تو کرتے ہیں مگر بڑی کوشش اسکی ہوتی ہے کہ کوئی حصہ سستا ملجاوے۔ گو اسمیں کچھ عیب بھی ہو مگر ایسا نہ ہو گا مانع جواز

قربانی ہو اور وجہ اسکی دو ہیں۔ ایک بخل جسکا علاج اوپر گذر چکا اور دوسرے یہ خیال غیر واقعی کہ قیمت کے بڑھنے سے یا مال کے عمدہ ہونے سے ثواب میں زیادتی نہ ہوگی بلکہ ایک حصّہ میں جسقدر ثواب ہوتا ہے وہ دونوں حال میں برابر ہوگا یا اگر زیادتی بھی ہوئی تو ہم زیادتی کو کیا کرینگے بس اتنا ہی کافی ہے کہ برات ذمہ حاصل ہوجاوے اسکی اصلاح یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جسقدر مال عمدہ ہوگا یا قیمت زیادہ ہوگی ثواب زائد ہوتا جاویگا۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور لا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ اور حدیث سمنوا ضحایاکم اور حضرت عمرؓ کا قصہ کہ ایک اونٹنی ذبح کی تھی جسکے تین سو دینار انکو ملتے تھے (اوردہ فی التفسیر المظہری) یہ سب دلائل واضحہ ہیں اس دعوی کے اور یہ خیال کہ ہم زیادتی کو کیا کرینگے صرف برات ذمہ کافی ہے اس کا محل وہاں ہوسکتا ہے جہاں صرف مواخذہ سے بچنا ہو اور اُس حاکم سے کوئی خاص تعلق نہ ہو نہ خاص تعلق پیدا کرنا مقصود ہو کیا حق جل وعلا شانہ کے تعلقات کے وجود یا مطلوبیت حصول کا کسیکو انکار ہوسکتا ہے اگر نہیں ہوسکتا تو اس خیال کی گنجایش کہاں رہی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ اُنکے ذمہ حقوق العباد ہیں جنکا ادا و ایفاء فرض مقدم ہے مگر یہ لوگ ان سب حقوق کو نظر انداز اور پشت افگندہ کرکے محض فخر اور وضع قدیم نباہنے کے لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس نہیں ہوتا تو اُدھار کرتے ہیں بعض کو دیکھا ہے کہ متعدد حصص مُردوں تک کے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق کو مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ دس روپیہ قرضہ میں ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان دس روپیہ کے حصّے خریدے جاویں تو اضافہ حقوق کا الزام الگ اور فساد نیت یعنی تفاخر و ترفع کا الگ۔ حضرات سلف سے اس مباہاۃ پر انکار منقول ہے۔ اور اس انکار کے ساتھ اُنکا یہ قول بھی مروی ہے کہ ہم تو گھر بھر کی طرف سے صرف ایک بکری ذبح کر لیتے تھے۔ یعنی عدم وجوب کی صورت میں ایک نے اپنی طرف سے کرلی اور گھر بھر نے کھا پی لیا۔ کیونکہ ایک حصّہ تو کئی کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا البتہ کوئی حق ضائع نہ ہو اور تفاخر بھی نہ ہو تو تطوع کے مستحب اور دلیل محبت ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح عام مردوں کیطرف سے

یا اپنے بزرگان دینی کی طرف سے بالخصوص حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بھی احب المندوبات اور مقتضا اُن حضرات کے حقوق کا ہے لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب اُس میں کوئی مضرت نہ ہو۔

اور بعض کوتاہیاں مسائل فرعیہ فقہیہ کے نہ جاننے سے ہوتی ہیں جیسے ایسے جانور کی قربانی کرنا جو رعایا سے گھاس چرانے کے عوض میں لیا گیا ہو یا جو جانور حصہ پر کسی کو پرورش کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور وہ اس پرورش کنندہ کے حصہ میں لگا دیا گیا پھر اس سے کسی نے خرید ا یا خریدنے کے وقت کھال کا استثنا کر لینا یا جانور خرید کر پھر اُسکو کلاً یا بعضاً دوسرے کے ہاتھ بیچڈالنا یا اپنا حصہ کسی حصہ سے بدل لینا یا دوسرا اوّل خرید کر پھر پہلا بیچڈالنا کہ ان استبدال کی صورتوں میں غنی اور فقیر کے احکام میں نہایت طویل تفصیل ہے یا ان سب سے بڑھکر ایک ایسی صورت میں جو ایک مقام میں سُنی گئی کہ جانور ذبح کرنے کے بعد اسکا ایک حصہ ایک شخص کے نامزد کر کے اُسکی قربانی کے لئے کافی سمجھا گیا یا مشترک گوشت محض تخمینہ سے تقسیم کرنا یا گوشت کے تین حصے برابر کرنے کو واجب سمجھنا یا کھال بیچکر کسی کی تنخواہ و اُجرت میں لگا دینا جب بعض دیہات میں امام و موذن کو یہی کہکر رکھتے ہیں کہ تمکو قربانی کی کھال بھی ملیگی یا اُن داموں سے مسجد کے بوریئے وغیرہ خریدنا یا مسجد کی تعمیر میں لگا دینا یا اپنے خرچ میں لے آنا۔ کیونکہ بعد بیع چرم کے اُسکی قیمت کا مصرف مثل زکوٰۃ ہوجاتا ہے یا کہیں منی آڈر کرکے بھیجنے کی صورت میں اُسی میں سے فیس ادا کرنا و مثل ذلک ان سب کی اصلاح مسائل فقہیہ کی تحقیق کر کے اُنکے موافق عمل کرنا ہے۔

اشرف علی تھانوی

شوال ۱۳۲۹ھ

روزہ کے متعلق بعض آیات کی تفسیر

ذیل کا مضمون مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند کے قلم سے نکلا ہوا ہے ہمیں امید ہے کہ سخن سنج اور نکتہ رس حضرات اس کے محققانہ طرز کی داد دینگے۔ کیونکہ اصول شریعت و طریقۂ سلف کا پابند رہکر مسائل شرعیہ پر بحث کرنیکا یہ مضمون بہترین نمونہ ہے۔

مضمون نگار نے اس امر کو خوب ملحوظ رکھا ہے کہ اپنے مقررہ اور پسندیدہ امور کو اصل قرار دیکر گفتگو کرنیکا نتیجہ آزادی اور مطلق العنانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو لوگ اس قسم کے مضامین میں موازنہ یا اُن پر رائے زنی کریں بھی قواعد شریعت کا پیش نظر رکھنا لازم و واجب ہے۔ (معتمد المدیر)

اسلام کی اصلی تصویر دکھلانے اور اُسکو توہمات اور باطل مفروضات سے پاک کرنے کیلئے کسی مفید رسالہ کا جاری کیا جانا۔ (جیساکہ ہمکو رسالہ تہذیب الاخلاق کے اجراء سے توقع دلائی گئی ہے) قوم کے نہایت سودمند مقاصد میں داخل ہے اور ہماری قوم اُسوقت بے انتہا خوش نصیب ہوگی جبکہ اس قسم کا کوئی رسالہ اُس صاف اور سیدھی شاہراہ پر پڑکر جسکی رات دن سے زیادہ مامون و بیخطر ہے اپنے منتہائی اغراض تک پہونچنے میں عملی کامیابی حاصل کریگا۔ ہم مسلمان بصد شوق اُس ساعت کے منتظر ہیں جبکہ ہم ایک ایسے رسالہ کو اپنا حرز جاں بنانے کو تیار ہونگے۔ اور ہمارے دلوں میں اُسکی ایسی عظمت ہوگی کہ ہمارے تمام دینی و دنیوی معاملات کا وہی دستور العمل قرار پائیگا۔ ہم اُسکو اپنا ایک اعلیٰ درجہ کا مذہبی رہبر سمجھینگے۔ اور ہماری قومی امراض کی اکسیر دوا اُسی کے پاس سے ملیگی۔ اور وہی ہمارے شکوک و شبہات کے پیچ در پیچ گتھیوں کو سلجھا سکیگا۔

لیکن اس اعلیٰ اور بہترین مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے راسخ العلم[1] اور قادر البیان علما

[1] اس اعلیٰ اور ارفع مقصد میں کامیاب ہونیکے لئے یہ ہی واحد طریقہ ہے جسکی طرف مولوی شبیر احمد صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ نامہ نگاری کی مشاقی اور انشاء پردازی میں مہارت اگر اس مقصد کی تکمیل کے لئے کافی سمجھی جائے۔ تو ہماری مثال کالمستجیر من الرمضاء بالنار۔ (گرم ریتی سے بچکر آگ میں پناہ لینے والے کی سی ہوگی) اور ہم سائل یرجو الندی من سائل (گداگر ہے جو گداگروں سے دریا دلی کی توقع رکھتا ہے) کے درجہ سے نہ بڑھینگے۔ اور ہمارا یہ فعل نہ صرف عبث ہوگا بلکہ رہزنوں سے رہبری کی توقع باندھکر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہوگا۔ اور متاع گرانمایہ کی حفاظت لٹیروں سے کراکر رہی سہی پونجی بھی کھو بیٹھینگے۔ (معتمد المدیر)

کے برگزیدہ گروہ کو ایک ایسے رسالہ کی طرف متوجہ کرنیکی ضرورت ہے جسکے حقیقی اغراض کو اُن سے زیادہ خوبصورت الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا جسمیں تہذیب الاخلاق نے اپنے مقاصد کو ادا کیا ہے۔ اور ہم مشکور ہیں اڈیٹر تہذیب الاخلاق کے کہ اُنہوں نے اس نتیجہ پر پہونچنے کیلئے خود بھی طبقۂ علما کو توجہ دلائی ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے پاک طینت اور قابل ہقتدا کلموا الناس علے قدر عقولہم کو ملحوظ رکھکر قرآن وحدیث کے اسرار سے بذریعہ تہذیب الاخلاق کے مسلمان پبلک کو آگاہ کرتے رہیں تو اس پریشان اور گم گشتہ راہ قوم کی اصلاح کیواسطے بہت سے راستے صاف ہو جائیں۔ اور اڈیٹر وکیل اور اڈیٹر تہذیب الاخلاق کو بھی اُن کا ہاتھ بٹانے کی وجہ سے بہت کچھ آپکی شکرگذاری کا موقعہ ملے۔

اس سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ میں ڈاکٹر صادق علی صاحب کا شکریہ کیساتھ نام لوں کہ اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں اس تجویز کی نسبت سب سے پہلے سلسلہ جنبانی کی اور آیۂ صوم کے متعلق اُنہوں نے ایک مختصر سا مضمون بھی چھپوا دیا جسمیں دوسرے لوگوں کی کوششوں سے بھی مدد لینے کی خواہش کی گئی ہے۔ اگرچہ میرا شمار طبقہ علما کے کسی درجہ میں نہیں مگر یہ بھی کسی طرح نہ ہوگا کہ ہم یا ہمارے دوسرے احباب اپنے اپنے معلومات اور خیالات کے پیش کرنے میں اس موقعہ پر دریغ کریں اور ڈاکٹر صاحب کے توجہ دلانے کی طرف کچھ بھی ملتفت نہوں۔ اس بنا پر مجھکو ضروری معلوم ہوا کہ ایۃ صیام کے متعلق جو کچھ اختلاف مفسرین میں ہے اور جو کچھ فیصلہ میرے ذہن نے کیا ہے اُسکو صاف صاف مگر مختصر پیرایہ میں ظاہر کردوں اور بعد میں جب کبھی مزید تفصیل کی ضرورت لاحق ہو اُسکے لئے تیار رہوں۔ چنانچہ اکابر سلف کی خوشہ چینی سے جو ماحصل اس آیۃ کے متعلق میں نے نکالا وہ حسب ذیل ہے:۔

یَا ایُّھَا الذین اٰمنو اکتبَ علَیکُمُ الصِّیامُ کما کتب علی الذین من قبلکم لعلّکُمْ تتقون ایّامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفرٍ فعدۃٌ من ایام اخر۔	(ترجمہ) اے ایمان والو حکم ہوا تم پر روزے کا جیسے حکم ہوا تھا تم سے اگلوں پر۔ شاید تم پرہیزگار ہو جاؤ کئی دن ہیں گنتی کے۔ پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں تو گنتی چاہیئے اور دنوں سے۔

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ (سورۃ بقرہ - پارہ سیقول - ایۃ -)	اور جنکو طاقت ہے تو بدلا چاہیے ایک فقیر کا کھانا۔ پھر جو کوئی شوق سے کرے نیکی تو اُسکو بہتر ہے اور روزہ رکھو تو تمھارا بھلا ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ)

سب سے بڑا خلجان جو اس آیت کے متعلق ناواقفوں کو پیش آتا ہی یہ ہے کہ اس آیۃ کے پہلے جملہ میں خدا تعالیٰ نے بڑے شد و مد سے روزہ کی فرضیت کو قایم کیا اور ابھی آیت تمام بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُس حکم سے (نعوذ باللہ) رجوع کرنا پڑا۔ اب اگر اسکو یوں تعبیر کیا جائے کہ کتب علیکم الصیام کے وجوب کو علی الذین یطیقونہ سے منسوخ کرکے روزہ کے بجائے فدیہ رکھا گیا ہے تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ (معاذاللہ) خدا سوتے میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ مسلمان سامنے کھڑے تھے اُسی حالت میں اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ روزہ رکھا کرو جب بیدار ہوا تو سمجھا کہ یہ حکم ہرگز اُنکے طبیعت اور حالت کے مناسب نہ تھا فوراً اُسکے توڑنے کے واسطے ایک اور جملہ بے سوچے سمجھے اُس میں بڑھا دیا تاکہ اُس غلطی کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے۔ کیا مسلمان اس پر آمادہ ہیں کہ وہ آیۃ مذکورہ میں ایسا فوری نسخ مانکر اُس ذات اقدس کو اسقدر زود فراموش اور سفیہ اور غافل تسلیم کریں اور اسپر طرہ یہ کہ اپنے تمام اہل اسلام کے اجماع سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں کیونکہ جب اُنھوں نے روزہ کی فرضیت کو فدیہ کی آیت سے منسوخ مان لیا تو بحکم قرآنی ہر شخص کو یہ حق ہوگا کہ وہ بالکل توانائی اور تندرستی کے حالت میں بھی اُسی طرح ایک مسکین کا کھانا دیکر چھوٹ جایا کرے جیسا کہ عجوز اور شیخ فانی چھوٹ جاتے ہیں حالانکہ علماء سلف وخلف میں کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے اب اگر وہ نسخ مانتے ہیں (اور ضرور مانتے ہیں) تو یہ سب دشواریاں اُنکی راہ میں حائل ہیں۔ اور نہیں مانتے تو اِن آیات محکمات کے محفوظ رکھنے کی اُنھوں نے کیا سبیل نکالی ہی۔ یہ ایک شبہ ہے جسکو متفرق لوگوں نے مختلف پیرایوں میں ادا کیا ہے اور جسکے جواب میں ہمکو تین امور سے بحث کرنیکی ضرورت ہے۔

(۱) احکام الٰہی میں نسخ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

(۲) اس خاص آیۃ میں نسخ ہوا یا نہیں۔

(۳) اگر نہیں ہوا تو آیت کا مفہوم صحیح کیا ہے۔

امر اوّل کی نسبت مجھکو اس موقعہ پر اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں جو میں رسالہ القاسم دیوبند جلد اوّل نمبر ۹ میں بذیل عنوان الاسلام لکھ چکا ہوں اور میں اجازت چاہتا ہوں کہ اُس مضمون کا وہ حصّہ جو میرے موضوع سے متعلق ہے ادنےٰ تغیر کے ساتھ یہاں پر نقل کردوں تاکہ جو مرحلہ یہاں درپیش ہے وہ طے ہو جائے اور محض اتنے ٹکڑے کے واسطے ناظرین کو القاسم کے منگانے کی زحمت نہ اُٹھانا پڑے وہو ہذا :۔

"یہاں پر شاید تم کو یہ شبہ گذرے کہ مختلف زمانوں میں جب مختلف احکام خدا کے یہاں سے صادر ہونگے اور ظاہر ہے کہ موخر مقدم کیواسطے ناسخ ہوگا تو وہم یہ ہوتا ہے کہ پہلے حکم کے بھیجنے میں شاید خدا تعالیٰ سے کچھ سہو ہو گیا تھا یا بھول چوک سے ایک نامناسب فرمان جاری کردیا تھا جو دوسرے حکم کے ذریعہ سے اُس غلطی کی اصلاح کرائی گئی مگر یہ شبہ آپکا سراسر کم فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ نسخ کے معنی صرف تبدیل احکام کے ہیں۔ یہ آگے آپکا قیاس ہے کہ وہ تبدیل پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ سے واقع ہوئی ہوگی۔ خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اُسکے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ چند روز بعد وہ نسخہ بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قایم کی ہے کہ اُس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہو گئی تھی۔ جسکی مکافات وہ دوسرے نسخے سے کر رہا ہے۔ جب یہاں آپنے ایسا نہیں سمجھا تو خدا تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کونسی چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلاوجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کرلیں۔ کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اُس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کر کے اُسکے موافق مختلف احکام جاری کر دئے۔ اور اسمیں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین حکمت ہے باقی یہ خلجان کہ کیا خدائے برتر اسپر قادر نہ تھا کہ ابتدا بعثت میں ہی کوئی ایسا مجموعہ احکام نازل فرما دیتا جسمیں ہر زمانہ کے تغیرات کی رعایت کر لیجاتی اور اسکی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وہ اپنے سچے الہام میں دست اندازی کرے اسکی بابت میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک اگر خدا اس پر قادر تھا تو کیا اسپر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے رحم مادر میں پرورش پانے

اور بتدریج نشوونما کرنیکے ایک کامل مکمل انسان دفعتہً پیدا کر دیتا یا بغیر تخم ریزی اور آب پاشی وغیرہ سامان زراعت کے خود بخود تمام نباتات کو زمین سے اُگا دیتا۔ اگر اُس نے باوجود قدرت کے ان جسمانیات میں (نعوذ باللہ) یہ دردسری اُٹھائی تو روحانی تربیت میں بھی اُس کو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں اور مصلحتیں متعلق ہو سکتی ہیں تو یہاں اُسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنے سے کون چیز مانع ہے بہرکیف جب یہ بخوبی واضح ہوگیا کہ احکام شرعیہ میں نسخ و تبدیل ممکن ہے اور اسمیں کچھ ہرج نہیں بلکہ عین حکمت و رحمت ہے کہ خداوند رب العزت بنی آدم کی ہدایت کیواسطے مختلف اوقات میں مختلف احکام نازل فرماتا رہے۔ تو ہمارے لئے صرف یہ بحث قائم رہجاتی ہے کہ ایا آیۃ مذکورۃ الصدر میں بھی نسخ واقع ہوا ہے یا نہیں۔ اور ثانی صورت میں آیۃ کے مصداق کون لوگ ہیں۔

یہی بحث ہے جسپر ہمنے اسوقت قلم اُٹھایا ہے اور جسکی تفصیل علامہ ابن جریر طبری۔ امام فخرالدین رازی حافظ ابن حجر اور فاضل عینی وغیرہ کی تصنیفات میں خاطرخواہ ملتی ہے۔ اِس سے پہلے کہ میں ان اکابر کی تقریروں کا اقتباس یا اپنے کسی ناقص خیال کا اظہار کروں مناسب ہے کہ آپ کو چند ایسے امور دل نشین کرادوں جنکے بغیر ہمارے مقصد کی پوری وضاحت نہیں ہو سکتی۔

(الف) پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے دن اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے جاتے تھے۔ اِسمیں اختلاف ہے کہ یہ فرض تھے یا محض نفل۔ حضرت عبداللہ ابن عباس معاذ بن جبل اور عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزے فرض تھے۔ اور ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے نکلتا ہے کہ فرض نہیں تھے بلکہ محض بطریق تطوع رکھے جاتے تھے بہرحال جب صیام رمضان کا حکم آگیا تو ان روزوں کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ کر رمضان کی طرف مبذول ہوگئی اور انکا رواج ویسا نہ رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

(ب) دوسرا امر جسپر تمام اُمت کا اتفاق ہے یہ ہے کہ ایک صحیح سالم تندرست آدمی کیلئے ہرگز

اجازت نہیں کہ وہ فی یوم ایک فقیر کا کھانا دیکر روزہ سے نجات حاصل کرلیا کرے۔ اور بعض مترجمین قرآن کی تحریر کے موافق فدیہ ادا کرکے روزوں کے بار سے سبکدوش ہوجاے۔ چنانچہ تمام اہل اسلام کا قاطبۃً اسپر اجماع ہے اور کسی ایک معتد بہ عالم سے بھی اسکا خلاف منقول نہیں۔

(ج) تیسرے یہ کہ عجوز اور شیخ کبیر کے بارہ میں جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ فدیہ دیکر فارغ الذمہ ہوجاتے ہیں۔

(د) چوتھے یہ کہ بیسیوں روایات سے یہ ثابت ہو کہ ابتدا اسلام میں ایک مرتبہ یہ بھی حکم رہا ہے کہ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ چاہے روزے رکھے اور خواہ فدیہ ادا کردے۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ روایات بکثرت ابن جریرؒ۔ ابوداوٗدؒ۔ بیہقیؒ۔ ابونعیمؒ۔ دارقطنیؒ۔ اور اور محدثین نے نقل کی ہیں۔ اور یہ ہی نسخ کی روایات اختصار کے ساتھ امام بخاریؒ اور مسلمؒ کے یہاں بھی بطریق وصل و تعلیق موجود ہیں۔

(ہ) پانچویں یہ کہ صدقۃ الفطر کی مقدار (جو رمضان تمام ہونیکے بعد عید کے دن دیا جاتا ہے) اور اس فدیہ کی مقدار (جو شیخ فانی وغیرہ سے دلایا جاتا ہے) مساوی ہے اور لفظ فدیہ کا اطلاق صدقۃ الفطر پر بھی ہوسکتا ہے۔

اِن پانچوں مقدمات کے ملحوظ رکھنے کے بعد آیت مذکورہ کے متعلق علماء تفسیر کے دو گروہ پیدا ہوگئے۔ اکثر علماء محققین کی رائے تو یہ ہوئی کہ اس آیت میں نسخ ضرور ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاریؒ۔ مسلمؒ۔ ابوداوٗدؒ۔ بیہقیؒ وغیرہم کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر نسخ نہ مانیں تب بھی معنی آیت کے درست ہیں۔ پھر اس موخرالذکر فریق میں بھی مختلف لوگوں نے مختلف روشیں اختیار کیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اِن سب مباحث کو بالاختصار ایک خاص ترتیب کے ساتھ یہاں پر درج کردوں تاکہ اہل علم ان سب کا موازنہ کرکے جسکو بہتر سمجھیں ترجیح دیسکیں۔

سب سے اوّل میں اُن مفسرین کے اقوال نقل کرتا ہوں جو نسخ کے قائل نہیں ہیں اِنمیں سے اصم کی تحقیق کو امام فخرالدین رازی نے ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

الاوّل ان ھذا راجع الی المسافر	(ترجمہ) پہلی رائے یہ ہے کہ علی الذین سے مراد مریض

والمریض وذلك لان المسافر والمریض قد یکون منهما من لا یطیق الصوم و منهما من یطیق الصوم (اما القسم الاول) فقد ذکر الله حکمه فی قوله ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر (واما القسم الثانی) وهو المسافر والمریض اللذان یطیقان الصوم فالیهما الاشارة بقوله وعلی الذین یطیقونه فدیة فکانه اثبت للمریض والمسافر حالتین فی احدهما یلزمه ان یفطر وعلیه القضاء وهی حال الجهد الشدید لو صام والثانیة ان یکون مطیقا للصوم لا یشتمل علیه فح یکون مخیرا بین ان یصوم وبین ان یفطر مع الفدیة۔

ومسافر ہی ہیں۔ ہاں مریض ومسافر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جنکو روزہ رکھنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو۔ اور ایک وہ جو ایسے نہیں بلکہ بلا زحمت کے مقیم وتندرست کی طرح روزہ رکھ سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کا حکم تو یہ بیان فرمایا کہ جو ایسا مریض یا مسافر ہو وہ افطار کرکے بعد رمضان کے قضا کرے۔
باقی دوسری قسم کے مریض ومسافر جو روزہ کی طاقت اچھی طرح رکھتے ہیں اُنکو اجازت ہے کہ وہ فدیہ دیکر بری ہوجایا کریں۔ گویا کہ مرض وسفر کی ایک حالت میں افطار مع القضاء اور ایک میں افطار مع الفدیہ کا حکم ہے۔

آیت کی یہ توجیہ جو اوپر نقل کی گئی اگرچہ تمام علما وفقہاء کے اقوال سے اور جملہ احادیث نسخ سے جو نہایت باوثوق سندوں کے ساتھ منقول ہوئی ہیں۔ مخالف ہونیکے ساتھ بعید از قیاس بھی ہے (کیونکہ روزہ جو کہ اہم فرایض میں سے ہی اور جس میں مسلمانوں کے بہت سے روحانی منافع مضمر ہیں وہ یا تو نہایت سخت سے سخت امراض اور دشوار گذار سفرونکی وجہ سے ساقط نکیا جائے بلکہ بعد میں اُن ایام کی تعداد کا پورا کرنا ضروری قرار پاوے اور یا ذرا ذرا کام کی تحریک اور کان گرم ہوجانے یا فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں نہایت راحت وآسایش کے ساتھ دہلی تک کا سفر کرنے میں ایک آدمی کو کھانا کھلا کر امیروں کی جان بچادی جائے۔ اِس قسم کا نامعقول فیصلہ خدا تعالیٰ کی دانائی اور اُسکی حکمت اور انصاف سے ہرگز ممکن نہیں)۔

٥ - دیکھو تفسیر کبیر جلد ثانی مطبوعہ مصر - صـ ۱۷۷

لیکن ہمنے اس کمزور توجیہ کو بحوالہ کتاب اس ضرورت سے یہاں درج کیا ہی کہ ہمارے ڈاکٹر صادق علیصاحب تہذیب الاخلاق ماہ رجب میں اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی مشورہ دیتے ہیں کہ مفسرین کو چاہئے تھا کہ وہ اس معنی کو چھوڑ کر کسی اور تاویل و تفسیر کے درپے نہ ہوتے۔

میں یہ تو عرض نہیں کرسکتا کہ کوئی مفسر اگر اب زندہ ہوتا تو وہ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کی قدر کرکے کہانتک داد دیتا مگر ہاں ڈاکٹر صاحب کی میں اتنی ضرور شکایت کرونگا کہ اُنھوں نے یہ معنی آیت کے امام رازی کی تفسیر سے نقل کئے اور امام نے بھی اپنے بیان میں تمام رایوں سے مقدم اسی کو رکھا۔ اور اسپر بھی ڈاکٹر صاحب نے جب جمہور مفسرین و محدثین پر اعتراضات کی بوچھار کی۔ تو امام کے حق میں دو لفظ بھی شکریہ کے اُنکی زبان سے نہ نکلے۔ بلکہ ایسا طرز تحریر بھی اختیار نکیا جس سے وہ مضمون ڈاکٹر صاحب کے سوا کسی دوسرے کا معلوم ہوتا۔

اب میں چاہتا ہوں کہ توجیہ مذکور کے سوا علماء نے جو توجیہات اس آیت کے اور بیان کئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے اُنکو ناقابل التفات سمجھا ہے وہ بھی بالتفصیل یہاں لکھدوں۔ تاکہ رسالہ کے فہمیدہ ناظرین کو اُنکے متعلق بھی صحیح رائے قایم کرنیکا موقعہ ملے۔ منجملہ اُنکے ایک یہ بھی ہے کہ یُطیقون کا مادہ طاقت ہے اور طاقت کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے پر مشقت اور محنت کے ساتھ قادر ہونا۔ اور بسہولت قادر ہونے کو وسع کہتے ہیں تو اب معنی آیۃ کے یہ ہوئے کہ جو لوگ روزہ رکھنے پر بدقت تمام قادر ہوں (جیسا کہ شیخ کبیر اور عجوز) افطار کرکے فدیہ دیدیں۔ اس معنی کی تائید وہ قرأۃ کرتی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہی یعنی یہ کہ وہ بجاے یطیقونہ کے یتطوقونہ اور یطوقونہ پڑھتے تھے جسکے معنی بہ تکلف اور بمشقت روزہ رکھنے کے ہیں[۱]۔ اس تاویل کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ قرأۃ شاذہ ہے اور یطیقونہ کی قرأۃ متواتر ہے۔ اور متفق علیہ قرأۃ کو شاذ قرأت سے منسوخ کردینا صحیح نہیں۔ اگر یطوقونہ کی قرأۃ صحیح ہے اور حضرت کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھی اور اُسکے چھوڑنے سے معنی بدل جاتے تھے تو اُس قرأۃ کے چھوڑنے سے تمام صحابہ کے ذمہ تحریف قرآن کا الزام عائد ہوتا

---

[۱] دیکھو تفسیر کبیر جلد ثانی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۷

ہے (نعوذ باللہ)۔

میں عرض کرتا ہوں کہ یطوقونہ کی قرأت سے یطیقونہ کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسکو دیکھکر یطیقونہ کے معنی ایسے مناسب لئے گئے ہیں جو دونوں قراتیں باہم مطابق ہوجائیں۔ اور آیۃ کے معنی بھی بن جائیں۔ رہا یہ خیال کہ آیا یطیقونہ کا لفظ باعتبار لغت کے اسکا متحمل بھی ہوسکتا ہے یا نہیں کہ اُسکو یطوقونہ کے معنی میں مستعمل کرلیا جائے تو اسکا جواب میں علامہ زمخشری کی زبان سے دلانا چاہتا ہوں جسکا امام لغت وادب ہونا مسلمات میں سے ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

ویجوز ان یکون ھذا معنی یطیقونہ ای یصومونہ جھدھم وطاقتھم و مبلغ وسعھم۔ (دیکھو کشاف جلد اول ص۲۲۴ مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) یہ ہوسکتا ہے کہ معنی یطیقونہ کے یہ لئے جائیں کہ وہ روزے رکھ سکیں نہایت مشقت اور طاقت اور انتہائے محنت کے ساتھ۔

اسکے بعد غایت سے غایت کوئی یہ کہیگا کہ زمخشری نے یہ معنی مجاز کے طور پر لئے ہیں۔ تب بھی میں یہ کہونگا کہ اگر کلام اللہ میں حقیقت کے متعذر ہونے کے وقت مجاز لے لیا جائے تو یہ کیوں محال ہے۔ وشواھدہ فی القرآن مما لا تعد ولا تحصی۔

اِس جگہ مناسب ہوگا کہ میں آیت کی اُس توجیہ سے بھی آپکو مطلع کردوں جو ہمزہ افعال کو معنی سلب میں لیکر کی گئی ہے۔ اِس تقدیر پر جبکہ علی الذین یطیقونہ کا حاصل یہ ہوگا کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے اُنکے اوپر فدیہ واجب ہے بے تکلف آیۃ کے معنی بنجاتے ہیں اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مشہور تفسیروں میں اسکا ذکر کسی جگہ نہیں دیکھا صرف میر غلام علی آزاد بلگرامی کے مآثر الکلام سے نواب صدیق حسن خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جسکا ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں۔

"میر محمد طفیل بلگرامی فرماتے ہیں کہ جسوقت میں اور علامہ عبد الجلیل بلگرامی مرحوم اکبر آباد کے اندر نواب فضائل خان کی مجلس میں پہنچے تو نواب کے یہاں بہت سے علماء وقت جمع تھے علمی تذکروں میں اتفاقاً نواب کی زبان سے نکلا کہ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الخ میں جو بعض مفسرین نے لا مقدر نکالا ہے میرے نزدیک اس نفی کا کام ہمزہ افعال سے بھی چل سکتا ہے

حاضرین نے اس معنی کی بہت تحسین کی مگر میں نے باد ب اجازت طلب کر کے عرض کیا کہ یہ توجیہ بہت ہی درست ہے بشرطیکہ خاص اطاقت کا لفظ معنی سلبی میں استعمال کیا گیا ہو۔ کیونکہ باب افعال کی یہ خاصیت قیاسی نہیں ہے میرے اس کہنے پر تفسیر امام رازی۔ تفسیر کشاف تفسیر بیضاوی۔ اور اور تفسیریں اور لغت کی کتابوں میں سے صحاح و قاموس وغیرہ دیکھی گئیں۔ لیکن اس مادّہ خاص میں معنی سلبی کا کہیں پتہ نہیں چلا چنانچہ نواب نے میرے اعتراض کو تسلیم کر لیا"۔ اسکے بعد میر محمد طفیل صاحب فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ابتدائی زمانہ کا ہے بعد میں جب دوسری تفسیروں پر ہمارا عبور ہوا تو ظاہر ہوا کہ شمس الایمہ نے یہی توجیہ کی ہے اور بعض علماء نے اسکو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے[۱] یہ واقعہ جو میں نے نقل کیا ہے چونکہ اسمیں بعض مفسرین کی طرف لا کی تقدیر بھی منسوب کیگئی ہے اسلئے مناسب ہوگا کہ میں اسکی نظیر میں قرآن کی یہ آیہ يُبَيِّنُ اللہ لکم ان تضلوا پیش کردوں کہ وہاں بالاتفاق تضلوا کے معنی لاتضلوا کے لئے گئے ہیں اور یطیقونہ میں لامقدر نکالنے کی تائید اُس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں حضرت حفصہ نے لایطیقونہ پڑھا ہے (دیکھو کشف الاسرار بزدوی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۰/۱۲)

بہرحال جو حضرات نسخ کے منکر ہیں اُن میں سے بعض کی رائیں تو میں لکھ چکا۔ اور بعض کی باقی ہیں جن سب کی تفصیل یہاں کچھ ضروری نہیں۔ البتہ فخراکابر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی ایک لطیف توجیہ اور اس مقام میں تحریر کرتا ہوں اور اُسکے بعد میں اس آیۃ کے منسوخ کہنے والونکے متعلق کلام کرونگا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یطیقونہ میں مفعول کی ضمیر کو صوم کی طرف نہ لوٹایا جاوے بلکہ اُسکا مرجع طعام کو بناؤ جو گو لفظوں میں متاخر ہے مگر بدل مبتدا ہونیکی وجہ سے مرتبۃً مقدم ہے۔ اور اس فدیہ سے صدقۃ الفطر کا ارادہ کرو۔ تو یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اس آیۃ میں روزوں کے بعد صدقۃ الفطر کا ذکر فرمایا جیسا کہ اس سے اگلی آیۃ میں روزونکے بعد تکبیرات عید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اب معنی یہ ہونگے کہ جو لوگ کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ صدقۃ الفطر بھی[۲] ادا کریں یہ معنی جو شاہ صاحب نے فرمائے اور جو معانی آیہ کے پہلے عرض کئے گئے افسوس ہے کہ یہ

---

[۱] دیکھو رسالہ افادۃ الشیوخ صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ کانپور ۱۲ [۲] دیکھو فوز الکبیر صفحہ — مطبوعہ

سب اُن روایات کثیرہ کے خلاف ہیں جنسے نسخ کا ثبوت صریح طور پر ملتا ہے اسلئے ہم
اب آخر میں نسخ کی بحث کو ایک مختصر پیرایہ میں لکھتے ہیں ناظرین کو بغور سننا چاہیئے قائلین نسخ
کے مقابلہ پر ہمارے دوستوں نے یہ کہا ہے کہ اگر ہم وعلی الذین یطیقونہ کو منسوخ مانیں تو
اسکا ناسخ کون ہی۔ ایا کتب علیکم الصیام یا فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ یا وان تصوموا
خیر لکم۔ اگر اوّل کو قرار دیا جاوے تو اگرچہ ان مفسرین نے اُس مشکل سے نجات پالی۔ جو
آیت کے محکم رکھنے میں پیش آتی تھی لیکن غور کرکے دیکھو تو اس طرح منسوخ کہہ دینے سے
اور بڑی بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں جن سے کسی طرح خلاصی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ دونوں آیتیں
ایک ہی وقت میں ساتھ ہی نازل ہوئیں مختلف وقتوں میں نازل نہیں ہوئیں دوسری آیۃ کا
پہلی آیۃ سے ایسا تعلق ہی کہ اگر اُنکا مختلف اوقات میں نازل ہونا فرض کیا جای تو دوسری آیۃ
بالکل بیمعنی ہوجاتی ہی۔ ایاما معدودات (گنتی کے دن) اگر پہلی آیۃ کیساتھ اُسکا نزول ہوا اسکے کچھ معنی نہیں
ہوسکتے اور اگر یہ مانا جای کہ یہ دونوں ساتھ نازل ہوئیں تو پہلی آیت میں روزے کی فرضیت اور
دوسری میں طاقت رکھنے والونکو اجازت یہ عجیب بات ہے پھر یا تو اسکے یہ معنی سمجھے جائیں
کہ روزے کی فرضیت اُنکے لئے تھی جن میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تھی اور جن میں طاقت ہے
اُنکو معافی ہے اس معنی کا نامعقول اور لغو ہونا ظاہر ہے یا یہ کہا جائے کہ پہلی آیۃ سے سب پر روزہ
فرض ہی اور دوسری آیۃ پہلی آیۃ کی ناسخ ہے کیونکہ اُس نے سب کو روزہ سے بری کردیا یہ بھی
صحیح نہیں۔ یا یوں کہا جاوے کہ علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین یہ ٹکڑا
پہلے اُترا تھا پھر بعد میں منسوخ ہوا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جب روزہ کا نام نہیں تو یطیقونہ
کی ضمیر کدھر پھیری جائے۔ اور کس بات کی طاقت سمجھی جائے۔ بہرصورت جب کتب علیکم
الصیام سے علی الذین یطیقونہ کو منسوخ نہیں بنا سکتے تو اس حالت میں فمن شہد
منکم الشہر یا وان تصوموا خیر لکم کا ناسخ بنانا بھی کچھ کارآمد نہیں ہوسکتا کیونکہ گفتگو
اسمیں ہے کہ کتب علیکم الصیام سے جو فرضیت ثابت ہوچکی تھی علی الذین یطیقونہ
اُسکی منافی ہے نہ یہ کہ علی الذین یطیقونہ کے بعد بھی کوئی فرضیت نازل ہوئی یا نہیں پھر بخاری
کی روایات باہم خود مختلف ہیں ایک میں وان تصوموا کو اور ایک میں فمن شہد منکم کو ناسخ ٹھرایا گیا ہے انمیں سے

جس کو لیتے ہیں تو دوسرے کے تسلیم کرنیکی کیا صورت ہے۔ نیز وان تصوموا خیر لکم میں واو عطف پڑا ہوا ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہے نہ اسپر کہ اسکا مضمون پہلے مضمون کی ضد مخالف ہے اور اسکے علاوہ خیر کے معنی افضل و بہتر کے ہیں۔ وجوب اور فرضیت اس صورت میں ہرگز باقی نہیں رہتی۔ غرض منسوخ ماننے کی صورت میں ہر ایک پہلو پر بہت سے خلجان ہیں جنکے ہوتے ہوے ناسخ مانکر کبھی طبیعت مطمئن نہیں ہوسکتی۔

یہ ہے میرے دوستوں کی لمبی تقریر کا خلاصہ جسکو دیکھکر مجھکو یقین ہوتا ہے کہ اُنھوں نے نسخ کے خیال کو جانچتے ہوئے نہایت سطحی نظر سے کام لیا۔ یا یوں کہو کہ بالکل اُسکے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ اثنائے تقریر میں بہت سے ایسے کمزور جملے اُنکے قلم سے نکلے جو اگرچہ میرے اصلی مطلب سے چنداں تعلق نہیں رکھتے — لیکن اُنکی ژولیدہ بیانی اور کوتاہ نظری کا کافی ثبوت دیتے ہیں مثلاً اُنکا یہ فقرہ " دوسری آیۃ کا پہلی سے ایسا تعلق ہے کہ اگر اُنکا مختلف اوقات میں نازل ہونا فرض کیا جاے تو دوسری آیۃ بالکل بے معنی ہوجاتی ہے (کیوں) یا یہ جملہ " ایام معدودات (گنتی کے دن) اگر پہلی آیت کیساتھ اُسکا نزول ہوا اسکے کچھ معنی نہیں ہوسکتے" (کیوں نہیں ہوسکتے اور نہ ہوسکیں تو اُسکو دونوں آیتوں کے مختلف وقتوں کے اندر نازل ہونے میں کیا دخل ہے) یا یہ جملہ خیر کے معنی افضل اور بہتر کے ہیں وجوب اور فرضیت اس صورت میں ہرگز باقی نہیں رہسکتی" (بیشک خیر کے یہ معنی ہیں مگر ہر جگہ نہیں لا تقولوا ثلثة انتھوا خیرا لکم آمیں اگر یہی معنی ہیں تو تثلیث کا ترک نہ کرنا بھی جائز ہو و نظایرہ کثیرۃ کما لا یخفی) یا یہ جملہ " ان (دونوں حدیثوں) میں سے جسکو لیتے ہیں تو دوسرے کے تسلیم کرنے کی کیا صورت ہے"۔ (یہ صورت ہے کہ جمہور روایات کثیرہ قویہ دیکھیں یا اور کچھ وجوہات ترجیح پائیں اُس کو قبول کرلیں۔ اور کیا یہ ناممکن ہو کہ ایک چیز کا ناسخ دونوں کو قرار دیا جائے) اصل یہ ہے کہ ہمارے ان مہربانوں نے محض رجماً بالغیب اعتراض کئے اور قائلین نسخ کے اقوال پر اُن کو بالکل اطلاع نہیں ہوئی۔ میرے نزدیک اگر وہ سب کتابوں کو چھوڑ کر صرف عینی کا مطالعہ کرلیتے تب بھی اُنکو بزرگان سلف کی نسبت نکتہ چینی کی گنجایش نہ رہتی۔ اور بہت آسانی کیساتھ ان سب پریشانیوں سے نجات حاصل ہوجاتی۔ کیونکہ عینی نے تصریح کی ہے کہ ان تمام آیتوں کا

نزول جو روزوں سے متعلق ہیں اسی ترتیب کیساتھ ہوا جو مصاحف میں اب موجود ہے اور ناسخ ومنسوخ اس طرح بنے :-

کان فی بدء الاسلام فرض علیهم الصوم فاشتد علیهم فرخص لهم فی الافطار والفدیة وقال معاذ کان فی ابتداء الامر من شاء صام ومن شاء افطر واطعم عن کل یوم مسکینا حتی نزلت الایة التی بعدها فنسختها[۵۱]۔

(ترجمہ) اسلام میں شروع شروع تو روزے لوگوں پر فرض ہوئے (جب عادت نہونے کی وجہ سے) انکو گراں گذرے توافطار اور فدیہ کی اجازت دیگئی۔ چنانچہ معاذ کہتے ہیں کہ آغاز اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا افطار کرکے ایک فقیر کو کھانا کھلا دیتا بعدہٗ اس سے اگلی آیت نے آکر اسکو منسوخ کردیا۔

علامہ ابن جریر طبری بروایت ابن ابی لیلی تحریر فرماتے ہیں۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لما قدم علیهم امرهم بصیام ثلثة ایام من کل شهر تطوعا غیر فریضة قال ثم نزل صیام رمضان قال وکانوا قوما لم یتعودوا الصیام قال وکان یشتد علیهم الصوم قال فکان من لم یصم اطعم مسکینا ثم نزلت هذه الایة فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر فکانت الرخصة للمریض والمسافر وامرنا بالصیام[۵۲]۔

(ترجمہ) جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ والوں کے یہاں تشریف لائے تو آپنے صحابہ کو ہر مہینے میں تین دن کے روزوں کا حکم فرمایا مگر فرض بناکر نہیں بلکہ محض نفل۔ چونکہ روزہ کی عادت نہ تھی اسوجہ سے انکو اول روزہ رکھنا گراں گذرا پھر یہ ہوگیا کہ جو کوئی روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیۃ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه الخ نازل ہوگئی اسوقت صرف مسافر ومریض کو تو روزہ موخر کردینے کی اجازت رہی مگر عام طور پر ہم سب کو روزہ ہی کا حکم کردیا گیا۔

یہ ہی مضمون بخاری شریف اور اکثر تفاسیر میں موجود ہے اور اسکو قبول کرلینے کے بعد جملہ روایات

---

۵۱ دیکھو عینی شرح بخاری مجلد خامس صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر۔

۵۲ دیکھو تفسیر ابن جریر طبری صفحہ ۷۵ مجلد ثانی مطبوعہ مصر۔

واحادیث جو اس آیۃ کے متعلق بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ بیہقی۔ دارقطنی وغیرہ وغیرہ میں موجود ہیں بے زحمت منطبق ہوجاتے ہیں اور آیت کا صحیح مطلب یہ نکل آتا ہے کہ سب سے پہلے کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاماً معدودات فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر سے رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے اور مریض و مسافر کو اجازت ہوگئی کہ وہ اپنے دن بعد میں پورے کرلیں اسپر چونکہ صحابہ روزہ کے خوگر نہ تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر زیادہ سختی کی حالت میں ہم کبھی روزہ نہ رکھ سکیں تو اسکی مکافات کی سبیل کیا ہے۔ اسکے جواب میں یہ آیۃ نازل ہوگی وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الخ کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے تھے (مگر افطار کرلیا) تو اُنکے ذمہ فی یوم ایک مسکین کا کھانا ہے۔ اور جو اس سے بھی زیادہ دے وہ اور بھی اچھا ہے۔ باقی اگرچہ ہم نے افطار کرنے والوں کو فدیہ کی اجازت دیدی ہے لیکن بہتر اُنکے واسطے یہی ہے کہ وہ روزہ رکھا کریں۔

اسکے بعد جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خوگر ہوگئے اور اُن پر روزہ پہلے جیسا شاق نہ رہا تو حکم ہوگیا شھر رمضان الذی الی قولہ فمن شھد الخ یعنی جب رمضان کا مہینہ آجائے تو روزہ رکھنا ہر شخص کو لازم ہے۔

فقط مسافر اور مریض کو اختیار ہے کہ وہ بعد میں قضا کرلیں چنانچہ تا وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یہی حکم اور اسی پر عمل درآمد رہا۔ یہاں پہنچکر شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ وعلی الذین یطیقونہ کا عطف اسکے ماقبل پر ہورہا ہے اور ان دونوں جملوں میں ایسا تعلق ہی کہ ہرگز ایک کا دوسرے سے نزول کے اندر جدا ہونا سمجھ میں نہیں آتا جو یہ کہا جائے کہ کتب علیکم الصیام نازل ہوچکی اور جب لوگوں نے شکایت کی تو یہ ٹکڑا نازل ہوا۔

لیکن اسکے جواب میں ہمکو یہ بتلادینا کافی ہوگا کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی لا یستوی القاعدون من المومنین الخ تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے جو کہ نابینا ہونیکی وجہ سے جہاد میں شریک نہو سکتے تھے آپکی جناب میں اسکا شکوہ کیا غیر اولی الضرر یہ الفاظ اور نازل ہوگئے اسی طرح کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود

کے اوترنے کے بعد جب بعض لوگوں نے تکیہ کے نیچے دو دھاگے رکھنے شروع کئے تو من الفجر کا نزول ہوا۔

کیا آپ شرط انصاف سے کہہ سکتے ہیں کہ غیر اولی الضرر اور من الفجر کا اپنے اپنے ماقبل کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہو جسکو دیکھکر ہم اُنکا نزول متفرق اوقات میں تسلیم کر لیں۔ جب یہ نہیں تو مان لینا چاہئے کہ جو قرآن کی آیات کا نازل کرنیوالا تھا وہ ہی آپ کو اُن جملوں کے ربط باہمی سے بھی مطلع کر دیتا تھا کہ اس کا تعلق فلاں لفظ سے ہے۔ اور اس کا فلاں سے۔ اور اسکو اُس موقعہ پر رکھو۔ اور اسکو اسپر۔ ہاں جو امر اس موقعہ پر قابل تردد ہے وہ یہ ہے کہ بخاریؒ کی ایک روایت میں یہ آچکا کہ فدیہ کے ناسخ وان تصوموا خیر لکم یہ آیت ہے اور اسکی نسبت جو شبہات ہیں اُنکو ہم پہلے نقل ہی کر چکے ہیں۔ اس تعارض کے رفع کرنیکے واسطے ہم کو اُن قواعد کی طرف رجوع کرنا چاہئے جن سے اختلاف روایت میں کام لیا جاتا ہے اور جسکی نظیریں احادیث میں بیشمار نکلینگی۔

لیکن میں اس جگہ اور بیانات کو چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کبھی کبھی محدثین اپنے کسی مدعا کیواسطے کسی آیتہ کو پیش کرتے ہیں اور اسکا ابتدائی حصہ پڑھکر چھوڑ دیتے ہیں جس سے مطلب کو کوئی تعلق نہیں ہوتا اور وہ گویا اشارہ ہوتا ہے کہ تم اخیر تک اس آیتہ کو پڑھ جاؤ تا کہ موقعہ استدلال کو متعین کر سکو۔ مثلاً امام ترمذیؒ نے باب ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ میں یہ ہی حدیث لکھکر استشہاد میں لیس البر ان تولوا الآیہ۔ یہ آیتہ لکھدی ہے۔ حالانکہ جس نتیجہ کا حدیث میں ارادہ کیا گیا ہے وہ بہت آگے جا کر وآتی المال علی حبہ الخ سے حاصل ہوتا ہے۔ تو کیا عجب ہے کہ صرف ایک روایۃ میں جو تمام روایات کے خلاف وان تصوموا خیر لکم کو ناسخ بتلایا گیا ہے اُس سے یہ جملہ خاص مقصود نہو۔ بلکہ یہی ارادہ کیا گیا ہو کہ اسکو آگے تک پڑھ لو۔ کیونکہ اس کے بعد ہی شہر رمضان الذی الخ موجود ہے جسکو سب ناسخ ٹھہرا رہے ہیں چنانچہ اگر ظاہر الفاظ حدیث پر جمود کے ساتھ اڑا جائے اور ان تصوموا خیر لکم سے ایک لفظ آگے نہ بڑھیں تو لازم آتا ہے کہ ان کنتم تعلمون یہ الفاظ بھی اس آیتہ سے علیحدہ کر کے نازل ہوئے ہوں۔ وھو خلاف

البداھتہ المجلیتہ۔ بہرحال اب میں بھی وہی کہونگا جو میرے اکابر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے روزے فرض کئے گئے جب وہ گھبرائے تو فدیہ کی اجازت دیگئی جب انکا عذر جاتا رہا۔ اصلی حکم پھر لوٹ آیا۔

خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ کو خیال کرو کہ کس تدریج اور سہولت کیساتھ اسنے اپنے احکام کا بندونکو پابند بنایا۔ یہ ممکن تھا کہ خدا ایک مرتبہ روزہ کا جرثیلی حکم دیکر انکی کوئی حجت نہ سنتا اور اپنے اسی حکم کو قایم رکھتا۔ تو اس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوتا کہ کچھ لوگ خوگر نہونیکی وجہ سے اسکی تاب نہ لاسکتے اور جب انکو زیادہ دق کیا جاتا تو وہ اسلام کی قید ہی سے آزاد ہو جاتے۔ یا اگر اسکے برعکس روزہ کا نام ہی انکے سامنے نہ لیا جاتا۔ بلکہ کچھ دنوں فدیہ وصول کرنیکے بعد دفعۃً روزے کی سخت تیغ لگا دیجاتی تب بھی روزہ کا نام سنکر انکو اسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ خداوند رب العزت نے یہ دونوں طریقے اختیار نفرمائے بلکہ اوّل صرف روزے فرض کئے۔ اور جب انہوں نے عذر کیا تو کہدیا کہ اگرچہ روزے رکھنے ہی تمہارے لئے بہتر ہیں اور اسی کے ساتھ تمہاری روحانی فوائد وابستہ ہیں اور ہماری طرف سے اصلی حکم اسی کا ہے۔ تاہم اگر یہ نکرو تو بجاے اسکے ایک آدمی کو کھانا کھلادو پھر جب ان خدا کے سچے عاشقوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارے محبوب نے گو ہماری دلداری اور نازبرداری کیوجہ سے روزوں کا بار ہلکا کردیا لیکن اسکی اصلی مرضی اور ہمارا حقیقی فائدہ اسی جفاکشی میں متصور ہے تو انہوں نے روزونکی عادت ڈالنا شروع کی۔ یہانتک کہ جب انکے قلوب میں خدا تعالیٰ نے ہر طرح سے استعداد اور قابلیت پالی تو صاف صاف کہدیا کہ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یعنی روزہ کے سوا اب حق رمضان کے ادا کرنیکی کوئی صورت نہیں یہ آیۃ ایسے وقت میں نازل کی گئی کہ کسی ایک مسلمان کو بھی سختی اور گرانی کا عذر باقی نہ رہا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچگئی کہ جو لوگ روزہ کی شدۃ سے ناچار ہو کر فدیہ کو غنیمت باردہ سمجھتے تھے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنیکے صایم الدھر رہنے پر اصرار کرنے لگے۔

پس ایسے مہربان خدا کی رضا میں ہماری سب جان و مال فنا ہو جائیں جس نے محض اپنی رحمت سے ہماری ہر حالت کا لحاظ رکھا اور ہر ہر وقت میں اسی کے مناسب احکام بھیجے اور

ہماری طبیعت میں کسی ایک تغیر سے بھی وہ غافل نرہا اور نہایت ہی نرمی اور سہولت کیساتھ ہمکو ایک ایک جرعہ اپنے عشق و محبت کے شراب کا پلایا۔ کیا بے وقوف لوگ اُس خداوند رب العزت کی اِس کامل تدبیر اور بیداری کو دیکھکر بھی اُسکو کسی سوتے ہوئے مدہوش انسان سے تشبیہ دینگے۔ اور کیا اب بھی اُنکو احکام الٰہی کے اندر نسخ و تبدیل کے امکان سے انکار ہوگا۔ اور کیا وہ اب بھی یہی کہینگے کہ "خدا تعالیٰ کا اپنے کلام کو بدلنا (آیات کو ناسخ و منسوخ قرار دینا) گویا بندوں پر ظلم کرنا ہے"۔ اگر ایسا ہے تو ہم اُسکے سوا اُنکے حق میں اور کیا کہیں جو خواجہ حافظ نے فرمایا ہے۔ شعر

حافظ نہ حد ماست چنیں لافہا زدن　　پا از گلیم خویش چرا بیشتر کشیم

چو بشنوی سخن اہل دل الخ

شبیر احمد۔ عثمانی
مدرسہ عالیہ دیوبند

قصیدہ نعتیہ

(بقیہ ماہ شوال ۱۳۲۹ھ)

فتحت بہ غلف القلوب وبصرت	عمی العیون بسنۃ وسداد
آپکی ہدایت سے غلاف چڑھے ہوئے دل کھل گئے اور اندھی آنکھیں روشن ہوگئیں سُنت اور خوش اخلاقی سے	
قد اید التقوی وشید امرھا	بقواعد التایید ذات عماد
آپنے تقویٰ و پرہیزگاری کی تائید فرمائی اور اُسکی شان کو بلند کردیا۔ قواعد تائید سے جو بلند عمارت والے ہیں	
ومکارم الاخلاق مھد والھدی	اضحی علی علم رفیع طاد
آپنے مکارم اخلاق کو پھیلا دیا اور آپکی وجہ سے ہدایت ایک نہایت بلند اور پائدار مقام پر پہنچگئی	
وبوجھہ تستنزل البرکات من	فوق السماء فایدہ بایاد
آپ کے چہرہ مبارک کے طفیل سے آسمان سے برکتیں طلب کیجاتی ہیں پس آپکی تائید منجانب اللہ ہے	
وبہ النجاۃ وعصمۃ من ازمۃ	وبہ حیاۃ طیبۃ لبلاد
آپ ہی کی برکت سے سختی و قحط کی بلاؤں سے نجات و حفاظت ہوتی ہے۔ اور آپ ہی کی برکت سے شہروں کو سرسبزی	

حصۃ القلوب

فَلَخَیْرُ هَدْیٍ هَدْیُهٗ وَلَدِیْنُهٗ ۔۔۔ دِیْنُ الْاِلٰهِ عَلا لَدَی الْاِسْنَادِ

تمام طریقوں میں آپکا طریقہ بہتر ہے اور آپ کا دین ۔۔۔ دین خداوندی ہے جو سند میں سب سے بڑھکر ہے

قَامَتْ بِهٖ غُرُّ الْوُجُوْهِ عِصَابَةٌ ۔۔۔ شُمُّ الْاُنُوْفِ وَصَفْوَةُ الْاَعْضَادِ

آپکے دین کی اعانت کیلئے ایک درخشندہ پیشانی والی جماعت اٹھی ۔ نہایت غیرت والے اور مدد کرنیوالوں میں برگزیدہ

کَانُوْا مِنَ الْاَبْرَارِ وَالْاَطْهَارِ وَ ۔۔۔ الْاَخْیَارِ وَالْاَنْصَارِ وَالْاَنْجَادِ

جو صالح اور پاک اور بہتر ۔۔۔ اور مدد کرنے والے اور دلیر لوگ تھے

ثُمَّ اهْتَدٰی بِمَنَارِهِمْ سُعَدَائُهُمْ ۔۔۔ سَعِدُوْا وَکَانُوْا وُفِّقُوْا لِلرَّشَادِ

پھر انہیں لوگوں کی علامات ہدایات سے انکے خوش نصیب لوگوں نے ہدایت پائی ۔ اور سعید بنگئے اور انکو بھلائی کی توفیق

حَتّٰی تَاَذَّنَ دَهْرُهُمْ بِمُضِیِّهِمْ ۔۔۔ وَالدَّهْرُ ارْوَدُ وَصُرُوْفُ عَادِ

یہانتک کے انکے زمانے انکے کوچ کی اطلاع دی ۔ ۔۔۔ اور زمانہ آہستہ آہستہ چلنے والا بڑی گردشوں والا ستمگر ہے

فَمَضَی الْخِیَارُ فَلَا تَرٰی آثَارَهُمْ ۔۔۔ فَکَاَنَّهُمْ کَانُوْا عَلٰی مِیْعَادِ

پس یہ برگزیدہ لوگ گذر گئے اب تم انکے نشان بھی نہیں دیکھ سکتے ۔ گویا یہ ایک میعاد مقررہ کیلئے آئے تھے ۔

لَا یَهْتَدِیْ لِلْخَیْرِ اِلَّا خَیِّرٌ ۔۔۔ وَبِمَعْزِلٍ عَنْهُ اَخُ الْاَنْکَادِ

بھلائی کی ہدایت بھی کسی خوش نصیب ہی کو ہوتی ہے ۔ ۔۔۔ اور جو سیاہ بخت ہو وہ اس سے جدا رہتا ہے ۔

هٰذَا وَلَا یَبْقٰی سِوَی الْمَلِکِ الْقَدِیْمِ وَکُلُّ شَیْءٍ رَائِحٌ اَوْ غَادِ

بات یہ تھی ۔ اور بادشاہ قدیم کے سوا کوئی باقی نہیں رہیگا ۔ ہر ایک شے شام کو فنا ہونیوالی ہے یا صبح کو

قِفْ نَبْكِ اَطْلَالًا وَهَتْ اَرْکَانُهَا ۔۔۔ اَخْنٰی عَلَیْهَا الدَّهْرُ بِالْمِرْصَادِ

اے دوست ذرا ٹھہر جا کہ ہم گھر کے ان نشانات کو رولیں جنکے ارکان مٹ گئے ۔ زمانہ نے گھات میں لگ کر انکو ہلاک کردیا

یَا رُبَّمَا اَرْثِی الطُّلُوْلَ فَمَا هُنَا ۔۔۔ دَاعٍ وَلَا مُتَسَمِّعٌ اِنْشَادِیْ

اے لوگو میں بارہا ٹیلوں کو روتا ہوں ۔ مگر وہاں نہ کوئی بلانیوالا ہوتا ہے نہ میری شعرخوانی کو سننے والا

سُبْحَانَ مَنْ صَرَفَ الْاُمُوْرَ وَمَا اَنْتَ ۔۔۔ غِیَرٌ عَلَیْهِ عَلٰی مَدَی الْآبَادِ

پاکی ہے اس ذات کیلئے جو تمام عالم کو الٹ پھیر کرتا ہے ۔ مگر اس پر ابدالآباد تک کبھی کوئی تغیر نہیں آئیگا ۔

ثُمَّ الصَّلٰوةُ مَعَ السَّلَامِ عَلَی النَّبِیِّ ۔۔۔ وَآلِهٖ مَعَ صَحْبِهٖ الْاَمْجَادِ

پھر درود و سلام ہو نبی علیہ السلام پر ۔۔۔ اور انکی اولاد پر اور اصحاب باعزت پر

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۳ جلد ۱ ملاحظہ ہو)

سرداران فارس کا مع لشکر عظیم کے برغبت مسلمان ہونا

مسلمانون کے مدمقابل دو ہی قومیں تھیں روم و فارس دونوں قوموں کے علماء اور واقف کاروں میں مذہبی روایات کی بناء پر یہ امر ذہن نشین تھا کہ اسلام ضرور پھیلے گا اور مسلمان ان ممالک پر مسلط ہو جائینگے۔

یہی وجہ تھی کہ اس بھید پر مطلع ہونے والے اشخاص مقابلہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ یزدجرد بادشاہ فارس نے مدائن کے مفتوح ہو جانے کے بعد اپنے سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور بالآخر یہ قرار پایا کہ یزدجرد نے بہت بڑے سپہ سالار کو جسکا نام (سیاہ) تھا معہ ستر بڑے بڑے افسروں اور امیروں کے سوس کی محافظت کیلئے بھیجا۔ لیکن اہل سوس تو پہلے ہی مصالحت کر چکے تھے۔ اسلئے سیاہ کو مجبوراً رامہرمز اور تستر کے درمیان خیمہ ڈالنا پڑا۔ سیاہ جس عظیم الشان جمعیت اور شان و شوکت سے آیا تھا اُسکا فکر مسلمانوں کو بھی تھا کیونکہ فارس کے منتخب اور چیدہ سردار اُسکے ہمرکاب تھے۔ مگر تائید الٰہی سے مسلمانوں کیلئے جو سامان ہو رہا تھا وہ اُنکے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ فارس کے افسر اعلےٰ سیاہ نے اُن سردارونکو جو اُسکے ساتھ اور ماتحتی میں تھے جمع کر کے کہا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس مملکت پر غالب آجاوینگے اور اصطخر کے شاہی محلات میں انکے گھوڑے بندھینگے اور اسوقت اُنکی فتوحات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ خیال کسقدر متیقن اور صحیح ہی۔ اب تم لوگ اپنی بھبودی کی بات سوچ لو۔ سب نے کہا ہم تمھارے مشورہ کے تابع ہیں اُسنے کہا تو ہر شخص اپنے متبعین اور خواص کا ذمہ وار بنجائے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم اُنکے مذہب میں داخل ہو کر اُن جیسے بنجائیں۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا اور ایک بڑے سردار شیرویہ کو دس افسروں کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ سے گفتگو کرنے بھیجا۔ شیرویہ نے اپنی قوم کا پیام پہونچایا کہ ہم برغبت مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ مگر اس شرط پر کہ تمھارے ساتھ ملکر ہم اپنی قوم اہل عجم سے تو مقابلہ کرینگے مگر اہل

عرب سے نہ لڑینگے اور کسی عربی نے ہمسے لڑائی کی تو تمکو ہماری محافظت لازمی ہوگی۔ نیز یہ کہ بیت المال میں سے ہمکو وہ حصہ دیا جاوے جو تم میں کے اشراف اور سرداروں کو دیا جاتا ہے اور یہ کہ عہدنامہ امیرالمومنین کی تصدیق سے مرتب کیا جاوے۔

حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ جب تم مسلمان ہوتے ہو تو ان شرطونکی کیا ضرورت ہے جو ہمارا حال وہی تمہارا حال۔ اُن لوگوں نے اسکو نمانا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ ماجرا لکھا اور وہاں سے جواب آیا کہ جو وہ کہتے ہیں اُسکو مان لو اس قرارداد کے بعد سیاہ معہ تمام افسروں اور فوج کے مسلمان ہوگیا اور یہ سب تستر کے محاصرہ میں حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ شریک ہوئے۔ لیکن کیس مستعدی اور جد وجہد کی توقع تھی وہ اُن سے ظاہر نہوئی تو حضرت ابوموسیٰ نے سیاہ سے اسکا سبب دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اوّل تو ابھی ہم اسلام کے احکام سے تمہاری طرح واقف نہیں دوسرے آپنے بیت المال سے ہمکو وہ حصہ نہیں دیا جسکے ہم مستحق تھے۔

حضرت ابوموسی نے یہ حال حضرت عمر کی خدمت میں لکھکر بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اُنکے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو خود مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور اُنکے لئے بقدر اُنکے درجہ اور جانفشانی کے بیت المال سے مقرر کیا جائے جیسا کہ خود مسلمانوں میں تفاوت درجات ملحوظ رہتا ہے چنانچہ سیاہ اور اُسکے ساتھ پانچ سردارونکا نام ڈھائی ہزار والونمیں لکھا گیا۔ اور سو شخصونکا نام دو ہزار والوں میں وعلی ہذا۔ جب یہ مرحلہ طے ہوچکا تو حضرت ابوموسی نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا۔ سیاہ نے یہاں اپنی مردانگی اور خوش تدبیری کے جوہر دکھلائے آخر شب میں اپنی ملکی وردی پہنکر اور اُسپر خون کے چھینٹے ڈالکر قلعہ کی دیوار کے نیچے جا پڑا۔ کسی شخص نے اوپر سے دیکھا تو سمجھا کہ ہمارا آدمی زخمی پڑا ہے دروازہ کھولکر اُسکے اُٹھانے کے واسطے چند آدمی گئے جب قریب پہونچے تو سیاہ نے کھڑے ہوکر مقابلہ شروع کردیا وہ گھبراکر بھاگے تو اُسنے تنہا ہی قلعہ کے دروازہ پر قبضہ کرلیا اور اُسکے پیچھے فوراً مسلمانوں کا لشکر قلعہ میں داخل ہوگیا اور اس طرح ایک شخص کی جراٗت سے قلعہ فتح ہوگیا۔ یہ ایک خاص جگہ کا واقعہ ہے جسمیں ہزارہا اہل فارس وقت واحد میں مسلمان ہوئے۔ اس واقعہ سے ہم چند نتائج نکال سکتے ہیں۔

(۱) اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کے آنے اور ممالک شام وعراق پر مسلط ہو جانے کا علم ہر دو ملکوں کے اہل علم وعقل کو از روئے روایات مذہبی تھا اور قبل از ظہور اسلام اُنکے باہم یہ تذکرے ہوتے تھے۔ قیصر روم وشام ہرقل کو بھی جو اہل کتاب میں سے تھا یہ علم تھا جیسا کہ اس مضمون کے ابتدائی نمبر میں ہم لکھ چکے ہیں۔ دیکھو القاسم نمبر ا۔

(۲) یہ لوگ اسلام کو مذہب حق سمجھکر برغبت وخوشی مسلمان ہوئے۔ خوف وطمع زر اُسکے باعث نہیں ہوئے کیونکہ جان ومال کی حفاظت اور اپنے مال ودولت پر آزادی قابض رہنے کے ساتھ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابھی اہل سوس مصالحت کر کے محفوظ ومامون ہو چکے اور اسکی ہزار نظیریں موجود تھیں کہ مسلمانوں نے جو عہد کیا اُسکے خلاف ایک بات نکی سے ہا شرط کرنا سو یہ بھی طمع زر کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ مساوی حقوق کا طلب کرنا انسانی حریت وشرافت کا مقتضی ہی۔ مساوات حقوق کا مطالبہ عین عقل وتقاضاء انسانیت وحریت کے مطابق ہے۔ اسمیں طمع زر کو دخل ہے نہ حب جاہ کو۔

(۳) جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور امداد نہو ہدایت کیلئے فقط علم کافی نہیں ہی۔ ہرقل قیصر روم وشام کے پاس جب نامۂ مبارک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہونچے تو اُسنے بھی نامۂ مبارک کی بہت تعظیم کی اور آپ کے حالات دریافت کرنیکے بعد اپنی قوم کو مسلمان ہونیکی ترغیب دی اور کہا یہ دین ضرور پھیلیگا اور یہ لوگ میرے مُلک پر مسلط ہو جائینگے مگر توفیق شامل حال نہ تھی علم نے کچھ کام ندیا۔ عوام سے دنیا کی راحت کو دائمی نجات پر ترجیح دی ناظرین اس واقعہ اور اُسکے نتائج پر مطلع ہو کر آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اسلام جو اسقدر سرعت سے پھیلا کہ ایک ایک موقعہ پر ہزارہا آدمی مسلمان ہوتے تھے۔ اور وہ بھی معمولی اشخاص نہیں۔ بلکہ فوجی سردار اور لشکر جرار جو معرکہ کارزار گرم کرنے اور ملک کو اغیار کی مداخلت کرنے سے محفوظ رکھنے کیلئے اپنے بادشاہ سے سرفروشی کا عہد کر کے نکلے تھے۔ اور پھر لڑ کر مغلوب ہونے یا قیدی بننے کے بعد نہیں بلکہ لڑائی اور مقابلہ سے پہلے۔ مسلمانوں کے کثرۃ عساکر اور ساز وسامان جنگ ہی سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ اپنی مذہبی اور قومی روایات کی بناء پر اس تیقن کی وجہ سے۔ مسلمان غالب آئینگے ضرور مسلط ہونگے ضرور۔ پھر اُن سے مقابلہ لاحاصل۔ اور یہ علم نہ

سلطنت تک محدود تھا بلکہ خواص سے گذر کر عوام تک پہونچ چکا تھا۔ توکیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اشاعت میں تلوار کے زور کو بھی کچھ دخل تھا۔ معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔

ہم اوّل کہہ چکے ہیں کہ مسلمانوں نے بڑی بڑی معرکہ کی لڑائیاں لڑی۔ مُلکی فتوحات میں وہ کمال دکھلایا کہ دنیا انگشت بدندان رہگئی۔ تھوڑے اور بہت تھوڑے زمانہ میں اسلامی فتوحات کے سیلاب عظیم نے ممالک شام وعراق ومصر سے متجاوز ہوکر افریقہ کے ممالک اور اُندلس کو زیروزبر کردیا۔ مگر حاشا اللہ کہ اشاعت اسلام میں ان فتوحات کو کچھ بھی دخل ہو ایک شخص بھی خوف جان کی وجہ سے اسلام لانے پر مجبور نہیں ہوا۔ مصالحت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ امن دینے میں مسلمان اسقدر مستعد تھے کہ کسی نے جھوٹ کو درخواست کی اور وہ سچ مچ قبول کرنے کو موجود ہوجاتے تھے۔ وفاءعہد کی یہ حالت کہ اگر کسی ادنیٰ نے بھی وعدہ کرلیا تو سب پر اُسکا احترام واجب۔ پھر ایسی حالت میں کسی کو کیا مجبوری تھی کہ اپنا محبوب و قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتا۔

اسلام کے بسرعت پھیلنے کی کل دوہی وجہ تھی:۔

(۱) مذہبی روایات کی بناء پر اہل شام وروم وفارس کو یہ تیقن تھا کہ اسلام مذہب حق ہے اور وہ ضرور پھیلے گا۔

(۲) مسلمان جب کسی ملک یا شہر میں صلح کرکے داخل ہوے یا فتح کرکے اور اُس جگہ کے لوگونکو مسلمانوں کے ساتھ ملکر رہنے کا اتفاق ہوا میل جول کا موقع ملا اُنکے معاملات کو دیکھا۔ اُن کی راستبازی۔ خداپرستی۔ دینداری اور تمام اُن برگزیدہ اوصاف کا مشاہدہ کیا جو ایک ہادی قوم کے لئے ہونی چاہئیں۔ توخودبخود بلا آزادی اسلام کی محبت دلوں میں راسخ ہوتی گئی۔ اور بخوشی ورغبت سرکش گردنوں کو اسلام کے سامنے جھکاتی گئی۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہر منصف مزاج ان صریح حالات کی تصدیق میں کبھی تامل نکرینگے۔ ہٹ دہرم کیلئے کوئی حجۃ کارگر ہے اور نہ کوئی واضح سے واضح دلیل اُسکی تشفی کرسکتی ہے۔

تاریخ وفات قطب عالم حضرت الحافظ الحاج مولانا مولوی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ تاریخ جناب منشی وزیر خان صاحب منیجر ریاست چھتاری نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ہی لکھی تھی مگر شائع کرنیکا اتفاق نہیں ہوا تھا اب آپنے القاسم کیلئے بھیجی ہے جو شکریہ کے ساتھ درج کیجاتی ہے۔

بود مولانا رشید احمد کہ تاج کاملین | مایۂ الفخر ولایت پیشوائے اصفیا
بلبل شیوا زبان گلستان معرفت | باغبان باکمال باغ شرع مصطفیٰ
زبدۂ ارباب علم و قدوۂ اہل عمل | عمدۂ اصحاب ایمان اسوۂ اہل رضا
سنت آموز زرہ افتادگان ضالین | ماحی بدعات و شرک و ہادی راہ ہدیٰ
قلب نورانی تجلی گاہ انوار الٰہ | صدر پاکش مظہر اسرار علم مجتبیٰ
گوہر درج حقیقت نجم چرخ معرفت | نیّر برج وفا و درّۃ التاج صفا
خضر بستان عرفان مرشد خاصان حق | رہنمائے اتقیا و مقتدائے اولیا
کرد رحلت از جہان فانی و ناپائدار | حیف و افسوس آہ و واویلا دریغا حسرتا
من چگویم بر سر تقویٰ چہ رفت از مرگ او | زلزلہ افتاد در ارکان ملک اتقا
شد جہات ستہ از آہ و فغان میدان حشر | خاک بر سر شد زمین و اشک خون ریزد سما
ہست مردم را جگر خون زین بلائے جانگداز | بر فلک روحانیان انداختند طرح بکا

بہر تاریخ وفات روح فرسایش بلیغ
زد رقم حیف انتقال جانشین مصطفیٰ

۱۳ ہجری ۲۳

ٹرنسوال۔ جنوبی افریقہ سے مدرسہ عالیہ کیلئے امداد

القاسم جلد اوّل کے نمبر ا و ۲ کے ملاحظہ سے اکثر ناظرین کو معلوم ہوچکا ہے کہ مدرسہ عالیہ کے اثر کا دائرہ وسعت پذیر ہو کر جنوبی افریقہ تک پہونچگیا۔ اور خاص جوہانسبرگ واقع جنوبی افریقہ میں یعنی ایسے طلبہ کے لئے جو عظیم الشان جلسہ دستار بندی میں شریک نہو سکے۔ جلسہ منعقد کیا گیا۔ اور ۱۰؍ جولائی ۱۹۱۰ء کو ایک پُرشان و باعظمت مجمع میں انجمن اسلامیہ کے سکرٹری اور چیرمین صاحب نے وکالتاً اُن حضرات کو عمامے اور سندیں عطا فرمائی۔

اسی اثر کا یہ نتیجہ ہے کہ جنوبی افریقہ سے کئی بار مدرسہ کو مالی امداد بھی پہونچ چکی ۱۳۲۷ھ میں بھی معقول امداد پہونچی تھی اور ۱۳۲۸ھ میں عین جلسہ دستار بندی کی تواریخ میں بذریعہ انجمن کی طرف سے تقریباً نو سو روپیہ عطیہ کی اطلاع پہونچی۔

ہم نہایت مسرۃ و خوشی کے ساتھ ہمدردان مدرسہ کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ علاقہ جو بزرگان جنوبی افریقہ کو مدرسہ کے ساتھ قائم ہوچکا ہے ترقی پذیر ہے۔ اور وہ حضرات باوجود اسقدر دُوری کے مدرسہ کی ضروریات کو بغور ملاحظہ فرما کر امداد کی طرف توجہ فرماتے رہتے ہیں۔ یہی وہ قرب روحی ہے جسمیں بُعد جسمانی سے خلل نہیں آتا۔

اسی ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ میں جنوبی افریقہ سے مولوی احمد صاحب سورتی قدیم تعلیم یافتہ مدرسہ ہذا کی معرفت مبلغ ۵۵ پونڈ دس شلنگ کا چک وصول ہوا ہے جو تقریباً آٹھ سوتیں روپیہ کے مساوی ہوتے ہیں۔

ہم بزرگان جنوبی افریقہ کی اس ہمدردی کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ دوسرے علاقوں کے حضرات بھی اسی طرح مدرسہ کی ضروریات پر نظر فرما کر امداد میں کافی حصہ لینگے۔

عطا کنندوں کی مفصل فہرست معہ تعداد عطیہ انشاء اللہ تعالیٰ روداد سالانہ مدرسہ متعلق ۱۳۲۹ھ میں درج ہو کر ملاحظہ سے گذریگی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

فہرست چندہ دار التحریر جو بعد اشاعت القاسم ماہ شوال ۱۳۲۹ھ وصول ہوا

۱	آنریبل خان بہادر عالیجناب شیخ صادق علی صاحب وزیر ریاست خیرپور سندھ	الـ ۱۰۰۰
۲	معرفت منشی سید یوسف علی صاحب وکیل عدالت بہ تفصیل ذیل :-	۱۰
	ہنگام نماز عید الفطر بمقام سرونج	
	از قصابان ہر سہ محلہ بمقام سرونج	
	معرفت منشی عبد الرحمن صاحب محتسب	
	منشی حیدر علی صاحب ۔ از سرونج	۱۰
	از جانب حضور سرور عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ مولوی مبارک علی صاحب سرونج	
	مولوی محمد ایوب خان صاحب جاگیردار سرونج	
	منشی محمد احمد سعید خان صاحب انسپکٹر پولیس سرونج ۔	
۳	عطیہ زوجہ منشی فرید محمد خان صاحب زمیندار بھونگام ضلع مین پوری بہ تفصیل ذیل :-	
	منجانب حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم	
	منجانب حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان و حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین	
	منجانب حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما	
	منجانب جناب حاجی شاہ امداد اللہ رح وجناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	
	منجانب والدہ خود	
۴	معرفت منشی محمد سعید صاحب ٹھیکہ دار از انبالہ چھاؤنی ۔	
۵	شریف احمد پسر پیرجی حبیب احمد صاحب گنگوہی	
۶	نامعلوم الاسم معرفت جناب سید محمد علی صاحب رئیس سہسپور ضلع بجنور ۔	
۷	جناب کریم بخش صاحب پارچہ فروش بازار لنڈھور ۔	
۸	منشی محمد حسین صاحب ساکن دانپور ضلع بلند شہر	
۹	منشی رشید احمد صاحب سہارنپوری اوورسیر ریلوے جے ۔ پی ۔ آر ۔ از جودھپور ۔	
۱۰	منشی سراج الدین صاحب آگروی نقشہ نویس مقیم جودھپور ۔	
۱۱	مولوی عبد الغنی صاحب مدرس مدرسہ فیض محمدی جودھپور ۔	
۱۲	احمد بخش و عبد الغفور صاحبان از جودھپور	
۱۳	منشی محمد صدیق صاحب ٹونکی ایضاً	۱
۱۴	معرفت مستان خان صاحب از دھانوہ ضلع سہارنپور	
۱۵	از جانب مولوی فضل الرحمن صاحب مرحوم دیوبندی عطیہ منشی حافظ خلیل الرحمن صاحب صاحبزادہ ۔	
۱۶	حاجی عبد الرحمن صاحب معرفت حاجی صاحب	
۱۷	جناب مولوی حکیم محمد یوسف صاحب گنتوا ضلع بیڑ علاقہ حیدرآباد دکن ۔	۱۴

نمبر	نام	رقم
۱۸	مولوی نیاز محمد خانصاحب مددگار پیلان ضلع بیڑ	۱۶؍
۱۹	سرو خانصاحب معرفت مولوی عسکری صاحب ضلع	للعہ
۲۰	منجانب حضور سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و منجانب والدین و برادرین و از خود عطیہ منشی بشیر احمد صاحب اہلمد ریاست سمتھر ضلع جھانسی	صہ؍
۲۱	رحمت اللہ صاحب نوربافٹ گنگوہ	عہ؍
۲۲	مرگا قصاب 〃	عہ؍
۲۳	عبدالکریم صاحب 〃	عہ؍
۲۴	قمرالدین صاحب گوجر 〃	عہ؍
۲۵	نامعلوم الاسم 〃	عہ؍
۲۶	منشی حبیب احمد صاحب بوچر بازار گلہڑی کوہ منصوری	صہ؍
۲۷	مسماۃ زینب النساء صاحبہ بمکان منشی معشوق علیخانصاحب بھونگام ضلع مین پوری	عہ؍
۲۸	حاجی محمد فضل صاحب ساکن دہلی محلہ چوڑی والان	عیا
۲۹	جناب ڈاکٹر سید محمد زکریا صاحب رئیس موضع اچھڑ ضلع گیا۔	ہہ؍
۳۰	مولوی حکیم سید محمد ادریس صاحب ساکن موضع اچھڑ	عہ؍
۳۱	ازطرف والدہ مولوی محمد یونس صاحب 〃	عہ؍
۳۲	ازطرف خیرات احمد صاحب 〃	۲؍
۳۳	حضرات اہل کیرانہ[1] ضلع مظفرنگر معرفت مولوی احمد حسن صاحب کیرانوی	۱۲ ہ
۳۴	حضرات اہل[1] سنبھل معرفت مولوی مبارک حسین صاحب ساکن سنبھل ضلع مراد آباد۔	ہہ
۳۵	حکیم سراج احمد صاحب کرتپوری	عہ؍
۳۶	مولوی نذر محمد خانصاحب ساکن آنبہٹہ ضلع سہارنپور	۱۶؍

نمبر	نام	رقم
۳۷	مولانا مولوی سید احمد حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ عربیہ امروہہ ضلع مراد آباد۔	سے؍
۳۸	مائی حفیظہ صاحبہ بنت حاجی غلام احمد صاحب پی پاڑی۔	عہ؍
۳۹	معرفت[1] منشی سید یوسف علیصاحب وکیل سرونج۔	ہے؍ للعہ
۴۰	جناب عبیداللہ خانصاحب ساکن پہاڑتلی ضلع چاٹگام۔	عہ؍
۴۱	یکے از خدام حضرت اشرف العلماء مولانا مولوی اشرف علیصاحب تھانوی مدظلہم ازطرف حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ـــ صہ ازطرف جمیع امتیان حضور صلعم ـــ عہ؍ ازطرف والدین مرحومین خود ـــ صہ ازطرف دادا صاحب مرحوم خود ـــ لہ؍	ما؍
۴۲	مولوی ابوالبشر صاحب جونپوری۔	عہ؍
۴۳	حافظ لیاقت علیصاحب دیوبندی۔	عہ
۴۴	ازطرف ہمشیرہ صاحبہ مرحومہ شیخ رشید احمد صاحب سوداگر صدر بازار میرٹھ	سہ؍
۴۵	حاجی کریم داد خانصاحب سپرنٹنڈنٹ ریاست سمتھر ضلع جھانسی۔	صہ؍
۴۶	معرفت[1] منشی محمد ابراہیم صاحب ساکن جودھپور مارواڑ۔	صہ ا؍
۴۷	منشی عزیز اللہ صاحب ساکن گلاؤٹھی۔	۲؍
۴۸	سید صادق علیصاحب خورجوی۔	۴؍
۴۹	منشی یوسف علیصاحب۔	۴؍

[1] تفصیل روداد سالانہ مدرسہ عالیہ دیوبند میں طبع ہوئی

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ عہ/۹

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۵ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ دیوبند

کی

سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

اس مرتبہ رسالہ کے ساتھ ایک ایک کارڈ بطور نمونہ بھیجا جاتا ہے جو صاحب القاسم کی اشاعت کا ثواب حاصل فرمانا چاہیں وہ کسیقدر کارڈ طلب فرما کر اپنے متعلقین اور احباب میں تقسیم یا فرویں۔ چار آنہ میں ۲۱۰ کارڈ آٹھ آنہ میں ۴۵۰ اور ایکروپیہ ۹۶۰ بھیجدیے جائینگے محصولڈاک و خرچہ ویلو بذمہ دفتر ہوگا۔

جلد اوّل کے نمبر دوم و سوم یعنی رمضان و شوال ۱۳۲۸ھ دوبارہ طبع ہو گئے ہیں اور جن حضرات سے وعدہ تھا انکی خدمت میں روانہ ہو رہے ہیں اگر اتفاقیہ کسی صاحب کے پاس نہ پہنچیں تو ایک کارڈ بھیجکر مطلع فرماویں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث کی درسگاہیں دمشق میں

جب سے مدرسہ عالیہ دیوبند نے تعمیر دار الحدیث کی تجویز کا اعلان کیا ہے مسلمانوں کے دیندار طبقہ میں اُس سے ایک غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوگئی ہی۔ جسکا ہونا لازمی تھا مسلمانوں کو جو تعلّق اور ارادتمندی اپنے ہادی برحق فخر المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی وامّی کی ذات مُقدس سے ہے اُسکی نظیر پیروان مذاہب موجودہ عالم میں کہیں نہیں پائی جاتی جسکا اعتراف مصنفین یورپ نے بھی متعجّبانہ لہجہ میں کیا ہے مسلمانوں کی فلاح دارین اُسی ذات اقدس کی اتباع پر موقوف ہے اور اُنکو اپنی مشہور عالم اخلاقی فلاسفر کے اس قول کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے۔ شعر

محال است سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جُز در پئے مصطفےٰ

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو جو بے مثل عروج و ترقی حاصل ہوئی وہ سب اسی کمال اتباع سے اور واقعات ثابت کر رہے ہیں کہ موجودہ نکبت وادبار جو پھیل رہا ہی وہ اسی اتباع کامل کے نہونے سے اسی اتباع کی برکت سے صحرائے عرب کے خانہ بدوشوں نے فتوحات ملکی میں قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتوں پر فتح وظفر کا پرچم اوڑایا ہے اور آئین جہانداری میں وہ اصول حکمرانی قائم کئے ہیں جو آج بھی حکمرانان عالم کے لئے نقش قدم کا کام دے رہے ہیں اور تہذیب وتمدن کو اُس معراج کمال پر پہونچا دیا جسکے اجمالی بیان کے لئے بھی اب یوروپین مصنفین کی تصنیفات کے ہزارہا صفحات بھی کافی نہیں ہوتے اور پھر زہد واتقا کی وہ روشن مثالیں چھوڑی ہیں جو بنی نوع بشر کے لئے نجوم ہدایت بنکر رہنمائی کرتی رہینگی آج بھی تیرہ سو برس کی طویل مُدّت گذر جانے پر اُس ہادی برحق کی پاک تعلیم

کا وہ اثر ہے جسکو میور صاحب سا نکتہ چین اسلام مسیحی بھی محسوس کئے بغیر نرہ سکا اور اُسکو کُھلے لفظوں میں یہ اعتراف کرنا پڑا وہ اپنی کتاب (لائف آف محمدؐ) میں لکھتے ہیں (اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مذاہب موجودۂ عالم میں سے جو درجہ اتقا اور پرہیزگاری کا مسلمانوں کو حاصل ہے وہ کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا) اِس اتباع کے حصول میں جن علوم کی ضرورت ہے اُن میں سب سے زیادہ قابل اعتناء علم حدیث ہی اسی سے مستقل درسگاہ حدیث کی ضرورت اور اُسکی عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہی۔ مکرمی جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مدیر القاسم نے تدوین علم حدیث و بنیاد دار الحدیث پر جو مفید مضمون شایع کیا ہے اُس سے یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا دار الحدیث ملک نور الدین نے دمشق میں قائم کیا۔ آج اسی سلسلۂ مضمون میں ہم دمشق کے باقی دار الحدیثوں کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتے ہیں جو حال کے ایک دمشقی عالم کی تحقیق پر مبنی ہے اور اسی ضمن میں بعض دوسرے بلاد اسلامیہ کے دار الحدیثونکا بھی جن پر سرسری نظر میں ہم اسوقت واقف ہوسکے ہیں ذکر کرینگے جو غالباً اس موقع پر ناظرین القاسم کی دلچسپی کا باعث ہوگا اور اس سے پہلے زمانہ کے مسلمانونکی علمی ترقی کا بھی اندازہ ہوگا جبکہ صرف ایک شہر دمشق میں اٹھارہ دار الحدیثوں کا پتہ ہمکو ملتا ہے تو کیا یہ افسوس کے قابل نہو گا کہ ایک شہر میں تو اٹھارہ دار الحدیث قایم ہوئے اور تمام ملک ہندوستان میں جہاں سات کروڑ مسلمان آباد ہوں ایک بھی دار الحدیث قائم نہو لہذا ہمکو کمربستہ ہوجانا چاہئیے کہ اپنے دینی مرکز مدرسہ عالیہ دیوبند کے دار الحدیث کو اُس شوق اور ہمت سے بنائیں جو اُسکے شایان شان ہو اور ہمارے اسلاف کی علمی ترقیوں پر دال ہوکر بزبان حال شہادت دے کہ گو ہم کتنے ہی گر گئے ہیں مگر اُنکے جائز جانشین ہیں اب ہم مختصراً اپنے مضمون دار الحدیث کو شروع کرتے ہیں اور پہلے دمشق کے اُن اٹھارہ دار الحدیث کو بیان کرتے ہیں جن کا اوپر اشارہ کرچکے ہیں۔

(۱) **نوریہ**۔ جو ملک نور الدین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ نے قائم کیا یہ دنیا میں سب سے پہلا دار الحدیث ہے اِس اولیت کا ثبوت مقریزی اور علامہ سیوطی سے جناب مدیر القاسم نقل فرما چکے ہیں علامہ ابن اثیر کا نام میں اور اضافہ کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں۔ و بنی نور الدین محمود دار الحدیث بدمشق وھی اوّل من بنی دار الحدیث۔ اسی میں ملک نور الدین ممدوح کا مزار بھی ہے اسکے سب سے پہلے متولی حافظ ابو القاسم ابن عساکرؒ ہوئے جو مشہور محدث اور مؤلف تاریخ دمشق ہیں

جو آٹھ جلدوں میں ہے یہ وہ محدث ہیں جو فرماتے ہیں کہ علم حدیث میں ایکہزار تین سو ۱۳۰۰ مرد اور اسی سے
کچھ اوپر عورتیں میری استاد ہیں پھر انکے بیٹے بہاء الدین القاسم پھر فخر ابن عساکر پھر اُن کے بھائی
زین الامناء بن عساکر متولی رہے اس دار الحدیث کے جو شیخ الحدیث رہے ہیں اُن میں سے یہ چند
مشاہیر محدثین ہیں بہاء الدین النابلسی تاج الدین الفزاری جمال الدین بن الصابونی مجد الدین بن المہتار
فخر الدین حنبلی علاء الدین بن عطار شرف الدین النابلسی علم الدین اشبیلی حافظ مزی حافظ تقی الدین بن رافع
عماد الدین حسینی عز الدین اربلی یہ دار الحدیث ابتک مدرسہ اور جامع مسجد کے ساتھ موجود ہے۔

(۲) **اشرفیہ**۔ قلعہ کے دروازہ شرقی کے قریب اور عصرونیہ کے غرب میں اور مدرسہ قائمازیہ
حنفیہ کے شمال میں ہے پہلے یہ قائماز بن عبد اللہ لخمی کا مکان تھا جسمیں انکا حمام بھی تھا پھر اسکو ملک
اشرف موسیٰ بن عادل برادر زادہ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس نے خریدکر دار الحدیث بنایا
جسکی تعمیر ۶۳۰ھ میں تمام ہوئی اسمیں بڑے بڑے اہل کمال جو تمام اسلامی دنیا میں مشہور ہیں شیخ الحدیث
رہے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں علامہ ابن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ ابن الحرستانی ابوشامہ امام نووی
زین الدین فارقی کمال الدین شریشی صدر الدین بن الوکیل ابن الزملکانی حافظ مزی علامہ حافظ
تقی الدین السبکی حافظ ابن کثیر قطب الدین خیضری یہ دار الحدیث ابتک موجود ہے تیرہویں صدی کے
آخر میں یہ دار الحدیث چھننے والا تھا مگر فقیہ شیخ یوسف البیانی مغربی اسکے اہتمام پر کھڑے ہوگئے اور
اسکو اہل زمانہ کے دست تعدی سے چھوڑایا اور پھر سابقہ حالت پر مدرسہ قرار دیدیا اب انکے بعد انکے
بیٹے محدث شیخ بدر الدین نے اسمیں قیام کیا جو ابتک تدریس حدیث میں مشغول ہیں یہ وہی بزرگ ہیں
جنکا ذکر مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے اپنی تازہ تالیف سفرنامہ شام میں کیا ہے۔

(۳) **الاشرفیۃ البرانیہ**۔ یہ دار الحدیث جبل قاسیون کے دامن میں نہر یزید کے کنارہ پر
تقی الدین التکریتی وزیر کی قبر کے سامنے ہے اور مدرسہ مرشدیہ حنفیہ کے شرق میں اور اتابکیہ شافعیہ کے
غرب میں ہے اسکو بھی ملک اشرف موصوف نے بنایا ہے اسکے شیخ الحدیث میں سے بعض یہ ہیں۔
اوّل قاضی شمس الدین بن ابی عمر پھر امام شمس الدین بن الکمال اور مقدسی اور تقی الدین سلیمان بن حمزہ اور
شرف الدین الفائق الحنبلی یہ دار الحدیث اب بھی موجود ہے اسمیں اب غربا رہتے ہیں۔

(۴) **البھائیہ**۔ باب توما میں ہے یہ بہاء الدین ابو محمد القاسم بن بدر الدین ابو غالب المظفر

المتوفی ۵۶۲ھ کا گھر تھا اسکے متولی حافظ ابوالمحاسن اور ابن جماعہ رہ چکے ہیں غالباً اب اس میں گھر بنگئے ہیں۔

(۵) **الحمصیہ** - حلقہ حمص کے نام سے مشہور تھا اب اُسکا پتہ نہیں لگتا اور جگہ بھی معلوم نرہی صرف اتنا ہی بیان کیا جاتا ہے کہ حافظ مزی اور حافظ صلاح الدین علی بن کیکلدی نے اُس میں حدیث پڑھائی ہے۔

(۶) **الدواداریہ** - یہ دارالحدیث جسکے ساتھ ایک مدرسہ اور رباط بھی ہی باب الفرج میں ہی اسکے بانی حافظ علم الدین سنجر الدوادار محدث المتوفی ۶۹۹ھ ہیں جو علمائے ترک میں سے ایک عالی خاندان سے ہیں اسکے مدرسین میں سے نجم الدین بن قوام بھی ہیں یہ دارالحدیث اس زمانہ میں غیر معروف ہی

(۷) **السامریہ** - اس دارالحدیث کے ساتھ ایک خانقاہ بھی ہی محلہ ماذنتہ الشحم سے قریب کوچہ شیخ دسوقی میں ہی - اس دارالحدیث کے بانی صدر کبیر سیف الدین ابوالعباس احمد بن محمد بغدادی سامری ہیں اور وہ اسی میں مدفون ہیں یہ دارالحدیث ہمیشہ سے معروف ہے۔

(۸) **السکریہ** - باب الجابیہ میں ہی اس دارالحدیث کے شیخ شیخ الاسلام علامہ تقی الدین ابن تیمیہ اور اُنکے والد اور علامہ حافظ ذہبی اور صدر مالکی رہچکے ہیں ایک خانقاہ بھی اُسکے ساتھ تھی۔ غالباً اسوقت یہ دارالحدیث جامع السادات کے نام سے معروف ہے۔

(۹) **الشقیشقیہ** - درب البانیاسی میں ہی اسکے بانی نجیب الدین ابوالفتح نصر اللہ الشیبانی الصفار المعروف بابن الشقیشقیہ ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ یہ دارالحدیث وہی ہو جسپر آجکل شفاخانہ حمیدیہ کا پانی گرا کرتا ہے۔

(۱۰) **العرویہ** - جامع اموی کی جانب شرق میں مشہد عروہ میں ہے شرف الدین محمد بن عروہ موصلی المتوفی ۶۲۰ھ نے بنایا اور ایک بڑا کتب خانہ بھی اُسپر وقف کیا اسکی جگہ معروف ہے فخر بن عساکر اور زکی الدین البرزالی اسمیں شیخ الحدیث رہے ہیں۔

(۱۱) **الفاضلیہ** - کلاسہ میں ہی سلطان صلاح الدین کے اُمرا میں سے قاضی الفاضل البیانی کی طرف منسوب ہے اور اسی سلطان کی تربتہ کے قریب ہے اب اسمیں بھی گھر بنگئے ہیں اور اُسکے بعض آثار بھی باقی رہگئے ہیں شاید اسکے پہلے مدرس تقی الدین البلدانی ہیں اُنکے بعد

ایک جماعت فضلا کی متولی رہی جسمیں سے نجم الدین بدرالدین کے بھائی اور حافظ محمد السلامی اور شمس الدین البعلی ہیں۔

(۱۲) **القلانسیہ** ۔ مدرسہ ابی عمر کے جو صالحیہ میں ہی غرب میں ہی اسکے ساتھ رباط اور ایک منارہ ہے اسکے بیچ میں سے ہزیزید گذرتی ہے اسکے بانی عزالدین ابو یعلی التمیمی المتوفی ۷۲۹ھ ہیں جو ابن القلانسی کے لقب سے مشہور ہیں اور اکابر دمشق سے ہیں۔

(۱۳) **القوصیہ** ۔ رحبہ سے قریب ہے اور بعض کا قول ہے کہ وہ جامع اموی میں شافعیہ کے پاس ہے۔

(۱۴) **الکردوسیہ** ۔ ماذنۃ الشحم کے غرب میں ہے محمد بن عقیل بن کردوس السلیمی محتسب دمشق نے ۶۴۱ھ میں قایم کیا اب یہ ضائع ہوگیا ہے اور شاید اس جگہ پر اب جامع ماذنۃ الشحم ہی۔

(۱۵) **النفیسیہ** ۔ بیمارستان دقاقی اور باب الزیادہ کے سامنے اور مدرسہ امینیہ کی جانب شمال و غرب میں ہی اسکو اسمٰعیل النفیس بن محمد بن عبدالواحد الحرانی ناظر الایتام نے ۶۹۶ھ میں بنایا اب اسمیں بھی گھر بنگئے ہیں علاء الدین الکندی اور علم الدین البرزالی اسکے شیوخ میں سے رہے ہیں۔

(۱۶) **الناصریہ** ۔ اسکے ساتھ رباط بھی ہی جبل قاسیون کے دامن میں جامع الافرم کے سامنے ہے اسکو ملک الصلاح ابن الملک العزیز نے ۶۵۴ھ میں بنایا اب اسکی جگہ پر ایک پختہ باغ بنگیا ہے اسکے مشایخ حدیث میں سے کمال الدین الشیریشی اور انکے صاحبزادہ ابوبکر اور حسام الدین القوی اور نجم الدین بن القوام ہیں۔

(۱۷) **التنکزیہ** ۔ یہ دارالقرآن والحدیث ہے حمام نورالدین الشہید کے شرق میں ہی نائب السلطنۃ تنکز نے ۷۳۰ھ میں بنایا اب یہاں بچوں کا مکتب رہگیا ہے۔

(۱۸) **الصبانیہ** ۔ یہ بھی دارالقران والحدیث تھا اسکے بانی شمس الدین بن تقی الدین بن الصبان ہیں مختصر الدارس میں لکھا ہے کہ فتنہ تیمور لنگ میں جلگیا۔

یہ اٹھارہ دارالحدیث دمشق کی ہیں جو معہ نام و نشان مذکور ہوئے انکے سوا بعض اور بھی دارالقرآن والحدیث کا دمشق میں پتہ ملتا ہے جو زیادہ مشہور ہیں جیساکہ معبدیہ وغیرہ مگر انکو ہمنے بغرض اختصار ذکر نہیں کیا قاہرہ کے دارالحدیث الکاملیہ کا ذکر جناب مدیر القاسم نے خود تحریر

فرمایا ہے جو دنیا میں دوسرا دار الحدیث ہے جو نوریہ دمشق کے بعد قائم ہوا قسطنطنیہ میں خاندان سلاطین عثمانیہ میں سے سلطان سلیمان اعظم قانونی مشہور فاتح نے ایک دار الحدیث قایم کیا جسکے مدرس ملّا کوسیج امین رہے اس دار الحدیث کے صدر مدرس کو تین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی ایک اور دار الحدیث ادرنہ میں اسی خاندان نے قائم کیا جسکے صدر مدرس مُلّا شمس الدین قاضی زادہ رہے اس دار الحدیث کے صدر مدرس کو چھ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی ایک دار الحدیث شہر حلب میں ابو المحاسن یوسف بہاء الدین نے قائم کیا غرض اسی طرح اسلامی ممالک میں جابجا دار الحدیث قائم ہوئے مگر ہندوستان کی سرزمین پر ابتک کوئی دار الحدیث قائم نہیں ہوا تھا جس کمی کے پورا کرنیکا عزم حضرات مدرسہ عالیہ دیوبند نے فرمایا جیساکہ اور تمام خالص دینی خدمات کو وہ باحسن الوجوہ انجام دے رہے ہیں خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس مبارک ومحبوب و دلکش تعمیر کے چندہ میں سعادت شرکت حاصل کریں۔

محمد عبد الرحمن خورجوی کان اللہ لہٗ
۲ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

پندرہ سو ۱۵۰۰ روپیہ کا گرانقدر عطیہ

دار الحدیث کے تینوں حصوں یعنی وسطی بڑے مکان کے ساتھ اُسکی شمالی وجنوبی درسگاہوں کو جلد تر مکمل دیکھنے کے متمنی اور خواہشمند حضرات اس خبر کو بڑی مسرۃ کے ساتھ سنیں گے کہ جس طرح شمالی درسگاہ کی تکمیل جناب حاجی حافظ فصیح الدین صاحب نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اور وہ درسگاہ بحمد اللہ بہت جلد بہر وجوہ مکمل ہوگئی اور اب اُسمیں درس حدیث شروع ہوگیا ہے۔ اسی طرح جانب جنوب کی درسگاہ کی تعمیر مدرسہ کے قدیم مربی ومعاون جناب حافظ اللہ بخش صاحب تاجر کلکتہ کو ٹولہ ساکن میرٹھ نے منظور فرماکر مبلغ پندرہ سو روپیہ کا وعدہ فرمایا۔ خداوند عالم جل شانہٗ جناب حافظ صاحب کو جزاء خیر اور اعمال صالحہ کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آپکے نیک ارادوں میں ترقی ہو اور اُنکے بہترین نتائج سے دنیا وآخرۃ میں آپ متمتع ہوں۔

اس درسگاہ جانب جنوب کی بنیاد حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہم کی تحریک سے ۹ رجب ۱۳۲۹ھ کو رکھی گئی تھی۔ اور مولانا موصوف نے خود اپنی ذات سے مبلغ یکصد روپیہ اُسمیں عطا فرمائے تھے علی ہذا جناب حاجی حافظ فصیح الدین صاحب وجناب حاجی وحید الدین صاحب نے بھی مبلغ تین سو روپیہ کا وعدہ فرمایا تھا اور اسکے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے اُسکے چندہ میں شرکت فرمائی تھی۔ جناب حافظ اللہ بخش صاحب کے اس اعلان کے بعد حضرت مولانا مدظلہم اور دونوں حضرات نے اپنے اپنے چندہ کو نہایت مسرۃ کے ساتھ دار الحدیث کلاں میں منتقل فرمادیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ باقی حضرات بھی اپنے چندہ کو درسگاہ جانب جنوب کے عوض دار الحدیث کلاں میں صرف کرنیکی اجازت فرمادینگے۔

نعت النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم باسماءہ الشریفۃ المذکورۃ فی المواھب وغیرھا

جناب مولانا مولوی سید محمد انور شاہ صاحب مدرس مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند نے رسول کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم کے اسماء مبارک کتب سیر مثل مواہب لدنیہ وغیرہ سے منتخب کر کے اس قصیدہ نعتیہ میں جمع فرمادیے ہیں ۔ اور اسماء منقولہ پر نمبر شمار ڈالدئے ہیں ۔ باقی نعتیہ اوصاف جو مصنف قصیدہ نے خود لکھے ہیں اُن پر نمبر نہیں ہیں جن اسماء کے نیچے (م) لکھا ہے وہ خاص مواہب سے نقل کئے ہیں ۔ باقی مواہب وغیرہ سے مشترکاً منقول ہیں ۔ سب سے پہلا شعر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ہے ۔ اور باقی تمام اشعار مصنف قصیدہ نے تحریر فرمائے ہیں ۔ محبان ذات اقدس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ومشتاقان اوصاف واسماء مبارک حضور سرور عالم وفخر بنی آدم سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ بہت سہل اور عمدہ طریقہ ہے کہ ان اشعار کو حرز جان بنائیں ۔

شَفِیعٌ[1] مُطَاعٌ[2] نَبِیٌّ[3] کَرِیمٌ[4]
هذا الشعر للشیخ سعدی ۱۲

شَفِیعُ الْاَنَامِ مُطَاعُ الْمَقَامِ
قَسِیمٌ جَسِیمٌ بَسِیمٌ وَسِیمٌ
صاحب جمال ۱۲　بالا نمائندہ ۱۲　تبسم کنندہ ۱۲　صاحب حلیہ جمیل ۱۲

اَسِیلٌ رَسِیلٌ کَحِیلٌ جَمِیلٌ
الخد ۱۲　القد ۱۲　الطرف ۱۲
کَرِیمُ الْکِرَامِ نَبِیُّ الْاَنَامِ[5]
م

مُفَاضُ الْجَبِینِ[6] کَبَدْرٍ مُبِینٍ
فراخ پیشانی
صَبِیحٌ مَلِیحٌ مُطَیَّبُ الشَّمِیمِ
سپیدہ رنگ مائل بسرخی ۱۲

شِفَاءُ الْعَلِیلِ رَوَاءُ الْغَلِیلِ
تشنگی
بِثَغْرٍ بَسِیمٍ کَدُرٍّ نَّظِیمٍ
بدندان تبسم کنندہ مانند در یکتا ۱۲

رَسُولٌ[7] وَصُولٌ[8] وَلِیٌّ[9] حَفِیٌّ[10]
صلہ کنندہ ۱۲　مولیٰ ۱۲　مہربان ۱۲
بِبِشْرِ الْمُحَیَّا وَنَشْرِ السَّخِیمِ
بہ بشارت چہرہ ۱۲　وخوشبوی خصلتہا ۱۲

صَدُوقٌ[15] فَرُوقٌ[16] فَصِیحٌ[17] نَصِیحٌ
فرق کنندہ درمیان حق وباطل ۱۲　نصیحت کنندہ ۱۲
اَمِینٌ[11] مَکِینٌ[12] عَزِیزٌ[13] عَظِیمٌ[14]
صاحب امانت ومنزلت وعزت ۱۲　م ۱۲　م ۱۲

شَفِیقٌ[20] رَفِیقٌ خَلِیقٌ طَلِیقٌ
رحم دل ۱۲　الجبین ۱۲
عَرُوفٌ عَطُوفٌ[18] رَؤُوفٌ رَحِیمٌ[19]
شکیبا ۱۲　مہربان ۱۲

صَفُوحٌ[21] نَصُوحٌ[22] عَفُوٌّ حَلِیمٌ[23]
درگزرندہ از زلات ۱۲　نصیحت کنندہ ۱۲　بردبار ۱۲

مُجیبٌ مُنیبٌ نَقیبٌ نَجیبٌ ۲۴ ۲۵ ۲۶
رجوع کنندہ بسوئے خدا سردار و شریف ۱۲
حَسیبٌ نَسیبٌ وَنورٌ قَدیمٌ ۲۷ ۲۸

بَشیرٌ نَذیرٌ سِراجٌ مُنیرٌ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲
خَبیرٌ بَصیرٌ دَلیلٌ عَلیمٌ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶

دَلیلٌ وَهادٍ سَبیلَ الرَّشاد ۳۷
راہ نمایندہ ۱۲
وَخَیرُ العِبادِ ثِمالُ العَدیمِ ۳۸
[illegible] نادار ۱۲

تَقیٌّ نَقیٌّ صَفیٌّ وَفیٌّ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲
پرہیزگار صاف برگزیدہ وفا کنندہ ۱۲
وَجیهٌ نَبیهٌ مُبینٌ حَکیمٌ ۴۳ ۴۴ ۴۵
صاحب عزت آگہ و بلندی شان ۱۲

هُدیٰ مُقتدیٰ مُصطفی الاصفیاء ۴۶ ۴۷
برگزیدہ برگزیدگان ۱۲
صَبورٌ شَکورٌ مُقفٍّ مُقیمٌ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱
خاتم انبیاء یا پس رونده ۱۲

وَمُزمّلٌ ثُمّ مُدَّثّرٌ ۵۲ ۵۳
چادر گرفته ۱۲ پس
سَعیدٌ رَشیدٌ خَلیلٌ کَلیمٌ ۵۴ ۵۵ ۵۶

عَفیفٌ حَنیفٌ حَبیبٌ خَطیبٌ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰
مائل بسوئے حق ۱۲ خطیب پیغمبران
هُوَ القُدوةُ الاُسوةُ المُستقیمُ ۶۱

نَبیُّ النّبیینَ وَالمُرسَلینَ
وَطٰهٰ وَیاسینَ فَیضٌ عَمیمٌ
طاہر ۱۲ سید ۱۲

نَبیُّ الوَریٰ سَیّدُ الانبیاءِ ۶۴
نَجیُّ الالٰهِ جَلیلٌ فَخیمٌ ۶۵
مناجات کنندہ با خدا ۱۲

اِمامُ الهُدیٰ رَحمةُ العالَمینَ ۶۶ ۶۷
غِیاثُ الوَریٰ مُستَغاثُ الهَضیمِ ۶۸
فریادرس ۱۲ داد دہندہ ستم دیدہ ۱۲

اَحیدٌ وَحیدٌ مَجیدٌ حَمیدٌ ۶۹ ۷۰ ۷۱
بے مثل ۱۲ یگانہ ۱۲ بزرگ ۱۲ ستودہ ۱۲
وَخَیرُ البَرایا بِفَضلٍ جَسیمٍ ۷۲
بافضل بزرگ ۱۲

وَاَسریٰ بِهٖ رَبُّهٗ فِی السَّماءِ
شبا شب سیر کنانید ۱۲
کَنورٍ تَجَلّیٰ بِلَیلٍ بَهیمٍ
درخشید ۱۲ در شب ۱۲

وَاٰتاهُ ما شاءَهٗ مِن عَلاءٍ
از بلندی
وَاَوحیٰ اِلَیهِ بِوَحیٍ رَقیمٍ
نبشته

فَاَکرِم بِشانٍ سَنیٍّ بَهیٍّ
پس چه گرامی است مرتبه بلند و روشن
وَعِزٌّ عَزیزٌ وَجاهٌ قَویمٌ
مرتبه استوار ۱۲

فَیا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّم عَلَیهِ
مَتیٰ فاحَ طیبٌ وَوافیٰ نَسیمٌ
ہرگاہ که بوید بوئے خوش و آید نسیم ۱۲

وَاَن عافِنی وَاعفُنی مِن اَثامٍ
جزاء الاثم ۱۲
اِلٰهی بِجاهِ النَّبیِّ الکَریمِ

الیتیم

اصلاح بعض جزئیات انقلاب

اصلاح معاملہ بہ نماز

(سلسلہ کیلئے ماہ شوال نمبر ۳ ملاحظہ ہو)

رہگیا عذر مسجد میں سامان آسایش نہونے کا تو اس عذر کو تو زبان پر لاتے ہوئے بھی ان حضرات کو شرمانا چاہیئے۔ کیونکہ اس عذر کے معنی تو غور کرنے سے یہ نکلتے ہیں کہ مسجد غرباء کا گھر ہے وہ اگر ہمکو بلاتے ہیں تو ہماری شان کے لائق اُسکو سامان سے درست کرنا چاہیئے ورنہ ہم نہیں جاتے۔ کیوں صاحب کیا وہ سچ مچ غرباء کا گھر ہے اگر اُنکا گھر نہیں تو پھر اس عذر کے کیا معنی۔ اگر یہ معنی ہیں کہ خدا کا گھر ہے خدا کو ایسا کرنا چاہیئے تو کیا اس کہنے کی جُرأت کر سکتے ہو۔ اگر نہیں کر سکتے تو اسکے جواب کی کیا ضرورت ہے اور اگر کر سکتے ہو تو جواب سنو۔ خدا تعالیٰ نے آپکو اور غرباء کو سبکو غلام بنایا ہے اور منجملہ دوسری خدمتوں کے یہ خدمت بھی سپرد کی ہے کہ کہ اس دربار میں آسایش و ضروریات کا سامان جمع کرو اور اُسکے انتظام کیلئے سب کو رقم بھی دی ہے کیونکہ سب اموال مملوک خدا تعالیٰ کی ہیں پس غرباء سے زیادہ تمھارے ذمہ واجب ہے کہ اُس دربار یعنی مسجد کا انتظام کرو۔ اور جس سامان نہونے سے آپ وہاں نہیں جاتے اُسکو خود درست کرو اور وہاں جاؤ تو یہ عذر کرنا حقیقت میں اپنی کوتاہی کا اظہار و اقرار ہے کہ ہمنے خدمت دربار کے متعلق جو احکام تھے اُنکی بجا آوری نہیں کی تو یہ غرباء کے الزام کی بات ہوئی یا تمھارے شرم کی بات ہوئی۔ یہ تو دنیادار امراء کے متعلق مضمون تھا۔ بعض لوگ دینداروں میں شمار ہوتے ہیں اور امام میں شرعی عیب نکالکر جماعت ترک کرتے ہیں۔ کبھی تو اصلی سبب اسکا کوئی دنیوی رنج ہوتا ہے بہانہ کیلئے کوئی عیب ڈھونڈھ کر اُسکی آڑ لیتے ہیں کہ وہ تو فلاں معصیت میں مبتلا ہے فلاں بدعت میں مبتلا ہے بعض متکبروں کو اصل مانع تکبر اور غربا کی تحقیر ہوتی ہے مگر چونکہ دیندار کہلاتے ہیں اسلئے شرعی عنوان نکالکر اپنی غرض حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً مفتی سے پوچھتے ہیں کہ جناب جسکی بیوی بے پردہ پھرتی ہو وہ دیوث ہے یا نہیں اور اُسکی امامت

جائز ہے یا نہیں۔ وعلیٰ ہذا۔ اور کبھی اصلی سبب تدین بھی ہوتا ہے مگر احکام کے نہ جاننے سے یا اہتمام نکرنے سے غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دل سے بدعت سے نفور ہیں اسلئے امام سے بغض للدین ہے اور کوئی رنج دنیوی نہیں ہے مگر اس مسئلے کی انکو خبر نہیں کہ انفراد سے ہر حالت میں جماعت کی نماز افضل ہے۔ اگرچہ امام مبتدع ہو بشرطیکہ بدعت اسکی حد کفر تک نہ پہنچ گئی ہو۔ اگر اصلی سبب دنیوی رنج ہے تو سمجھنا چاہئے کہ دین کو اپنی اغراض دنیویہ کا ذریعہ بنانا سخت نازیبا و ناپسندیدہ اور بے ادبی و گستاخی ہے جسکا قبیح ہونا محتاج بیان نہیں۔ اگر خلق سے اپنا عیب چھپا لیا تو حق تعالیٰ پر تو ظاہر ہے اسکو کیا جواب دوگے۔ اور اگر اصلی سبب تکبر ہے تب یہ بھی جواب ہے اور اس سے کچھ اوپر بھی مفصل بیان تکبر کا ہو چکا ہے اور یہ بے پردگی کا بہانہ جو تراشا گیا ہے سو اسکا کلی جواب تو یہی ہے کہ نفسانی غرض کو دین کی آڑ کیوں بناتے ہو اور جزئی جواب یہ ہے کہ خود معترض بھی اس اعتراض سے کم محفوظ ہونگے کیونکہ پورا پردہ شریعت کے موافق بڑے لوگوں میں بہت کم ہوتا ہے اکثر انکے متعلقات دور و نزدیک کے اعزہ کے روبرو بے حجاب آتے ہیں اتنا فرق ہے کہ بعضے غریبوں کی عورتیں خود گھر سے نکل کر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں اور امیروں کی عورتیں گھروں کے اندر بیٹھکر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں تو دونوں برابر ہوئیں۔ بلکہ غریبوں کی بی بیوں میں اتنی ترجیح ہے کہ وہ میلی کچیلی ہو کر نامحرموں کے سامنے آتی ہیں اور امراء کی عورتیں زیب و زینت کے ساتھ آتی ہیں تو اب خود دیکھ لیجئے کہ یہ اقبح ہے یا وہ اقبح ہے۔ تو اس حیثیت سے بھی اکثر غربا اولی بالامامت ہوئے اکثر امراء سے۔

اور اگر تدین ہی سبب ہے تو اس میں جو غلطی ہے وہ مسئلے کے جاننے سے جاتی رہیگی جیسا اوپر بیان کیا گیا۔ کہ انفراد سے جماعت افضل ہے۔ رہی کراہت سو اول تو کراہت اقتداء اسکے لئے ہے جو اس امام کے معزول کرنے پر قادر ہو۔ پھر یہ کہ کراہت اخف ہے ترک جماعت کی کراہت یا حرمت سے۔ البتہ اگر ایسے مقام پر شریک جماعت ہونے سے احتمال فتنہ[1] کا ہو تو

---

[1] فتنہ مراد یہاں کوئی شورش اور بلوہ نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے عام مسلمانوں کے کسی ضرر دینی یا دنیوی یا فساد عقیدہ یا فساد عمل کا اندیشہ ہو تو احتراز واجب ہے ۱۲

یکسوئی بہتر ہے۔ اور ان تارکاں جماعت میں بعض مشائخ دیکھے جاتے ہیں اُنکو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ جماعت میں اختلاط خلق ہوتا ہے اور اختلاط خلق ذاکر و سالک کو مضر ہے اور بعض نے بیان کیا کہ تنہا نماز پڑھنے میں وساوس و خطرات کم آتے ہیں۔ اور جو نماز حضور قلب کے ساتھ ہو وہ افضل ہوتی ہے عدم حضور والی نماز سے اور جماعت میں یہ حضور میسّر نہیں ہوتا۔ اس دھوکہ کا منشا یہ ہے کہ یہ حضرات مواجید و کیفیات ذوقیہ کو مقصود بالذات سمجھ بیٹھے اور وہ بعض اوقات خلوت میں زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت جلوت کے لیکن واقع میں مقصود بالذات رضاء حق ہے جسکا ذریعہ بجا آوری احکام ہے کہ منجملہ اُنکے جماعت کی نماز ہے اگرچہ اُسمیں ذوقیات و وجدانیات کی قلت ہو۔ پھر تجربہ ہوا ہے کہ بعض افعال شرعیہ گو سردست کسی کیفیت خاصہ کی قلت کا سبب معلوم ہوتے ہیں مگر اُنکی مداومت سے دوسری کوئی کیفیت بتدریج ایسی حاصل ہوتی ہے کہ اُس کیفیت فائتہؑ سے اعلیٰ و اقوی و ابقی ہو اُسوقت اُسکی قدر معلوم ہوتی ہے۔

ایک کوتاہی جسکو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی شمار نہیں کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے نماز میں خشوع و حضور قلب کا نہونا ہے جسکے مطلوب ہونیکے لئے آیت قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون اور اُسمیں تقصیر کرنیکی مذمت کے لئے آیت اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ الخ کافی ہے اور سبب اسکا بالاستقراؑ دو امر ہیں۔ بعض کو تو اہتمام ہی نہیں۔ انکے لئے تو بے اعتنائی۔ اور بعض کو اہتمام ہے مگر اُسکی حقیقت نہ جاننے سے اُسکو اختیار اور قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اسلئے اُسکی تحصیل کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ پہلے سبب کا علاج تو آیات بالا کے مضمون میں غور کرنا ہے اور دوسرے سبب کا علاج اُسکی حقیقت سمجھنا ہے جسکو مختصراً بیان کرتا ہوں جسکا وعدہ اُس کوتاہی کے ضمن میں کیا گیا ہے کہ بعضے ترک نماز کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہمسے حضور قلب نہیں ہوسکتا اور نماز بدون اُسکے ہوتی نہیں۔ سو حقیقت لغویہؑ خشوع کی سکون ہے۔ اور حقیقت

ع فائتہ یعنی جو جاتی رہی۔ اقوی بہت قوی۔ ابقی دیر تک باقی رہنے والی ۱۲ ع استقرا کہتے ہیں اکثر افراد کے حالات کو تلاش اور غور کرنیکے بعد عام حکم لگا دینے کو۔ ممکن ہو کہ کسی شاذ و نادر جگہ میں یہ حالت موجود نہو اور حکم نہ لگ سکے ۱۲
ع حقیقت لغویہ الخ یعنی زبان عرب اور لغت میں خشوع کہتے ہیں کسی چیز کے ٹھہرنے کو یعنی حرکت نہ کرنے کو خواہ وہ ارادہ سے ٹھہرا ہو یا بلا ارادہ جیسے پتھر وغیرہ۔ اور شریعت میں خشوع کہتے ہیں اعضاء ظاہری اور قلب کے بالارادہ ٹھہرنے کو۔ یعنی م

شرعیہ اسکی سکون ارادی ہے قلب اور جوارح کا۔ اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے سو جیسی حرکت ویسا سکون۔ تو جوارح کی حرکت تو اینیہ یعنی مکانیہ ہوتی ہے اسکا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعًا امر نہیں وہ حرکت نکرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پانوں عبث نہ ہلاوے۔ اِدھر اُدھر گردن یا نظر سے التفات نکرے۔ سر اوپر کو نہ اٹھاوے۔ بالوں کو کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے۔ بدون ضرورت نہ کھجلاوے نہ کھنکارے ونحو ذلک۔ اور قلب کی حرکت فکریہ ہے اسکا سکون عدم الفکر ہے یعنی اپنے ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے۔ سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہیں۔ کیونکہ اختیار سے خارج ہے۔ اور اضطراریات امر و نہی کے تحت میں نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر حرکت قلب کی بلا قصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہیں۔ پس غلطی لوگوں کی یہ ہے کہ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ بالکل خیال نہ آوے۔ اور اسی بناء پر اسکو محال عادیؑ سمجھتے ہیں۔ مگر اس بناء کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے معلوم ہو چکا ہے جس سے محرر ہو گیا کہ خشوع اختیاری فعل ہے اور ہر شخص اسپر قادر ہے اور بہت آسان ہے البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے پس جیسے سب افعال ارادیہ کی شان ہے کہ ارادہ کرو تو آسان ارادہ نہ کرو تو دشوار حتی کہ اگر منہ میں لقمہ لیکر بیٹھ جاوے اور نگلنے کا ارادہ نکرے تو وہ بھی آسان نہیں۔ پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہے اور اگر خشوع محال ہے تو لقمہ نگلنا بھی اتنا ہی محال ہے دونوں کے یُسر اور عُسر میں کچھ فرق نہیں۔ اور سہل طریقہ اسکا یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کرکے اسکو منہ سے نکالے کہ اب سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہونگا اب وَبِحَمْدِكَ کہہ رہا ہوں اب وَتَبَارَكَ اسْمُكَ منہ سے نکل رہا ہے۔ وعلیٰ ہذا۔ پس جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہ گئی لامحالہ حسب قاعدہ عقلیہ کہ اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ؎ دوسرے خیالات بند ہو جاوینگے۔

اس مراقبہ کو اوّل سے آخر تک بالالتزام کرے انشاءاللہ تعالیٰ اول تو بلا قصد بھی کوئی خیال

؎ یعنی وہ بات جو عادتًا ممکن نہیں ویسے خدا تعالیٰ جو چاہیں کردیں ۱۲

؎ ایک لحظہ میں نفس دو طرف توجہ نہیں کرسکتا ۱۲

نہ آویگا اور اگر فرضاً آجاوے تو پھر اس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے یہ سوچ بھی خیال غیر ہے بلکہ اسی عمل تجدید تعلق ارادہ و توجہ کو بطریق مذکور آیندہ کے لئے پھر تازہ کردے پھر وہ خطرات دفع ہو جاوینگے و ہذا من افادات استاذی و استاذ الکل حضرۃ مولانا **محمد یعقوب** علیہ رحمۃ اللہ علام الغیوب۔ اور اس احقر کا ایک وعظ خشوع کے ہر پہلو پر مفصل بحث میں شائع ہو چکا ہے جسکا نام مواعظ اشرفیہ ہے اُسکے ملاحظہ سے انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہیگا۔

ایک کوتاہی کہ ذی شعب مختلفہ ہے اور اسی پر اپنی اس تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ نماز اتنی بڑی ضروری چیز اور پھر روزانہ پانچ بار واقع ہونے والی اور اُسکے شرائط و ارکان کے ہر جزو اور ہر موقع پر بیشمار صورتیں پیش آتی ہیں جنکے احکام بہت لوگوں کو معلوم نہیں مگر باوجود اسکے بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ اُن احکام و مسائل کو لوگ دریافت کرتے ہوں بہت لوگ ناواقفی سے بلا اضطرار اس طرح جمائی لیتے ہیں یا بلا عذر کھنکارتے ہیں کہ حروف ظاہر ہو کر نماز جاتی رہتی ہے بہت لوگ ایسے لباس غیر مشروع سے نماز پڑھتے ہیں کہ نماز اُنکی قبول نہیں ہوتی بالخصوص بعض اقسام ریشم اور مخمل کے استعمال میں تو خواص تک بے احتیاطی کرتے ہیں اور امامت تک کرتے ہیں بعض لوگ ہجوم میں امام سے پہلے نیت باندھ لیتے ہیں کہ وہ نماز ہی نہیں ہوتی بعض لوگ امام کے ساتھ رکوع میں اس طرح شامل ہوتے ہیں کہ اللہ اکبر کہتے ہی رکوع میں پہونچ جاتے ہیں۔ اور اوّل قیام نہیں کرتے اُنکی نماز بھی نہیں ہوتی بعضے لوگ قعدہ اخیرہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں مگر اُنکی تکبیر تحریمہ ختم کرنیسے پہلے امام سلام پھیر دیتا ہے تو وہ اقتداء صحیح نہیں ہوتا اور نیت اقتداء کی بوضع انفراد میں مفسد صلوٰۃ ہے انکی نماز بھی نہیں ہوتی از سر نو نماز شروع کرنا چاہیئے اسی طرح بعض اوقات امام سہواً بعد قعدہ اخیرہ کے کھڑا ہو جاتا ہے تو مسبوق بھی حیثیت اقتداء کی حیثیت سے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اسوقت مسبوق کو اقتداء جائز نہیں تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے علی ہذا اگر امام مسافر بعد دو رکعت کے سہواً کھڑا ہو جاوے مقتدی مقیم کو اُسکے ساتھ مقتدی رہنا بھی مفسد صلوٰۃ فرض ہے اس مقام پر مسائل کا استیعاب مقصود نہیں اور نہ ممکن ہے محض بعض مثالیں پیش کرنا

ہے کہ ایسی صورتیں کس کثرت سے واقع ہوتی ہیں جنمیں نماز نہیں ہوتی اور لوگ اُس سے بےخبر ہیں اسی طرح شرائط میں بھی بےپروائیاں کی جاتی ہیں بعضے آدمیوں کو دیکھا گیا ہے کہ کپڑے پر تکیہ اگرچہ غبار نہ ہو تیمم کر لیتے ہیں بعض کو دیکھا ہے کہ اگر وضو و غسل میں کہیں پاتو وغیرہ خشک رہجاتا ہے ویسے ہی تر ہاتھ پھیر لیتے ہیں جو کہ مسح ہے پانی ڈالکر نہیں دھوتے بعض آدمی باوجود اندیشۂ قطرہ کے فوراً صرف پانی سے استنجا کر لیتے ہیں اور پھر قطرہ آجاتا ہے اگر خبر بھی ہو گئی اور وضو بھی دوہرالیا مگر پائجامہ پاک نہیں کرتے اور اسی طرح کئی بار میں مقدار عفو سے بڑھ جاتا ہے اور اُسی کپڑے سے نماز پڑھتے رہتے ہیں اور اگر علم نہ ہوا تو بے وضو ہی نماز پڑھی جاویگی اور اگر شبہ ہو کہ بےخبری میں معذور ہے جواب یہ ہے کہ معذور اُسوقت ہے کہ جبکہ نقض وضو کا احتمال غالب نہ ہو ورنہ اُس احتمال کا انسداد واجب ہوگا اور جب قویٰ کا ضعف مشاہد ہو تو قطرہ کا قطع کرنا ضروری ہوگا اور تجربہ سے اس باب میں کلوخ سے بہتر کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی اسی طرح بہت جگہ امام ایسے ہیں کہ نماز لوگوں کی فاسد یا مکروہ ہوتی ہے پھر بعض جگہ تو مقتدی ہی اس خرابی کا سبب ہوتے ہیں یعنی امام مقرر کرنے کے وقت اُسکی صلاحیت و اہلیت کو نہیں دیکھتے بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ محلہ بھر میں جو شخص سب سے نکما ہوتا ہے اُسکو ارزاں سمجھکر امامت کے لئے تجویز کیا جاتا ہے چاہے اُسکو قرآن پڑھنا بھی نہ آتا ہو خواہ اُسکو مسائل بھی یاد نہ ہوں اور بعض جگہ مقتدیوں کا کچھ دخل ہی نہیں ہوتا خود ہی براہ تکبر بعضے اہل وجاہت امام بن بیٹھتے ہیں اور قصبات میں جمعہ و عیدین کے اکثر ائمہ اسی شان کے ہیں اور اس خرابی کی ابتدا امامت کا موروث ہونا ہے جسکی بنا بعض سلاطین کے وقت سے پڑی ہے اُسوقت گو اُسمیں کوئی مصلحت ہو مگر اب تو اسمیں اسقدر مفاسد ہو گئے ہیں کہ اسکا توڑنا اور ایسے امام کو چھوڑنا واجب ہے اگر اُسکو معزول کرنے پر قدرت نہ ہو تو خود تو عزلت کرنا ممکن ہی۔ یعنی سب ملکر کسی دوسری جگہ جماعت کا انتظام کریں اور کسی اہل کو امام تجویز کر لیں البتہ جہاں امام سے ضرر جانی کا اندیشہ ہو تو یہ بیچارے معذور ہونگے صبر کرنا چاہیئے یہ تھے شعبے اس لاحق الذکر کوتاہی کے اور ان سب کا علاج علم دین ہی۔ جو پڑھنے سے یا علماء کے پاس آنے جانے اور پوچھتے رہنے سے نہایت سہولت سے ممکن الحصول ہے۔

یہ تھا مختصر ضروری بیان اُن کوتاہیوں کا جو کثیر الوقوع ہیں اور جنکا وقوع قلیل ہے اُنکا ذکر مطوی کیا گیا اوّل بوجہ قلت وقوع کے دوسرے اسلئے کہ اُنکا مذموم ہونا کسی پر مخفی نہیں سو تنبہ کے لئے یہ علم ہی کافی ہے جیسے شرم سے بے وضو نماز پڑھ لینا یا پڑھا دینا یا وضو کرکے سو رہنا اور کسی کے جگانے کے بعد سب کو جھٹلا لینا کہ میں تو نہیں سویا تھا اور اُسی طرح نماز پڑھ لینا یا نماز میں اخلاص نہ ہونا یعنی صرف اسی لئے نماز پڑھنا کہ لوگ مجکو نمازی سمجھیں جسکو ریاء کہتے ہیں ونحو ذلک۔ گو یہ امور واقع ہوتے ہیں مگر کثرت نہیں ہے اور گو ریاء کثیر الوقوع ہے مگر استقراء سے معلوم ہوا کہ صرف نفل عبادات میں کثیر الوقوع ہے اور یہاں زیادہ بیان کرنا غیر نفل کا مقصود ہے اور نفل عبادات و ذکر وغیرہ میں بھی ریاء وہیں ہے جس جگہ اسکا قصد ہو اور جو شخص اُسکو بُرا سمجھے دفع کرے وہاں اسکا شبہ کرنا اور اس غم میں مبتلا ہو جانا جیسے بعض سالکین کو پیش آتا ہے مضر ہے جس خطرہ پر اُنکو یہ گمان ہو جاتا ہے وہ وسوسہ ریاء نہیں ہے سو وسوسہ پر مواخذہ نہیں اسکی موٹی اور تسلی بخش مثال یہ ہے کہ بالاجماع وسوسہ کفر نہیں اور اُس پر مواخذہ نہیں اسی طرح اسکو سمجھئے یہ نکتہ اگرچہ بہت چھوٹا ہے مگر نفع میں اگر اسکو علم عظیم کہا جاوے تو بجا ہے وَالحمدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا عَلَّمَنِیْ وَفَہَّمَنِیْ اور بھی بعض کوتاہیاں ہوتی ہیں جسکی عدم ذکر کی وجہ ذکر کی گئی۔

ولیکتف القلم ولینتہ الرقم
وانا اشرف علی والیوم الثامن والعشرون
من جمادی الاخرۃ سنہ ۱۳۲۹ ہجری

اتفاق وہمدردی کا

ایک

نیا سبق

سورۃ الحمد - ایک ایسی محترم سورۃ ہے جو ہر ایک نماز میں ضرور پڑھی جاتی ہے - اور بارگاہ احدیت میں جس درخواست کے پیش کرنے کیلئے ہم دنرات میں پانچ بار حاضر ہوتے ہیں وہ یہ ہی مخلصانہ درخواست ہے جسکا نام ہمنے فاتحہ یا الحمد یا سبع مثانی وغیرہ رکھا ہے۔

اس عرضی کی عبارت اور اسکا مضمون کسی محدود دماغ والے انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے - اور نہ اسکے جملوں کی ترکیب یا بیان کا اسلوب یا الفاظ کی نشست یا مضمون کا تناسب کسی ایسی عقل کے افکار کا نتیجہ ہے جو اُس احکم الحاکمین کے آداب حکومت - عظمت وجلال اور شیونات ربوبیۃ سے ناواقف ہو۔

اس سورۃ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق قرآن مجمل کہنا چاہیئے کیونکہ خداوند رب العزت نے تمام قرآن کا خلاصہ اور عطر اسی چھوٹی سی ایک سورۃ میں نکال چھوڑا ہے - چنانچہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب فرمودۂ پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) جب اس سورۃ کو سارے قرآن کا اجمال اور اختصار کہا تو بعض کوتاہ نظروں نے اُنکے اس دعوے کو مشتبہ سمجھکر مبالغہ پر محمول کر لیا - جسکے جواب کے واسطے امام کو اپنی تفسیر کا ایک معتد بہ اور ضخیم حصہ نذر کرنا پڑا - اور ممنون ہونا چاہیئے ہمکو اُس معترض کا جسکی تردید کے جوش میں امام صاحب کی بہت سی بیش بہا تحقیقات کا ذخیرہ ہمارے ہاتھ لگ گیا۔

"تفسیر کبیر کے اسی حصہ کو میں دیکھ رہا تھا جب میں ایاك نعبد پر پہنچا تو یہ سوال نظر سے گذرا کہ نعبد کو جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ لانے میں کیا راز ہے درآنحالیکہ اُسکا متکلم واحد ہے یعنی بجائے اس عبارت کے کہ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم) یہ کیوں نہ کہا گیا کہ (تیری ہی عبادت کرتا ہوں میں) باوجودیکہ کہنے والا صرف ایک شخص تھا۔"

اس سوال کے حل کرنے میں حق یہ ہی کہ امام ممدوح اور دیگر مفسرین نے کافی سے زیادہ دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی کا زور دکھلایا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ بیشک بمقتضاے لا تنقضی عجائبہ قرآن شریف کے اسرار کسی خاص شخص یا خاص قرن پر ختم ہونیوالے نہیں ہیں۔ مگر میں اسوقت چونکہ کوئی تفسیر کی کتاب لکھنے نہیں بیٹھا ہوں اسلئے اُس تمام تفصیل کو قلم انداز کرتے ہوئے جسمیں مختلف تفاسیر کے کئی جزو صرف ہو گئے ہیں۔ صرف اُس لطیف توجیہ کو اس مقام پر ذکر کرنا چاہتا ہوں جو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے تعمق نظر کا کامل ثبوت ہے اور جسکے یہاں پر نقل کرنے سے میرے ایک خاص مطلب کی وضاحت ہو سکتی ہی۔ امام ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت مطہرہ نے ہمکو یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص بہت سی چیزوں کو ایک ہی عقد کے ساتھ فروخت کر ڈالے اور بعد میں ظاہر ہو کہ مبیع میں کچھ حصّہ بے عیب اور کچھ عیب دار ہے تو مشتری کو ایسی حالت میں یہ اختیار ہوگا کہ وہ اس ساری مبیع کو رکھ لے یا ساری کو واپس کر دے۔ اُس کو یہ اجازت نہیں کہ فقط عیب دار حصّہ کو لوٹا کر بے عیب حصّہ اپنے پاس روک لے۔

ٹھیک اسی طرح جب عبادت کرنیوالا اپنی عبادت کو ناقص سمجھکر خداوند ذوالجلال کے سامنے پیش کرنے سے شرماتا ہو تو اُسکی تدبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کے ساتھ اور سبھوں کی عبادت کو بھی شامل کر لے تاکہ اگر خدا رد کرے تو سب کو رد کرے اور قبول کرے تو سب کو قبول کرے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اس مجموعہ عبادت میں انبیاء۔ اولیاء اور جملہ صالحین کی عبادات بھی شامل ہیں جنکا مقبول ہونا یقینی ہے تو ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کا کرم بے پایان اسکی ہرگز اجازت نہ دیگا کہ وہ ایک مبیع میں سے کھرا کھرا الگ کر کے کھوٹے کو ہمارے حوالہ کر دے۔

یہ ہی نکتہ ہے جسکی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ اختیار کیا گیا اور ہر ایک عابد کی زبان سے یوں کہلایا کہ " اے اللہ ہم سب ملکر تیری عبادت کرتے ہیں "

امام صاحب ممدوح کے اس دقیقہ شناسی نے محض یہ ہی نہیں کہ کلام پاک میں اَعْبُدُ کے بجائے نَعْبُدُ کہنے کا بھید معلوم کرا دیا بلکہ نہایت دلنشین پیرایہ میں یہ بات بھی جتلا دی کہ خداوند رب العزت مسلمانوں میں کسدرجہ تک اتفاق و اجتماع دیکھنا چاہتا ہے۔ یہانتک کہ تمام دینی و دنیوی معاملات کو چھوڑ کر ہر مسلمان (اور خصوصًا اس زمانہ کے مسلمانوں) کی عبادات

(نماز روزہ) بھی جب ہی خدا تعالیٰ کے یہاں قبول کیجا سکتی ہیں جب کہ وہ ہیئت اجتماعی پیش کی جائیں۔

کیا۔ اِس مضمون کے سُننے کے بعد بھی کوئی الحمد پڑھنے والا ایسا نکلیگا جو کلمۃ الاسلام کی تفریق کو گوارا کرے۔ یا تمام مسلمانان دنیا میں باہمی اخوت و ہمدردی کے پیدا ہونے کی تدابیر نہ سوچے۔ یا اپنے مظلوم بھائیوں (یعنی طرابلس کے مجروحین وشہداء) کو تا استطاعت جائز امداد پہنچانے میں سُستی اور غفلت سے کام لے۔ اور اسوقت کو غنیمت نہ سمجھے جبکہ ہماری فیاض گورنمنٹ نے ہمکو اس معاملہ میں پوری قدرت اور پوری آزادی عنایت کر رکھی ہے۔ وَلِلّٰہِ در ابی الفتح البستی رحمہ اللہ۔

وَکُنْ عَلَی الدَّھْرِ مِعْوَانًا لِذِی اَمَلٍ	یَرْجُو نَدَاکَ فَاِنَّ الحُرَّ مِعْوَانٌ

ہمیشہ اُن اُمید واروں کی مدد کرتا رہ۔ جو کہ تیری دریادلی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ شریف وہی ہے جو دوسروں کا مددگار ہے

اَحْسِنْ اِذَا کَانَ اِمْکَانٌ وَمَقْدِرَۃٌ	فَلَنْ یَدُوْمَ عَلَی الاِنْسَانِ اِمْکَانٌ

جسوقت قدرۃ و امکان ہو تو احسان کرنے سے نہ چوک کیونکہ انسان کو ہمیشہ یہ قدرۃ بھی حاصل نہیں رہتی۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی

مدرسہ عالیہ دیوبند

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کے لئے القاسم نمبر ۱۲ جلد اوّل ملاحظہ ہو)

رستم سپہ سالار اعظم فارس کے اسلام اور مسلمانوں کی نسبت خیالات مسلمانوں کی اخلاقی و دماغی قابلیتیں اور حسن معاملات

رستم سپہ سالار اعظم فارس کے مقتول ہونیکا ذکر قادسیہ کے تذکرہ میں اجمالاً آچکا ہے۔ اسوقت مجھکو اُسکا دوہرانا مقصود نہیں ہو۔ معرکہ کارزار قادسیہ کی کیفیت نہ پہلے بیان میں لکھی گئی تھی اور نہ اب لکھی جائیگی۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصود سے علٰحدہ چیز ہے۔ اسوقت سابق مضمون کی تائید میں کہ اہل فارس کے سرداروں اور شریف خاندانوں میں اسلام کی حقانیت اور غلبہ کا یقین کسقدر راسخ ہو چکا تھا۔ رستم کے قلبی جذبات اور خیالات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔

یہ وہ شخص ہو کہ فارس بھر میں اس سے بڑھکر مقتدر۔ شجاع۔ اور معتمد علیہ کوئی نہ تھا۔ ملک فارس نے اپنی نجات کی اُمیدیں اُسی کی ذات سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ سلاطین فارس بھی اُسی کی محتاج اور اُسکی طرف اُمید و بیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ مجھے دکھلانا ہے کہ ایسے شخص کے خود ذاتی خیالات کیا تھے۔ اور اسلام کی عظمت و محبت کو کہانتک دلمیں لئے ہوئے تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ سے کیونکر پہلو بچاتا تھا۔ اور باایں‌ہمہ شجاعت و مردانگی بزدلوں کی طرح حیلہ وحوالہ سے جنگ کو ٹالتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بدقسمتی نے اُسکو اس دولت سے محروم رکھا۔ اور انجام کار اُسکو وہی روز بد دیکھنا پڑا جس سے وہ بچتا تھا۔ باوجود معرفت و علم ذاتی کے تصدیق کا درجہ نصیب نہوا۔ اور حسرت و افسوس کے ساتھ کفر کی حالت میں جان دیدی۔

عنوان مذکورہ کے ذیل میں بہت سے واقعات اور حالات ہیں جن سے ہمارے اصلی دعوے اشاعت اسلام پر نہایت خوبی سے روشنی پڑتی ہے۔ اسلئے ناظرین القاسم صبر و سکون کیساتھ ان مسلسل واقعات کو (جو خاص اس عنوان کے ذیل میں لکھے جائینگے۔ اور جنکا تعلق عنوان مذکورہ سابق سے ہے) ملاحظہ فرمائیں اور انکے نتائج کا آخر مضمون پر انتظار کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت سے ملک فارس میں ایسے تغیرات وحوادث پیش آنے شروع ہوئے کہ ہزار ہا سالہ سلطنت کی استوار ومستحکم بنیادیں متزلزل ہونے لگیں جلد جلد انقلاب سلطنت نے اُنکی قوت کو منتشر۔ ارادوں کو ضعیف۔ ہمتوں کو پست کردیا تھا۔

کسریٰ پرویز ۳۸ سال سلطنت کرنیکے بعد ہجرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھٹے سال اپنے بیٹے اور جانشین کے ہاتوں قتل ہوا۔ اور اُسکا جانشین شیرویہ بھی آٹھ ماہ سے زیادہ سلطنت کرنے نہ پایا تھا کہ ہلاک ہوگیا اُسکی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تخت پر بٹھلایا گیا۔ اور ایک سردار نے جسکا نام بہادر جسنس تھا بطور نائب السلطنت سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے۔

ایک معمولی شخص کا غیر محدود اختیارات کو ہاتھ میں لیکر سیاہ وسفید کا مالک بنجانا عام طور پر سرداران فارس کو ناگوار تھا۔ مگر ایک بہت بڑے جرنیل شہر براز کو جسے کسریٰ پرویز نے سرحد روم پر عظیم الشان فوج کیساتھ مامور کیا تھا زیادہ ناگوار گذرا۔ اور اُسنے آکر فوراً مداین کا محاصرہ کرکے بالاخر اردشیر کو قتل کیا۔ اور خود تخت سلطنت پر غاصبانہ متمکن ہوگیا۔ یہ شخص خاندان شاہی سے نہ تھا۔ ادھر اردشیر کے قتل کرنیکی وجہ سے عام طور پر بُری نظروں سے دیکھا جاتا ہے تین بھائیوں نے جو باڈی گاڈ کے سواروں میں تھے مشورہ کرکے عین جلوس کیوقت جبکہ اُسکو تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئے چالیس ہی دن گذرے تھے قتل کردیا۔ اُسکے بعد خاندان شاہی میں سے کوئی مرد تو اس قابل نظر نہ آیا کہ مالک تخت وتاج ہوتا۔ کیونکہ شیرویہ نے اپنے تمام بھائیوں اور وارثان ملک کو قتل کردیا تھا۔ اسلئے کسریٰ پرویز کی بیٹی پوران مالک سلطنت بنائی گئی۔ اور وہ ایک برس چار ماہ سلطنت کرنے پائی تھی کہ ایک دوسرا شخص جو کسریٰ پرویز کے بعید تر رشتہ داروں میں سے تھا۔ قابض ملک ہوگیا لیکن ابھی ایک ماہ بھی لطف سلطنت نہ اُٹھایا تھا کہ اہل فارس نے اُسکو بھی قتل کردیا۔ اور اب کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی ارزمیدخت مالک تاج ونگیں بنائی گئی۔

یہ عورت حسن وجمال میں شہرۂ آفاق تھی۔ خراسان کے گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف فرخ ہرمز نے جو تمام ملک فارس میں اوّل درجہ کا افسر اور سردار تھا ملکہ کو نکاح کا پیام بھیجدیا۔

ملکہ نے بوجہ داب سلطنت نکاح تو مناسب نسمجھا۔ مگر بوجہ خوف صاف جواب بھی نہ دیسکی بلکہ اُسکو ملاطفتہ وحیلہ سے بلواکر قتل کرادیا۔

فرخ ہرمز کا بیٹا رستم اُسکی غیبت میں خراسان کا قائمقام گورنر تھا۔ اُسکو جب باپ کے قتل کی خبر پہونچی تو اُسنے مداین پر چڑھائی کرکے ملکہ کو اندھا کرنیکے بعد قتل کردیا۔ اور خود سیاہ وسفید کا مالک بنکر ایک اور شخص کو تخت سلطنت پر بٹھلادیا۔ یہ بھی چھ ماہ سے زیادہ سلطنت کرنے نہ پایا تھا کہ تخت سے اوتار کر قتل کردیا گیا۔ اُسکے بعد ملک فارس بالکل بے سر رہگیا۔ برائے نام بھی کوئی بادشاہ نہ رہا جو کچھ تھا رستم تھا۔

یہی وہ رستم ہے جسکا حال یہاں ہم لکھنا چاہتے ہیں۔ جسکی ذات پر تمام اہل فارس کا سہارا تھا اور جسکی زبردست قوۃ اور فوق العادت شجاعت پر ملک بھر کو اعتماد تھا۔ اور جسکے قتل پر قادسیہ کے مشہور عالم معرکہ کا خاتمہ ہوا تھا۔

اِدھر تو ملک فارس کی یہ کیفیت تھی اُدھر اسلامی فتوحات کا سیلاب عظیم ملک کو زیروزبر کرتا ہوا چلا آتا تھا اہل فارس اگر کچھ کرتے تو رستم کے سہارے پر کرتے مگر وہاں اُسکا ایک مد مقابل فیرزان پیدا ہوگیا۔ اُن کی باہمی مخالفت اور غضب ڈھا رہی تھی ۔ وہ آپس کے مناقشات اور جنگ وجدل کیوجہ سے اس قابل نہ رہے تھے کہ اپنی قوت کو اہل اسلام کے مقابلہ کیلئے مجتمع کرسکتے ۔

فارس کی زبردست اور عظیم الشان سلطنت فی الحقیقت تو ضعیف نہوگئی تھی۔ اُسمیں کافی سے زیادہ جنگی مواد موجود تھا۔ عساکر قاہرہ سے چھاؤنیاں بھری ہوئی تھیں۔ کسریٰ پرویز نے حسن تدبیر یا ظلم وتعدی کیساتھ اسقدر روپیہ ملک سے وصول کیا تھا کہ خزانے معمور تھے ۔

یہ ایسی زبردست قوت تھی کہ روم وشام کے عظیم الشان اور قدیم سلطنت کو بھی اُسکے سامنے گردن جھکانی اور ہرقل قیصر روم کو بادل ناخواستہ اپنی بیٹی پرویز کے نذر کرنی پڑی تھی۔ پرویز کو قتل ہوئے ابھی سات سال سے زیادہ نہوئے تھے ۔ سلطنت کے تمام ممالک بدستور زیر نگیں تھے ۔ فوجوں کی فوجیں موجود تھیں۔ صرف ضعف تھا تو یہ کہ بے سری اور خانہ جنگی کی وجہ سے قوۃ کو کام میں

سلہ پرویز کو اُسکے بیٹے شیرویہ نے بمشورہ سرداران فارس قید کرنیکے بعد جو خط لکھا تھا اُسمیں منجملہ اور الزامات کے یہ بھی تھا کہ تو نے جبر وتعدی کے ساتھ رعیت سے روپیہ وصول کرکے خزانوں کو پر کیا ہے۔ پرویز نے اُسکے جواب میں شیرویہ کو لکھا کہ یہ تیرا خیال احمقانہ ہے کہ ہمنے جبر وتعدی سے بے ضرورۃ روپیہ جمع کیا ہے۔ ملک بغیر خزانہ کے کبھی باقی نہیں رہسکتا۔ تو نے اگر بے طور خرچ کرکے خزانے خالی کردئے تو انجام بُرا ہوگا۔ غرض خزانوں کے مالامال ہونے کو شیرویہ تو نتیجہ جبر وتعدی کا بتاتا ہے۔ اور پرویز حسن تدبیر کا۔ اسلئے ہمنے دونوں لفظ لکھدئے ۱۲

نہ لاسکتے تھے۔

اراکین سلطنت اور سرداران فارس اس حالت پر زیادہ صبر نہ کرسکے سب نے ملکر رستم اور فیرزان کو جمع کیا۔ اور کہا کہ ملک اس حالت کو پہونچگیا۔ مگر تمہارا باہمی اختلاف ختم ہونے میں نہیں آتا۔ اب ہم تمکو اس راے پر زیادہ دیر تک قایم نرہنے دینگے یا تم دونوں متفق ہوکر ملک کی حفاظت کرو۔ ورنہ اوّل ہم تمکو قتل کرکے خود ہلاک ہوجائینگے۔

اس پر دونوں نے متفق ہوکر کسریٰ کی بیٹی بوران سے دریافت کرکے کسری کی تمام عورتوں بیبیوں اور باندیوں کو جمع کیا اور اُن سے پوچھا کہ کسری کی اولاد میں کوئی لڑکا ہو تو بتلاؤ۔ سب نے انکار کیا۔ مگر ایک عورت نے پتہ دیا کہ کسری کا پوتا یزدجرد اپنی ننہال میں ہے اُسکی ماں نے قتل[ف] کے خوف سے وہاں بھیجدیا تھا۔ رستم اور فیرزان نے یزدجرد کو جسکی عمر ۲۱ سال تھی وہاں سے بلاکر تخت شاہی پر بٹھلایا۔

ملک فارس کے عہدہ داران ملکی و مالی سرداران فوجی ماتحت نوابوں اور جاگیرداروں سے لیکر رعیت کے ادنی افراد تک (جو ملک کو بے سر۔ اور تخت کو خالی اور سلطنت کو تباہ ہوتے دیکھکر سخت پریشان واندوہگیں تھے اور اُسوقت ہر شخص کے نزدیک اپنے ناموس سے زیادہ ملک کی حفاظت اہم اور ضروری تھی) یزدجرد کو تخت پر جلوہ گر دیکھکر اطاعت وانقیاد کیلئے دوڑ پڑے اور تخت شاہی کے گرد پروانہ وار جمع ہوکر ملک پر قربان ہونیکے واسطے تیار ہوگئے۔

ملک بھر میں جنگ اور حفظ سلطنت کا جوش تو پہلے سے ہی پھیلا ہوا تھا فوجیں میدان جنگ میں جانے اور داد شجاعت دینے کیواسطے بیقرار تھیں۔ اب اتحاد واتفاق کی ایک لہر تمام جگہ پھرگئی۔

[ف] کسریٰ پرویز کے اٹھارہ بیٹے تھے سب میں بڑا شہریار تھا جسکو شیریں نے بیٹا بنالیا تھا۔ منجموں نے پرویز سے یہ کہدیا تھا کہ سلطنت فارس کا زوال تیری اولاد میں سے ایسے شخص کے وقت ہونے والا ہے جسکے کسی عضو میں نقصان ہوگا۔ اس بناء پر پرویز نے اپنی تمام اولاد کو شادی اور نکاح سے روکدیا تھا۔ شہریار نے خفیہ بمشورہ شیریں ایک عورت کے ساتھ میل کرلیا جس سے یزدجرد پیدا ہوا مگر خوف قتل سے اُسکو مخفی رکھا گیا۔ آخر عمر میں جب پرویز کو بچوں کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور اُسکو خیال ہوا کہ میں بھی اپنے بیٹوں کی اولاد کو دیکھتا تو شیریں نے یزدجرد کو بلاکر دکھلایا پرویز اُسکے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ ایکدن اتفاق سے یزدجرد بچوں میں کھیل رہا تھا پرویز کی نظر اُسکے بدن پر پڑی تو معلوم ہوا کہ اسکا ایک سُرین چھوٹا ہے۔ پرویز نے اُسکو قتل کرنا چاہا مگر شیریں نے یہ کہکر روکدیا کہ اگر یہ امر مقدر ہوچکا ہے تو ہوکر رہیگا۔ اسکے بعد یزدجرد کو وہاں سے کسی دوسری جگہ بھیجدیا ۱۲

یزدجرد نے ایسی مستحکم اور قوی سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی جس میں کسی جانب بھی ضعف نہ تھا اُسکو وہ بات نصیب ہوئی جو کسریٰ پرویز کو باانیہمہ سطوۃ وجبروت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ اُسکی حکومت دلوں پر نہ تھی۔ بلکہ عام افراد اُسکے جابرانہ احکام سے بیزار تھے۔ اور اسیوجہ سے انجام کار قید ہوکر قتل ہوا۔

اور یزدجرد کی حالت عین برعکس تھی۔ سارے ملک کے دل مسخر تھے۔ ہر فرد فریفتہ اور اُسکے ادنےٰ اشارہ سے ایک مرکز پر جمع ہوکر سب کے سب جان دینے کیلئے تیّار تھے۔

یزدجرد نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی منتشر قوت کو مجتمع کردیا۔ فوجوں کو مُلک کے حصّوں پر منقسم کرکے چھاؤنیاں قایم کردیں۔ اور تمام چھاونیوں سرحدوں اور مورچوں کے لئے فوجیں نامزد کرکے اُنکا تعلق مرکز سے قایم کردیا۔ اور سلطنت کا وہ رعب و داب ازسرنو زندہ کیا جو کچھ عرصہ کیلئے گم ہوگیا تھا اور اِس طرح انتظام کرکے مسلمانوں سے مقابلہ یا بالفاظ دیگر اُنکو اپنے ملک کے اطراف سے جن پر وہ مسلط ہوگئے تھے۔ نکالنے کے واسطے مستعد ہوگئے۔ اِس بڑی تیّاری کے بعد سب سے پہلا اور سب سے بڑا معرکہ قادسیہ کا ہوا۔ گویا یہ سب سامان جنگ قادسیہ کی تمہید تھی۔

ہمنے اسوقت تک مضمون مذکورہ بالا میں جو کچھ لکھا اُسکی غرض یہ تھی کہ ناظرین القاسم سلطنت کی موجودہ حالت سے ایسی واقفیت پیدا کرلیں جو واقعات مابعد میں اُنکی رہبری کرسکے۔ اور جسکی وجہ سے نتیجوں کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ اب ہم واقعات مابعد کو نمبروار لکھکر آخر میں نتیجے لکھیں گے۔

(۱) اسلامی لشکر جو عراق میں داخل ہوکر فتوحات اسلامیہ کو وسعت دے رہا تھا۔ اُس کے سپہ سالار حضرت مثنی بن حارثہؓ تھے۔ جو شجاعت اور تدبیر میں حضرت خالد سپہ سالار شام کی برابر اور نظیر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مثنی کے پاس کل آٹھ ہزار فوج تھی اُنکو یزدجرد کی تخت نشینی۔ فارس کی اتفاق اور ارادوں کی اطلاع ملی تو قبل اسکے کہ اہل فارس پیش قدمی کریں آپنے کمال ہوشیاری اور دانشمندی سے سب حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ اہل سواد عراق جو اسلام کے ذمہ اور عہد میں داخل ہوچکے ہیں اُن سے بھی نقض عہد کا اندیشہ ہے۔

حضرت عمرؓ نے خط کو دیکھتے ہی فرمایا:۔

وَاللهِ لَاَرْمِيَنَّ مُلُوْكَ الْعَجَمِ بِمُلُوْكِ الْعَرَبِ۔	(قسم ہے رب العزت کی اگر ملوک عجم مجتمع ہوگئے ہیں تو میں اُنکے مقابلہ کیلئے ملوک عرب کو بھیجونگا۔

آپ نے عام حکم کے ذریعہ سے تمام قبائل عرب کو اطلاع دیدی کہ ہر قبیلہ کے رئیس منتخب اور تجربہ کار مدبر۔ خاندانی شریف۔ مقرر۔ واعظ خطیب و شاعر اور جو لوگ فنون جنگ میں ماہر یا قوت۔ شجاعت۔ شہسواری و تیر اندازی میں مشہور ہیں سب امیر عراق کے لشکر میں جا ملیں ایسا ہی ہوا۔ آپ کا حکم پاتے ہی جن میں جنگ کی قابلیت تھی یا کسی بات میں ممتاز و مشہور تھے۔ سب نکل کھڑے ہوئے۔ جو قبائل مدینہ اور عراق کی نصف مسافت پر رہتے تھے وہ تو براہ راست عراق کو روانہ ہوگئے۔ اور جو مدینہ سے قریب تھے وہ مدینہ میں آکر جمع ہوگئے۔

اس لشکر کے جمع ہو جانیکے بعد حضرت عمرؓ معہ تمام لشکر کے مدینہ منورہ سے باہر ایک چشمہ پر جسکا نام صرار تھا خیمہ زن ہوئے۔ لوگوں کو اسکی وجہ معلوم نہ تھی اور نہ اُنکی جرأت تھی کہ اسکا سبب دریافت کرسکتے۔ جب کبھی ضرورت کسی امر کی دریافت کی ہوتی تھی تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف کو ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اور اگر کسی بات کو یہ دونوں صاحب بھی نہ دریافت کرسکتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کام ہوتا تھا۔ اب بھی لوگوں نے حضرت عثمانؓ[1] سے عرض کیا۔ اور اُنہوں نے آپ سے نقل و حرکت کا سبب پوچھا۔ تب آپ نے سب کو جمع کرکے سارا حال بیان کیا اور اپنے بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ کہ میرا خود جانا مناسب ہے یا یہاں رہنا عامۂ سب کی رائے یہ تھی کہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کے ہمرکاب ہم سب ہوں۔ آپ نے اسکو قبول کرکے فرمایا کہ سب لوگ تیاری کریں میں بھی چلونگا۔ ہاں اگر اس سے بہتر کوئی دوسری رائے معلوم ہوگئی تو اُسپر عمل کیا جاویگا۔ اسکے بعد آپ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کیا۔ حضرت علیؓ کو بطور قایم مقام مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا اور حضرت طلحہ مقدمۃ الجیش پر تھے۔ اور حضرت زبیر و عبدالرحمن بن عوف میمنہ و میسرہ پر ان سب کو طلب فرماکر مکرر مشورہ فرمایا۔ ان

[1] حضرت عثمان کا درجہ علاوہ وزیر و مشیر ہونے کے ولیعہد کا سا تھا۔ حضرت عمرؓ نے گو کسی کو ولی عہد آخر تک بھی نہیں بنایا۔ مگر صحابہ کا خیال عام طور پر یہی تھا کہ بعد حضرت عمرؓ کے خلافت انہیں کو ملنی چاہئے اور اسلئے عام طور پر اُنکو ردیف کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔ عرب کے محاورہ میں ردیف اُسکو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اُس کام کو سنبھال سکے جو اُسکے سپرد تھا۔

حضرات نے متفق ہوکر رائے دی کہ آپ خود تشریف نہ لیجائیں۔ کسی کو امیر بناکر بھیجدیجئے۔ اگر فتح ہوگئی تو فہوالمراد۔ اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی تو دوسرے اور تیسرے کو مامور فرمائیے۔ اس کا اثر دشمن پر زیادہ پڑے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپکی اصلی رائے اوّل سے یہی تھی۔ مگر عوام کی تالیف اور تقویت کیلئے اُس پہلی رائے کو قبول فرمالیا تھا۔ اب آپ نے اعلان کردیا کہ ذی رائے اصحاب کا مشورہ یہ ہے کہ میں خود نجاؤں۔ اسلئے یہ ارادہ ترک کردیا گیا۔ اور بعد مشورہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو جو قبیلہ ہوازن پر عامل تھے امیر عسکر عراق بنایا گیا۔ اور آپ نے اُنکو طلب کرکے علم امارت عطا فرماکر ارشاد فرمایا:-

لَا یَغُرَّنَّكَ مِنَ اللهِ اَنْ قِیْلَ خَالُ رَسُوْلِ اللهِ وَصَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ فَاِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا یَمْحُو السَّیِّءَ بِالسَّیِّءِ وَلٰکِنَّہٗ یَمْحُو السَّیِّءَ بِالْحَسَنِ فَاِنَّ اللهَ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَحَدٍ نَسَبٌ اِلَّا طَاعَتُہٗ فَالنَّاسُ شَرِیْفُهُمْ وَوَضِیْعُهُمْ فِیْ ذَاتِ اللهِ سَوَاءٌ اَللهُ رَبُّهُمْ وَهُمْ عِبَادُہٗ یَتَفَاضَلُوْنَ بِالْعَافِیَةِ وَیُدْرِکُوْنَ مَا عِنْدَہٗ بِالطَّاعَةِ فَانْظُرِ الْاَمْرَ الَّذِیْ رَاَیْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَلْزَمُہٗ مُنْذُ بُعِثَ اِلٰی اَنْ فَارَقَنَا فَالْزَمْہُ فَاِنَّہُ الْاَمْرُ۔ هٰذِہٖ عِظَتِیْ اِیَّاكَ اِنْ تَرَکْتَهَا وَرَغِبْتَ عَنْهَا حَبِطَ عَمَلُكَ وَکُنْتَ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔

اِسپر غرہ نکرنا کہ لوگ تمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں یا رفیق اور صحابی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برے عمل سے کبھی نہیں مٹاتا۔ البتہ اچھے عمل سے برائیاں محو کردیجاتی ہیں۔ اللہ اور بندوں میں کوئی رشتہ قرابت نہیں ہی۔ اگر علاقہ ہے تو صرف اطاعۃ کا۔ آدمی شریف ورذیل۔ اعلیٰ وادنیٰ اللہ کے یہاں سب برابر ہیں۔ اُن میں باہم تفاوت مراتب ہی تو عافیت نفس اور گناہوں سے بچنے میں۔ وہ اُسکے انعامات و اکرامات کو صرف طاعۃ کے ذریعہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ تم اُس طریقہ کو مضبوطی سے پکڑو جسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے وفات تک قایم رہے۔ بس یہی میری نصیحت ہے۔ اگر تمنے اُسکو چھوڑدیا تو پہلے اعمال صالحہ بھی حبط اور محو ہوجائینگے۔

اور جب حضرت سعد رخصت ہونے لگے تو اُنکو علٰحدہ بلاکر خاص ہدایات فرمائیں۔ جو حکمت سے لبریز تھیں۔ اُن ہدایات کو حضرت عمر ہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہے۔

ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ وَلَّیْتُکَ حَرْبَ الْعِرَاقِ فَاحْفَظْ وَصِیَّتِیْ فَاِنَّکَ تَقْدَمُ عَلٰی اَمْرٍ شَدِیْدٍ کَرِیْہٍ لَا یُخَلِّصُ مِنْہُ اِلَّا الْحَقُّ فَعَوِّدْ نَفْسَکَ وَمَنْ مَعَکَ الْخَیْرَ وَاسْتَفْتِحْ بِہٖ۔ وَاعْلَمْ اَنَّ لِکُلِّ عَادَۃٍ عَتَادًا فَعَتَادُ الْخَیْرِ الصَّبْرُ۔ فَالصَّبْرَ الصَّبْرَ عَلٰی مَا اَصَابَکَ وَنَابَکَ یَجْتَمِعْ لَکَ خَشْیَۃُ اللّٰہِ وَاعْلَمْ اَنَّ خَشْیَۃَ اللّٰہِ تَجْتَمِعُ فِیْ اَمْرَیْنِ فِیْ طَاعَتِہٖ وَاجْتِنَابِ مَعْصِیَتِہٖ وَاِنَّمَا اَطَاعَہٗ مَنْ اَطَاعَہٗ بِبُغْضِ الدُّنْیَا وَحُبِّ الْاٰخِرَۃِ وَعَصَاہُ مَنْ عَصَاہُ بِحُبِّ الدُّنْیَا وَبُغْضِ الْاٰخِرَۃِ۔ وَلِلْقُلُوْبِ حَقَائِقُ یُنْشِئُہَا اللّٰہُ اِنْشَاءً۔ مِنْہَا السِّرُّ وَمِنْہَا الْعَلَانِیَۃُ فَاَمَّا الْعَلَانِیَۃُ فَاَنْ یَکُوْنَ حَامِدُہٗ وَذَامُّہٗ فِی الْحَقِّ سَوَاءً وَاَمَّا السِّرُّ فَیُعْرَفُ بِظُہُوْرِ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ وَبِمَحَبَّۃِ النَّاسِ فَلَا تَزْہَدْ فِی التَّحَبُّبِ فَاِنَّ النَّبِیِّیْنَ قَدْ سَاَلُوْا مَحَبَّتَہُمْ وَاِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا حَبَّبَہٗ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا بَغَّضَہٗ

(میں تمکو عراق کا امیر عسکر بنا کر بھیجتا ہوں۔ میری یہ وصیت یاد رکھنا کہ تم ایک سخت اور دشوار کام کے لئے جاتے ہو۔ جس سے خلاصی کی صورت بجز اتباع حق کچھ نہیں۔ اپنے نفس کو عمل خیر کی عادت ڈالو۔ اور اُسی کے وسیلہ سے فتح کو طلب کرو۔ اور جان لو کہ ہر ایک عادت کیلئے سامان اور اسباب ہوتے ہیں۔ خیر کا سامان اور سبب صبر ہے۔ جو مصیبت یا حادثہ پیش آئے اُسمیں صبر کو لازم پکڑو۔ ایسا کرنے سے خوف خدا تمہارے اندر پیدا ہوگا۔ اور یاد رکھو کہ خوف خدا کی دو ہی علامتیں ہیں۔ اُسکے حکم کی اطاعت کرنا۔ اور معصیۃ و نافرمانی سے بچنا۔ اطاعت خداوندی وہی شخص کرتا ہے جو دنیا سے نفرت کرے اور آخرت کی طرف راغب ہو اور معصیت کا سبب فقط دنیا کی محبت اور آخرت سے بے رغبتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قلوب میں خاص اوصاف اور عمدہ کیفیات راسخ فرما دیتا ہے۔ جنکے بعض ظاہر آثار ہیں اور بعض مخفی۔ ظاہر تو یہ ہیں کہ حق کے اتباع میں کسی کی مدح و ذم کی پرواہ باقی نہ رہے۔ اور مخفی یہ ہیں کہ حکمت کا دروازہ اُسپر کھولدیا جاتا ہے۔ اور اُسکا ظہور زبان کے ذریعہ سے ہونے لگتا ہے۔ اور وہ محبوب خلائق بنجاتا ہے۔ تم اندیشہ مدارات خلق یا شائبہ ریا سمجھکر اس امر سے اعراض نکرنا۔ انبیا علیہم السلام نے بھی محبوب خلائق بنی کی خواہش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے

فَاعْتَبِرْ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی بِمَنْزِلَتِكَ عِنْدَ النَّاسِ مِمَّنْ يَشْرَعُ مَعَكَ فِي أَمْرِكَ ۔

تو مخلوق میں اُسکو محبوب بنا دیتا ہے۔ اور جب کوئی اُسکے یہاں مبغوض ہوتا ہے تو مخلوق میں اُسکو مبغوض و مردود بنا دیتا ہے۔ تم اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں تمہارا کیا مرتبہ ہے۔ تو جو خواص بندگان خدا تمہارے ہمراہ اور تمہارے کام میں شریک ہیں اُن کے نزدیک اپنے مرتبہ اور قدر و منزلت کو دیکھ لو۔

اسکے بعد حضرت سعد روانہ ہوئے۔ اور حضرت عمر ضرار سے اعوص تک اُنکو رخصت کرنے کے واسطے تشریف لیگئے۔ اور وہاں پہونچکر عام لشکر کو نصیحتیں فرمائی۔ اسکے بعد ہر قبیلہ معہ اپنے سرداروں کے آپ کے سامنے سے گذرنا شروع ہوا۔ آپ اُنکو دیکھکر خوش ہوتے تھے۔ لیکن جب قبیلہ سکون آپ کے سامنے سے گذرا تو چہرہ مبارک پر آثار کراہتہ وانقباض ظاہر ہوئے اور آپ نے اُدھر سے مُنہ پھیر لیا۔ لوگ اس حال کو دیکھکر سخت متعجب تھے۔ حضرت عمرؓ اُنکی روانگی کے بعد بھی کراہتہ اور ناراضی کا اظہار فرماتے تھے۔ اسوقت تو کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آیا مگر عرصہ کے بعد اُسکی حکمت ظاہر ہوئی۔ اُسی قبیلہ میں وہ شخص تھا جسنے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا۔ اور اُسی میں ابن ملجم[1] بھی تھا۔ جسنے اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب

[1] عبد الرحمن بن ملجم مرادی۔ برک بن عبد اللہ تمیمی۔ عمرو بن بکر۔ یہ تینوں شخص فرقہ خارجیہ سے تھے۔ ایک روز ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اسوقت اس گمراہ فرقہ (اہلسنت) کے جو سربرآوردہ اور امام ہیں اُنکو قتل کر دیا جائے تو دنیا بھی امن سے ہو جائے اور نہروان میں جو ہمارے گروہ کے صنحار قتل ہوئے ہیں انکا بدلہ بھی ہو جائے۔ برک بن عبد اللہ نے تو امیر معاویہ کا ذمہ لیا۔ اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کا اور اُن میں کے شقی تر ابن ملجم نے حضرت علی کے شہید کرنے کا عہد کیا۔ اس قرار داد کے بعد تینوں روانہ ہوئے۔ ابن ملجم کوفہ پہونچا تو وہاں ایک نہایت باجمال عورت قطام سے جو اُسکے ہم مذہب بھی ملنا ہو گیا جسکو دیکھکر یہ فریفتہ ہو گیا اور فوراً نکاح کا پیام دیدیا قطام نے کہا اس شرط پر منظور ہے کہ میرے مہر میں تین ہزار درہم ایک غلام اور ایک باندی دے اور حضرت علی کو قتل کر دے۔ ابن ملجم نے کہا قتل علی کی شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ تجھکو نکاح کرنا منظور نہیں ہے۔ کیونکہ میں زندہ نہیں بچ سکتا۔ قطام نے کہا اگر زندہ بچگیا تو فهو المراد ورنہ آخرۃ کی نعمت و لذت کافی ہے۔ ابن ملجم تو خود ہی اس ارادہ سے

کو قتل کرکے اپنی شقاوت کا ثبوت دیا۔ اور اُن ہی میں معاویہ بن حدیج بھی تھا جسنے حضرت عثمان کے بدلہ لینے کو بہانہ بناکر مسلمانون پر قتل وظلم کا بازار گرم کیا اور اُن ہی میں حصین بن نمیر بھی تھا جسنے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بہت کچھ حصہ لیا۔

غرض فتنہ پردازوں کا جتھا اس قبیلہ میں موجود تھا۔ اور یہ وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُنکی عورت سے بیزار اور عراق جانے کو بُرا سمجھتے تھے۔ اسوقت گو ان لوگوں میں اس قسم کی فتنہ پردازی کی کوئی بات نہ تھی اور اسی وجہ سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُنکی شرکت جہاد سے کیوں منقبض ہیں اسوقت تو یہ بھی قادسیہ کے لشکر کے سپاہی تھے۔ مگر اُن میں مادہ فتنہ موجود تھا۔ جسکا ظہور اسوقت سے سترہ اٹھارہ سال بعد ہوا۔

الغرض اس اہتمام کے ساتھ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو رخصت کیا۔ اور ہر قسم کی ہدایات اُنکو کردیں اور اُنکی روانگی کے بعد بھی برابر امداد کے لئے لشکر بھیجتے رہے۔ اور اس طرح حضرت مثنیٰ کی فوج ملاکر کچھ اوپر تیس ہزار لشکر قادسیہ کے معرکہ کیلئے بہم پہونچا۔

اتفاقی امر ہے کہ حضرت سعد ابھی مقام زرود تک ہی پہونچے تھے کہ تجربہ کار اور بیدار مغز امیر عراق مثنیٰ ابن حارثہ کا انتقال ہوگیا۔ مگر اُنھوں نے انتقال سے قبل جنگ کے متعلق ضروری ہدایات لکھکر ایک شخص کو دیں کہ فوراً حضرت سعد کے پاس پہونچادیجاویں۔

ان ہدایات میں یہ بھی تھا کہ ناف فارس میں داخل ہوکر ہرگز جنگ نہ کریں۔ بلکہ لڑائی کے لئے ایسے موقع کو منتخب کریں جو عرب اور فارس کی سرحد پر ہو۔ تاکہ اگر اُس عظیم الشان پیش آنے والے معرکہ میں مسلمان فتحیاب ہوں تو بیش قدمی سہل ہے اور اگر کوئی دوسری بات پیش آوے تو وہ اپنی حدود میں داخل ہوکر حالت کو سنبھالنے اور دوبارہ حملہ کرنے کے قابل ہوجائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) آیا تھا۔ اب نکاح کی طمع نے اور بھی مستعد کردیا۔ اندھیرے سے مسجد میں جابیٹھا اور جب حضرت علیؓ نماز صبح کو تشریف لائے تو تلوار ماری جس سے آپ شہید ہوئے۔ اسی قصہ کو خوارج کے ایک شاعر نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

فلم مهرا ساقه ذو سماحة عرب و عجم میں کسی صاحب ہمت نے	کمهر قطام بين عرب واعجم قطام کے مہر کی برابر مہر نہیں دیا
ثلاثة آلاف وعبد وقينة تین ہزار درہم۔ ایک غلام۔ ایک باندی	وقتل علي بالحسام المصمم اور علی (کرم اللہ وجہہ) کا مضبوط تلوار سے قتل کرنا
فلا مهرا غلى من قطام وان غلا کوئی مہر کتنا ہی بڑا ہو قطام کے مہر سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔	ولا فتك الا دون فتك ابن ملجم اور کوئی حملہ ابن ملجم کے حملہ سے بڑھا ہوا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی رائے لکھی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے اور مثنی کے لشکر کو جمع کر کے قادسیہ پر مقام کریں۔

حضرت سعد ان ہدایات پر کار بند ہو کر قادسیہ پہونچگئے۔ اور یہی موقع اس معرکہ کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب بھی تھا۔

(۲) یہ تو مسلمانونکی حالت تھی کہ اُنھوں نے خبر پاتے ہی مقابلہ کا سامان مکمل کرلیا۔ لیکن مداین پایہ تخت فارس میں کیا ہو رہا تھا۔ ہم اُسکا حال بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔

یزدجرد کی تخت نشینی کے بعد تمام قوّۃ یکجا ہو کر ہر قسم کا سامان مکمل ہوچکا تھا اور وہ بہمہ وجوہ مقابلہ بلکہ عرب کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے تیار بیٹھی تھی۔ فوجیں سلسلہ وار چھاونیوں میں مقیم لگاتار امداد کو تیار تھیں کہ اسی درمیان میں دیہات عراق کے باشندوں نے حضرت سعد کے قادسیہ پہونچنے اور مواضع متصلہ پر حملہ کرنیکی خبر بھیجکر فریاد کی۔

یزدجرد نے رستم کو طلب کر کے کہا کہ میں تجھکو اسلامی لشکر کے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں آج فارس بھر میں تجھسے بڑھکر کوئی شخص نہیں ہے اگر اوّل ہی مرتبہ ایک سخت حملہ اور زبردست قوۃ کے ساتھ اُنکا قلع قمع کردیا گیا تو اُنکے حوصلے پست ہوجائینگے۔ اور پھر ہم خود اُنکے گھر پر حملہ کر کے اُنکو غلام بنائینگے۔

رستم نے کہا کہ میری رائے اسکے بالکل خلاف ہے۔ عرب کے دل میں عجم کا رعب اُسیوقت تک ہے جب تک میں اُنکے مقابلہ کیلئے نہ نکلوں۔ اگر اوّل مرتبہ ہی اُنکے مقابلہ کیلئے میں نکلا تو وہ بالکل جری ہوجائینگے اور جان توڑ کر مقابلہ کرینگے۔ کیونکہ میرے مقابل ہونیکو فارس کے آخری اور پوری کوشش سمجھینگے۔ رائے یہ ہے کہ ہم یکے بعد دیگر بڑے بڑے تجربہ کار افسروں کو بھیجتے رہیں۔ اگر فتح ہوئی تو فبہا۔ ورنہ دوسرے کو بھیجا جائیگا و علی ہذا۔ اسمیں ہمیں کامیابی کی اُمید ہے۔ میرے یہاں مقیم رہنے میں بقاء سلطنت ہے۔ ورنہ اسیوقت سے سلطنت کا زوال سمجھئے۔

یزدجرد نے نمانا تو رستم نے پھر باصرار یہی کہا کہ مجھے سلطنت کی تباہی آنکھوں سے نظر نہ آتی تو میں کبھی اپنی عظمت اور بڑائی کا اظہار نہ کرتا۔ میں آپکو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے

نہ بھیجیں۔ میں یہیں مقیم رہوں اور جالینوس کو مقابلہ کیلئے بھیجدوں۔ فتح ہو تو ہو المراد۔ ورنہ دوسرے کو بھیجا جائیگا۔ اور جب کہ عرب لڑتے لڑتے ضعیف اور سست ہو چکے ہونگے میں اپنی تازہ قوۃ سے اُن پر ٹوٹ پڑونگا۔ لیکن جب کسریٰ نے کسی طرح نمانا تو مجبوراً مقابلہ کیلئے نکلا۔ اور ساٹھہ ہزار کی جمعیت کو لیکر ساباط میں جاکر ڈیرہ ڈالا۔ یہاں پہونچکر بھی مقابلہ سے معاف کئے جانیکا پیام بھیجا۔ مگر منظور نہوا۔

(۳۷) حضرت سعد کو دو ماہ سے زیادہ قادسیہ میں گذر چکے تھے جب رستم کے ساباط پہونچنے کی خبر ملی تو حضرت عمر کی خدمت میں اطلاع بھیجی۔ وہاں سے جواب آیا:۔

لَا يَكْرِبَنَّكَ مَا يَاتِيكَ عَنْهُمْ وَ اسْتَعِنْ بِاللهِ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَابْعَثْ اِلَيْهِ رِجَالًا مِنْ اَهْلِ الْمُنَاظَرَةِ وَالرَّاْيِ وَالْجَلَدِ يَدْعُوْنَهٗ فَاِنَّ اللهَ جَاعِلٌ دُعَاءَهُمْ تَوْهِيْنًا لَهُمْ۔	(تم اُنکے ساز و سامان سے نہ گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ سے استعانت طلب کرو۔ اور اُسی پر بھروسہ رکھو۔ یزدجرد کے پاس چند ذی رائے اور بہادر لوگ دعوت اسلام کیلئے بھیجو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس دعوت سے اُنکے ارادوں میں سستی پیدا ہو گی۔)

حضرت سعد نے دو قسم کے لوگوں کا انتخاب کیا۔ ایک وہ جو خاندانی اور مشہور مدبر و ذی رائے تھے۔ دوسرے وہ جو ذی رائے ہونے کے ساتھ قوی ہیکل۔ تنومند۔ وجیہ اور صاحب رُعب تھے۔ اس قسم کے تیرہ اشخاص کو کسریٰ کے پاس بھیجا اور نعمان بن مقرن کو اس جماعت کا امیر بنایا۔ یہ جماعت ساباط میں گذرتی ہوئی سیدھی مداین پہونچی رستم کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ یزدجرد کو اطلاع ملی تو اُسنے وزراء اور امراء سلطنت کو جمع کرکے اس جماعت دعاۃ کو دربار میں طلب کیا اور دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ملک فارس پر چڑھائی کرنے اور ہمسے لڑنے کی کیا وجہ ہے کیا تمکو اسوجہ سے جرأت ہو گئی کہ ہم تمھاری طرف سے غافل تھے۔

نعمان نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمپر رحم فرمایا۔ اپنے برگزیدہ رسول صلعم کو بھیجا جنکے ذریعہ سے ہمکو ہدایت ہوئی۔ آپ نے ہمکو اعمال صالحہ کا حکم دیا۔ اور اعمال بد سے روکا اور اُسکے قبول کر لینے پر دنیا و آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ قبائل عرب

یکے بعد دیگرے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ نے ہمکو حکم دیا کہ عرب سے متصل جو ملک ہیں ہم انکو بھی دعوت اسلام پہونچائیں۔ اسلئے ہم تمکو اس بہترین دین کی طرف بلاتے ہیں جس نے اچھی اور بھلی باتوں کی ترغیب دی۔ اور قبیح باتوں سے نفرت دلائی۔ اگر تمنے اسکو قبول کرلیا تو تم اپنے ملک پر بدستور حکمراں وقابض رہو۔ ہم کتاب الٰہی تمھارے پاس چھوڑ جائینگے اسکا اتباع لازم ہوگا اگر تم اسکو نہ مانو دو سخت باتوں میں سے سہل بات کو یعنی جزیہ دینے کو قبول کرو۔ اگر جزیہ قبول کرلیا تو ہم تمھاری جان ومال کی حفاظت کرینگے۔ ورنہ پھر مقابلہ اور لڑائی کیلئے تیار ہو جاؤ۔"

یزدجرد نے یہ برجستہ تقریر سُنکر کہا۔ کہ دنیا میں تم اہل عرب سے زیادہ کوئی قوم حقیر و ذلیل نہ تھی نہ تمھارا شمار زیادہ تھا اور نہ تمھارے پاس کچھ سامان تھا۔ تم ملک فارس کے مقابلہ کی طمع نہ کرو اگر تم اس دھوکہ میں آئے ہو کہ ہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے تو یہ خیال غلط ہے اور اگر تنگدستی سے مجبور ہو کر نکلے ہو تو ہم تمکو کھانے پینے کا سامان دینگے۔ اور کسی نرم خو حاکم کو تمپر امیر مقرر کرینگے۔ یہ سنکر جماعت دعاۃ کو تھوڑی دیر کیلئے سکوت ہوا۔ انکو بڑ دھڑک گفتگو کرنے میں شرف اور حیا مانع ہوتی تھی۔ مگر یہ سکوت دیر تک قایم نہ رہا۔ مغیرہ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کسریٰ سے کہا۔ کہ

"یہ لوگ عرب کے سردار اور خاندانی شریف اور بزرگ ہیں۔ اور خاندانی شریف و سردار ہمیشہ شریفوں کی عزت اور حفظ مراتب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اسوجہ سے ابتک پورا پیام جسکے لئے بھیجا گیا تھا ادا نہیں کیا۔ اب میں تمکو کہتا ہوں سُنئے۔ ہماری تنگدستی۔ فقر و فاقہ۔ ذلت وقلت کی جو آپ نے بیان کی بالکل درست اور بجا ہے۔ ہم ایسے ہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس ہماری ذلت پر رحم فرماکر ہمارے اندر اپنے محبوب رسولؐ کو بھیجا۔ مغیرہ نے نعمان کی گفتگو کا سارا خلاصہ بیان کرکے آخر میں کہا کہ اب اسکے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ یا اسلام لاؤ یا ذلیل ہو کر جزیہ دو ورنہ ہمارے تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کریگی۔"

یہ بیباکانہ اور دلیرانہ گفتگو اوّل ہی سے امراء دربار پر بیحد گراں گذر رہی تھی۔ مگر اس جواب کو سُنکر تو یزدجرد غصّہ میں بھر گیا۔ اور کہا کہ اگر قاصدوں کو قتل کرنا خلاف قانون دنیا نہوتا تو میں تمکو قتل کرادیتا۔ میرے یہاں سے تمکو کچھ نہیں ملسکتا۔ اپنے امیر سے کہدینا کل رستم کو بھیجونگا جو امیر کو اور اُسکے ساتھ تمکو قادسیہ کی خندق میں دفن کردیگا۔ اور پھر وہ تمھارے ملک پر تباہی نازل کریگا۔ اسکے بعد یہ حکم دیا کہ مٹی کی بڑی سی گٹھڑی بناکر ان میں سے سب سے زیادہ شریف اور سردار کے سر پر رکھدیجائے۔ یہ سُنتے ہی عاصم بن عمر نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں سب سے زیادہ شریف ہوں۔ میری گردن پر رکھدیجائے۔ وہ اُسکو لیکر نکلے اور فوراً سوار ہوکر حضرت سعد کو بشارت دی کہ لیجیئے اللہ تعالیٰ نے ارض فارس آپ کو عطا فرمائی ہے۔

رستم بھی ساباط سے آگیا تھا۔ یزدجرد نے کہا کہ عرب میں اس سے زیادہ سمجھدار حاضر جواب اور شجاع دوسرے لوگ نہونگے۔ تم اہل عجم بھی اس سے بہتر جواب نہ دیسکتے تھے۔ بیشک وہ جو گفتگو کرتے تھے صدق و یقین پر مبنی تھی۔ اور بیشک اُن سے فتوح ممالک کا وعدہ کیا گیا۔ جسکو وہ حاصل کرکے رہیں گے مگر اُن میں کا سردار احمق تھا اُسنے مٹی اُٹھاکر اپنے سر پر رکھ لی۔ رستم نے کہا وہ سب سے زیادہ سنجیدہ تھا وہ اُسی بات کو سمجھا جسے دوسرے سمجھے تھے۔ (باقی آیندہ)

الرشید

القاسم کے اجراء کے وقت ظاہر کیا گیا تھا کہ عنقریب الرشید بھی جاری کیا جائیگا باوجودیکہ اس وعدہ کو تقریباً ڈیڑھ سال گذر گیا اور اس عرصہ میں اکثر حضرات نے مکرر یاددہانی بھی کی مگر اسوجہ سے کہ ابھی تک القاسم کے بروقت اجراء کا بھی قابل اطمینان بندوبست نہوا تھا۔ وہ وعدہ پورا نہو سکا۔ اب چونکہ بحمداللہ دیوبند میں مطبع ہوجانیکی وجہ سے القاسم کا بندوبست قابل اطمینان ہوگیا ہے اسلئے خیال ہے کہ جسقدر جلد ممکن ہو الرشید کے اجراء کا وعدہ بھی پورا کیا جائیگا۔ اور اُن حضرات کو جو اس متبرک رسالہ کے بصد شوق منتظر ہیں زیادہ انتظار میں نرکھا جائے۔ لیکن قبل اسکے کہ اُسکو جاری کیا جائے۔ اہل الرائے اور ناظرین القاسم سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ کہ آیا یہ مناسب ہوگا کہ الرشید کو القاسم کا ضمیمہ بناکر اُسکے حجم کے موافق قیمت بڑھادیجائے۔ یا اُسکو مستقل اور جُداگانہ جاری کیا جائے اور علیحدہ مستقل ہو تو القاسم ہی کے کاغذ و حجم کے موافق یا کاغذ ہلکا ہو اور اُسی نسبت سے قیمت بھی گھٹا دیجائے

ہمیں اُمید ہے کہ جملہ حضرات جنکی نظر سے یہ مضمون گذرے اظہار رائے میں تاخیر یا بخل نفرمائینگے۔ ایک دینی اور مفید رسالہ کیلئے جو صورت بہتر ہو اُسکو صاف تحریر فرماویں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ جن حضرات کو الرشید کا جاری کرانا منظور ہو وہ بہت جلد تحریر فرماویں تاکہ معقول تعداد خریداران پیدا ہوجانے پر اُسکے اجراء میں تاخیر نہو۔

حبیب الرحمٰن مدیر القاسم

فہرست چندہ دار الحدیث جو بعد اشاعت القاسم ماہ ذیقعدہ ۲۹ھ وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	از متروکہ صادق النساء بی بی صاحبہ مرحومہ اہلیہ عالیجناب مولانا مولوی نواب عبد الجبار خانصاحب سی۔ آئی۔ ای رئیس کسیارہ ڈاکخانہ بیراگی تلہ ضلع بردوان	صما/ ۵۰۰
۲	عالیجناب مولانا مولوی نواب عبد الجبار خانصاحب سی۔ آئی۔ ای رئیس کسیارہ ڈاکخانہ بیراگی تلہ ضلع بردوان	ما/
	منجانب حضور سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	عـه/
	منجانب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضہ	عـه/
	منجانب سیدنا حضرت عمر فاروق رضہ	عـه/
	منجانب سیدنا حضرت عثمان غنی رضہ	عـه/
	منجانب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ	عـه/
	منجانب سیدۃ النساء فاطمہ بنت رسول اللہ	عـه/
	منجانب جد اعلی ام مخدوم شاہ فخر الدین قریشی زاہدی قدس سرہ	عـه/
	منجانب جد اعلی ام مخدوم شاہ بدر الدین بدر عالم قدس سرہ	عـه/
	منجانب جدم شاہ غلام شاہ بدر قریشی زاہدی مغفور	عـه/
۳	از فروختگی نونگ طلائی جڑاؤ دو بار کی ۳۶ ٹکیہ عطیہ منشی حافظ محمد صدیق صاحب انسپکٹر بنارس ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور منجانب اہلیہ خود	مالعـه/
۴	جناب مولانا حافظ عبد الرب صاحب جونپوری	ما/
۵	معرفت مولوی منیر احمد صاحب[لہ] ہیڈ کلرک محکمہ جنگلات بلوچستان کوئٹہ۔	صه/ ۸
۶	عالیجناب عبد الغفور خانصاحب رئیس شہر بنارس معرفت مولوی محمد سعید صاحب سب رجسٹرار بلیا	صه
۷	معرفت مولوی ناظر صاحب مدرس مدرسہ سرکاری چاٹگام	للعـه/ ۲
۸	منشی کلن خانصاحب گرداور قانونگو تحصیل بریلی	دعـه/
	خود صه/ زوجہ منشی صاحب صه/ والدین منشی صاحب عـه/ از جانب حضرت مولانا اشرف علی صاحب صه/	
۹	ہنگام عید الضحی بمقام سرونج معرفت مولوی سید یوسف علی صاحب وکیل سرونج	عـه/
	معرفت منشی محمد محمود صاحب از سرونج	صه/
۱۰	معرفت مولوی حکیم محمد مسعود احمد صاحب[لہ] گنگوہی	للعـه ۱۲/۴
۱۱	تلا ولد الہی بخش صاحب خورجوی	عما/
۱۲	منشی عبد الحمید خانصاحب رائے پوری	صه/
۱۳	منشی عبد اللہ خانصاحب خورجوی	صه/
۱۴	مولوی ریاض الدین صاحب مدرس مدرسہ عالیہ میرٹھ	عمه/
۱۵	مولوی محمد فاضل صاحب پھلتی	ما/
۱۶	شیخ چندو صاحب ساکن جائس	۲/
۱۷	عبد الرحیم صاحب "	۲/
۱۸	مولوی عبد السلام صاحب ساکن ٹوہانہ ضلع حصار	ملے/
۱۹	منشی فضل احمد صاحب از گیا	سے/
۲۰	منشی احمد صاحب چٹھی رسان فیروزپور جرکہ	عما/
۲۱	حافظ عبد الستار صاحب تاجر جونپور	عما/
۲۲	مولوی عبد الحق صاحب ساکن سردہنہ	عما/
۲۳	شخصے معرفت مولوی ابو البشر صاحب جونپوری	عـه/
۲۴	مولوی سراج الدین احمد صاحب مدرس مدرسہ رشیدیہ جھجھری رامو منجانب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عمه/
۲۵	حاجی محمد فضل صاحب دہلوی منجانب زوجہ خود ۸/ و منجانب جملہ امہات المومنین یعنی یازدہ ازواج مطہرات عہ/	عمه/ ۸
۲۶	حاجی خان محمد صاحب طالب العلم مدرسہ قادریہ حسینپور ضلع مرادآباد	عمه/
۲۷	حافظ عبد اللہ خانصاحب رئیس چندیانہ	سے/
۲۸	مولانا مولوی ابو البرکات محمد عبد الحی صاحب مقیم ہیبت نگر ضلع میمن سنگھ	عما/

[لہ] روئداد سالانہ ۲۹ھ میں تفصیل اسکی طبع ہوگی۔

نمبر	نام	رقم
۲۹	مولوی سید رضی اللہ صاحب ساکن ہیبت نگر ضلع میمن سنگہ ۔ مفصلہ ذیل ۔	۵عہ/
	منجانب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے/ کیلیے	
	منجانب مولویصاحب خود	۲
	منجانب مولانا اشرف علیصاحب	۲
	منجانب مولانا عبدالحق صاحب	۲
	منجانب صفدر حسین اللہ صاحب	۱۲
۳۰	مولوی سید احمد علیصاحب تحصیلدار نیاہیڑا علاقہ ریاست ٹونک	صہ/
۳۱	مولوی حکیم اقبال احمد صاحب سیکروی	۸/
۳۲	مولوی محمود صاحب ساکن بریلی محلہ بھوڑ	صہ/
۳۳	ازجانب سیدنا و مرشدنا مولانا فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ۔ عطیہ حاجی کریم داد خانصاحب نیؤسپرنٹنڈنٹ ریاست ستمبر	۱۲/
۳۴	مولوی انوار الحسن صاحب ساکن رتہیڑی	صہ/
۳۶	ازجانب مرشدی المرشد حضرت شاہ حاجی محمد امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانوی مہاجر مکہ عطیہ حاجی کریم داد صاحب موصوف الصدر	۱۲/
۳۷	ڈاکٹر کریم اللہ صاحب اسسٹنٹ سرجن ریاست ستمبر ضلع جھانسی	۸/
۳۸	مولوی خلیل الدین صاحب ساکن بھوپال	۱۲
۳۹	منشی احمد الدین صاحب صدر خزانہ دار از بیڑ معرفت مولوی عبدالرحمن صاحب	۴/
۴۰	معرفت منشی محمد ذکریا صاحب کوتوال سرونج تفصیل انکی روداد سالانہ ۲۹ھ میں طبع ہوگی ۔	۵عہ
۴۱	عبداللہ خانصاحب خورجوی	عصہ/
۴۲	مولوی سید فخر اللہ صاحب امین کرور گیری حیدرآباد دکن	صہ/
۴۳	مولوی محمد الدین صاحب خورجوی از بہڑوچ بالنواڑہ	۸/

القاسم

شعبان ۱۳۲۸ھ سے رجب ۱۳۲۹ھ تک جلد اوّل کامل ہوگئی ہے اور اُسکی جلدیں موجود ہیں مجلد کی قیمت ۱۲ ہے اور بلا جلد ۱۲ معہ محصول ۔ جلدیں نہایت نفیس ہیں ۔

جلد دوم شعبان ۲۹ھ سے شروع ہوئی ہے اور پانچ پرچے شائع ہوچکے ہیں جو صاحب درمیان سال سے خریدار ہونگے اُنکو شعبان ۱۳۲۹ھ سے رسالہ بھیجا جاویگا البتہ جو حضرات ابتدا سے نہ لینا چاہیں اُنکو مجبور نہ کیا جاویگا ۔ سالانہ قیمت مع محصول ۱۲

جملہ خط و کتابت و ترسیل زر مولانا حبیب الرحمن صاحب یا خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے

الراقم

بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ماہوار رسالہ

(قیمت سالانہ معہ محصول عہ)

جلد ۲ — بابت ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۳۰ھ — نمبر ۶

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ محرم سنہ ۱۳۳۰ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

الرشید

گذشتہ نمبر القاسم میں الرشید کے متعلق رای طلب کی گئی تھی الحمد للہ بہت سے حضرات نے اسپر توجہ فرماکر اپنی بیش قیمت رایوں سے مطلع فرمایا لیکن ابھی بہت سے حضرات نے توجہ نہیں فرمائی۔ ہمیں امید ہی کہ باقی حضرات پوری توجہ سے کام لیکر بہت جلد اطلاع فرمادینگے۔

ہم انشاءاللہ تعالیٰ اِن رایوں کا خلاصہ اور الرشید کے مقاصد اور منافع اور القاسم اور الرشید کی نسبت پر مبسوط و مفصل مضمون لکھینگے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مربعہ نعتیہ فارسی

از مولانا مولوی سیّد محمد انور شاہ صاحب مدظلہم

دوش چوں از بے نوائی ہمنوای دل شدم — عہد ماضی یاد کردہ سوے مستقبل شدم
از سفر وا ماندہ آخر طالبِ منزل شدم — کز تگاپو سو بسو شامِ غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان ہم — فکر وہم ہمدم نفس اندر قفس زادِ رہم
پیش و پس بانگِ جرس از کارواں در ہر قدم — دیدۂ عبرت کشودم مخلصی نامد پدید

تا سروش غیب از الطاف قدسم یاد کرد — رحمت حق ہمچو من در ماندہ را امداد کرد
مأمنِ خیر الوریٰ بہرِ نجات ارشاد کرد — مقصد ہر طالب حق آں مرادِ ہر مرید

قبلۂ ارض و سما مرآت نورِ کبریا — سیّد و صدرِ علیٰ شمس ضحیٰ بدرِ دجیٰ
شافعِ روزِ جزا وانگہ خطیبِ انبیا — صاحبِ حوض و لوا ظلّ خدا روحِ عتید

صاحبِ خُلقِ عظیم و مظہرِ جود عمیم
آیتِ رحمت کہ شان او رؤفاست و رحیم
رحمت للعالمین خوانَدَش خداوندِ کریم
خَلق و خُلق و قول و فعلِ ہدی ستاو حمید

دستِ او بیضا ضیا اجود تر از بادِ صبا
حبذا وقتِ عطا ابرِ سخا آبِ بقا
وقف امر عالمے بر ضحکن رحمت لقا
عام اشہب از جمالِ طلعتش عیدِ سعید

داغِ مہرِ او چراغِ سینۂ اہلِ کمال
شورِ عشقش در سرِ عمّار و سلمان و بلال
ثبت بر ایمارِ وے نعمان و مالک بی مقال
والہِ آثارِ وے معروف و شبلی بایزید

از حدیثِ وے سمر در حیطۂ اہلِ اثر
مسلم و مثلِ بخاری وقف بر وصلِ سیر
سنتِ بیضارِ وے نورِ دلِ ہر بابصر
اتقیا را اسوۂ اقدامِ وے تقلیدِ جید

سیدِ عالم رسول و عبدِ ربِّ عالمین
آن زماں بودہ نبی کادمؑ بُد اندر ماء و طین
صادق و مصدوق وحیِ غیب مامون و امین
در ہر انچیز یکہ آورد است از وعد و وعید

(باقی آیندہ)

فلسفہ اور علم کلام
عقل و نقل

نمبر ۸

اس عنوان کی اہمیت اور گہرائی کو ملحوظ رکھکر عرصہ ہوا ایک بحث چھیڑی گئی تھی اور کئی ماہ تک القاسم میں اُسکا سلسلہ جاری رہا کیا۔ اُسکے بعد گو چند در چند عوارض نے ہکو اتنی مُہلت نہ دی کہ ہم اُسکو اور آگے بڑھا سکتے۔ مگر القاسم کے جو دقیق نتائج اس عنوان سے وابستہ ہیں ہم انکی طرف سے بہت زیادہ طویل غفلت اختیار کرنے کو بھی ہم برابر نامناسب سمجھتے رہے۔ انجام کار کچھ بزرگوں کا واجب التعمیل حکم۔ کچھ دوستوں کے تقاضے اور کچھ خود اپنی قلبی تحریکات پھر اُس سلسلہ کی یاد دہانی کا باعث ہوئیں۔ جسکو بعید العہد ہونے کی وجہ سے ہمارے ناظرین یقیناً فراموش کر چکے ہونگے۔ اور ہمارا آیندہ مضمون ہرگز اُنکے ذہن نشین نہ ہو سکیگا۔ تاوقتیکہ وہ کم از کم صفر و ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کے پرچوں کو دوبارہ دیکھنے کی زحمت گوارا فرماوینگے۔

ہمکو یہ اُمید ہے کہ جب ہمارا یہ مضمون تمام ہوکر پورا شائع ہو جائیگا یعنی جبکہ لوگ عقل صائب کا ٹھیک پیمانہ اور نقلیات کی صحت کے جملہ شرائط اور اُنکے قابل استناد ہونے کے صحیح معیار کو دریافت کر لینگے تو ذی عقل اور حق پسندوں کے نزدیک وہ تمام خلجانات رفع ہو جائینگے جو جنت و دوزخ عرش و کرسی اور جن و ملک وغیرہ خارج از احساس امور کے متعلق تمسخر آمیز لہجوں میں آجکل پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جنکی کمزوری کے اظہار کا **تہذیب الاخلاق** کی نئی زندگی نے لوگوں کو بیقراری کیساتھ منتظر بنا دیا ہے۔

سلسلۂ کلام کے واسطے مناسب ہے کہ ہم اپنے مضمون کا وہ فقرہ پھر یہاں نقل کر دیں جسپر رشتہ مضمون ٹوٹا تھا۔ (دیکھو پرچہ القاسم ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ)

وہو ہذا

”مگر اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فیوضات

اخذ کرنے اور اُسکے علوم و کمالات کا مظہر بننے کے واسطے انسان میں کن شرائط کی ضرورت ہے یا بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کے مدرسہ میں طب روحانی کا حصول کس استعداد پر موقوف ہے"

بلاشبہ اس قسم کے عمیق مباحث میں دخل دینے کا ہمکو کچھ استحقاق نہیں ہے۔ اور جس وادی میں ہم قدم زن ہونیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس کو باسانی قطع کرلینے کا خیال محض ہماری فکر کے خارج از حوصلہ بلند پروازی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن اُس ناواقف مسافر کو راستہ کی مشکلات کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے جسکی دستگیری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا مبصر اور تجربہ کار ہادی موجود ہو۔ ہم پہلے بھی جن تیرہ و تاریک راہوں کو طے کرکے اس مقام تک پہنچے ہیں اُن میں کو گذرنا آسان نہ تھا اگر قاسمی تصنیفات ہمارے لئے مشعل راہ نہ ہوتیں اور اب بھی انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ اُن ہی کی روشنی میں منزل پیش آمدہ کے مہالک و خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم اپنے مقصد اعلیٰ پر صاف جا پہنچیں گے۔ وہ ذات بابرکات جسکی قوۃ قدسیہ نے شریعت صادقہ کے پیچ در پیچ اور نظری در نظری اسرار کو بھی بداہت کی حدود کے قریب لا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ خود دُنیا سے اُٹھ گئے مگر اُنکی قیامت تک نہ مٹنے والی یادگاریں ہماری رہنمائی کے واسطے زندۂ جاوید ہیں۔

اسمیں ہرگز مبالغہ نہیں کہ اگر حضرت مولانا محمد قاسم (روحی وارواحکم فداہ) کی بیش بہا کتابوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بیخوف و خطر قلم اُٹھانے کی جرأت نہ کرسکتا۔ اسلئے یہ سخت احسان فراموشی اور خیانت متصور ہوگی کہ میں کسی ایسے مضمون کو اپنی طرف منسوب کرکے جو درحقیقت حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف سے اخذ کیا گیا ہو اپنی غیر واقعی عظمت و تفوق کا ثبوت پیش کروں۔ میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا کے عالی مضامین میرے پیرایۂ بیان میں اس طرح ادا ہوجایا کریں کہ اُنکی تعبیر میرے مدّعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو۔ اور اپنے قصور فہم یا پریشان تقریری کی وجہ سے دلائل کی تقریب ناتمام نہ رہے۔ چنانچہ اسوقت بھی جس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے اسمیں میرا صرف اسی قدر تصرف ہوگا۔

یہ بحث جسکی ابتداء سے آج ہماری تحریر کی دوبارہ ابتداء ہوتی ہے فی الحقیقت نبوۃ کی بحث ہے اور ہکو ہٹ دھرمی اور دھینگا دھینگی سے نہیں بلکہ محض حق پژوہی اور انصاف کے ساتھ یہ کھلانا

ہے کہ وہ پرعظمت وجلال مفہوم جسکے لئے نبی۔ رسول۔ پیغمبر وغیرہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں کیا خارج میں واقعی طور پر اُسکے کچھ افراد موجود ہیں یا وہ بھی منجملہ اُن شاندار تخیلات کے ایک تخیل ہی جنکو مغلوب الوہم لوگوں کے دماغ فرصت اور تنہائی میں بیٹھکر اختراع کرتے رہا کرتے ہیں۔

اس آخر احتمال کو سنکر جس سے شان نبوۃ میں سخت ملحدانہ گستاخی ہوتی ہے ہمکو اندیشہ ہے کہ شاید کوئی جوشیلے مسلمان ہمارے ایمان میں تردد پیدا کرکے ہم پر ہی نہ بگڑ بیٹھیں اسلئے ہم ایسے صاحبوں سے باادب عرض کرتے ہیں کہ وہ بجائے اسکے کہ اپنے قابل تعریف غصہ اور جوش کو ہم مسلمان ناقلین کے حق میں صرف کریں بہتر ہو کہ اُن مطلق العنان دہریوں کی سرکوبی کے واسطے استعمال فرمائیں جنکی زبان سے اِن یہلکنا الا الدھر اور ان ھی الا حیاتنا الدنیا وغیرہ الفاظ قرآن کریم میں نقل کئے گئے ہیں اور جنکی ایک بڑی بھاری تعداد آج کل یورپ میں زبان قال سے اور ہندوستان وغیرہ میں زبان حال سے یہ صدائیں لگا رہی ہے کہ **خدا** کا وجود محض ایک فرضی وجود ہے۔ **نبوۃ** و رسالۃ صرع کی بیماری کے نام ہیں۔ **اعجاز** و کرامات اگلے زمانہ کی نظربندیوں کے افسانے ہیں۔ اور **وحی** والہام کی حقیقت دیوانوں کی بڑ سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ صرف ایک عقل کے اور وہ بھی اپنی عقل کے مشورہ کو ماننا چاہتے ہیں اور اُنکے مذہب میں جادۂ عقل سے ایک انچہ اِدھر اُدھر ہٹنا کفر وشرک یا کم از کم گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

ہر ایسا شخص جسکو کبھی کسی مشکل مسئلہ کے متعلق افہام وتفہیم کا موقع ملا ہوگا بشرطیکہ اُسکے بیوقوف مخاطب کے مسلمات بھی بہت ہی تھوڑے سے ہوں اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک ایسے آزاد فرقہ کی بے قید شبہات سے جنکا ذکر اوپر ہوا عہدہ برآ ہونا کسقدر دشوار مرحلہ ہے اور یہ کہ ہمارے مولائے ممدوح (فداہ ابی واُمی) نے اِن لامذہبوں کے مقابلہ میں کسدرجہ ثبات واستقلال اور معقولیت سے کام لیا ہے۔

مولانا کا اس آزاد گروہ سے صرف ایک سوال ہی وہ یہ کہ تمام مخلوقات میں نیک و بد کا تفاوت بھلے بُرے کا فرق اور اعلیٰ ادنیٰ کے امتیازی مدارج جو ہماری تمہاری سب کی عقل نے قائم کر رکھے ہیں اسکا معیار اور پیمانہ عقل کے پاس کیا ہی۔ عقل نے جمادات سے حیوانات کو کیوں اچھا بتلایا ہے اور تمام حیوانات کے اعتبار سے انسان کو کیوں سند فضیلت عطا کی ہے۔ جہالت کے مقابلہ میں وہ علم کی ہمیشہ کیوں

مداح رہا کرتی ہے۔ اور ہمت و شجاعت کے کارناموں کو وہ جبن و نامردی کی برخلاف کس وجہ سے سربلند رکھنا چاہتی ہے۔ المختصر وجود کو عدم پر۔ وجودیات کو عدمیات پر ہونے کو نہ ہونے پر۔ استغنا کو احتیاج پر اور راحت کو تکلیف پر کیوں ترجیح دیتی ہے۔ وہ کونسا نمونہ اُسکے پاس ہے جسکے ساتھ مناسب و مشابہ ہونے اور نہ ہونیکی وجہ سے وہ مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کو بھلا یا بُرا بتا دینے کا استحقاق رکھتی ہے۔ اگر تم ایک اچکن کا کپڑا کسی ہشیار درزی کو قطع کرنے اور سینے کے لئے دو یا بازار جاکر کوئی عمدہ ٹوپی اور خوبصورت جوتی خریدنے کا ارادہ کرو۔ تو بیشک تم اِن سب چیزوں کی حُسن و خوبی اور موزونیت وغیر موزونیت کو اپنی اُن آنکھوں سے دیکھ سکوگے جو قدرت کی طرف سے تمکو ایسے ہی کاموں کے لئے عنایت ہوتی ہیں لیکن اس دیکھنے کے اندر تمکو چند پیمانوں پر ان اشیاء کے مطابق کرنیکی ضرورت ہوگی۔ مثلاً اچکن کو تم اپنے بدن پر پہنکر اور جوتی کو پاؤں میں ڈالکر اور ٹوپی کو سر پہ رکھکر دیکھوگے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز اپنے پیمانہ پر پوری نہ اُترے۔ بلکہ ڈھیلی یا تنگ رہے تو تم اُسکو ناموزوں سمجھکر مسترد کردوگے اور اگر اتفاق سے کوئی چیز خاطر خواہ اپنے پیمانہ پر مطابق ہوگئی تو پھر خود خیال کرسکتے ہو کہ تم کہانتک اُسکی قدردانی کے لئے تیار ہوگے۔

ٹھیک اسی طرح عقل کے پاس بھی ہر نیک و بد کی تمیز کا کوئی پیمانہ اور بھلے بُرے کی شناخت کا کوئی معیار موجود ہونا چاہیئے کہ جسپر منطبق ہونے اور نہ ہونے سے وہ ہر ایک مخلوق کے حُسن و قبح کے مراتب دریافت کرسکے۔

غالباً ہر عقل کے جذر فطرت میں جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کرینگے مخلوقات کے ماسوا ایک ایسی اعلیٰ ہستی کا ادراک موجود ہے جو عین وجود ہونیکی وجہ سے عدم و نیستی کا شائبہ اپنے اندر نہیں رکھتی۔ اور اسی وجہ سے وہ ہر قسم کی احتیاجات سے بے نیاز ہے۔ وہ حیّ ہے۔ عالم ہے۔ قادر ہے۔ متکلم ہے۔ ارادہ اور اختیار رکھتا ہے۔ غرض کہ تمامی عمدہ صفات کے جامع اور ہر طرح کے عیب و قصور سے بری ہے۔

اب جس حد تک عقل اپنی رسائی اور صفائی کے موافق کسی مخلوق کو اس ایک چیز سے مناسب پاتی ہے اُسی حد تک اُس کو اعلیٰ اور افضل جانتی ہے اور جو چیز جتنا اُس سے بعید المناسبۃ ہوتی ہے وتنا ہی عقل اُسکو پستی کی جانب دھکیلتی جاتی ہے۔ مثلاً

وہ عقل کے مرتبہ شناسی کا معیار (جسکو دوسرے الفاظ میں ہم خدائی عزوجل کہتے ہیں) چونکہ وجود ہی وجود ہے عدم کا اُس میں اصلاً اختلاط نہیں اسی واسطے ہماری عقل موجودات کو ہمیشہ معدومات پر ترجیح دیتی ہے۔ پھر موجودات میں بھی جس سے میں خدائی صفات کا کم وبیش ظہور دیکھتی ہے۔ اُسی حیثیت سے اُسکی تفوق کو اُن اشیاء کے مقابلہ میں تسلیم کرانے لگتی ہے۔ جن میں وہ صفات نہ پائے جاتے ہوں۔

دیکھو چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ خداوند کریم زندہ ہے بیجان نہیں اور اس باب میں ہمنے دیکھا کہ آدمی اور جانور خدا تعالیٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ شجر حجر وغیرہ نہیں رکھتے تو ہمنے جان لیا کہ حیوانات کا رتبہ جمادات سے اونچا ہے۔ اسکے بعد خیال کیا کہ خداوند کریم عالم ہے جاہل نہیں اور ہر انسان باقی جانداروں سے علم وعقل میں ممتاز ہے تو ثابت ہوا کہ انسان جملہ حیوانات میں اشرف و افضل ہے۔ پھر انسان بھی علم واخلاق اور احوال واعمال میں متفاوت اور کم وبیش ہیں تو جو کوئی علم میں زیادہ ہو اور اخلاق مثل قدرت۔ سخاوت۔ حلم۔ عفو وغیرہ کے جو خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں رکھتا ہو۔ وہ بلاشبہ اپنے اقران سے فائق شمار کیا جائیگا۔

بہرکیف جس چیز کو بھی عقل بھلا یا بُرا کہتی ہے اُسکو ابتداءً یا بالآخر اُسے ایک نمونہ اور معیار پر مطابق کرکے دیکھتی ہے البتہ چونکہ باہم عقلوں میں تیزی اور صفائی اور توجہ کے اعتبار سے بڑا انتہا فرق ہے اسلئے اس مطابقت اور مناسبت کے معلوم کرنے میں بھی بیحد تفاوت ہونا چاہیئے۔

اب تم خیال کرو کہ دنیا کی سب چیزیں ارواح ہوں یا اجسام۔ اخلاق ہوں یا اعمال معانی ہوں یا الفاظ۔ باوجودیکہ خدائے برتر سے ایک قسم کی مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ سب کی اصل وہ ہی خالق بے نیاز ہے اور سب کا وجود اُسی کے وجود کا پرتو ہے۔ لیکن پھر بھی اس مناسبت میں مخلوقات کے اندر زمین آسمان کا تفاوت ہے۔

ارواح کو بسبب اپنی لطافت کے جو قرب ومناسبت جناب باری عزاسمہ سے حاصل ہے وہ ہرگز اجسام کثیفہ کو نہیں اور اجسام میں بھی مثلاً آگ ہوا سے لطیف ہے اور ہوا پانی سے اور پانی مٹی سے۔ تو اسی ترتیب سے اِن میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ شانہ کے ساتھ ایک طرح کا قرب ومناسبت حاصل ہوگا اور شاید اسی قرب وبعد کا اثر ہے کہ لطیف چیزوں سے باوجود اس نزاکت کے وہ

کارنمایاں بن پڑتے ہیں کہ کثیف سے ہرگز نہیں ہوسکتے۔ برق ایک پلک جھپکنے میں آسمان سے زمین پر آتی اور پھر آسمان پر اُڑ جاتی ہے اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی اگر سامنے آجائے تو اُسکی بھی ذرہ برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ شعاع شمس و قمر کا یہ حال ہے کہ سرعت برق بھی اُسکے سامنے گرد ہے۔ کہاں زمین کہاں چوتھا آسمان۔ خیال کرتے ہوئے دیر لگتی ہے پر اُسکو یہاں تک آتے دیر نہیں لگتی۔ علیٰ ہذا القیاس اپنی نگاہ کو دیکھو اور آوازوں کی تیزروی اور خیال و گمان کی رسائی کو سوچو۔ جتنی لطافت بڑہتی جائیگی اُسیقدر زور اور قدرت زیادہ ہوگی۔ جسکی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ لطیف چیزیں اپنے قرب و مناسبت کی بدولت خدا تعالیٰ کے فیضان کمالات سے وہ حصہ لیتی ہیں جو بعید المناسبتہ اشیاء کو نہیں ملسکتا۔ اور اسکی نظیر ظاہر میں بالکل اس طرح ہے کہ شمع کا نور اُسکے آس پاس کی چیزوں کو بہت زیادہ منور کرتا ہے لیکن دور کی چیزیں اُس سے اتنی روشن نہیں ہوتیں۔

پس اگر وہ اخلاق حمیدہ جو حقتعالیٰ شانہ کی ذات بابرکات میں موجود ہیں قلیل کثیر کسی فرد بشر کے نصیب ہوجائیں تو بیشک بہ نسبت اُن افراد کے جن میں یہ اخلاق نہیں اُس شخص کو حق تعالیٰ سے بمقدار مطابقت اخلاق کے قرب روحانی ہوگا۔ اور جو عنایات خاصہ خدائے کریم کی اُسکے حال پر مبذول ہونگی اوروں کو میسر نہ ہوسکینگی۔ (باقی آیندہ)

شبیر احمد۔ عثمانی
مدرسہ عالیہ دیوبند

موتمر الانصار دیوبند

کا

دوسرا سالانہ اجلاس میرٹھ میں

اسلام اور مسلمانوں کے ہواخواہ اس مسرت انگیز خبر کو نہایت شوق سے سنیں گے کہ موتمر الانصار مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند (جس نے مسلمانوں کی حقیقی فلاح کے متعلق صحیح اور شاندار اصول پر بہترین تدابیر سوچنے اور اُنکو عملی طور پر اشاعت دینے کا تا امکان فیصلہ کرلیا ہے) اُسکا دوسرا سالانہ اجلاس امسال میرٹھ میں ہونا قرار پایا ہے جسکی تاریخیں ۶ و ۷ و ۸ اپریل مطابق ۱۷-۱۸-۱۹- ربیع الثانی ہوگی۔

مزید انتظامات و حالات بعد میں شائع کئے جائینگے۔

المعلن
عبید اللہ ناظم جمعیتہ الانصار دیوبند

بعض جزئیاتِ انقلاب مع اِصلاح

اصلاح معاملہ بزکوٰۃ

جس طرح عبادات بدنیہ میں نماز سب سے اہم ہے اسی طرح عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اقیمُوا الصَّلوٰۃ کے ساتھ آتُوا الزَّکوٰۃ آنا اس اہمیت میں شریک ہونیکی تائید کرتا ہے۔ اِسلئے اسکے متعلق کوتاہیوں پر مطلع ہونا بھی نہایت اہم ہوگا۔ پس مختصراً اُنکو لکھا جاتا ہے۔

ایک کوتاہی تو جو سب سے بڑی ہی یہ ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ہی نہیں دیتے۔ اسکی اصلاح یہ ہی کہ وہ لوگ زکوٰۃ کی تاکید و فرضیت کے نصوص اور اُسکے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں اُنکو دیکھیں سُنیں غور کریں۔ اور اُسکا جو اصلی سبب بخل ہی اُسکا علاج کریں۔ اُس علاج کا حاصل مال کی محبت کا گھٹانا ہے۔ جسکی سب سے اچھی تدبیر موت کا بکثرت یاد کرنا اور یاد رکھنا ہے اور اگر اس کوتاہی کا سبب فرضیت کا اعتقاد نہ ہونا ہے۔ گو آجکل ایسا شخص سُنا نہیں گیا لیکن اگر نادرًا ایسا ہو تو اُسکی اصلاح اپنے شبہات کا کسی محقق عالم سے رفع کرنا ہے۔ اور اگر رفع نکیا اور منکرِ فرضیت رہا تو وہ کافر ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے زکوٰۃ دیتے ہیں مگر حساب سے نہیں دیتے۔ جو کچھ جی چاہا دیدی سو یہ بھی ندینے ہی میں داخل ہے۔ کیونکہ جب ایکہزار کے مال میں پچیس روپیہ واجب تھے اور اس نے دس روپیہ دئے تو چار سو کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور چھ سو کی رہگئی۔ تو ایسا ہو گیا جیسے کسی کے پاس چھ ہی سو روپیہ ہوں اور وہ بالکل زکوٰۃ نہ دے۔ پس اسمیں بھی وہی معروض ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے لوگ بعض اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور بعض اموال کی نہیں دیتے اُسکا زیادہ سبب یہ ہے کہ اُنکو یہ خبر نہیں کہ کس کس مال میں زکوٰۃ ہوا کرتی ہے۔ اِس لئے ان اموال کو بتلایا جاتا ہے۔

ایک چاندی سونا۔ خواہ سکّہ کی صورت میں ہو خواہ زیور کی صورت میں ہو خواہ گوٹہ ٹھپہ ہو۔ خواہ ویسے ہی ٹکڑے رکھے ہوں۔ اور خواہ پاس موجود ہو اور خواہ موجود نہو۔ مگر اُسکا وصول کرنا یا اُس سے منتفع ہونا ممکن ہو جیسے نوٹ لے لیئے ہوں یا بنک میں جمع ہو۔ یا کسی کے ذمہ قرض آتا ہو۔ خواہ نقد دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو۔ اور وصول سے ناامیدی نہو۔ لیکن قرض میں یہ اختیار ہو کہ خواہ اور اموال کی زکوٰۃ کے ساتھ دیدے خواہ جب وصول ہوتا رہے دیتا رہے لیکن اگر وصول کے وقت دیگا تو تمام ایام گذشتہ کی دینی پڑیگی۔ مثلاً دو سال میں سو روپیہ وصول ہوئے تو اُنکی زکوٰۃ اڑھائی روپیہ سال کے حساب سے دو سال کے پانچ روپیہ دینا پڑیگی دوسرا مالِ تجارت۔ اور مال تجارت وہ ہے جسکے خریدنے کیوقت یہ نیت ہو کہ ہم اسکو بیچینگے۔ خواہ وہ منقولات میں سے ہو خواہ غیر منقولات میں سے مثلاً ایک شخص کی یہ عادت ہے کہ مکانات و اراضی موقع کی خرید لیتا ہے اور پھر موقع پر بیچ ڈالتا ہے۔ یہ بھی مال تجارت ہو جاویگا اور زکوٰۃ اسمیں واجب ہوگی۔ اور جسکے خریدنے کیوقت بیچنے کی نیت نہو گو بعد خرید چکنے کے نیت ہو جاوے وہ مال تجارت نہیں۔ اُسمیں زکوٰۃ واجب نہیں[سلہ]۔ اور اسی طرح اگر خریدنے کیوقت تجارت کی نیت تھی مگر حولان حول سے پہلے (یعنی جسوقت ختم سال پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوا کرتی ہو اُس ختم سال سے پہلے) وہ نیت تجارت کی فسخ ہو گئی ہو وہ بھی مال تجارت نہیں رہا[سلہ]۔ اُسمیں بھی زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح اگر وہ مال خریدا ہوا نہیں بلکہ میراث[سلہ] میں پہنچا ہے اور مالک ہوتے ہی تجارت کی نیت کرلی۔ یا گھر کا غلہ پیدا ہوا ہے اور تیاری کے وقت نیت تجارت

سلہ مثال ایک گھوڑا سواری کیلئے خریدا مگر وہ اِسقدر تیز اور شریر تھا کہ مالک کے قابو میں نہ آیا۔ ارادہ کرلیا کہ اسکو فروخت کردینگے لیکن سال بھر گذر گیا فروخت نہو سکا تو اسپر زکوٰۃ واجب نہو گی ۱۲

سلہ کچھ نفع لیکر فروخت کرڈالنے کے قصد سے ایک مکان خریدا تھا لیکن وہ ایسا موزوں اور مناسب معلوم ہوا کہ فروخت کرنیکا خیال چھوڑ کر اُسمیں رہنے لگے۔ اسمیں زکوٰۃ واجب نہو گی ۱۲

سلہ ایک شخص کے چچا نے انتقال کیا اور کئی سو روپیہ کا سامان تجارت لکڑی کا چھوڑ گیا جو بھتیجے کو میراث میں ملا۔ اسنے بھی تجارت کا ارادہ کرلیا تو باوجود سال بھر گذر جانیکے زکوٰۃ واجب نہو گی۔ البتہ اگر اسکو فروخت کرکے دوسرا مال خریدے تو سال گذرنے کے بعد واجب ہو گی ۱۲

کی کرلی وہ بھی مال تجارت نہیں اور اسمیں زکوٰۃ واجب نہیں تیسرا مال وہ مواشی ہیں جن کو نسل بڑھانے کے لئے پالا ہو جیسے بعضے لوگ بکریاں یا گائیں یا گھوڑیاں پالتے ہیں انکے احکام و شرائط میں بہت تفصیل ہے فقہ کی اردو کتابوں میں دیکھ لیا جاوے۔ چوتھا مال عشری زمین کی پیداوار ہے عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اسوقت مسلمان کی ملک میں ہو اور اسکے قبل اس کا کسی کافر کی ملک میں آنا معلوم نہ ہو خواہ واقع میں وہ جب سے اہل اسلام کی مفتوحات میں داخل ہوئی ہو کسی کافر کے ہاتھ میں نہ پہونچی ہو خواہ درمیان میں کوئی کافر بھی برائے چندے اسکا مالک ہو گیا ہو مگر کسی کو معلوم نہ ہو بس ایسی زمین عشری ہے اسمیں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ خواہ نیشکر و چری وغیرہ خواہ خشخاش یا خواہ تماکو یا اوراد و یہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہوں یا اسمیں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو ان سب میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں اور ہندوستان میں اس سے بڑی غفلت ہے۔ اُن کی دو قسموں کے مال میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور تیسری قسم میں بہت تفصیل ہے جو فقہ کی اردو کتابوں میں ملیگی اور چوتھی قسم میں بارانی زمین میں دسواں حصہ کل پیداوار کا ہے اور چاہی اور نہری میں بیسواں حصہ کل پیداوار کا ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اپنے نزدیک حساب سے دیتے ہیں مگر واقع میں وہ حساب غلط ہوتا ہے مثلاً مال تجارت میں اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے ہیں فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ نرخ سے خریدیں یا اپنے پریس میں چھاپیں اور ہزار روپیہ میں اسکو پڑ گئیں مگر بازار میں وہ دو ہزار کی ہیں تو زکوٰۃ دو ہزار کی دینا چاہیئے اور اگر دو ہزار کی زکوٰۃ پچاس روپیہ دیتے ہوئے دل دکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتابوں کا چالیسواں حصہ دیدے مثلاً چالیس ہدایہ میں سے ایک ہدایہ دیدے یا ایسی کتاب دیدے جسکی ہدایہ کی برابر قیمت پر نکاسی ہوتی ہو۔ اور اس حساب غلط لگانیکی ایک اور باریک مثال ہے وہ یہ ہو کہ مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپیہ کی برابر وزن میں چاندی کا زیور ہو اور قیمت اتنی چاندی کی بوجہ ارزانی کے اسی روپیہ ہے تو اکثر لوگ اس اسی روپیہ کا چالیسواں حصہ یعنی دو روپیہ دیدیتے ہیں حالانکہ ہمجنس سے زکوٰۃ ادا کرنے میں صنعت اور سکہ کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا پس اسکے ذمہ اڑھائی روپیہ بھر چاندی واجب ہے

اگر روپیہ دیا تو وہ چاندی کے حساب میں شمار ہوگا اسلئے اڑھائی روپیہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی دو روپیہ دینے سے آٹھ آنہ بھر چاندی اسکے ذمہ اور رہی اور اگر اڑھائی روپیہ دینے میں خسارہ سمجھے تو اُسکی دو صورتیں اور ہیں ایک یہ کہ روپیہ نہ دے خود چاندی اڑھائی روپیہ بھر دیدے اور وہ مسکین اُسکو بیچکر کارروائی کرلیگا دوسرا اس سے بھی سہل یہ ہے کہ دو روپیہ کے بالکل پیسے ہی پیسے کہ جسمیں چاندی کی دوانی تک نہ ہو مساکین کو دیدے کیونکہ ان پیسوں کی چاندی اڑھائی روپیہ بھر آسکتی ہے اور ہے خلاف جنس اسلئے ان پیسوں کی قیمت اڑھائی روپیہ بھر چاندی کے برابر سمجھی جاویگی اور زکوٰۃ ادا ہوجاویگی ایک مثال حساب غلط ہونے کی بہت ہی باریک ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بوجہ اسکے کہ رمضان ہی تک میں ایک ذخیرہ ثواب برابر ستر فرض کے ہے رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہیں پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونے کی تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان کے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہوگیا تھا۔ تو اُس شخص نے رمضان شریف سے حساب رکھنے کے لئے ان تین چار ماہ کی زکوٰۃ بھی دیدی پھر آیندہ کے لئے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے تو یہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کرکے اپنے کو جلدی سبکدوش سمجھ لیتا ہے مگر غلطی اسمیں یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان میں یہ شخص زکوٰۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف میں اسکی ملک میں ہے یہ اُسی کی زکوٰۃ نکالتا ہے حالانکہ احتمال ہے کہ جو ختم سال اسکا واقعی ہے اُس میں نصاب اسوقت سے زیادہ ہو اور زکوٰۃ واقع میں اُسی زیادہ کے حساب سے واجب ہوگی۔ تو اس طور پر حساب سے کچھ زیادہ زکوٰۃ اسکے ذمہ رہ جاویگی اور اس طرح سے یہ حساب غلط ہوجاویگا مثلاً اسکا سال رجب میں ختم ہوتا تھا اور اُسوقت اسکے پاس ایک ہزار روپیہ تھا جسکی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے اور رمضان شریف میں اسکے پاس آٹھ سو روپیہ رہگئے جسکی زکوٰۃ بیس روپیہ ہوتی ہے تو اب اگر اس شخص نے اسیوقت کا نصاب دیکھکر بیس روپیہ ادا کئے تو پانچ روپیہ اسکے ذمہ رہگئے اسی طرح اگر اسکا سال ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے اور رمضان میں اسکے پاس آٹھ سو روپئے تھے مگر ذی الحجہ میں ہزار ہوگئے تب بھی بعینہ یہی غلطی ہوئی

اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہے سو فرض کیجیئے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال پر تو ہزار روپئے ہوتے ہیں اور رمضان میں آٹھ سو روپیے تو پانچ روپیہ سال جمع ہو ہوکر پانچ سال میں پچیس روپئے اسکے ذمہ واجب الاداء رہا تو ایسا ہو گیا جیسے پانچ سال میں چار سال کی زکوٰۃ دی اور ایک سال کی نہ دی اسلیئے یہ ضرور ہے کہ ختم سال پر کے نصاب کو ضرور دیکھا جاوے۔ اور اسکی زکوٰۃ کے مقدار یاد رکھے پھر اگر سال رمضان سے پہلے ختم ہوا ہے تو رمضان شریف میں اس مقدار کی برابر خیال کرکے زکوٰۃ دے اور اگر رمضان کے بعد سال ختم ہوتا ہے تو رمضان میں جتنا اندازے سے دیا ہے اسکو یاد رکھیں پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوٰۃ کی ہو اس ادا کی ہوئی کو اس سے ملاوے اگر کچھ ادا کرنے سے رہگیا ہو تو پورا کرے اور اگر زیادہ دیدیا ہو تو اگلے سال میں لگا لینا جائز ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی زکوٰۃ نکالکر اسکے مصرف شرعی میں صرف نہیں کرتے مثلاً بعضے اپنے پیروں کو دیتے ہیں گو وہ صاحب نصاب ہوں بعضے مساجد کے ائمہ و موذنین کو انکی تنخواہ کے حساب میں دیدیتے ہیں بعضے چندہ مدارس میں دیتے ہیں اور مہتمم کو اطلاع نہیں کرتے اور وہ اسکو تعمیر یا فرش یا تنخواہ مدرسین یا خرید کتب میں صرف کردیتا ہے۔ بعضے مردہ کے کفن میں خرچ کردیتے ہیں۔ اور ان سب صورتوں میں زکوٰۃ سر پر رہتی ہے ادا نہیں ہوتی۔

اسی طرح سادات و بنی ہاشم بقول اصح اسکے مصرف نہیں ہیں اور جنکو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی انکو اگر ملنے کے وقت اطلاع ہو جاوے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو شامی نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انکو لینا بھی حرام ہے (ج ۲ ص ۹۱ مصری) ۔ اور اگر قرائن سے معلوم ہو کہ دینے والے کو ہمارا غیر مصرف ہونا معلوم نہیں تو اطلاع کرنا واجب ہے اور اخفاء یا سکوت بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر لیلیا تو صاحب نصاب کو مکرر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی البتہ کفن میت میں اس طرح صرف ہو سکتا ہے کہ اس میت کے کسی غریب قریب کو دیدیا جاوے پھر وہ اپنے اختیار اور رائے سے بلا اسکے کہ اسکو کوئی کسی طرح مجبور کرے اسکا کفن لاکر اپنی طرف سے ڈالدے اسی طرح امام و موذن کو انکے مقرر کئے ہوئے کے علاوہ اگر وہ مسکین ہوں تو زکوٰۃ دیسکتے ہیں اسی طرح مدارس میں دینے کے لئے شرطیں ہیں کہ مہتمم کو اطلاع کرے اور یہ کہ اسپر قلب مطمئن ہو کہ یہ غیر مصرف میں صرف

نکریگا تاکہ وہ مصرف میں صرف کرسکے اور کردے مثلاً مستحق طلبہ کو دیدے کہ وہ اپنی خوراک پوشاک وغیرہ میں صرف کریں اور اگر اطلاع نہ ہوئی یا ہوئی مگر وہ مسائل نہیں جانتا یا جانتا ہی مگر محتاط نہیں تو اِن صورتوں میں چونکہ اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صرف کریگا اسلئے ایسے شخص کو دینا ہی جائز نہیں غرض جس جگہ صرف کرنے سے کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو اور ملک بھی واقعی جیسے عمارت یا فرش مسجد میں صرف کرنا یا کفن لیکر مردہ پر ڈالدینا یا ملک تو ہو جاوے مگر وہ شخص مصرف نہ ہو جیسے غنی یا بنی ہاشم یا اُسکی خدمت کی اُجرت میں دیا جاوے جیسا نذکورین کی تنخواہوں میں دینا یہ سب غیر مصرف ہیں زکوۃ ادا نہ ہوگی اور دوبارہ دینا پڑیگی سُنا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے چندہ حجاز ریلوے میں زکوۃ دیدی ہی سو اُنکو وہ زکوۃ دوبارہ دینا چاہیئے۔ اور ملک واقعی کے چندہ لگانے سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ بعض لوگ جو مساجد یا مدارس کے مصارف عامہ میں صرف کرنے کے لئے ایک حیلہ کیا کرتے ہیں کہ اوّل کسی مسکین مصرف زکوۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تمکو سو روپیہ دینگے پھر تم مسجد یا مدرسہ میں دیدینا اور پھر اُسکو دیتے ہیں اور وہ مسجد وغیرہ میں دیدیتا ہے اور اسکو حیلۂ تملیک کہا جاتا ہے چونکہ یقینی بات ہے اسمیں دینے والا حقیقۃً اُس مسکین کو مالک نہیں بناتا محض صورت تملیک کی ہی اسلئے اس طور سے زکوۃ ادا کرنے کا حکم مشکل ہے اور ایک خرابی اسمیں یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کردیتا ہے تو وہ دینا اُسکا بطیب خاطر نہیں ہوتا جو کہ حلت مال کی شرط ہے غرض یہ لینا دینا دونوں قواعد کے خلاف ہیں بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شرع تو ظاہر پر ہے تو خوب سمجھ لو کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ باطن کی تفتیش مت کرو لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہاں تملیک کی نیت نہیں اور طیب خاطر نہیں تو شرع نے یہ کب کہا ہے کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بنص حدیث جو حلت مال کے لئے طیب نفس شرط لگایا گیا ہے جو کہ امر مبطن ہی یہ بمعنی ہوتا اگر کہیں ایسے ہی موقع پر زکوۃ سے امداد کرنیکی ضرورت ہو تو اُسکی ایک اور تدبیر جو بالکل قواعد کے مطابق ہے یہ ہے کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جاوے کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے قرض لیکر فلاں سیّد کو دیدو یا فلاں مسجد و مدرسہ میں دیدو ہم تمھاری اعانت اداے قرضہ میں کرینگے جب وہ مسکین وہاں دیدے تم اُس مسکین کو دس روپیہ زکوۃ میں دیدو پھر اُس سے اُسکا قرض خواہ وصول کرلیگا۔

اسمیں مسکین کو دینا بھی حقیقۃً ہوا اور اُس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا کیونکہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نکرے بخلاف حیلہ تملیک کے کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے ندے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جاوے اور ہر چند کہ بعد ملجانے اُس روپیہ کے قرضخواہ اُس سے جبرًا لے سکتا ہے مگر قرض تو حق واجب عہد کا ہے اور اسمیں جبر جائز ہے اور چونکہ وہ روپیہ حقیقۃً اُس مسکین کا ہو گیا اِسلئے اسکو جبرًا اپنے قرضہ میں لیلینا سہل ہے جیسے اس مسکین کے پاس خاص اسکا مکسوبہ ہوتا اور اُسکو جبرًا لینا جائز تھا۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض آدمی زکوٰۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہیں جو کہ خلوص کے خلاف ہے مثلاً اپنے نوکروں کو زکوٰۃ اس خیال سے دیتے ہیں کہ یہ ہمسے زیادہ دبیں گے اور کام خوب کرینگے اور اسمیں کمی ہونے سے اُنکو شکایت ہوتی ہے کہ دیکھو یہ لوگ کیسے ہیں کہ اسکا اثر نہیں مانا بلکہ بعضے تو زبان سے بھی جتلانے لگتے ہیں کہ نمک حرام تجکو اتنی تنخواہ دیتے ہیں اور زکوٰۃ سے بھی تیرا خیال رکھتے ہیں مگر تو ایسا احسان فراموش ہو ونحو ذالک گو ضابطہ سے یہ زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن حدیث لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ اِلَّا الطَّیِّبَ کی رو سے یہ زکوٰۃ مقبول نہیں ہوتی۔ پھر اوّل اور دوسری کوتاہی والے بعضے عذر بھی پیش کرتے ہیں مثلاً یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو قریبًا ختم ہی ہو جاویں مثلاً جس روپیہ سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہی یا زیور کہ تجارت کے کام ہی کا نہیں تو نشو ونما تو کچھ ہوگا نہیں اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکلا کریگا تو یوں ہی فنا ہو جاویگا جواب یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے اب اگر خود نکرو تو شریعت اسکے ذمہ دار نہیں اس طرح چاندی سونا زیور کے لئے اصل میں موضوع نہیں ہے بلکہ اصل خلقت میں وہ ثمن ہے جو تجارت کے لئے مخلوق ہوا ہے سو زیور تمنے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اسکے ذمہ دار نہیں ہے جب تم چاہو اُس سے سکہ بدلکر تجارت کر سکتے ہو اور بڑھا سکتے ہو جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل و متحمل ہو سکتا ہے اور مثلاً یہ عذر کہ دوکان میں جب مختلف اقسام کا مختلف قیمتوں کا مال موجود ہے اُسکا حساب کیسے ہو سکتا ہے اُسکا جواب یہ ہے کہ اگر تمھاری دُکان میں خرید و فروخت کا حساب لکھا جاتا ہے تو کاغذات سے حساب تیار ہو سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو نظری تخمینہ

کافی ہے جو تخمینہ قرار پاوے احتیاط کے لئے کچھ اور بڑھالو مثلاً آٹھ سو روپیہ کا تخمینہ ہوا تم ہزار سمجھ لو اتنے میں اتنا بڑھا لینے سے احتمال غلطی کا ہرگز نہ رہیگا اور زکوٰۃ میں کل پانچ روپیہ بڑھتے ہیں جو کچھ گراں نہیں ہو اسی طرح گوٹہ ٹھپہ کا اور اسی طرح زیور کا جسمیں دوسری چیز بھی مرکب ہے تخمینہ کافی ہو۔ اور مثلاً یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں سو سمجھ لیا جاوے کہ یہ مسئلہ غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں ملگیا وہ ملک میں داخل ہوگیا گو ملک خبیث ہی ہو اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے سو زکوٰۃ واجب ہوگی گو قبول نہ ہوگی پھر دینے سے کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا اس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں۔ البتہ خود کسب حرام کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے اسکی نفی نہیں کیجاتی۔ لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا استحقاق ہوتا کسب حرام کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ۔ اور اب ایک ہی ہوگا تو کیا یہ دونوں بھی یکساں نہیں ہرگز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردی اور ناکارہ ہو مثلاً تاجر کتب ایسی کتاب دے جسکی نکاسی نہ ہوتی ہو اسی طرح تاجر پارچہ پرانے تھان نکالے اور تاجر غلہ کرم خوردہ غلہ نکالے وعلیٰ ہذا۔ سو جس حساب میں اسنے یہ چیزیں لگائی ہیں اگر بازار میں اتنے کو نہ نکل سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی بقدر کمی قیمت اسکے ذمہ رہگئی۔ اور اگر اتنی قیمت کی ہو تو زکوٰۃ تو ادا ہوگئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ کے روپیہ یا غلہ کا کھانا پکوا کر مساکین کو دعوت میں کھلا دیتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر کھانا پکا کر انکے ہاتھ میں دیدیا جاوے کہ انکو اختیار ہو لیجانے کا یا بیٹھکر کھا لینے کا اور اسکی انکو اطلاع کردی جاوے اور وہ کھانا قیمت میں اسقدر ہو تب تو زکوٰۃ ادا ہو جاویگی اور اگر لیجانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر کھلایا جاوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر پکا ہوا کھانا اس قیمت کا ہو جتنی زکوٰۃ اسکے ذمہ واجب تھی تب بھی پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مثلاً ایک شخص کو بیس ۲۰ روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اس نے جنس خرید کر پکوائی کچھ خرید میں صرف ہوا کچھ باورچی کو مزدوری میں دیا غرض بیس ۲۰ روپیہ صرف ہوگئے مگر کسی وجہ سے

خواہ تو جنس خریدنے میں یہ ٹھگا گیا یا مزدوری زیادہ دیدی یا کھانا بگڑ گیا غرض کسی طور پر یہ تیار کھانا بیس۲۰ روپیہ کا نہ ہوا بلکہ سترہ اٹھارہ کا ہوا تو یوں نہ کہیں گے کہ اسنے تو بیس۲۰ ہی روپیہ خرچ کئے اسلئے زکوٰۃ ادا ہو جانا چاہئے۔ بلکہ یوں کہیں گے کہ مساکین کو سترہ اٹھارہ ہی روپیہ کی چیز پہونچی اسلئے اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوئی دو یا تین روپیہ اور اسکے ذمہ باقی رہے۔ جسکا ادا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم کا کپڑا خریدا اور سلوایا اگر وہ بعد تیاری اتنی رقم کا ہے تب تو اسکے دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی اور اگر کسی وجہ سے قیمت اسکی گھٹ گئی مثلاً کپڑا ناواقفی سے گراں ملا یا سلوانے میں بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور زکوٰۃ دینا پڑیگی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی دیکھتے ہیں کہ ہمکو پانچ روپیہ زکوٰۃ کے دینا ہیں اور فلاں غریب آدمی کے ذمہ کسی سبب سے ہمارا قرضہ بھی پانچ روپیہ ہیں لاؤ اسکو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کردیں سو یاد رکھا جاوے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک کامل شرط ہی اور ابرا من وجہ اسقاط اور من وجہ تملیک ہے اسلئے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی البتہ ایک تدبیر اور جائز ہے وہ یہ کہ اوّل یہ پانچ روپیہ اس شخص کو بہ نیت زکوٰۃ دیدے جب وہ اس روپیہ کا مالک و قابض ہو جاوے اس سے اپنا قرضہ مانگے اور اگر وہ نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہی اسمیں کچھ حرج نہیں

ایقاظ

(۱) اگر کوئی پہلے زکوٰۃ دینے کا خوگر نہو اور اب توفیق ہو تو گذشتہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے البتہ اگر درمیان میں بدون تلف کئے ہوئے مال خود تلف ہو کر نصاب سے کم رہگیا ہو تو اسوقت تک کی زکوٰۃ ساقط ہو جاویگی۔

(۲) اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال نکالکر رکھا ہو اور وہ ضایع ہو جاوے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی جداگانہ نکالکر رکھنے سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ ہر جزو کے دینے کے وقت نیت ضرور نہیں ہوتی۔

الحاق

چونکہ صدقہ فطر کا ادا کرنا اور قیمت چرم قربانی کا بعد فروخت کر ڈالنے چرم قربانی کے تصدق کرنا بھی واجب ہے اسلئے وہ بھی اس حیثیت سے ملحق بالزکوٰۃ ہے اسلئے اسکے متعلق بھی بعض کوتاہیاں زکوٰۃ کے ساتھ بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

ایک کوتاہی صدقہ فطر کے متعلق بعض دیہات میں یہ ہے کہ اسکو جانتے ہی نہیں اسلئے ادا نہیں کرتے اہل علم وواعظین کو چاہیئے کہ جمعہ کے خطبہ میں یا کسی موقع پر خود دیہات میں جاکر اس جگہ پر آگاہ کریں۔

ایک کوتاہی اسکے متعلق یہ ہے کہ غیر مصرف میں صرف کرتے ہیں اسکا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔ جن مصارف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جسکا اوپر بیان کیا گیا ہے انمیں صرف کرنے سے صدقہ فطر بھی ادا نہیں ہوتا ایک غلطی بنا بر قواعد حنفیہ کے اسمیں یہ ہی کہ یہ مشہور ہوگیا ہے کہ صدقہ فطر اگر بجز گیہوں کے اور کسی غلہ سے ادا کرے تو گیہوں کا مضاعف وزن میں دیدے اسمیں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ بہت چیزوں میں گیہوں کا مضاعف نہیں ہی۔ بلکہ اسمیں تفصیل ہے وہ یہ کہ جو چیزیں منصوص ہیں جیسے جَو و تمر مثلاً اسمیں تو گیہوں کا مضاعف ہے اور جو چیزیں منصوص نہیں جیسے چنا چانول اسمیں یہ حکم ہے کہ کسی منصوص چیز کی برابر قیمت میں ہو مثلاً گیہوں نمبری سیر سے احتیاطاً دو سیر دئے جاتے ہیں اور تیرہ سیر کے نرخ سے اڑھائی آنہ کے ہوئے تو اگر چنا دینا چاہے تو اڑھائی آنہ کے جسقدر چنے آتے ہوں اُتنے چنے دینے چاہئیں اسی طرح چانول بھی اور مطلقاً مضاعف دینے میں کبھی تو واجب سے زیادہ دئے جاوینگے تو مضائقہ نہیں لیکن اگر کبھی کم دئے گئے تو واجب کا ایک جزو اسکے ذمہ رہ جاویگا مثلاً اگر کبھی گیہوں آٹھ سیر ہوتے اور چنے چوبیس سیر تو مسئلہ مذکورہ کے بنا پر چھ سیر چنے واجب ہونگے اور مشہور خیال کے حساب سے یہ شخص چار سیر دیگا تو ایک ثلث واجب اسکے ذمہ رہا اور قیمت چرم قربانی کے متعلق بھی ایک عام غلطی وہی غیر مصرف میں صرف کرنا ہے۔

ایقاظ سابق یہاں بھی ہے یعنی جسقدر صدقہ فطر یا قیمت چرم غلطی سے ادا نہیں ہوئی اُسکا اعادہ ضروری ہے اور اگر نکالکر رکھنے کے بعد ضائع ہوجاوے پھر ادا کرنا ہوگا فقط

کتبہ **اشرف علی** یوم اوّل عشرہ وسطی شہر شعبان ۱۳۲۹ھ

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کے لئے القاسم نمبر ۵ جلد دوم ملاحظہ ہو)

رستم دربار سے نہایت غم و غصہ کی حالت میں واپس آیا۔ اُسنے سواروں کو دوڑایا کہ جسطرح ہو عاصم بن عمرو کو گرفتار کر لائیں۔ مگر وہ نکل چکے تھے۔ رستم کو علم نجوم اور کہانتہ میں دخل تھا اُس نے کہا کہ بیشبہ عرب زمین فارس کو لیگئے۔

(۴) رستم جسوقت مداین سے ساباط کی طرف روانہ ہوا تھا تو اُسکے ساتھ ساٹھ ہزار فوج تھی لیکن ساباط پہونچنے کے بعد جمعیت بڑھنی شروع ہوگئی۔ اور جب ہر طرح سے مایوس ہو کر بجز پیشقدمی چارہ نرہا تو ساباط سے قادسیہ کی طرف کوچ کیا۔ اور اُسوقت اُسکی کمان میں ایک لاکھ بیس ہزار نہایت مکمل و آراستہ سپاہ تھی۔ شاگرد پیشہ اور ہر یک سپاہی اور افسر کے خاص خادم اُنکے علاوہ تھے اسی طرح اگر کل جمعیۃ کو دیکھا جائے تو تین لاکھ سے کم نہوگی۔ اور مسلمان جن سے مقابلہ کے لئے جاتا تھا اُنکے پاس تمام ملک عرب میں اعلان دینے کے بعد تیس ہزار سے کچھ زیادہ نبرد آزما نہ تھے رستم نے اس عظیم الشان لشکر کو اس طرح ترتیب دیا۔ مقدمۃ الجیش میں چالیس ہزار فوج زیر کمان افسر اعلیٰ جالینوس کو مقرر کیا۔ اور ساقہ میں بیس ہزار۔ اور خود ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ تھا جسکو اس طرح ترتیب دیا کہ قلب میں خود۔ اور میمنہ پر ہرمزان اور میسرہ پر بہرام۔

ساباط سے روانہ ہونیکے وقت رستم نے اپنے بھائی بندوان کو لکھا کہ قلعوں کی مرمت و اصلاح کر کے لڑائی کیواسطے مستعد ہو جاؤ۔ میری رائے تو عرب سے مقابلہ کرنیکی نہ تھی مگر بادشاہ نے مجبور کر کے کہا کہ اگر تم نہ جاؤ گے تو میں خود میدان جنگ میں جاؤنگا۔ مجھے یقین ہے کہ اہل عرب ضرور غالب آکر ہمارے ممالک پر مسلط ہو جائینگے۔ اسلئے میں چاہتا تھا کہ جنگ کو لیت و لعل میں ٹالا جائے۔ مگر بادشاہ کے حکم نے مجبور کر دیا۔ ساباط کے پل پر رستم کی جابان سے جو بڑے افسروں میں تھا ملاقات ہوگئی۔ یہ دونوں علم نجوم کے ماہر تھے۔ جابان نے رستم سے کہا کیا جو بات مجھکو نظر آتی ہے تمکو نظر نہیں آتی۔ رستم نے کہا نظر تو آتی ہی مگر میں ایک ستی

کی باگ سے زبردستی کھنچا جاتا ہوں۔ یعنی بادشاہ کے جبر سے لڑائی کے لئے جاتا ہوں۔ ورنہ میں بھی سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ہم پر غالب آئینگے۔

ساباط سے چلکر پہلی منزل کوثیٰ میں ہوئی۔ یہاں ایک مسلمان عرب رستم کو ملا۔ رستم نے پوچھا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے۔ کہا اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہم سے تمھارے ملکوں کا کیا ہے اسکو لینے آئے ہیں۔ یہ تنہا شخص تھا اور قاصد نہ تھا کہ قتل سے ماموں ہوتا۔ مگر اس نے ایسی بیدھڑک اور صاف صاف گفتگو کی کہ آخر رستم نے غصہ میں آکر اسکو قتل کر دیا۔

کوثیٰ سے چلکر دوسری منزل برس میں ہوئی۔ یہاں پہونچکر رستم کے لشکر نے خوب بدمستیاں کیں شرابیں پیکر عورتوں پر دست درازیاں کیں۔ لوگوں کے مال غصب کئے۔ اور جو نہ کرنا تھا سب کچھ کیا۔ لوگ گھبرا اُٹھے اور رستم کے پاس فریاد لائے۔ رستم نے کہا بیشک اس عربی نے (جسکو ابھی قتل کیا تھا) سچ کہا ہے ہم اپنی اعمال ہی کی بدولت اس حالت کو پہونچے ہیں۔ باوجودیکہ مسلمان ملک فتح کرنے اور لڑنے آئے ہیں مگر وہ ان دیہات والوں کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کرتے ہیں۔ اور تم باوجودیکہ وہ تمھاری رعایا ہیں اسقدر ظلم کرتے ہو بیشک تم اسی قابل ہو کہ تمھارا ملک تم سے سلب کر لیا جائے۔ اور بیشک ایسا ہی ہوگا۔ اسکے بعد مجرموں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

تیسری منزل حیرہ میں اور چوتھی نجف میں ہوئی۔ یہاں پہونچکر رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اُترا۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اسکے ساتھ ہیں۔ فرشتہ نے اہل فارس کے تمام ہتیار لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدئے۔ اور آپنے حضرت عمر کو عطا فرمائے۔ اس خواب سے رستم کا رنج اور بھی بڑھ گیا۔ اور وہ خیال جو دل میں راسخ تھا نہایت پختہ ہو گیا۔

(۵) رستم نجف میں تھا اور مقدمۃ الجیش نجف اور سیلحین کے درمیان تھا۔ حضرت سعد نے عمرو بن معدیکرب اور طلیحہ اسدی کو طلیعہ بنا کر دشمن کی خبر لانے کیواسطے بھیجا۔ یہ ابھی ایک فرسخ بھی نہ گئے تھے کہ دشمن کا ہراول اُنکو نظر آگیا۔ عمرو بن معدیکرب تو دیکھکر واپس ہونے لگے۔

لہ کوثیٰ وہی مقام ہے۔ جسکے متعلق فتح مدائن سے پہلے ایک مسلمان نے کہا تھا کہ ہم جب تک کوثیٰ کے شہد کو افریدوں کے لیموں کے ساتھ نہ کھالینگے نہ لوٹیں گے ؛

مگر طلیحہ نے کہا میں تو پوری خبر لاؤنگا۔ عمرو نے کہا تیرے اندر غدر کا مادّہ رکھا ہوا ہی۔ عکاشہ بن محصن کے قتل کے بعد تجھسے فلاح کی اُمید نہیں۔ مگر نمانا۔ عمرو نے آکر حضرت سعد کو اطلاع دی کہ دشمن بالکل قریب ہے۔

طلیحہ ہراول اور مقدمۃ الجیش کو قطع کرتے ہوئے سیدھے رستم کے لشکر میں پہونچے۔ اور رات بھر خوب جانچا لیکن چپکے سے واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ بلکہ ایک افسر کے خیمہ کو کاٹ کر اُسکا قیمتی گھوڑا کھول لیا۔ اور اسی طرح دو تین افسروں کے خیمہ کاٹ کر گھوڑے کھول کر ساتھ لئے۔ لشکر میں اطلاع ہوئی تو سوار اُنکے پیچھے دوڑے۔ ایک سوار طلیحہ کے قریب پہونچا تو اُسکو قتل کر دیا۔ پھر دوسرا پہونچا اُسکو بھی قتل کیا۔ پھر تیسرا پہونچا اُسنے دیکھا کہ میں بھی مقتول ہوتا ہوں تو بلجاجت قیدی بنانیکی خواہش کی۔ طلیحہ اُسکو لیکر حضرت سعد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا اُس قیدی نے حضرت سعد سے امان حاصل کر کے کہا کہ میں بچپن سے لڑائیوں میں رہا۔ فنون جنگ سیکھے۔ بہادروں کو دیکھا۔ مگر اس جیسا شخص نہیں دیکھا۔ تنہا شخص دو فرسخ قطع کر کے ستر ہزار کی جمعیت میں جن میں سے ہر ایک کے ساتھ دس دس پندرہ خدمت گذار بھی ہیں داخل ہوتا ہے۔ اور پھر فقط جاسوسی پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ خیمے گرائے اور گھوڑے لیکر چلا۔

اوّل جو شخص اُسکے پیچھے گیا وہ فارس میں ایکہزار سواروں کی برابر سمجھا جاتا ہے۔ اُسکو قتل کیا اُسکے بعد دوسرا بھی اُسی درجہ کا تھا اُسکو بھی قتل کیا۔ میں بھی اپنے یہاں ایک ہزار کی برابر سمجھا جاتا ہوں میرے بعد لشکر بھر میں مجھ جیسا کوئی نہیں رہا۔ مگر مجھے موت آنکھوں سے نظر آگئی۔ تب میں نے قید ہونے کو مرنے پر ترجیح دی۔ اس تقریر کے بعد وہ شخص مسلمان ہو گیا حضرت سعد نے اُسکا نام مسلم رکھا۔ یہ شخص بھی اُنھی افراد میں سے تھا جنھوں نے قادسیہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور ہر معرکہ میں طلیحہ کے ساتھ رہے۔

(۶) حضرت سعد نے مقدمۃ الجیش کا امیر زہرہ کو مقرر کیا تھا۔ رستم مداین سے قادسیہ تک جو پانچ چھ منزل سے زیادہ مسافت نہ تھی چار ماہ میں پہونچا۔ اُسکی غرض محض لڑائی کو ٹالنا تھا اِدھر حضرت عمر کی ہدایت بھی یہی تھی کہ ڈھیل دیجائے۔ اور لڑائی میں عجلت نکیجائے۔ اِسلئے

حضرت سعد نے بھی اپنی طرف سے اقدام نکیا۔

رستم جب قادسیہ پہونچگیا تو مقدمۃ الجیش عساکر اسلام کے افسر اعلیٰ زہرہ کو طمع زر اور ملاطفۃ سے اس بات پر راضی کرنا چاہا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو اس ارادہ سے باز رکھے

رستم اور زہرہ میں باہم اس طرح گفتگو ہوئی۔

(رستم) ہمارا اور عرب کا پڑوس ہونے کیوجہ سے دامن چولی کا ساتھ رہا ہے۔ ہمنے ہمیشہ اُنکی جان و مال شی حفاظت کی ہر قسم کی مالی امداد سے اُنکی دستگیری کر کے فقر و فاقہ سے بچایا۔

(زہرہ) بیشک عرب کی یہی حالت تھی اور وہ طمع زر اور گذر اوقات کیلئے تمھارے غلام بنے ہوئے تھے مگر اب حالت بدلگئی۔ اُنکا مقصود صرف پیٹ پالنا۔ اور دولت حاصل کرنا تھا۔ ہمارا مقصود رضاء مولی۔ اور ثواب آخرۃ ہے۔ کسی قسم کی طمع ہمکو اس ارادہ سے نہیں روک سکتی۔ ہم گمراہ تھے۔ اللہ نے ہمپر رحم فرما کر اپنے رسول کو مبعوث فرمایا۔ اور اُن سے یہ وعدہ فرمایا کہ جماعت کو اُن پر مسلط کریگا جنھوں نے اس دین کو قبول نہیں کیا۔ اور یقین دلایا کہ جب تک یہ لوگ اسلام پر اور اُسکے وعدوں پر پختگی سے اعتقاد رکھیں گے برابر غالب آتے جائینگے۔ اسلام دین حق ہے۔ جو اُسکا متبع ہوگا دائمی اور لازوال عزّت کا مستحق ہوگا۔ اور جو اُس سے اعراض کریگا برابر ذلیل رہیگا۔

(رستم) اسلام کی حقیقت کیا ہے۔

(زہرہ) عمود اسلام توحید اور رسالت کی شہادت ہے۔

(رستم) اسکے بعد کیا ہے۔

(زہرہ) اُسکے احکام میں سے بڑا حکم یہ ہے کہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کیجائے غیر اللہ کو عبادت کے کسی شعبہ میں شمہ برابر دخل نہو۔ یعنی عبادت شرک جلی و خفی سے بالکل خالی ہو اور پھر یہ کہ سب مخلوق کو ایک ماں باپ کی اولاد سمجھکر یکسان معاملہ کیا جائے۔ شریف کو رذیل پر امیر کو غریب پر ترجیح نہ دیجائے۔

(رستم) یہ تو بہت ہی اچھا دین ہے۔ کیا اگر ہم اسکو قبول کرلیں تو تم ہمارا ملک ہمارے حوالہ کر کے چلے جاؤگے زہرہ بیشک ایسا ہی ہوگا۔

رستم :۔ (یہ سب گفتگو سُنکر) آپنے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ اہل فارس نے اردشیر کے وقت سے کمتر درجہ کے لوگوں کو ایسا ذلیل و خوار بنا رکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے مخصوص پیشہ اور کام کے سوا سلطنت کے کسی کام میں حصّہ نہیں لے سکتا۔ اور نہ وہ امراء شرفاء کے ساتھ کسی رتبہ میں شریک ہو سکتے ہیں اُنکا خیال تھا کہ جب یہ لوگ اپنے پیشوں کو چھوڑ دینگے تو اُن کی عادات بدل جائیگی۔ اور امراء کے مقابل بنکر لڑنے کو تیار ہو جائینگے۔

(زہرہ) ہم تو لوگوں کے ساتھ ایسا بھلائی اور مساوات کا معاملہ کرنے والے ہیں جو کسی نے نہیں کیا۔ ہمکو رعایا پیشہ ور۔ اور کمتر درجہ کے لوگوں کے بارہ میں جو حکم ہے اُسکی اطاعت کرینگے۔ اگر وہ امراء کی قدر و منزلت کرنے میں احکام خداوندی کی اطاعت نکریں تو ہمکو کیا نقصان ہے۔

رستم کے دل پر زہرہ کی گفتگو کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ اُسنے واپس آکر فوجی افسروں اور ذی رائے لوگوں سے مشورہ کیا۔ اور کہا کہ میرے نزدیک تو ہم سب کا مسلمان ہو جانا بہتر ہے۔ لیکن سب نے ناک چڑھائی۔ اور اس بہتر رائے کو قبول کرنے پر امادہ نہوے۔

رستم اس سخت انکار پر بھی مایوس نہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو خیال میرے دل میں راسخ ہے مسلمانوں کی گفتگو سُنکر اُن کے طور طریق کو دیکھکر ان لوگوں کے دل میں بھی آہستہ آہستہ سرایت کر جائے۔ اور انجام کار ہم سب متفق ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنجائیں۔ اس بنا پر اُس نے حضرت سعد کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ کچھ لوگ گفتگو کرنے کو ہمارے پاس بھیجد یجئے حضرت سعد نے چند منتخب لوگوں کی ایک جماعت کو بھیجنا چاہا۔ مگر ربعی بن عامر نے عرض کیا کہ گفتگو کیلئے ایک جماعت جائیگی تو اہل فارس سمجھیں گے کہ ہمارے دلوں پر اُنکی جمعیت کا کچھ رُعب پڑا ہے۔ یا ہم اُن کو وقعت کی نظر سے دیکھتے اور اُن سے گفتگو کو مہتم بالشان کام سمجھتے ہیں۔ ایک آدمی جانا چاہئے۔ اس پر تنہا ربعی ہی کو جانیکا حکم ہوا قادسیہ کے پُل پر پہونچے تو رستم نے اُنکو وہیں روک کر اپنے یہاں عظمت و شان دکھلانے کے سامان شروع کر دئے دور تک زربفت کے فرش بچھائے گئے۔ اعلیٰ درجہ کی وردیوں سے آراستہ فوج دو رویہ کھڑی کی گئی۔ اور خود رستم اپنے مُرصع و جواہر نگار تخت پر شان و شکوہ کے ساتھ بیٹھا۔ ارد گرد امراء اور افسران فوج بیش قیمت گدوں پر تکیہ لگا کر بٹھائے گئے۔ اسکے بالمقابل مسلمانوں کے سفیر

(ربعی) کی حالت اور ہیئت بھی دیکھنے کے قابل تھی۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ تلوار ایک پرانے اور پھٹے ہوئے کپڑے میں لپٹی ہوئی۔ چمڑے کی بدہیئت تسمہ سے کمر میں بندھی ہوئی تھی اونٹ کی عرق گیر کو کرتہ کی طرح پہنکر کمر باندھ رکھی تھی۔ جب باین ہیئت کذائی مکلف فرش کے کنارے پہونچے تو اُن سے کہا گیا کہ گھوڑے سے اوتر کر پیادہ چلیں۔ مگر نہ مانا۔ بلکہ اُنہیں زربفت کے فرشوں پر سے گھوڑے سمیت گذرتے ہوئے رستم کے قریب پہونچے۔ وہاں اوتر کر نہایت استغنا اور تحقیر سے دو گدوں کو درمیان سے پھاڑ کر گھوڑے کو باندھ دیا۔ اُن سے کہا گیا کہ ہتیار رکھو لکر علٰحدہ رکھدو۔ کہا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں خود نہیں آیا۔ تمنے بلایا ہے۔ رستم کو اطلاع ہوئی تو اُس نے کہا کہ اسی حالت میں آنے دو۔

وہاں سے آہستہ آہستہ اور قریب قریب قدم رکھتے اور نیزہ پر سہارا دیتے ہوئے اسطرح چلے کہ اعلیٰ اور بیش قیمت قالینوں میں سوراخ ہوگئے۔ اور دکھلا دیا کہ یہ سب مزخرفات ہماری نظروں میں خاک سے زیادہ ذلیل ہیں۔ رستم کے سامنے پہونچے تو فرش اُٹھا کر زمین پر بیٹھ گئے اور نیزہ کو فرش پر گاڑ دیا۔ کسی نے کہا تم زمین پر کیوں بیٹھے۔ جواب دیا کہ ہم تمہارے ان مزین فرشوں پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ رستم نے بذریعہ ترجمان گفتگو شروع کی۔

(رستم) تم اس ملک میں کیسے اور کس غرض کے لئے آئے ہو۔

(ربعی) اللہ ہمکو لایا ہے اور اُس نے ہمکو اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو تنگی سے نکالکر فراخی میں پہونچائیں۔ اور ادیان باطلہ کے ظالمانہ قوانین کی تنگ و تاریک گھاٹیوں سے نکالکر اسلامی عدل اور مساوات کی شاہراہ پر ڈالیں۔ اُسنے اپنا دین دیکر ہمکو بھیجا ہے۔ جو اُسکو قبول کریگا ہم اُسکے ملک کو اُسکے حوالہ کرکے چلے جائینگے۔ اور جو انکار کریگا اُس سے مقابلہ کرینگے۔

(رستم) آپ کا مطلب ہمنے سمجھ لیا۔ لیکن کیا آپ ہمیں اسقدر مہلت دیسکتے ہیں کہ ہم اسمیں غور کرلیں۔

(ربعی) آپ کو تین دن کی مہلت دی۔ اسمیں خوب سوچ لیجئے۔ اس درمیان میں ہم لڑائی کی ابتدا نہ کرینگے تمھاری طرف سے ابتدا ہو تو دوسری بات ہے۔ میں اپنی اور تمام عساکر اسلامیہ کی طرف سے اس معاہدہ کا ذمہ دار ہوں۔

(رستم) کیا تم سب کے سردار ہو۔
(ربعی) مسلمان مثل جسم واحد ہیں۔ اُن میں کا ادنیٰ بھی جو گرگذرتا ہے اعلیٰ کو اُسکی پابندی لازمی ہے۔
رستم نے اِس گفتگو کے بعد جو برسر دربار ہوئی تھی۔ تمام افسروں کو تنہائی میں بلاکر کہا۔ تمنے کبھی بھی ایسی واضح اور روشن گفتگو سُنی ہے۔ اب بھی میرا کہنا مانو۔ سب نے نہایت نخوت سے جواب دیا ہم اِس کتّے (معاذ اللہ) کے دین کی طرف کبھی راغب نہونگے۔ اِسکے کپڑے نہیں دیکھے کیسے سڑے ہوئے اور بوسیدہ ہیں۔ جنکو دیکھکر بھی نفرت ہوتی ہے۔
رستم نے کہا تمھاری عقلوں پر افسوس ہے اُسکے کپڑوں کو دیکھتے ہو۔ ذاتی اخلاق جرأت ومتانت اور گفتگو اور رائے کو نہیں دیکھتے۔ عرب اپنے برگزیدہ اوصاف کی حفاظت کرتے ہیں۔ تمھاری طرح کپڑوں کی زیب وزینت کے درپے نہیں ہوتے۔
اِس گفتگو کے بعد ربعی وہاں سے رخصت ہوگئے۔
کوتاہ بیں اور حقیقت ناشناس ہمیشہ ظاہری طمطراق کی طرف مایل ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اخلاق کی پاکیزگی اور نفوس کی تقدیس وتطہیر اصل چیز ہے۔ ظاہر بیں لباس کی زینت سے جلالت قدر اور رفعت شان کا اندازہ کرتے ہیں۔ اور حقیقت الامر اسکے بالکل خلاف ہے۔
حضرت امام شافعیؒ کا سُرّمن رائے[ا] میں ایک حجام کی دُکان پر گذر ہوا۔ آپ نے اُس سے اصلاح بنانے کو فرمایا۔ حجام امراء۔ وزراء کی اصلاحیں بناکر معقول اُجرت لینے کا خوگر تھا۔ امام صاحب کی معمولی اور بوسیدہ اور میلے کپڑوں سے متنفر بھی ہوا اور یہ سمجھا کہ یہ تو خود سائل معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے کیا دینگے۔ اُس نے اصلاح بنانے سے انکار کردیا۔ امام شافعی صاحب انکار کی وجہ سمجھ گئے۔ اپنے غلام کو جو ساتھ تھا ارشاد فرمایا تیری پاس کیا ہے اُسنے کہا۔ دس دینار۔ فرمایا۔ اِس حجام کو دیدو۔ اور وہاں سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

[ا] بغداد کے متصل ایک شہر کا نام ہے جسکو معتصم باللہ نے آباد کیا۔ اور دار الخلافۃ بنایا تھا ۱۲

عَلَيَّ ثِيَابٌ لَوْ يُبَاعُ جَمِيْعُهَا	بِفَلْسٍ لَكَانَ الْفَلْسُ مِنْهُنَّ اَكْثَرَا
میرے بدن پر ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے	تو ایک فلوس کی برابر بھی قیمت نہ ملے۔
وَفِيْهِنَّ نَفْسٌ لَوْ يُقَاسُ بِمِثْلِهَا	جَمِيْعُ الْوَرٰى كَانَتْ اَجَلَّ وَاَخْطَرَا
لیکن انکے اندر ایسا نفس ہے کہ اگر تمام مخلوق کا اس جیسے سے۔	موازنہ کیا جائے تو اسی کا مرتبہ بڑھ رہیگا۔
وَمَا ضَرَّ حَدَّ السَّيْفِ اِخْلَاقُ غِمْدِهٖ	اِذَا كَانَ عَضْبًا حَيْثُ اَنْفَذْتَهٗ بَرٰى
تلوار کی دھار کیلئے میان کا بوسیدہ ہونا کیا مضر ہے۔	اگر وہ ایسی تیز ہے کہ ہر چیز کے درمیان سے نکل جانے میں اشارہ کی منتظر ہو

ظاہر ہے کہ امام شافعی مجتہد مطلق۔ اور اپنے وقت کے فرد فرید امام ہیں۔ خلیفہ وقت بھی اُنکی تعظیم کرتا تھا مگر حجام نے کپڑوں کو دیکھکر نفرت کا اظہار کیا۔ اور اُنکے پاک اخلاق واوصاف کا اُسکو اندازہ نہوا۔ امام جلیل الشان نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا وہ خود سرائی میں داخل نہ تھا۔ بلکہ اس عام غلط فہمی کو رفع کرنیکی غرض سے اسقدر فرمانے پر مجبور ہوے۔ اور جب کوئی دینی وشرعی ضرورت آپڑی تو ایسے اظہار کی اجازت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی ضرورت کیوقت فرعون سے فرمایا تھا۔

اِجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ؕ	(مجھکو زمین کے خزانوں کا منتظم ونگراں مقرر کردیں میں خوب محافظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔)

دس دینار عطا فرمانے کو بھی کوئی شخص اسراف پر محمول نہ کرے۔ آپ کو ان عام خیالات کی اصلاح کے ساتھ یہ بھی دکھلانا تھا کہ اہل اللہ اور متوکلین علی اللہ کے نزدیک اشرفی اور روپیہ سب بے حقیقت ہیں۔

ایک دفعہ بعض ظاہر پرستوں نے حضرت جنیدؒ سے صوفیہ پر طعن کرتے ہوئے سوال کیا۔

مَا بَالُهُمْ وَسِخَةٌ ثِيَابُهُمْ۔	(ان کے کپڑے میلے کچیلے کیوں رہتے ہیں۔)
جواب میں ارشاد فرمایا لٰكِنَّهَا طَاهِرَةٌ	(لیکن وہ پاک ہوتے ہیں۔)

اسکا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ کپڑوں کا میلا رکھنا محمود امر ہے۔ یا صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ کپڑے میلے پہنا کریں۔ بلکہ حاصل جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کو طہارت ثوب کا اہتمام ہوتا ہے۔ نفاست او صفائی بہت عمدہ چیز ہے۔ مگر اس جماعۃ کی جو دنیا سے منقطع اور بالکلیہ آخرۃ کی

طرف راغب ہوتے ہیں۔ اپنی مشغولی سے اسقدر فرصت نہیں ملتی کہ لباس کی نفاست کی طرف توجہ کریں۔ اور چونکہ طہارت شرط عبادت ہے اسلئے اُس سے غفلت نہیں کرتے۔ اسکو بجنسہ ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔ جیسا حدیث شریف میں وارد ہے۔

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ (او کما قال)

(بہت سے پراگندہ بال غبار آلودہ۔ دروازوں پر سے ہٹا دئے گئے ایسے مقبول ہوتے ہیں کہ اگر اللہ کے اوپر کسی بات کی قسم کھا بیٹھیں تو انکی قسم پوری کردیجاوے۔)

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ غبار آلودہ اور پراگندہ بال دروازوں پر سے دُھکے دیکر ہٹا دیا جانا ایسی پسندیدہ باتیں ہیں کہ اُنکو اختیار کیا کرو۔

الغرض ظاہر بیں لباس کو دیکھتے ہیں۔ اور حقیقت شناس اخلاق اور اوصاف کو۔

رستم اپنی قوم کو سمجھاتا رہا۔ مگر بدقسمتی سد راہ ہوگئی۔ نہ سمجھے اور ہرگز نہ سمجھے۔

مگر رستم نے اب بھی ہمت نہ ہاری اور اپنی کوشش سے باز نہ آیا۔ اگلے روز پھر حضرت سعد کی خدمت میں پیام بھیجا۔ کہ ربعی کو ایک دفعہ اور بھیجدیجئے۔ حضرت سعد نے بجائے ربعی کے حذیفہ بن محصن کو بھیجا۔ یہ حضرت بھی اُسی شان اور اُسی ہیئت ولباس میں اُسی انداز سے تشریف لائے۔ لیکن فرق اتنا تھا کہ ربعی نے تو گھوڑی سے اوتر کر بیٹھ گئے تھے اور یہ نیچے بھی نہ اُترے رستم نے چاہا کہ گھوڑی سے اوتریں مگر انکار کردیا۔ اور اُسی طرح سواری کی حالت میں رستم سے گفتگو شروع ہوئی۔

رستم۔ ہمنے تو ربعی کو بلایا تھا تم کیوں آئے۔

حذیفہ۔ ہمارے امیر اسلام کے قانون مساوات پر پورا عمل کرتے ہیں۔ وہ ہمکو نرمی اور سختی۔ رنج وراحت میں مساوی رکھتے ہیں۔ کل ربعی کی نوبت تھی۔ اور آج میری ہے۔

رستم۔ پھر تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو۔

اس سوال کا جو جواب ربعی نے دیا تھا وہی بجنسہ حذیفہ نے دیا۔ اور اُسکے بعد رستم نے وہی سوال کئے جو ربعی سے کئے تھے۔ حذیفہ نے وہی جواب دئے جو ربعی نے دئے تھے۔

رستم۔ ہمکو عذر کرنے کے واسطے کتنی مدت کی مہلت دیتے ہو۔

حذیفہ۔تین دن کی۔جن میں سے ایک دن گذر چکا ہے۔یعنی ربعی جو مدت مقرر کر گئے ہیں اُسی وقت سے حساب لگایا جائیگا۔میں اُن سے علیحدہ کوئی مدت مقرر نہیں کر سکتا۔

اس گفتگو کے بعد رستم نے اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔افسوس۔جس بات کو میں سمجھے ہوئے ہوں تم نہیں سمجھتے۔کل ایک شخص آیا اور اُسنے ہماری زرق برق ساز و سامان کو نہایت حقارت سے دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ہمارے مکلّف فرشوں پر کھڑا کر دیا۔آج یہ دوسرا آیا اُسنے گھوڑے سے اوترنا بھی گوارا نہ کیا۔اور جو گفتگو کی اُسکو تمنے سن لیا۔مگر وہ نہ سمجھے۔اور حذیفہ واپس چلے گئے۔

لیکن رستم نے ایک دفعہ اور آخری کوشش کر کے اپنی بدبخت قوم کو سمجھانا چاہا۔اور حضرت سعدؓ سے کہلا بھیجا کہ کسی اور کو گفتگو کے واسطے بھیجدیجئے۔

اس دفعہ مغیرہ بن شعبہ بھیجے گئے۔آج بھی حسب دستور دور تک زربفت کے فرش بچھائے گئے۔افسروں کے سروں پر تاج اور اعلیٰ قسم کے لباس تھے۔رستم خود نہایت شان سے تخت پر جلوہ گر تھا۔

مغیرہ انہیں فرشوں پر گھوڑے سمیت گذر کر فوراً رستم کی برابر تخت پر بیٹھ گئے۔

اہل فارس نے ربعی اور حذیفہ کی بے باکانہ معاملات پر تو صبر کیا تھا۔مگر آج نہ رہا گیا۔مغیرہ کو کھینچ کر تخت سے نیچے گرا دیا۔

مغیرہ نے فرمایا میں تو سنتا تھا کہ اہل فارس ذی عقل۔علیم۔بردبار۔باوقار ہیں۔لیکن تمسے زیادہ تو کوئی قوم بھی سفیہ و نادان نہوگی۔ہم اہل عرب آپسمیں ایک دوسرے کو غلام نہیں بناتے سب مساوی درجہ پر رہتے ہیں۔میرا گمان تھا کہ تم بھی ہماری طرح مساوات کا معاملہ کرتے ہوگے۔مجھکو تخت سے اوتار کر نیچے گرانے سے بہتر یہ ہوتا کہ تم مجھے اپنے یہاں کے برتاؤ سے اور کمتر درجہ والوں کو غلام و ذلیل سمجھنے کے قانون سے مطلع کر دیتے۔میں خود ہی تخت پر نہ بیٹھتا۔میں خود نہیں آیا۔بلکہ تمنے بلایا تھا اسلئے میرے ساتھ یہ معاملہ کرنا مناسب نہ تھا۔اب مجھے معلوم ہو گیا کہ تم ضرور مغلوب ہوگے۔کیونکہ کوئی سلطنت ایسے افعال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہسکتی۔

کم رتبہ لوگوں نے مغیرہ کی یہ تقریر سُنی تو ضبط نہ کرسکے اور بول اُٹھے کہ بیشک یہ عربی سچ کہتا ہے۔ سردار اور امیروں نے آپسمیں کہا کہ اس عربی نے ایسی گفتگو کی ہے کہ اسکے بعد ہمارے غلام کبھی ہماری اطاعت نہ کرینگے۔ اللہ ہمارے اسلاف کا ستیاناس کرے جنہوں نے اس اُمت عرب کو حقیر اور ناقابل التفات سمجھا۔ اسکے بعد رستم اور مغیرہ میں گفتگو شروع ہوئی۔

رستم۔ اپنی قوم کی عظمت وشان ظاہر کرکے کہا کہ عرب سے زیادہ کوئی قوم ذلیل نہ تھی۔ ہمنے تمکو کبھی کسی شمار میں نہیں سمجھا۔ جب تمھارے یہاں خشک سالی ہوتی تھی تو تم خیرات مانگنے ہمارے یہاں آتے تھے۔ اور ہم تمکو کچھ دیدیتے تھے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ اب بھی تم اسیوجہ سے آئے ہو۔ میں تمھارے امیر کیواسطے ایک خلعۃ اور خچر اور ہزار درہم کا حکم دیتا ہوں۔ اور تم میں سے ہر ایک کیواسطے ایک بوجھ کھجور ونکا تم یہ لیکر چلے جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمکو قتل کردوں۔

مغیرہ۔ بعد حمد وصلوۃ۔ تمنے اپنی نسبت جوکچھ بیان کیا نہایت صحیح ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ اور ہماری یہی کیفیت تھی جو تمنے بیان کی۔ لیکن دنیا کی دولت قایم رہنے والی نہیں وہ بدلتی رہتی ہے۔ اہل فقر کو ثروت کی توقع لگی رہتی ہے۔ اور ثروت والے فقر وفاقہ کی مصیبت سے خایف رہتے ہیں۔ تم اگر شکر کرتے تمھاری دولت قایم رہتی۔ ہمپر اللہ نے رحم فرمایا۔ ہمارے اندر اپنے رسول کو بھیجا ہمنے اُنکا اتباع کیا۔ ہماری وہ حالت بدلگئی۔ اور پھر وہی گفتگو کرکے جو ربعی اور حذیفہ نے کی تھی کہا کہ تین باتوں کے سوا چارہ نہیں۔ ۱ اسلام۔ ۲ یا جزیہ۔ ۳ یا مقاتلہ اتنا اور اضافہ کردیا کہ اب تو ہمنے اور ہمارے اہل وعیال نے سرزمین فارس کے عمدہ کھانے اور میوہ کھالئے۔ جنکو ہم چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔

رستم۔ تم سب قتل کردئے جاؤگے اور یہاں رہنا نصیب نہوگا۔

مغیرہ۔ ہم میں سے جو قتل ہوگا جنت میں جائیگا۔ اور تمھارے مقتولین نار میں۔ اور پھر جو مسلمان زندہ بچیں گے وہ تمھارے اوپر غالب آئینگے۔

رستم۔ قہر زدہ غصہ اور غضب میں کہنے لگا کہ کل دن چڑھنے نہ پائیگا کہ ہم تم سب کو قتل کرڈالینگے اس گفتگو کے بعد مغیرہ تو واپس ہوگئے۔ لیکن رستم کے تو دلمیں اسلام کا اثر جاگزیں تھا

غصہ بھی تھا تو محض عارضی اور دکھلاوے کا۔ اُسنے سردار فارس کو تنہائی میں بلاکر کہا کہ تم کو ان لوگوں سے کیا نسبت ہے۔ یہ اپنے دعوے میں سچے ہوں یا جھوٹے۔ مگر مرد اور بہادر گویا اور حاضر جواب بھی ہیں۔ جب انکی عقل و فہم حفظ راز اور معاملہ فہمی اس درجہ کو پہونچی ہوئی ہے کہ جس سے گفتگو کی جاتی ہے۔ علیحدہ علیحدہ یا اکھٹے۔ اُن میں کسی ایک بات اور ایک رائے میں بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے مدعا میں ضرور کامیاب ہونگے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کرلو کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں صادق ہیں تب تو دنیا کی کوئی قوت اُنکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ مگر بدقسمت امراء فارس اس معقول و مدلل بات کو سُنکر بھی اپنی بیجا ہٹ پر قایم رہے۔ اور اپنی شجاعت و دلیری دکھلاکر مقابلہ کیلئے آمادگی ظاہر کی۔

رستم کو علم نجوم یا کہانت کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ کل کو میدان جنگ میں مغیرہ کی آنکھ پھوٹ جائیگی اُس نے ایک شخص کو مغیرہ کے پیچھے دوڑایا۔ اور کہدیا کہ جب وہ پل سے پار ہوجائیں تو میری پیشین گوئی سُنادینا۔ رستم کی غرض یہ تھی کہ مغیرہ اس پیشین گوئی سے متاثر ہونگے اور شاید اُنکو حقانیت اسلام میں کچھ تردد ہوجائے۔ رستم اور اہل فارس کو جو محض باطل پرست سمجھ رہے ہیں اُسمیں کچھ تذبذب ہوجائے۔ مگر استغفر اللہ۔ صحابہ ایسے خام خیال اور کچے نہ تھے کہ وہ کسی نجومی کاہن یا جوگی کی پیشین گوئی پر ڈھیلے ہوجاتے۔ وہ اسلام کے درجات شریعت و طریقت۔ معرفت و حقیقت کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ رمل و نجوم کی حسابات کہانتہ۔ القاء شیطانی اور مرتاض جوگیوں کے کشف کی اصلیت کو خوب جانتے تھے۔

رستم کا یہ پیام سُنتے ہی خوش ہوکر کہنے لگے کہ "تو نے مجھے بڑی بشارت دی اگر مجھکو تمھارے اور بھائیوں سے جہاد کرنے کیواسطے بینائی کی ضرورت نہوتی تو میں تمنا کرتا کہ دوسری آنکھ بھی کل ہی پھوٹ جائے۔"

قاصد نے مغیرہ کی یہ گفتگو رستم کو سُنائی تو اُس نے امراء اور سرداروں سے کہا کہ اب میرا کہنا مان لو۔ اِن سب مراحل کے بعد حضرت سعد نے بطور اتمام حجت تین نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ حضرات کو رستم کے پاس بھیجا۔ اُن لوگوں نے اُس سے کہا کہ ہم تمکو ایسی بات کی طرف بلاتے ہیں جسمیں سراسر بھلائی اور سلامتی ہے۔ دین حق کو قبول کرلو۔ ہم یہیں سے واپس ہوجائینگے۔

تمہارا ملک تمہارے پاس رہیگا۔ کوئی تمپر حملہ کریگا تو ہم تمہارے مددگار ہونگے۔ خدا سے ڈرنا چاہیئے ایسا نہو کہ قوم فارس کا تمام ہونا تمہارے ہی ہاتوں پر لکھا ہوا ہو۔ تم اگر اس دین میں داخل ہوگئے اور وساوس شیطانی کو دفع کردیا تو ابھی ذراسی دیر میں قابل غبطہ بن جاؤ گے۔ یعنی اسلام کی لازوال دولت کے ساتھ اپنی اس امارت و ریاست پر قایم رہکر۔ دُنیا و آخرت کی سرداری اور عزت تمکو ملجائیگی۔ اور اس حالت کو دیکھکر لوگ تمپر غبطہ و رشک کرنے لگیں گے ایک کلمہ زبان سے کہہ لینے میں یہ بادشاہت حاصل ہوتی ہے۔

رستم نے کہا۔ اِن باتوں سے کیا حاصل۔ ہماری تمہاری مثال ایسی ہے کہ کسی باغ میں ایک لومڑی گھس آئی تھی مالک باغ نے کہا ایک لومڑی کیا کرسکتی ہے۔ لومڑی نے مالک کا استغنا دیکھکر اور لومڑیوں کو بُلالیا۔ مالک نے جب یہ دیکھا تو راستہ بند کرکے سب کو قتل کردیا۔ یا تمہاری مثال ایسی ہے کہ مکھی نے شہد کو دیکھکر کہا کہ جو مجھکو شہد میں پہونچادے اُسکو دو درہم دونگی۔ لیکن جب پہونچ گئی تو اب کہتی ہے جو نکالدے تو اُسکو چار درہم دونگی۔ تمنے ہماری بے پرواہی سے دُھوکہ کھایا۔ اور اس طمع میں یہاں آگئے۔ لیکن اب یہاں سے سالم نہیں جاسکتے۔ فاقہ اور تنگدستی تمکو لائی ہے۔ اگر تم آدمیوں کی طرح جانا چاہتے ہو تو ہم تمکو کھانے پینے کیواسطے کچھ دیدینگے۔

سفراء اسلام نے کہا کہ ہمارا جو کچھ حال تمنے بیان کیا ٹھیک ہے۔ ہم ایسے ہی ذلیل و حقیر محتاج و تنگدست تھے۔ لیکن اللہ نے ہمپر فضل فرمایا۔ کفر سے نکالکر دولت اسلام عطا فرمائی۔ ذلت کے بعد عزت نصیب کی۔ اختلاف اور جتھے بندی کی جگہ ہم میں اتفاق و یکجہتی عطا فرماکر مخالفین اسلام سے مقابلہ کا حکم دیا۔ جو مثالیں تمنے بیان کیں یہ درست نہیں۔ بلکہ ہماری تمہاری مثال ایسی ہی کہ کسی شخص نے نہایت اعلیٰ قسم کا باغ لگایا۔ جسمیں نہریں جاری کیں۔ اور عالیشان محلات بنائے۔ اُسمیں نوکر چاکر رکھے جو درختوں کی آبیاری اور پھلوں کی محافظت کریں۔ باغ کی سرسبزی اور شادابی کی ہر وقت فکر رکھیں۔ یہ ملازم پرتکلف محلات میں رہکر باغ کی خدمت سے غافل اور بدمستیوں میں مشغول ہوگئے۔

مالک باغ نے سمجھایا اور ڈھیل دی مگر نہ سمجھے تو بجائے اُنکے ایسے لوگوں کو مامور کیا جو

مالک کی مرضی کے موافق خدمت بجالائیں۔ پہلے ملازموں کو نکال کر باہر کریں یا اپنا غلام بنا کر رکھیں خدا تعالیٰ نے تمکو جس غرض کیواسطے دنیا کی حکومت و سلطنت۔ ریاست و وجاہت عطا فرمائی تھی۔ تم اُس سے غافل بلکہ منکر ہوگئے۔ نیابت الٰہی کے طریقے چھوڑ بیٹھے۔ مالک کو مالک بھی نہ سمجھا۔ بلکہ بجائے توحید کے آتش پرستی وغیرہ میں مبتلا ہوگئے۔ اور جو ہدایات تمکو دی گئیں تھیں اُن میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا۔ تو اب اللہ تعالیٰ نے ہمکو بھیجا ہے اور یہ خدمت ہمارے سپرد کی ہے۔

رستم پر اس واضح اور کھلی ہوئی گفتگو کا کچھ اثر نہوا۔ بلکہ یہ کہا کہ کل لڑائی ہوگی۔ دریا کو عبور کرکے تم ہماری طرف آؤگے یا ہم آئیں۔ سفراء نے کہا تم عبور کرکے آؤ۔

فریقین جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے۔ لیکن شب ہی کو رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اُسنے لشکر فارس کی سب کمانیں لیکر اُن پر مُہر لگادی۔ اور آسمان پر چلا گیا رستم اس خواب کو دیکھکر سخت مغموم ہوا۔

صبح ہی اپنے خواص اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالےٰ ہمکو بار بار متنبہ کرتا اور سمجھاتا ہی مگر ہم نہیں سمجھتے۔ اسکے بعد رستم نے دو زرہ پہنیں اور خود پہنا۔ تمام ہتیار لگائے۔ اور اوچھل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا۔ غَدًا اَنُدُّ قُهُم۔ | (کہ کل ہم اُنکو یعنی مسلمانوں کو پیس ڈالیں گے۔)

ایک مصاحب نے کہا انشاءاللہ۔ رستم نے کہا وہ نچاہیگا تب بھی ہم پیس ڈالینگے۔

رستم کے اس فقرہ پر تعجب ہوتا ہے اُسکو تو اسلام کے حق ہونے اور مسلمانوں کے غالب ہوجانیکا یقین تھا اُسکی زبان سے ایسا فقرہ کیونکر نکلا۔ مورخین اسکی تاویل کرتے ہیں کہ دل میں تو اُسکے وہی مضمون تھا اور وہ اپنے خواص اور مصاحبین سے بار بار ظاہر بھی کرچکا تھا۔ مگر اہل فارس کی ہمت بڑھانے کے لئے اور لڑائی کے واسطے مستعد و امادہ کرنے کیلئے شجاعت کا اظہار کیا۔

مگر میرا خیال اسکے بالکل خلاف ہے۔ رستم کا خیال واقعی وہی تھا۔ کہ اسلام حق ہے مسلمانوں سے مقابلہ کیے سود وہ ضرور غالب آئینگے۔ مگر بدبختی اُسپر سوار تھی۔ آدمی کو ایک بات کا علم ہوتا ہی۔ مگر غصہ کی حالت میں اُسکا علم بدل جاتا ہی۔ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ وہ اُسکے خلاف اپنے اختیار و رضا سے کرتا ہے۔

(باقی آئندہ)

حامداً ومصلیاً

دار الطلبہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظاہر علوم شہر سہارنپور

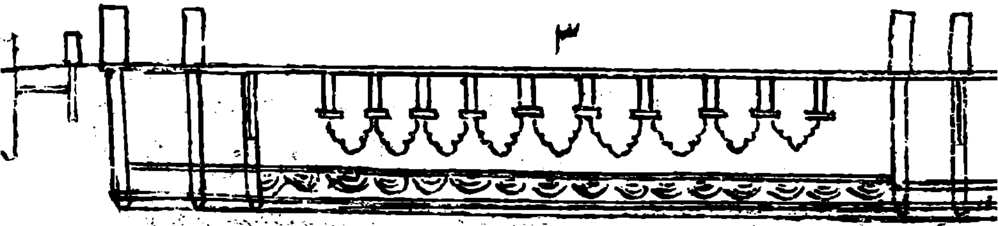
اس مدرسہ کی بنیاد حضرت مولانا سعادت علی صاحب فقیہ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے مقدس ہاتھوں نے رکھی تھی اور حضرت مولانا جامع شریعت و طریقت مولوی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہی کی سرپرستی میں پھلا پھولا۔ اور اب زبدۃ الکملا حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب انبہٹوی دام مجدہٗ اسکے مدرس اعلیٰ۔ اور قدوۃ المحدثین حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدرس اوّل مدرسہ عالیہ دیوبند و سید الاتقیا حضرت مولانا الحاج الشاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری اور حکیم الامۃ رئیس الفضلاء حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مد اللہ ظلالہم اسکے سرپرست ہیں۔

یہ مدرسہ جو مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند کا ہمسن اور گویا توام ہے الحمد للہ چھیالیس سال سے ترقی وکامیابی کے ساتھ قائم ہے اور اپنے فیوض و برکات سے اطراف عالم میں علوم دینیہ کی روشنی پھیلا رہا ہے۔ مدرسہ موصوفہ کے بیرونی طلبہ جو طلب علم دین کیلئے دور دراز ملکوں سے آتے ہیں چونکہ شہر کے متفرق مساجد کے حجروں میں رہکر طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھاتے تھے۔ اسلئے سالگذشتہ میں اہل مدرسہ کو دار الطلبہ کی شدید ضرورۃ محسوس ہوئی جسمیں مہمانان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آسایش کیساتھ رہکر علوم دینیہ حاصل کرسکیں الحمد للہ کہ اہل خیر اور عالی ہمت مسلمان اس خلیل اللّٰہی آواز کی طرف متوجہ ہوئے اور ۲ ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ کو مقدس ہاتھوں نے اسکی بنیاد رکھی چونکہ حق تعالیٰ کا کام تھا اسلئے اُسکی رضا جو جماعت نے اس صدقہ جاریہ میں شریک ہونا ذخیرۂ آخرت و وسیلہ نجات سمجھکر جو کچھ

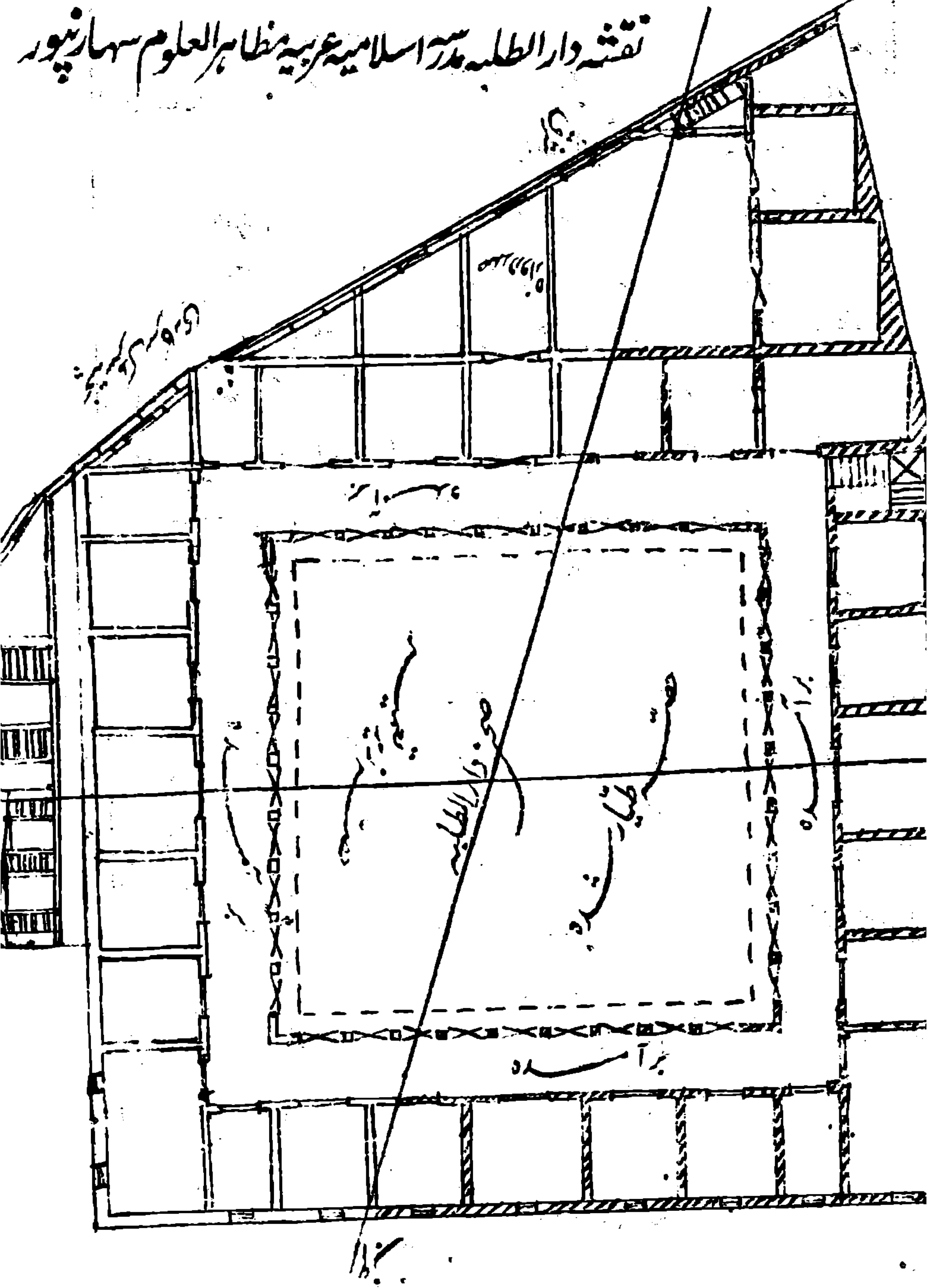
ہو سکا قلیل و کثیر رقم سے معاونت فرمائی۔ بعض دیندار ان اشخاص نے زمین خرید کر وقف کی بعض دیگر حضرات نے معقول رقم اپنے اپنے دست کرم سے عطا فرماکر کار تعمیر میں مدد فرمائی۔ عطا کنندگان اسخیا کی رقومات و سعی مفصل طور پر کیفیت مدرسہ ۱۳۲۸ھ میں شائع کردی گئی ہے۔ اسوقت مجملاً اسقدر عرض کرنا ہے کہ الحمدللہ **دارالطلبہ** کی تعمیر نصف سے زیادہ طیار ہوچکی اور نصف سے کم باقی ہے۔ چنانچہ نقشہ منسلکہ سے ظاہر ہے چونکہ ابتک جو روپیہ فراہم تھا وہ صرف ہوچکا اسلئے باقی تعمیر کیلئے باہمت اہل اسلام کو متوجہ کرنا ہے کہ اس کار خیر میں جسکی بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردیسی مہمانوں کی سکونت و راحت کیلئے رکھی گئی ہے شرکت مالی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھیں اور قلیل و کثیر جو کچھ ہو سکے اُسکی معاونت سے حسب ارشاد سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وفیہ الایۃ مسابقت فرماویں اور حق تعالیٰ کی بخشش و جنت کی طرف لپکیں۔ اسوقت خیال یہ ہے کہ باقیماندہ تعمیر کی طیاری و تکمیل کیلئے پانچہزار روپیہ انشاءاللہ کافی ہوجائیگا اور یہ رقم ایسی قلیل ہے کہ صدقات جاریات کے جویاں اور کارہائے خیر کے متلاشی اہل خیر مسلمانوں میں ایک نفس بھی اسکا متحمل ہوسکتا ہے مگر قلب میں ڈالنا حق تعالیٰ کا کام ہے اور ظاہر ہے کہ اُسی کے قلب میں اس اعانت کا شوق ڈالا جائیگا جسکی تقدیر میں یہ سعادت عظمےٰ لکھی جاچکی ہے۔ اسلئے اِس علان کے ذریعہ سے عام اہل اسلام کو اطلاع دینی مناسب معلوم ہوئی تاکہ وقت کو غنیمت سمجھکر اس سے پہلے کہ یہ کام ختم ہوکر اعانت سے مستغنی ہوجائے یا اپنے اندر معاونت و شرکت کی طاقت نہ رہے جلد اس طرف متوجہ ہوں اور اپنی پاک کمائی کا جو حصہ بھی ہوسکے جلد ارسال فرماکر معاونین کی فہرست میں اپنا نام نامی درج کرائیں ہر چند کہ ابن السبیل (مسافر) اور مسافر بھی وہ جو فی سبیل اللہ طلب علم دین میں اپنا گھربار چھوڑ کر دور پڑا ہو وہ قابل رحم جماعت ہے جسکے لئے مکان طیار کرنیکی فضیلت خود ظاہر ہے مگر ترغیب و اظہار کیلئے اُن سرپرستان مدرسہ کی تحریر جو اسوقت فلک ہند کے شموس اور بالاتفاق سردار علماء ہیں درج کیجاتی ہے تاکہ اہل اسلام کی رغبت و حرص بڑھے اور جلد سے جلد اس رُک جانیوالے کام کا اجرا ہو فقط

نقشہ منسلکہ دارالطلبہ صفحہ ۳

۳



نقشہ دار الطلبہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور



تصدیقات

میں اس اشتہار کے مضمون میں موافق ہوں۔ دار الطلبہ اسوقت باقیات صالحات کے افضل افراد سے ہے۔ حدیث صحیح میں باقیات صالحات میں سے جنکا ثواب بعد مرنے کے بھی ملتا رہتا ہے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ او بیتاً لابن السبیل بناہ اور ظاہر ہے کہ طلبہ ابن السبیل یقیناً ہیں بلکہ سب ابناء السبیل سے افضل ہیں کیونکہ یہ لوگ سبیل اللہ میں ہیں جب مطلق سبیل والونکی اعانت میں یہ فضیلت ہے تو سبیل اللہ والونکی خدمت میں کیا کچھ فضیلت ہوگی۔ پھر غور کرنا چاہیئے کہ سبیل اللہ کے سب افراد میں مطلقاً بھی اور خصوص اسوقت میں کہ علوم دینیہ کی سخت ضرورت ہے اور اسکی کمی سے سخت مضرتیں واقع ہیں خاص اس سبیل اللہ یعنی تحصیل و تکمیل علوم دینیہ میں سب سے زیادہ فضیلت ہے پس بالضرور دار الطلبہ کا بنانا اسوقت اس خاص حیثیت سے سب باقیات صالحات سے افضل ہے۔ اُمید ہے کہ اہل اسلام اپنی اپنی استطاعت کیموافق اس موقعہ کو ہاتھ سے ندینگے اور بلالحاظ قلیل و کثیر کی ضرور اسمیں امداد فرماوینگے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

العبد
اشرف علی تھانوی

بیشک حضرت مولانا اشرف علیصاحب سلمہٗ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے نہایت مناسب اور ضروری ہے۔

العبد
عبدالرحیم عفی عنہ

مولانا اشرف علیصاحب نے جو تحریر فرمایا ہے حق اور صواب ہے۔ العبد
محمود عفی عنہ

المشتہر
عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظاہر العلوم شہر سہارنپور

(مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے اہتمام سے چھپا)

فہرست چندہ دار الحدیث حجہ اشاعت القاسم ماہ محرم ۱۳۳۰ھ وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	یکے از اہل خیر ضلع غازی پور	لعہ/
۲	مولوی وہاج الدین صاحب ساکن اتھائین متولیان ضلع بجنور	عسہ/
۳	مولانا مولوی عبد الحق صاحب رئیس پور قاضی ضلع مظفر نگر ممبر مدرسہ ہذا	دمہ/
۴	منشی محمد عبد الحافظ خانصاحب ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد	عہ
۵	اہلیہ منشی عبد الحسنین صاحب ساکن موضع کارا ضلع گیا	معہ/
۶	عالیجناب مولانا مولوی عبد الجبار خانصاحب سی آئی ای بتفصیل ذیل :- منجانب والد ماجد جناب مولوی غلام اصغر صاحب خانصاحب اور قریشی ہاشمی عسہ منجانب والدہ مرحومہ ام عسہ + منجانب دادی صاحبہ مرحومہ ام عہ منجانب نانی صاحبہ مرحومہ ام عہ + منجانب داماد سید فضل الرحمن مرحوم عہ منجانب دختر صدیقہ بی بی مرحومہ عہ + منجانب نواسی ام فاطمہ بی بی مرحومہ منجانب جنابہ حیات النساء بی بی صاحبہ مرحومہ والدہ علاتی ام عہ منجانب ہمشیرہ ام رابعہ بی بی مرحومہ عہ + منجانب خود سہ	ماسہ
۷	منجانب والدین مولوی ابو البشر صاحب جونپوری از بسیال	صہ/
۸	محمد اشرف صاحب وحاجی یار علی صاحب ساکن اونچے گاؤں	۱۳/
۹	منشی بہاوالدین صاحب گنگوہی	للعہ/
۱۰	مولوی عزیز الرحمن صاحب 〃	عمـا/
۱۱	محمد اسمعیل صاحب سوداگر نگینہ	عمہ/
۱۲	حاجی محمد فضل صاحب از دہلی منجانب حضرت امام حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔	عمہ/
۱۴	منشی محمد یسین صاحب و ہمشیرہ صاحبہ منشی صاحب نگینوی	ســے/
۱۵	منشی ضمیر احمد شاہ صاحب نگینوی	عمہ/
۱۶	میر تجمل حسین صاحب ساکن شیخپورہ ضلع میرٹھ	صہ/
۱۷	مولوی عبد الحفیظ صاحب بلیاری	عمہ/
۱۸	منشی وزیر خانصاحب منیجر ریاست چھتاری	صہ/
۱۹	مولوی محمد صاحب ساکن چانگانہ ضلع اکیاب	عمـا/
۲۰	مولوی عبد العزیز صاحب 〃	عمہ/
۲۱	صوفی منشی احمد صاحب 〃	عمہ/
۲۲	بی بی حلیمہ خاتون صاحبہ	عمہ/
۲۳	منشی محمد زوار حسین صاحب انسپکٹر نمک کالا باغ پنجاب	صہ/
۲۴	منشی محمد احسن شاہ صاحب ساکن کہاریان ضلع کانپور منجانب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	عـا/
۲۵	منجانب زوجہ مرحومہ ووالدہ صاحبہ مرحومہ حاجی عیوض شاہ صاحب و منجانب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	ســے/
۲۶	محمد عمران صاحب سب انجنیر تعمیرات بہاولپور و منجانب والدین خود و منجانب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم	عـا/
۲۷	منجانب اہلیہ منشی محمد عبد العزیز صاحب ساکن اترولی	صہ/
۲۸	مولوی محمد یحییٰ صاحب ساکن راندیر ضلع صورت و منجانب طلبہ - سے	ہلے/
۲۱	صوفی سجاد حسین صاحب گوپامئو ضلع ہردوئی	ســے/
۳۰	حاجی محمد نعیم صاحب تاجر عطر و تیل جونپور	صہ/
۳۱	حاجی جوکھو مستری صاحب ساکن جونپور	صہ/
۳۲	مولوی محمد احمد صاحب نگینوی	لسعہ
۲۳	مولوی حکیم جمیل الدین صاحب 〃	صہ/
۲۴	جناب ابراہیم حاجی رسول ڈری صاحب	عہ
۲۵	منجانب والد ماجد صاحب مرحوم از گودرہ ضلع پنج محال	عمہ/
۲۶	معرفت مولوی حاجی محمد صاحب ساکن کرانچی سندھ مفصلہ ذیل - حاجی محمد صاحب کرانچی - میاں علی محمد صاحب - حسین بخش صاحب - اہلیہ حسین بخش صاحب - ہمشیرہ حسین بخش صاحب - والدہ محمد عظیم صاحب محمد یوسف صاحب - محمد اسمعیل صاحب - شیر محمد صاحب - میاں ابوبکر صاحب اہلیہ میاں ابوبکر صاحب منجانب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منجانب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا - احمد بخش صاحب کرانچوی احمد صدیق صاحب - میاں محمد صاحب - مولوی اللہ بخش صاحب کرانچوی از طرف اہلیہ شیخ حامد علی صاحب مرحوم - عبد العزیز صاحب محمد یعقوب صاحب	للعہ

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شایع ہوتا ہے اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲- کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان اور ربیع الثانی کا پرچہ اس مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

۳- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپیہ آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۴- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۵- جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نہ فرمائینگے یا وی۔ پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۶- شعبان ۱۳۲۸ھ سے رجب ۱۳۲۹ھ تک جلد اول کامل ہوگئی ہے اور اُسکی جلدیں موجود ہیں مجلد کی قیمت ۲؎ ہے اور بلا جلد ۱۲؎ معہ محصول۔ جلدیں نہایت نفیس ہیں۔

۷- جلد دوم شعبان ۱۳۲۹ھ سے شروع ہوئی ہے اور پانچ پرچے شائع ہو چکے ہیں جو صاحب ابتدائے سال سے خریدار ہونگے اُنکو شعبان ۱۳۲۹ھ سے رسالہ بھیجا جاویگا البتہ جو حضرات ابتدا سے نہ لینا چاہیں اُنکو مجبور نہ کیا جائیگا۔ سالانہ قیمت مع محصول عہ؎۔

۸- جملہ خط وکتابت و ترسیل زر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب یا خاکسار راقم کے نام ہونی چاہئے۔

الراقم

بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ "القاسم" دفتر مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

(قیمت سالانہ مع محصول عمر)

نمبر ۷ بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۰ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فلسفہ اور علم کلام

عقل ونقل

(نمبر ۹)

آپ عنقریب بوضاحت وتفصیل یہ معلوم کرینگے کہ جیسے زمین وآسمان میں چارطرف نور آفتاب کا ظہور ہے۔ اور اُسی کے ذریعہ سے آپ سرخ وسفید کا امتیاز اور خوبصورت وبدصورت کا فرق قائم کرتے ہیں اور ہر صحن ہر روشندان ہر جگہ اور ہر مکان میں جُدی جُدی قطع سے وہ ہی جلوہ گر کئے ہوئے ہے۔

ایسے ہی تمام کائنات کا وجود خداوند حقیقی کے نور وجود کی پرتوہ افشانی کا نتیجہ ہے۔ تو جس طرح آفتاب عالمتاب کو با این ہمہ عموم فیض۔ قلعی دار آئینہ اور آتشی شیشے کے ساتھ وہ خصوصیت خاصہ حاصل ہو کہ دوسرے اجسام کے ساتھ نہیں۔

دیکھو۔ آتشی شیشے میں سوائے روشنی کے آفتاب کی جانب سے ایک خاص حرارت اور آتشی اثر کی بھی آمد ہے اور باقی اجسام کو جو وہیں اُسکے پاس ہی رکھے ہوں اس تاثیر کی مطلق خبر نہیں۔ یا آئینہ قلعی دار میں آفتاب کی روشنی کا اسقدر اظہار ہے کہ درصورتیکہ دوسرے اجسام آفتاب سے فیضیاب ہو کر خود ہی روشن ہو جاتے ہیں یہ خود بھی سورج کی طرح چمک اُٹھتا ہے اور جو اجسام اِس کے بالمقابل ہوں اُن پر بھی اپنا پرتوہ ڈالتا ہے۔

اسی طرح فیض خداوندی کو بھی عام وخاص سمجھنا چاہئے کہ یہ فرق بجز فرق مناسبت اور فرق قابلیت کے اور کیا ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جیسے آفتاب کو آئینہ یا پتھر سب برابر ویکساں ہیں ایسے ہی

خدائے بے نیاز کو بھی تمام مخلوقات برابر ہیں کسی سے بخل نہیں۔ البتہ مخلوقات کی قابلیت اور مناسبت بے انتہا مختلف ہے تو جو لوگ صاف باطن ہیں اور اپنے بنی نوع سے ایسے ممتاز ہیں جیسے آئینہ لوہے سے یعنی جیسے آئینہ دراصل وہ ہی لوہا ہے جو میل کچیل کے دور ہوجانے کے باعث صاف وشفاف آئینہ بنگیا ہے ایسے ہی وہ لوگ بھی مثل اور بنی آدم کے وہ ہی حقیقت اور روح انسانی رکھتے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اُن کی روحیں بوجہ نہونے آلائشوں اور کدورتوں کے جو بسبب تعلقات جسمانی کے ہوتی ہیں پاک وصاف ہیں وہ لوگ عجب نہیں کہ بہ نسبت اپنے بنی نوع کے زیادہ معزز وممتاز ہوں اور بعضے ایسے فیض اُنکو خدا کی طرف سے پہنچتے ہوں کہ ہم کو تم کو اُن کی اطلاع بھی نہ ہو۔ یعنی ہم تم بذات خود اُن فیوضات سے محروم رہیں۔ گو اُن ہی پاکدل لوگوں کے واسطے سے جنکے قلوب پر اوّل وہ فیض وارد ہوتے ہیں صرف اِسقدر بہرہ یاب ہوجائیں جسقدر در و دیوار آئینہ منور سے یا سیاہ وسبز وغیرہ اشیا جو جلنے کے قابل ہوں آتشی شیشے سے۔

غرض ہوسکتا ہے کہ جیسے آفتاب کے مقابلہ کے وقت آتشی شیشہ یا آئینہ قلعی دار کے باطن میں آفتاب کی طرف سے ایک فیض ایسی طرح آتا ہے کہ نظاہر آتا ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور پھر اُسکے حاصل ہوجانیکے بعد وہ دونوں بھی بقدر طاقت اپنی فیض رسانی میں مطلق بخل و دریغ روا نہیں رکھتے بلکہ ہر اُس چیز کو جو اُنکے سامنے آتی ہے اپنے حلقۂ اثر میں داخل کرنیکے واسطے تیار رہتے ہیں۔

ایسے ہی کیا عجب ہے کہ بعض بنی آدم کے دلوں پر جنکے دل جسمانی کثافتوں اور نفسانی کدورتوں سے پاک وصاف ہیں ایسی حرارت محبّت خداوندی نازل ہوتی ہو کہ اوروں کو اسکی خبر بھی نہ ہو اور وہ خود آتشی شیشے کی مانند اسکو پی جائیں اور تحمل کرجائیں لیکن دوسروں کے دلوں میں آگ لگاکر اور اُنکی ساری کدورتوں کو سوخت کرکے ایسا پاک وصاف کردیں جیسا لوہے کو جلاکر صاف و شفاف آئینہ بنالیا جاتا ہے۔ اور پھر اُس نور الٰہی سے جو مثل آئینہ کے خاص اُنکے دلوں پر اُترتا ہے اور اُترتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اَوروں کا ظاہر مثل در و دیوار کے اور باطن مثل اُس آئینہ کے جو خود آفتاب کے مقابل نہ ہو مگر اُس آئینہ کے مقابل ہو جو آفتاب کے مقابل ہے بکمال آب وتاب جگمگا اُٹھے۔ یعنی اُن کا فیض اُن لوگوں کو جو اُنکی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے ہیں ظاہر وباطن میں ایسا مالامال کردے کہ کدورت کا نام ونشان باقی نہ رکھے اور عمدہ اعمال اور

برگزیدہ اخلاق سے اُنکا اندرون و بیرون بخوبی آراستہ ہوجائے۔

ہماری خواہش اسوقت اپنے دوستوں سے اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ خدائے عزوجل میں (جو کہ مخزن کمالات ہے) اور چند انسانوں میں فقط ایک ایسے ہی خاص طرح کے تعلق کو مستبعد نہ سمجھیں جیسا کہ اُنھوں نے آتشی شیشے وغیرہ کا آفتاب کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے۔

اگر اُنکو خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پوشیدہ تعلقات کے ممکن التسلیم ہونے میں تامل نہ رہا (اور غالباً نہ رہا ہوگا) تو پھر ہم بہت ہی تھوڑے سے غور و فکر کے بعد اُن خصوصیات کو طے کرسکینگے جنسے کسی ایک یا چند معین اشخاص کی صداقت پر جو کبھی اس تعلق کے مدعی رہے ہوں کافی استدلال ہوسکتا ہو۔ لیکن:

ہم ابھی تک تو اسی ورطۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ مثلاً دوپہر کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ کنکریاں۔ سنگریزے۔ درخت کی شاخیں۔ زمین کے ریت۔ سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے غرض دنیا کی سیکڑوں ہزاروں چیزیں اُسکے سامنے پڑی ہوئی ہیں سورج کی روشنی میں ہر ایک شے اُن میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہورہی ہے۔ لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور اُن ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جسکے ایک ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے۔ اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کرکے چادر کو اُسکے مقابلہ پر لاتا ہے تو اُسیوقت چادر میں آگ سُلگ کر دھواں اُٹھنے لگتا ہے۔ اور جب شیشے کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجرا جب ہم ایک انتہا سے انتہا جاہل اور متعصب آدمی سے بیان کرتے ہیں تو وہ بغیر کسی استعجاب کے اُسکو تسلیم کرنے لگتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے وہ بہت افسوسناک بیباکی کے ساتھ محال سمجھکر تمسخر اُڑانے کو جائز رکھتا ہے۔ جب ہم اُس سے یہ کہتے ہیں کہ ایک خشک اور بے آب وگیاہ ریگستان میں جہاں پر بہت سے ایسے مختلف المذاہب مختلف الطبائع اور مختلف الالوان لوگ جمع تھے جنکے پتھریلے معبودوں کی مانند سخت و سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں۔ جنکے تہ بر تہ مادی کثافتوں کے

نیچے انکی لطیف روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا۔ اور جنکی جہالت آمیز حرکتوں اور غافلانہ بدمستیوں سے دنیا کی اخلاقی مرقع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جاسکتی تھی۔
وہاں پر ایک ایسا صفا کیش اور روشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جسکے قلب میں فطری طور پر کمالات الٰہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد ودیعت کی گئی تھی۔ اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گردوپیش کے خیالات سے علیحدہ ہوکر ایسی روش اختیار کی جو سیدھے معبود حقیقی تک پہنچانیوالی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطن مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا اُس منبع الکمالات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہوگئی اور جسوقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کئے ہوئے دل سے طلب صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کی جناب میں متوجہ ہوکر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اُسکے قلب کی تہ میں اُتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اُسکی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو جلا کر کُندن بنا دیا۔
کیا کوئی عقل وانصاف کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہمنے ذکر کئے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہمکو ایسا بتلا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہماری احمق مخاطب کے نزدیک قابل تسلیم ٹھیرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھکر ہنسی اُڑائی گئی۔
بلاشبہ آتشی شیشے اور آفتاب کی مثال ایک جسمانی مثال ہے جسکو ہم کسی روحانی مسئلہ کے استدلال میں بقاعدۂ منطق پیش نہیں کرسکتے۔ لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ نہ ہم نے اس کو اپنا استدلال بنانا چاہا ہے اور نہ فی الحقیقت ہم کو بنانے کی ضرورت ہے۔
ہم اوائل تحریر میں یہ بتلاچکے کہ ہماری غرض اصلی اس موقع پر صرف اسقدر ہے کہ آپ خدائے بزرگ اور اُسکے بعض بندوں کے مابین ایک ایسے مخصوص تعلق کے ممکن ہونے سے انکار نہ فرمائیں جسکے ساتھ حضرت رب العزت کے بعض افادات خاصہ وابستہ ہوں۔ پس اگر آپ اس قسم کے تعلق کو ناممکن اور محال سمجھیں گے تو درحقیقت مدعی آپ ہونگے اور استدلال وبرہان سے کسی بات کا ثابت کرنا بھی بحیثیت مدعی ہونے کے آپ ہی کا منصب ہوگا۔ کیونکہ یہ بدیہی قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود وعدم (ہونے نہ ہونے) کی نسبت نزاع ہو تو اُسمیں مدعی وجود کا ماننے والا

سمجھا جاتا ہے اور بخلاف اسکے اگر گفتگو کسی چیز کے امکان و امتناع (ہو سکنے اور نہ ہو سکنے) میں ہے تو اب مدعی وہ شخص ہے جو اُسکو ناممکن اور ممتنع سمجھے۔

اِس اعتبار سے اگر میں بغیر کسی مزید توضیح کے یہ کہدیتا کہ بعض بنی آدم اور خدائے عزوجل میں بعض ایسے تعلقات ممکن ہیں جو اُنکے اور بنی نوع میں نہ پائے جاتے ہوں تو مجھسے کسی قسم کے مطالبۂ دلیل کا استحقاق نہ تھا۔ بلکہ مجھکو حق تھا کہ میں اپنے اُن مخالفوں سے جو ایسے تعلقات کو محال کہتے ہوں حجۃ طلب کروں۔ لیکن میں نے مناظرہ کے پہلو سے درگذر کرکے محض تقریب الی الفہم اور تسکین خاطر اور رفع اضطراب کے لئے ایک محسوس و مشاہد نظیر بھی اپنے مدعا کی تبرعًا پیش کردی تاکہ جو لوگ مادیات و محسوسات کے دائرہ سے ایک قدم باہر نکالنے کے خوگر نہیں ہیں وہ بھی اِن غیر محسوس تعلقات کی نوعیت سے فی الجملہ واقفیت حاصل کرسکیں۔

یہ ایک اتفاقی اور بہت ہی فائدہ مند بات ہوئی کہ جب ہم خالق و مخلوق کے اِن پنہانی تعلقات پر بحث کررہے تھے اور نظیروں اور مثالوں کے ذریعہ سے اُنکو دلنشین کرتے جاتے تھے تو اُس کے ضمن میں ہم کو چند ایسے اصول و اسباب کے سُراغ لگانیکا بھی موقع ملگیا جن پر یہ تعلقات واقع میں متفرع ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمنے یہ جان لیا کہ ان تعلقات خاصہ کی بنا اُس قرب و مناسبت پر ہے جو کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے اپنے روحی لطافت میں کامل اور اخلاق حمیدہ سے متصف ہونیکی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اسلئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص ان اعلیٰ اوصاف کے ساتھ موصوف راستی کا حامی اور کمینہ اخلاق و ذمائم سے محترز ہوگا اُسکو بعید نہیں کہ بسبب قرب روحانی کے خدائے عزوجل کی جانب سے اندرونی طور پر اِس قسم کے افاضات خاصہ ہوتے ہوں جو اُس کے دوسرے بنی نوع کو نہ ہوں۔ اور وہ اُن اسرار الٰہی پر مطلع ہوتا ہو جنکے دریافت کرنے سے اور لوگ عاجز رہگئے ہوں۔ خدائے اقدس نے اپنے کمالات کا اُسکو آئینہ بنالیا ہو۔ اور اسی شان مرآتیتہ کی وجہ سے اُسکے دل میں خدا تعالیٰ کے نہایت غامض اور دقیق مافی الضمیر بھی منعکس ہوجاتے ہوں۔

اگر فرض کرو کہ ہمکو دنیا میں کسی معتبر ذریعہ سے ایسے ایک یا چند آدمیوں کے وجود کا پتہ لگ گیا جن میں یہ صفات اعلیٰ اور اکمل حیثیت کے اندر پائے جائیں تو یقینًا یہی لوگ ہماری اُن بیمار عقلوں کے درد کا درمان بنکے گئے جنکے مرض کا مفصل تذکرہ ہم القاسم جلد اول نمبر ۷ ... نمبر ۹

ہیں کر چکے ہیں اور جنکی نسبت ہمنے کہا تھا کہ وہ مبتلائے امراض رہنے کی وجہ سے اپنے نیک و بد اور نافع و مضر میں اُس طرح صحیح تفریق نہیں کر سکتے جس طرح ایک بیمار آدمی بخار کی وجہ سے عمدہ عمدہ کھانوں کو بُرا سمجھنے لگتا ہے جو اُسکو طبعًا مرغوب ہیں اور دُنبل کی گلٹی یا خارش کی نوچ میں اپنے بدن کے تراشنے اور کھال کے نوچنے پر بے اختیار مائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حالت صحت میں اس حرکت کو ہرگز عزیز نہیں رکھتا تھا۔

یہ اُس خدائے بے نیاز کا بہت بڑا احسان ہو کہ میں نے جس مقصد کے ثابت کرنے کے واسطے چلنا شروع کیا تھا یہاں پہنچکر میں نے اُسکو پالیا۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی اُس تقریر سے جسکا آغاز گذشتہ ماہ صفر کے القاسم سے ہوا تھا۔ آج موجودہ صفر کے القاسم تک نتائج ذیل برآمد ہوئے :-

(۱) افعال انسانی میں نیک و بد کی تقسیم ہر فرد بشر کو خواہ وہ کوئی مذہبی آدمی ہو یا دہری ماننا ضروری ہے۔ (پرچہ صفر ۲۹ھ)

(۲) عقل سلیم جس کام کو اچھا یا بُرا بتلائے وہ ویسا ہی ہوتا ہے اور شریعت کے احکام بھی عقل سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔ (ایضًا)

(۳) عقل اور قوۃ عملیہ میں ایسا رابطۂ خاص ہو کہ اُن میں سے ہر ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے اور حرکات ناشایستہ اور افعال ذمیمہ کا کسی شخص سے سرزد ہونا اسکی دلیل ہے کہ اُسکی قوۃ علمیہ (عقل) مریض یا کمزور ہے۔ (پرچہ ربیع الاول سنہ ۲۹ھ)

(۴) عقل سقیم (مریض) جس شے کو نافع یا مضر بتلائے اُسپر اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس بارہ میں عقل سلیم درکار ہے۔ (ایضًا)

(۵) ہر ایک چیز کے حسن و قبح سے کماحقہٗ خدا تعالیٰ ہی واقف ہو سکتا ہے۔ یا وہ شخص جسکو خدا تعالیٰ محض اپنے فضل و عنایت سے جس حد تک واقف کر دے۔ (ایضًا)

(۶) خدا تعالیٰ کے فیوض و عنایات خاصہ سے ہر ایک انسان بقدر اپنے قرب و مناسبت کے مستفید ہوتا ہے۔ (محرم سنہ ۳۰ھ)

(۷) جسقدر کوئی عقل لطیف یعنی نفسانی آلائشوں اور مادی کثافتوں سے پاک و صاف (ایضًا و صفر سنہ ۳۰ھ)

ہوکر اعلی سے اعلی اخلاق کے ساتھ مزین ہوگی اُسیقدر اُسکو خدائے عز وجل
سے قرب وتعلق حاصل ہوگا۔ اور ایسی ہی عقلوں کو ہم عقول سلیمہ کے نام سے
یاد کرنے کے مستحق ہونگے۔

اِن صاف وصریح مگر مہتم بالشان نتائج کے سمجھ لینے کے بعد صرف یہ ہی نفع نہیں ہوا کہ ہم اپنے ایک خاص مقصد میں بقدر ضرورت کامیاب ہوگئے بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پر جو کچھ نکتہ چینیاں پہلی کی گئیں تھیں اُن میں سے اکثر کا جواب بھی ضمناً اسی بیان سے نکل آیا۔ چنانچہ جن ناظرین کو امام ممدوح کی تقریر اور اُسکے متعلق شبہات یاد ہونگے وہ خود ہماری پوری تقریر پر مکرر نظر ڈالکر اُمید ہے کہ ہر ایک شبہ کا جواب دریافت کرلینگے۔

البتہ سرسید کے اُس اعتراض کا کوئی جواب ہمارے مضمون میں ابھی تک نہیں آیا کہ جب عموماً لوگوں کی عقلیں مبتلائے امراض رہنے کی وجہ سے صحیح وفاسد اور نیک وبد میں تمیز نہیں کرسکتیں اور نہ وہ ہر ایک بھلے بُرے کے پہچاننے کے واسطے کافی ہیں تو ہمکو خدا تعالی کی جانب سے احکام شرعیہ کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے ہی کیوجہ سے تمام حیوانات کے برخلاف شرعیات کا مخاطب قرار دیا گیا ہے۔

اِسکا جواب مختصراً تو صرف اتنا ہی ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کے سمجھنے یا کرنیکی جسقدر تک تکلیف دی ہے اُن میں سے کوئی چیز بھی ہمارے حیطۂ قدرت سے خارج نہیں ہے اور ہمارے ذی عقل ہونے اور اپنے ابنار جنس سے ممتاز بنئے کا یہ نفع کافی ہو کہ ہم خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت پر مطلع ہوکر اپنے جملہ ارادات اور حرکات وسکنات کی باگ اُن دونوں کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور اجمالاً یہ جان لیں کہ جن دونوں کی صداقت کا ہمکو یقین ہوچکا ہے وہ بلاشبہ ہمارے کامل خیرخواہ اور کامل حکمت والے ہیں۔ اور اُنکی ہر ایک چھوٹی سی چھوٹی تعلیم پر کاربند ہونا ہمارے لئے فلاح وسودمندی سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ ہم اُن کل احکام کی یا اُن میں سے بعض کی تفصیلی حکمتوں اور مصالح پر مطلع نہ ہوسکے ہوں۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہو کہ ایک ماہر ڈاکٹر جب کسی دوا یا غذا کے متعلق مفید یا مضر ہونیکا فتوی دیتا ہے تو ہم خواہ اُس چیز کے خواص وکیفیات بلکہ نام سے بھی صحیح طور پر آشنا نہ ہوں اور خواہ جسکے استعمال کا وہ حکم دیتا ہے اُس سے نفرت اور جس سے وہ

منع کرتا ہے اُسکی طرف رغبت بھی ہو مگر ڈاکٹر کی تجربہ کاری اور بہی خواہی پر اعتماد کرکے جسکو ہم نے محض ایک کمزور اور ضعیف گمان کے ساتھ تسلیم کر رکھا ہے۔ ہم اُس دوا یا غذا کے استعمال کی نسبت اپنا سابق رویہ بدل ڈالتے ہیں اور اس تبدیلی کے وقت بیچارے عقل کی ایک بھی نہیں سُنتے بلکہ یوں تاویل کرکے تسلی کر لیتے ہیں کہ عاقلوں کی پیروی بھی درحقیقت عقل کی ہی پیروی ہے تو اس حیثیت سے گویا ہمنے عقل کے اشارہ کے بغیر کوئی جنبش نہیں کی۔

یہ ہی حال بعینہ مذہب و شریعت کا ہے۔ لیکن ہمکو تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ سرسیّد نے ایک نرالی منطق سے اور عجیب گول مول الفاظ میں لوگوں کے دلوں سے ہمارے اس صحیح خیال کو مٹانا یا کم از کم سُست کر دینا چاہا ہے جس جگہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارا یہ اُصول نہایت جنچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اس میں ہی مکلّف ہوا ہے پس جس بات پر وہ مکلف ہوگا ضرور ہے کہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے۔ جو محال و ممتنع ہے۔ پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں"

(تہذیب الاخلاق جلد دوم مطبوعہ لاہور۔ مضمون کانشنس ص ۱۲۳)

میرا سوال سرسیّد سے یہ ہے کہ جس عقل کو وہ تکلیف شرعی کے واسطے علت قرار دیتے ہیں اُس سے کیا مراد ہے۔ آیا فقط قوۃ ادراک کا انسان میں موجود ہونا یا اُس سے ہر ہر چیز کو تفصیلاً جاننا۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو بعض احکام و اخلاق کے فوائد و علل پر مطلع نہ ہونے سے علت و معلول میں جدائی کس طرح لازم آئی اور اگر خدانخواستہ سرسیّد نے دوسری شق کو لیا ہے تو میں تسلیم نہیں کرتا کہ جو علت تکلیف کی سرسید نے قرار دی ہے فی الواقع وہ ہی علت ہے۔ اور آپ حیرت کرینگے جب یہ سنینگے کہ جیسا کہ میں اس شق کو تسلیم نہیں کرتا خود سرسید بھی اُسکے اعتراف کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ اُسی مضمون کے دوسرے حصّہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔ (باقی آئندہ)

شبیر احمد عثمانی

مدرسہ عالیہ دیوبند

اصلاح بعض جزئیات انقلاب

(اصلاح معاملہ بہ بعض طاعات مالیہ مثل

وقف وکفارہ یمین ونذر وفدیہ نماز وروزہ وصدقہ نافلہ وغیرہ)

جس طرح زکوٰۃ کے ملحقات میں سے صدقہ فطر وقربانی ہی جنکے متعلق اسکے قبل بیان ہوچکا ہے۔ اسی طرح اُسکے ملحقات میں سے دوسری بعض طاعات مالیہ بھی حقوق اللہ میں سے ہیں جن میں سے بعض کا نام سُرخی بالا کے ضمن میں ہی ترمذی کی حدیث مرفوع ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ کے عموم میں یہ سب داخل ہیں (اور چونکہ ایسی طاعات میں زکوٰۃ راس واساس ہے اور اسیوجہ سے ان سب میں وہی شعائر وارکان اسلام سے ہے اور باقی سب اُسکے بعد کے درجہ میں اسی بناء پر اوروں کو اُسکے ملحقات میں سے کہدیا گیا ورنہ یہ مقصود نہیں ہی اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ زکوٰۃ فرض ہے اور دوسرے تطوع یا یہ کہ جسکے ذمہ زکوٰۃ نہ ہو اُسکے ذمہ دوسرے حقوق مذکورہ میں سے کچھ نہ ہوگا کہ یہ دونوں حکم غلط ہیں واقفان احکام جانتے ہیں کہ صدقہ فطر وقربانی وکفارہ یمین وایفاءِ نذر اور فدیہ صوم وصلوٰۃ کا بھی واجب ہے گو وقف وصدقہ نافلہ واجب نہ ہو اور اسی طرح بعض کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہوتی مگر دوسرے حقوق مالیہ واجبہ اُسکے ذمہ ہوتے ہیں مقصود یہ ہے کہ یہ اعمال درجہ میں تو زکوٰۃ کے بعد ہیں مگر پھر بھی شرعاً مطلوب ہیں جنمیں بعضے واجب اور بعضے مندوب ہیں) چونکہ ان میں بھی مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اسلئے اُن پر بھی مختصراً بقدر ضرورت متنبہ کرنا ضروری ہے چنانچہ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا ہوں (اور حقوق اللہ کی قید اسلئے لگائی کہ جو حقوق مالیہ منجملہ حقوق العباد ہیں وہ از قبیل معاملات ہیں جنکا یہاں ذکر نہیں ہے اسوقت صرف دیانات کا بیان ہی)

وقف

اسمیں بعض کوتاہیاں وقف کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہیں اور بعضی منتظم اور متولی کیطرف سے اور بعضے واقف کی اولاد سے اور بعضی دوسرے اجنبی لوگوں کی طرف سے چنانچہ واقف کیطرف سے ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے اُسمیں یہ بھی رعایت نہیں کیجاتی کہ یہ حلال سے

حاصل ہوئی ہے یا حرام سے محض تفاخر اور شہرت کے لئے نام کرنے کو یہ عمل کرتے ہیں۔
حدیث میں صاف ارشاد ہے عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکسب[1] عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظہرہ الا کان زادہ الی النار ان اللہ لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث رواہ احمد وکذا فی شرح السنۃ۔

بلکہ اگر حلال سے بھی ہو مگر ہو تفاخر کے لئے وہ بھی غیر نافع وغیر مقبول ہے۔ ریاء کی مذمت معلوم اور ظاہر ہے۔ خصوص مساجد بنانے والے اس بلاء میں بکثرت مبتلا ہیں یہی وجہ ہے کہ گو کسی جگہ مسجد قدیم موجود ہو مگر محتاج مرمت ہو لیکن اُسکی مرمت نہ کرینگے اور اُسکو منہدم ہونے دینگے اور اپنے نام کے لئے ایک مسجد بناوینگے اور یہی راز ہے اسکا کہ اکثر بستیوں میں بکثرت مسجدیں ویران ہیں۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ خود وقف ہی مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ نیت صرف جائداد کی حفاظت ہوتی ہے اور اُسی کو مقصود بالذات قرار دیتے ہیں اور وقف کو اُسکا ذریعہ بناتے ہیں۔

پس دین تو مقصود بالعرض ہے اور دنیا مقصود بالذات ہوئی جسکی نسبت ارشاد نبوی ہے انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی[2] فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ رواہ الشیخان۔

---

[1] ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی شخص مال حرام کماوے اور اُسمیں سے صدقہ کرے تو قبول ہو یا خرچ کرے تو برکت ہو۔ اور مال حرام کو اپنے بعد چھوڑ جاتا ہے تو وہ اُسکا دوزخ کیلئے توشہ بنجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا۔ بلکہ برائی کو بھلائی سے محو کرتا ہے۔ بلاشبہ خبیث نہیں محو کرسکتا خبیث کو۔

[2] عمل کا مدار نیت ہے اور ہر شخص کو وہی حاصل ہوتا ہے جو وہ نیت کرتا ہے پس جو اللہ اور رسول کی رضامندی کیلئے ہجرت کرے اُسکی ہجرت خدا اور رسول کیلئے سمجھی جائیگی اور جو شخص دنیا حاصل کرنے کیلئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہجرت کرے تو اُسکی ہجرت اُسی کے لئے سمجھی جائیگی۔

دیکھئے اس مہاجر نے ہجرت تو کی مگر نیت اُسمیں غرض دنیوی کی تھی اسلئے ثواب سے محروم رہا اور اسی قبیل سے ہے بعض اوقات وقف علی الاولاد کرنا۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ وقف علی الاولاد صحیح نہیں یا کسی حالت میں موجب ثواب نہیں۔ صحیح تو ہر حال میں ہی خواہ نیت کچھ ہی ہو جیسا کہ نماز کو اگر کوئی تمام شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرے مگر نیت یہ ہو کہ لوگ ہمکو نمازی سمجھیں باجماع اہل علم نماز اُسکی صحیح ہو جاویگی مگر ثواب سے محروم رہیگا اسی طرح سے یہ وقف صحیح تو ہوہی جاویگا گو ثواب بعض احوال میں نہ ہو اسی طرح بعض حالات میں ثواب بھی ملیگا جب مقصود اعانت اولاد کی دین کے لئے ہو یعنی یہ غرض ہو کہ یہ معاش سے مطمئن رہیں گے تو دین میں مشغول رہیں گے اور کسی کے حق کا ضائع کرنا بھی مقصود نہ ہو اور اگر مقصود اولاد کی اعانت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ یہ ہمیشہ صاحب ثروت وجاہ رہیں گے یا یہ کہ کسی سے قرض لیکر اندیشہ ہوا کہ اب جائداد نیلام ہو جاویگی اُسوقت وقف کی پناہ لیکر صاحب حق کا حق ضائع کیا تو نیکی برباد گناہ لازم ہوگا۔ اور اس سے بڑھکر ایک دوسری مضمر قبیح غرض ہے کہ اُسکا درجہ الحاد تک پہونچتا ہے وہ یہ کہ اصل میں ذہن میں مسئلہ میراث کو خلاف مصلحت وخلاف حکمت اور موجب ضرر اور نامناسب اعتقاد کرتا ہے اور صریح اعتراض کرنے کو بدنامی سمجھکر ایک شرعی عمل کی پناہ لیتا ہی یعنی وقف علی الاولاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اور قواعد میراث کو موجب تجزیہ وتضییع جائداد خیال کرتا ہے۔ پس مبنی اُسکی اس تجویز کا ایک حکم شرعی یعنی میراث کو نامناسب اعتقاد کرنا ہے تو اسکا بد دینی ہونا ظاہر ہے اور شیطان کے کافر ہونے کا اصل سبب یہی ہی کہ اُس نے ایک حکم منصوص کو خلاف حکمت قرار دیا اور صرف ترک سجود ایک معصیت تھا نہ کہ کفر۔ پس اسوقت بھی ایسے عقیدہ والوں کی تکفیر کرنے والے کو متعصب کہنا خود تعصب ہے جسکے معنی باطل کی حمایت کرنا ہے نہ کہ دین کی پختگی اور تمسک شریعت کے ساتھ پس اسوقت تصلب کا نام نافہمی سے تعصب رکھ لیا گیا ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہی کہ اُسکے مصارف میں بعض بدعات ومعاصی کو بھی جز بناتے ہیں کہ اسکی آمدنی سے فلاں مزار پر عرس کیا جاوے جسکا مشتمل بر بدعات کثیرہ ہونا ظاہر ہے یا یہ کہ اسکی آمدنی کا ایک حصہ متعارف انگریزی تعلیم میں صرف کیا جاوے۔ جسکا متضمن وموروث قبائح

و مفاسد عظیمہ ہونا مشاہد ہے۔

اور بعضی کوتاہیاں متولی و منتظم کی طرف سے ہوتی ہیں۔ مثلاً بعضے وقف کی آمدنی کو اُسکے مصارف میں نہیں صرف کرتے بلکہ اپنی راے کے موافق جائز ناجائز سے قطع نظر کرکے جو چاہیں تصرف کرتے ہیں۔ بعض اوقات اُسکی شرائط کی مخالفت کی جاتی ہے مثلاً اُسمیں واقف نے ایک جماعت کو مشیر قرار دیا مگر جسکا زور ہوا وہی قابض ہوکر مستقل و مستبد بالرائے بن بیٹھا اور دوسرونکو پوچھتا بھی نہیں اور اگر واقف نے حساب داخل کرنے کی بھی شرط لکھدی اور کوئی دباؤ بھی پڑا تو فرضی حساب تصنیف کرلیا۔ بعض اوقات اپنی دنیوی اغراض کے لئے وقف کی مصلحتیں برباد کیجاتی ہیں مثلاً کوئی خوش معاملہ کاشتکار اس متولی کی دوسری مملوکہ زمین اس شرط پر رکھتا ہے کہ وقف زمین کا ارزاں ٹھیکہ اُسکو دیا جاوے اور دوسرا اجنبی کاشتکار گراں کرایہ پر لیتا ہے اور وہ بھی خوش معاملہ ہے مگر اُسکو دینے میں اسکی مملوکہ زمین چھوٹتی ہے تو یہ شخص محض اپنی اس مصلحت کیلئے وقف کا نقصان کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ منتظم تمام آمدنی اُسکی خود ہی کھاجاتا ہے پھر کبھی تو اوّل ہی سے نیت اُسکی اداکی نہیں ہوتی اور کبھی اوّل میں نیت اچھی ہوتی ہے مگر پھر ٹلتے ٹلتے تساہل ہوکر بیفکری ہوجاتی ہے اور وہ رقم ضائع ہی ہوجاتی ہے۔ بعضے متولی منافع سے متجاوز ہوکر خود رقبۂ وقف میں تصرف باطل کرتے ہیں۔ کبھی خوش نیتی سے مگر جہلِ احکام کے سبب اور کبھی بدنیتی سے اوّل اس طور سے مثلاً کہ اُس وقف کے اچھے دام ملتے ہیں اور اسکی نیت یہ ہے کہ ان داموں سے اور اچھی زمین لیکر اُسکو وقف کردینگے پھر کبھی کبھی وہ روپیہ بھی صرف ہوجاتا ہے اور وہ وقف مفت میں برباد ہوتا ہے۔ یا اُسکے عوض میں اُس سے اچھی زمین ملتی ہے حالانکہ وقف کا مبادلہ بالکل باطل ہے البتہ جہاں اسکا انکار ہی نہ چلے تو بالکل چھوڑ دینے سے بدل ہی لے لینا بہتر ہے اور اس طور سے کہ اُسپر مالکانہ تصرف کرنے لگے حتی کہ کبھی اُسکو رہن یا بیع بھی کردے ہزاروں اوقاف اِن خائنوں کی بدولت بے نام و بے نشان ہوگئے یا اگر معلوم بھی ہیں تو اُنکا استخلاص بوجہ رقم کثیر و وقت کثیر کے صرف پر موقوف ہونے کے دشوار ہوگیا ہے۔

افسوس ہے بعض مسلمانوں نے مسجدوں کے ساتھ استعمالاً و بیعاً گھروں کا سا معاملہ کرلیا ہے۔ اور بعض کوتاہیاں اولادِ واقف کی طرف سے ہوتی ہیں اور وہ کوتاہیاں وہ سب ہیں جو ابھی منتظم

کی کوتاہیوں کی فہرست میں مذکور ہوئیں اور بعض اُن سے زائد بھی ہیں اور زائد پر قادر ہونے کا سبب یہ ہو جاتا ہے کہ عرفاً اولاد واقف کو عام لوگ بہ نسبت اجنبی متولی کے وقف میں تصرف کرنیکا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ مثلاً لوگوں کو ایسے قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا یا کسی کو اپنے باپ دادا کی بنائی ہوئی مسجد میں نہ آنے دینا یا اُسکی شکستگی کی حالت میں خود تو بوجہ عدم استطاعت کے اُسکی مرمت نکر سکنا یا بے پروائی کے سبب نہ کرنا اور اوروں کو بوجہ عار اور تنگی کے اجازت ندینا حتیٰ کہ وہ اسی طرح اول منہدم ہو جاتی ہے پھر یہی لوگ اُسکا ملبہ بیچ کھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ منہدم ہو جاتی ہی پھر اسکی زمین بیچ لیتے ہیں خواہ اُسمیں مجالس فسق ہونے لگیں یا کوئی غیر مسلم اُسمیں گھر بنا کر یا پاخانہ تک پھرا کرے جو عار اس فضیحت کا سبب ہوئی ہی اُسی کے حق میں کہا جا سکتا ہے اِخْتَارَ النَّارَ عَلَى الْعَارِ۔ بعض کوتاہیاں اور عام اجنبی لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ مسجد میں کسی ظالم کا تصرف دیکھکر یہ رائے گھڑ لینا اور اپنی طرف سے فتوے دے لینا کہ اب یہ مسجد ہی نہیں رہی اسمیں ویسا ثواب ہی نہ ہوگا یا یہ کہ اسمیں اذن عام نرہا اسلئے یہاں جمعہ درست نہیں اور یہ تجویز تراش کر دوسری مسجد کے بنانے کا سامان شروع کر دینا جسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یا تو دوسری مسجد آباد نہیں ہوتی یا پہلی ویران ہو جاتی ہے۔ اور آئے دن کے جو جھگڑے رہتے ہیں وہ الگ۔ خود یہ مسئلہ ہی سمجھنا غلط ہے کہ ظالم کے تصرف سے وہ مسجد نہیں رہی یا اذن عام باطل ہو گیا مسجد مسجد ہی ہے اور وہ ظلم اُسکا مخل اذن عام شرعی نہیں ہے اذن عام کا شرط ہونا ارض مملوکہ میں ہی نہ کہ ارض موقوفہ میں وہاں شریعت کا اذن عام ہے جسکو کسی کا ظلم زائل نہیں کر سکتا بجائے اس مسئلہ تراشنے کے اُس ظالم کو بشرط قدرت روکنا چاہئے اور وقف کی حفاظت چاہئے اور مثلاً ایک یہ کہ وقف کو برباد ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور باوجود قدرت کے التفات نہیں کرتے کہتے ہیں کہ ہمکو کیا غرض پڑی ہی۔ صاحبو کیا دین بھی ایسی چیز ہے کہ جسکی نسبت بے غرضی کا دعوے کیا جاوے ہمکو تو بہت بڑی غرض ہر وقت ثواب کی پڑی ہے ہاں قدرت نہ ہونے پر مجبوری ہے اور مثلاً ایک یہ کہ بعض لوگ جو مصرف اُس وقف کے نہیں ہیں وہ بھی اُس سے منتفع ہوتے ہیں مثلاً ایک مسافرخانہ خاص مساکین کے لئے بنایا گیا مگر اُسمیں امراء و اغنیاء بھی بوجہ بخل کے قیام کرتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں نیز ہر طبقہ کی طبقات

مذکورین سے اور بھی کوتاہیاں ہیں مگر نمونہ کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ اسقدر بھی کافی ہیں ان ہی محذورات کو دیکھکر بعض دانشمندوں کی رائے یہ ہونے لگی ہے کہ اکثر اوقات ایسے اوقات سے تو یہی بہتر ہے کہ بجائے وقف کرنے کے اُس جائداد وغیرہ کو بیچکر اُسکے دام اپنے ہاتھ سے کسی نیک کام میں صرف کردے لیکن یہ ایک رائے ہے جسکا منشا ایک تعلق طبعی ہے کوئی حکم شرعی نہیں خائنوں کی خیانت وقف کے مرغوب فیہ ہونے میں مخل نہیں ہوسکتی واقف کو بوجہ نیت کے بقاء ذات وقف تک باقیات صالحات کا ثواب ملتا رہیگا گو اُس سے انتفاع منقطع ہوجاوے۔

ایک کوتاہی اور ہے کہ رنگ اُسکا عبادت ہے مگر اُسکے آثار پر نظر کرکے شریعت نے اُسکو پسند نہیں کیا یہ ہے کہ کوئی شخص جسکا قلب متحمل تنگی و تہیدستی کا نہ ہو اپنی تمام جائداد یا متاع کو وقف کردے بعض صحابہ رضؓ نے جوش سخاوت میں ایسا ارادہ کیا بھی تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا چنانچہ حدیث میں أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ مصرح ہی اور راز اسمیں یہ ہے کہ بعض اوقات ناداری میں وساوس پریشان کرتے ہیں کہ تونے سب دیدیا اگر کوئی حاجت پیش آئی اور آمدنی کی کوئی سبیل نہیں تو کہاں سے کام چلیگا۔ اِن وساوس کا بعض اوقات اِسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ میں خرابی پڑنے لگتی ہے بعض اوقات نیت ڈانواڈول ہوکر غیروں کے مال پر نظر پڑنے لگتی ہے بعض اوقات حرام ذرائع کا قصد کرنے لگتا ہی۔ چوری کا۔ جھوٹے مقدمہ جھوٹی گواہی کا کسی سے قرض لیکر مار لینے کا ونحو ذلك اور اگر ان وساوس کے بعد اتفاق سے کوئی کلفت و تنگی بھی پیش آگئی تو وہ وساوس اسوقت عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں اور معاصی کا صدور ہونا شروع ہوتا ہے جس سے آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہی ہے بعض اوقات کسی جرم قانونی کا مرتکب ہوکر گرفتار بلا و سزا بھی ہوتا ہے یہ دنیا کی مضرت ہوئی تو وقف کرنے سے اتنی خیر نصیب نہ ہوئی تھی جسقدر اُس سے شر پیدا ہوا تو شریعت مطہرہ نے جو اس سے روکا ہے تو واقع میں خیر سے نہیں روکا بلکہ ان شرور سے (جن پر شریعت کی نظر پڑی اور ہماری نظر سے مستور رہیں) روکا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد اپنے عموم سے ان صورتوں کو بھی شامل ہے۔ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اصلی مفلس کو افلاس سے اُسقدر پریشانی نہیں ہوتی جسقدر

فقیر بعد الغنا کو کیونکہ وہ پہلے سے اُسکا خوگر ہوتا ہے اِسی واسطے کہا گیا ہے ارحموا ثلثۃً[1] وعدّ منھم غنی قوم افتقر۔

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صالحہ بی بی نے اپنی جائداد کی نسبت ایسی ہی رائے ظاہر کر کے مشورہ طلب کیا حضرت رحنے فرمایا نا بھائی ایسا مت کرنا۔ آدمی کو اپنے نفس کی تسلی کے لئے بھی کچھ رکھنا ضرور ہے اھ اور اسی نکتہ کے سبب حضرت رح ضعیف القلب و مالوف بالاسباب لوگوں کے لئے اسباب و تعلقات مثل تجارت و نوکری وغیرہ کے ترک کو پسند نہیں فرماتے تھے بعض اوقات یہ مفاسد مذکورہ اس درجہ پر نہیں پہونچتے مگر اتنا ہوتا ہے کہ وقف کر کے پچھتاتا ہے کہ میں نے یہ کیا غلطی و ناعاقبت اندیشی کی۔ تو اُس خیر کا کیا ثواب ملسکتا ہے جسکو کر کے پچھتاوے اور افسوس کرے۔ البتہ جو خود بھی قلب قوی رکھتا ہو اور اُسکے ساتھ اہلِ عیال یا تو ہوں نہیں یا اگر ہوں تو وہ بھی اس شخص کے ساتھ اسمیں متفق اور راضی ہوں اور اسکو بھی قرائن سے شہادت قلب مظنون ہو کہ یہ پھر بھی پریشان نہ ہوں گے اور پریشان نکرینگے ایسی حالت میں تمام سرمایہ کے وقف کر دینے کا بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عزیمت و ہمت کی بات ہے یہی وجہ ہے کہ جناب صدیق اکبرؓ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں تمام نقیر و قطمیر جو کچھ اُنکی ملک میں تھا سب لے آئے اور آپنے اُسکو بطیب خاطر جائز رکھا اور اس عمل پر مدح میں وحی نازل ہوئی وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى الآیۃ ورنہ جسکو یہ قوت نہ ہو اُسکے لئے یہ مشورہ ہو یہ وارد ہے افضل الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی اوکما قال اور قوی کے لئے یہ وارد ہے ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر و تامل الغنی او مثل ذلك۔ سبحان اللہ شریعت مطہرہ کیا عادل ملت ہے۔ فصلی اللہ تعالیٰ من جاء نا بھا بیضاء نقیۃً وغراء سویۃً زکیۃً۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی کسی رنج وغیرہ کے سبب وارثوں کو محروم کرنا چاہتے ہیں اور اسی غرض سے اپنا متروکہ وقف کر دیتے ہیں تاکہ وارثوں کو نہ ملے سو سمجھ لینا چاہئے کہ ورثہ کو ضرر پہونچانا جو کہ اس شخص سے صادر ہوا ہے خود معصیت ہے قرآن مجید میں غیر مضار کی قید موجود ہے۔ حدیث میں ہے ان الرجل لیعمل والمرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرھما

[1] رحم کرو تین قسم کے آدمیوں پر۔ اور انہیں میں سے شمار کیا گیا ہے وہ مالدار جو مفلس ہو گیا ہو ۱۲

الموت فیضار ان فی الوصیۃ فیجب لھما النار کذا فی المشکوٰۃ وایضاً فیھا من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ بعضے آدمی ضرر پہونچانا تو نہیں چاہتے مگر یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کرنے میں تو ثواب ہوگا اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانے میں کیا ثواب ہے سو ایسا سمجھنا خود غلط ہے ثواب صرف وقف میں منحصر نہیں بلکہ وارثوں کے لئے ترکہ چھوڑ جانے میں بھی اجر اور فضیلت ہے حدیث میں ہے انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس کذا فی المشکوٰۃ غرض بجائے خود وقف بھی موجب ثواب ہے اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانا بھی موجب ثواب ہے اب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یا کسی خاص نسبت سے دونوں پر جائداد کو تقسیم کر دینا یہ محتاج ہے رجوع کا قواعد شرعیہ اور ماہران شریعت سے استفسار کرنے کی طرف۔

ایک کوتاہی غیر وقف کرنے والوں کی۔ اور یہ بہت عام ہے یہ ہی کہ وقف میں ہر قسم کے تصرفات کو جائز سمجھتے ہیں اور کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ کیا تمھاری ملک ہے یہانتک کہ اکثر دیندار لوگ تک اسمیں مبتلا ہیں کہ مسجد کے لوٹے بدہنے میں مریض کے لئے پانی پڑا ہوا کر گھر لیجاتے ہیں پھر بعضی دفعہ وہ کئی کئی روز تک گھر ہی رکھا رہتا ہے اور اگر فوراً بھی واپس آجاوے تب بھی خود لیجانا ہی جائز نہیں کیونکہ جس نے مسجد میں رکھا ہے اُسکی نیت صرف مسجد میں کام لینے کی ہے نہ کہ گھر لیجانے کی۔ اور خلاف شرط معطی کے جو کہ اُسکی نیت سے متعین ہے اور وہ نیت قرائن سے معلوم ہے اُس سے کام لینا جائز نہیں اور مانع سے یہ کہنا کہ کیا تمھاری ملک ہی بالکل لغو عذر ہے کیا منع کرنا اسی پر موقوف ہے کہ وہ دوسرے ہی کی ملک ہو۔ قواعد شریعت نے جس طرح ملک غیر ہونے کو سبب منع قرار دیا ہے اسی طرح ما فیہ الاستعمال غیر ما وقف لہ ہونا بھی شرعاً سبب منع ٹھرایا گیا ہے کیونکہ اصل حق منع شرع کو ہی یہی وجہ ہے کہ ملک غیر ہونا بھی وہاں ہی سبب منع ہی جہاں اُسکو شرع نے سبب منع قرار دیا ہے ورنہ نہیں کحالۃ المضطر فی مخمصۃ حیث یباح بل یفرض فیھا تناول مال الغیر لم یجد غیرہ وان ضمنہ اسی میں داخل ہے وہ بے احتیاطی بعض طلبہ کی کہ مسجد کے لوٹے پنکھے اُٹھا اُٹھا کر حجروں میں رکھ لیتے ہیں یا بعضے آدمی مسجد کے کلوخ استنجے کے لئے یا گرم پانی مسجد کے سقاوہ سے وضو کے لئے گھر لیجاتے ہیں یا

لہ کذا فی الدر المختار ۱۲ منہ

لہ اپنے وارثوں کو کھاتا پیتا چھوڑ جائے یہ بہتر ہی اس سے کہ اُنکو مفلس چھوڑ جای کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں ۱۲

بعضے آدمی مسجد کا فرش یا شامیانہ اپنے یا کسی دوسرے مدرسہ و انجمن و مسجد کی ضرورت میں خلاف نیت معطی کچھ اینٹ چونہ دوسری مسجد میں یہ سمجھکر کہ مسجد مسجد سب ایک ہیں لگا دیتے ہیں یہ سب اسی فہرست میں داخل ہیں اسی طرح مدارس میں جو اشیاء خاص غریب طلبہ کیلئے آتی ہیں اسمیں سے اغنیاء کو لینا یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ فقط

اشرف علی۔ تھانوی۔ ۲۹ رمحرم سنہ ۱۳۳۰ھ

مربعہ نعتیہ فارسی

از مولانا مولوی سید محمد انور شاہ صاحب مدظلہم

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۶ جلد دوم ملاحظہ ہو)

منبر او سدرہ و معراج او سبع قباب
در مقام قرب حق بر مقدم او فتح باب
کاندر انجا نور حق بود و نبد دیگر حجاب
دید و بشنید آنچہ جز وی کس نہ بشنید و ندید

مدح حالش رفع ذکر و شرح وصفش شرح صدر
او امام انبیا صاحب شفاعت روز حشر
ہمگناں زیر لوایش یوم عرض و نیست فخر
سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

اخیر و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد
قدوۂ اہل ہدایت اسوۂ اہل رشاد
نفخۂ از ہمت او خلق را زادِ معاد
عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
برتر از آیات جملہ انبیا آیات او
مشرق صبح وجود ماسوا مشکوۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دینِ خدا تلقین او اصلِ ہدیٰ — نطق او وحیِ سما حقا نجوم اہتدا
صاحبِ اسرار او ناموس اکبر بر ملا — علم او از اولیں و آخریں اندر مزید

مولدش ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب — خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر زطیب
شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب — اُمتش خیر الامم برامتان بودہ شہید

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب — حجت و فرقان و معجز محکم و فصل خطاب
نجم نجمش در براعت ہست برتر زآفتاب — حرف حرف اوشفا ہست و ہدیٰ بہر رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفےٰ و مجتبےٰ — خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل زجملہ انبیا نزد خدا — نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشت گیہاں کردہ مے باشد مدام — بوئے گل بردوش وی گردد بعالم صبح و شام
باد بر وے از خدائے وے درود و ہم سلام — نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید

وزجناب وے رضا بر احقران مستہام — خاصہ آن احقر کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث ای سرورِ عالی مقام — در صلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۱ جلد دوم ملاحظہ ہو)

رستم کے یہ الفاظ کسی مصلحت پر مبنی نہ تھے بلکہ جوشِ مردانگی۔ نخوت و غرور۔ قوۃ و کثرت جمعیت کی بنا پر۔ زبان سے نکلے تھے۔ اور انہی باتوں سے ہم کو تقدیر کا قایل ہونا اور افعال عباد کو مخلوق باری ماننا پڑتا ہے۔ آدمی اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اُسکا علم و ارادہ جبھی تک کام دیتے ہیں جب تک ارادۂ خداوندی کے موافق ہوں۔ تدبیر بھی اُسی وقت کام دیتی ہے جب تقدیر الٰہی اُسکی موافقت کرے۔ ورنہ کوئی شخص اپنے ارادہ و اختیار سے ذرہ بھر بھی حرکت نہیں کر سکتا جسکو وہ اپنا اختیار سمجھتا ہے حقیقت میں اضطرار ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی عجیب و وسیع قدرت سے بے اختیاری کو اختیار کی صورت میں ظاہر فرما دیا ہے۔

الغرض رستم نے لڑائی کو ٹالنے اور اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت سے باز رکھنے اور اُنکو ہر ہر صورت سے سمجھا کر اسلام قبول کرنے یا مصالحت کر لینے کی کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ادھر امیر عسکر اسلام نے بھی بحکم عام قوانین اسلام و ہدایات خاص امیر المومنین بار بار قاصد بھیجکر دعوت اسلام دینے اور امر حق کو واضح کرنے اور اہل فارس کو ہر طرح اطمینان دلانے اُن کی جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اُٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ مگر تقدیر الٰہی غالب رہی فریقین کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور دنیا کے مشہور ترین معرکہ قادسیہ کا آغاز ہو گیا۔

قادسیہ کا ایسا سخت معرکہ ہوا کہ اُسکے بعد اہل فارس سے ایسی کوئی سخت لڑائی نہیں ہوئی پایۂ تخت مداین پر تو کچھ مقابلہ ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ ساٹھ ہزار جمعیت کو بے خوف و خطر دجلہ عبور کرتے دیکھکر عجمیوں کے اوسان باختہ ہو گئے تھے۔ اور اُنکو سواء فرار کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ البتہ نہاوند کا معرکہ جسکو اہل فارس کی آخری کوشش کہنی چاہیئے بہت سخت تھا۔ مگر ساز و سامان

اور بعض خاص وجوہ سے وہ بھی قادسیہ سے دوسرے ہی درجہ پر تھا۔ یزدجرد دار السلطنت میں تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا افواج تازہ دم۔ میدان جنگ میں پہونچکر داد شجاعت دینے کیلئے مضطرب و بیقرار تھیں۔

رستم و ہرمزان جالینوس و قیزان جیسے جرنیل موجود تھے۔ انتظام ہر قسم کا مکمل و آراستہ تھا۔ پایۂ تخت سے میدان جنگ تک کا ایسا مکمل انتظام کیا گیا تھا کہ تار برقی کے بعد اگر کوئی ذریعہ جلد خبر رسانی کا ہوسکتا ہے تو وہی ہے۔ سپاہیوں کو اتنا قریب قریب کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کی گفتگو اور آواز کو بے تکلف سن لے۔ اس طرح میدان جنگ سے پایۂ تخت تک آن کی آن میں جزوی و کلی امور کی اطلاع پہونچتی تھی۔ اور اسی طرح پایۂ تخت سے ہدایات و احکام کا سلسلہ جاری تھا۔

رستم نے مسلمانوں کو پیس ڈالنے کیواسطے ممکن سے ممکن ذرایع سے کام لیا۔ اپنی فوج کو مکمل ترتیب دیکر قلب میں تخت پر متمکن ہوا۔ اور گرد و پیش اٹھارہ زرہ پوش ہاتھیوں کو ترتیب سے کھڑا کیا۔ جنکی مضبوط و محفوظ عماریوں میں اوّل درجہ کے بہادر سوار تھے۔ اسکے بالمقابل عرب کے پاس یہ ساماان کہاں تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار نبرد آزما کے مقابلہ کے لئے بتیس ہزار فوج تھی۔ عربی گھوڑے ہاتیوں کی صورت سے متوحش ہوکر بھاگتے تھے۔ مگر انجام کار یہ معرکہ مسلمانوں کی نمایاں کامیابی اور رستم کے قتل پر ختم ہوا۔ واقعات جنگ ہمارے موضوع میں داخل نہیں ہیں اسلئے اُنکے ذکر کی حاجت نہیں۔

اب ہم ان واقعات سے اُن نتائج کو دکھلانا چاہتے ہیں جنسے ہمارے اصل دعویٰ کا ثبوت ہوتا اور اسکے ہر ہر پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ نتائج حسب ذیل ہیں:۔

نتیجہ اوّل

اسلام نے جس سلطنت اور خلافت کی بنا قایم کی آئمیں مشورہ کی یہ قدر قیمت تھی کہ خلیفۃ المسلمین کسی رائے قایم کرنے کے واسطے مسلمانوں کے عام و خاص افراد سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ مشورہ دینے میں بھی ہر شخص آزاد ہے۔ ہر شخص باطمینان کھڑا ہوکر بے دھڑک رائے ظاہر کرنیکا مختار ہے خلیفہ کبھی کثرت رائے پر ایک جانب کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوّل مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

خود میدان جنگ میں تشریف لیجانے کا فیصلہ کثرت رائے پر کر دیا۔ اور کبھی قوت دلیل پر جیسا کہ اسی معاملہ میں حضرت علی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رائے کو تسلیم کر کے عمل پیرا ہوئے۔ اور کثرت رائے کو جسمیں حضرت عثمان کی رائے بھی شریک تھی "جو گویا بمنزلہ ولیعہد خلافت سمجھے جاتے تھے" ترک کر دیا۔ علاوہ خاص اس واقعہ کے حضرت عمر کا عام قاعدہ یہی تھا کہ جب کوئی امر پیش آتا تھا اُسمیں اسی طرح آزادی کے ساتھ مشورہ فرماتے تھے خلافت راشدہ کے اس طرز عمل سے ہمکو چند فائدے حاصل ہوئے۔

(الف) سلطنت کے اس طرز کی بنیاد اسلام نے ڈالی۔ آجکل کی متمدن اور پارلیمنٹی سلطنتیں بھی اس سے زیادہ بہتر اور آزاد طریقہ قائم نہیں کر سکیں۔

(ب) کسی جانب کثرت رائے کا ہونا صواب اور مطابقت واقع کی ضمانت نہیں کر سکتا اور نہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے اصل مدار قوت دلیل پر ہے ممکن ہے کہ قلیل التعداد رایوں کی دلیل قوی ہو اور اُسی جانب حق بھی ہو۔ اور اُسی میں بہتری اور کامیابی بھی مضمر ہو۔

شوریٰ کا اصل فائدہ یہ ہے کہ موافق و مخالف رایوں کے سب پہلو واضح اور ظاہر ہو جائیں اُن میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینا خلیفہ کی قوت ممیزہ کا کام ہے۔ مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کی طرح عقل و دانائی۔ فراست و تجربہ کامل ہو۔ اور کسی قسم کی آلائش دنیا اور غرض ساتھ لگی ہوئی نہو خاص و عام کو اُنکے انتخاب و ترجیح پر اطمینان ہو۔ چنانچہ صحابہ کے طرز عمل سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ باوجود کثرت رائے جب حضرت عمرؓ نے اس رائے کو ترک فرمایا تو کسی نے اُس سے انکار نہیں کیا۔ کیونکہ آپکی عقل و تدبیر تجربہ اور خیر خواہی اسلام اور سب سے بڑھکر آپ کی فراست و شان محدثیت پر سب کو کامل اطمینان تھا۔

البتہ اگر خلیفہ وقت یا صدر مجلس اس درجہ کا نہو اور مسلمان کسی ایک رائے پر متفق نہو سکیں تو اختلاف و نزاع کو رفع کرنیکا بہترین طریقہ کثرت رائے ہے۔ اس زمانہ میں بھی اگر صدر مجلس حضرات صحابہ کا سچا جانشین ہو۔ اپنے اندر عقل و تدبیر تجربہ و دانشمندی ہمدردی و اخلاص لئے ہوئے نور یقین و فراست ایمانی سے مزین ہو اور باوجود اختلاف رائے کے مسلمان اُسکی

بات پر اعتماد و اطمینان کر سکتے ہیں۔ یا کسی معاملہ میں قلت رائے کی تائید قرآن وحدیث کی کسی صحیح وصریح فیصلہ سے ہوتی ہے تو کثرت رائے قابل اعتماد نہیں ہے۔ ورنہ درصورت اختلاف ونزاع کثرت رائے سے ایک جانب کو ترجیح دیجا سکتی ہے۔

(ج) مشورہ دینے اور رائے ظاہر کرنیکا بہترین طریقہ یہی ہے جو صحابہ کا تھا ہر شخص آزادی سے اپنی رائے دیتا تھا۔ لیکن کسی کو اپنی رائے پر اصرار نہ تھا۔ اُسکی رائے کے خلاف جو فیصلہ ہوتا تھا اُسپر ایسی ہی خوشی سے عمل کرتا تھا جیسا اُسوقت عمل کرتا جب کہ اُسکی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

نتیجۂ دویم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ہدایتیں حضرت سعد کو فرمائیں اُنکو دیکھنے سے ہمکو بہت سے اہم اور ضروری فواید حاصل ہوتے ہیں۔

(الف) صحابہ باوجود ان تمام کمالات واوصاف حسنہ اور مقبولیت کے اپنے کسی عمل صالح پر غرہ نہیں کرتے تھے۔ وہ ہر وقت رضاء الٰہی کے طالب اور اُسکے خلاف سے خایف رہتے تھے۔

(ب) صحابہ میں ایک سے ایک اعلیٰ اور برتر وفایق موجود تھے مگر حضرت عمر اپنے فرایض کو کسی پر بھروسہ کرکے ترک نفرماتے تھے۔ حضرت سعد کو باوجودیکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے مناسب مقام اور موقع پوری پوری نصیحتیں فرمائیں۔ جس سے ہمکو دو باتیں حاصل ہوئیں۔

اوّل یہ کہ خلیفہ اور سلطان وقت کو اپنے فرایض کے ادا کرنے میں پوری بیدار مغزی سے کام لینا چاہیئے۔ اگر اس خیال پر کہ دوسرا شخص واقف کار ہے۔ سکوت کیا جائے تو کبھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

أَرَأَيتُم إِنِ استَعمَلتُ عَلَيكُم خَيرَ مَن أَعلَمُ ثُمَّ أَمَرتُهُ بِالعَدلِ أَقَضَيتُ مَا عَلَيَّ قَالُوا نَعَم قَالَ لَا حَتّٰى أَنظُرَ فِي عَمَلِهِ أَعَمِلَ بِمَا أَمَرتُهُ أَم لَا۔

(ترجمہ) اگر میں اپنے علم کے موافق سب سے بہتر شخص کو تمپر امیر بنا کر عدل وانصاف کی ہدایت کردوں تو میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاؤنگا۔ سب نے عرض کیا بیشک ہوجائینگے آپنے فرمایا اتنی بات سے ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتا یہ دیکھنا بھی میرا فرض ہے کہ آیا وہ ہدایات پر عمل کرتا ہے یا نہیں

دوئم یہ کہ باوجود عالم و واقف ہونے کے جلیل القدر حضرات سے بھی کسی ابتلاء کے وقت ذہول یا نسیان یا فروگذاشت ممکن ہے۔ اسلئے اُنکو متنبہ کرتے رہنا لوازمات میں سے ہے حضرت عمرؓ کا یہی طریقہ تھا جن صحابہ پر آپکو ہر طرح اطمینان تھا اُنکا امتحان بھی کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر شام حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا ہمکو اپنے گھر لے چلو اُنھوں نے فرمایا آپ وہاں جاکر کیا کرینگے۔ وہاں جاکر رونے کے سوا اور کچھ نہو گا مگر آپ کے اصرار پر لیگئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمھارا اسباب کہاں ہی۔ تم امیر شام ہو تمھارے پاس تو سوا ایک نمدہ اور لکڑی کی رکابی اور مشکیزہ کے کچھ بھی نہیں۔ کچھ کھانیکی چیز ہو تو لاؤ۔ حضرت ابو عبیدہ نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے لاکر سامنے رکھدئے۔ حضرت عمرؓ رو پڑے۔ حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ وہاں جاکر روئینگے۔ ہمکو زیادہ سامان کی کیا ضرورت ہے اتنا ہی کافی ہے جو اصلی قیام گاہ یعنی آخرت تک پہونچادے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا:-

غَيَّرَتْنَا الدُّنْيَا كُلَّنَا غَيْرَكَ يَا اَبَا عُبَيْدَةَ | (ای ابو عبیدہ دنیا نے ہم سب کو متغیر کردیا مگر تم پر اثر نہیں ہوا)

حضرت عمرؓ کو بھی یہی جانچنا تھا کہ اُس زہد میں جو بہ برکت صحبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا ہے کچھ کمی تو نہیں آگئی۔ مگر اس ظاہری طور پر دیکھ لینے کے بعد بھی آپ غافل نہ رہے۔ پھر بھی مخفی طور پر اسکی جانچ ضرور کی کہ دنیا کی طرف کسی درجہ میں بھی التفات ہے یا نہیں۔ ایک مرتبہ آپنے اُن کی خدمت میں چارسو دینار (اشرفی) بھیجے اور قاصد سے کہدیا یہ دیکھکر آنا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے قاصد کے سامنے ہی سب اشرفیاں اہل حاجت کو تقسیم کردیں۔ ایک بھی نہ رکھی ظاہر ہے کہ انمیں سے کچھ تھوڑا سا رکھ لیتے تو کسی درجہ میں بھی طمع دنیا کی بات نہ تھی۔ اور نہ حضرت عمرؓ اس پر گرفت کرسکتے تھے۔ خود ہی بھیجا تھا۔ اسلئے سب کا سب بھی رکھ لیتے تو کیا بیجا تھا۔ مگر وہاں تو فی الحقیقت دل میں دنیا کے لئے جگہ کچھ بھی نہ تھی۔

عمال اور والیوں کی نگرانی سیاست کی اُن اعلیٰ اصول میں سے ہے کہ جسکو جسقدر جسقدر ترک کردیا گیا اُسی قدر خرابیوں کا ظہور ہوا۔ اور یہیں سے ہمکو الحزم سوء الظن کا مطلب بھی معلوم ہوگیا۔ یہ ضرور نہیں کہ دانشمند خواہ مخواہ بدگمان ہوتا اور دوسروں کو متہم سمجھتا ہے بلکہ

اپنی بیدار مغزی سے معاملہ ایسا کرتا ہے جیسا بدگمانی کی حالت میں کیا جائے۔

(ج) صحابہ کے علوم نہایت عالی اور غامض تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان ہدایات میں تدابیر سلطنت و سیاست کو ختم کرنے کے ساتھ شریعت و حقیقت کی نہایت دقیق علوم کا بھی چند لفظوں میں دروازہ کھولدیا۔ اور یہیں سے ہمکو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صحابہ ہر ایک بات میں اعلیٰ و برتر و فایق ہیں۔ کوئی کسی درجہ تک پہونچ جائے مگر شریعت و طریقت حقیقت و معرفت میں اُنکی مساوات نہیں کرسکتا۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ حامد و ذام حق کے معاملہ میں یکساں ہوں۔ کہنے اور سُننے میں یہ دو لفظ ہیں مگر فی الواقع شریعت و طریقت کا خلاصہ یہی ہے۔ کوئی شخص اس مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔ جبتک کہ سوا رضا مولیٰ اور طلب حق اُسکے قلب میں کسی امر کی گنجایش نہ رہی ہو۔ جب تک غیر خدا کا کچھ بھی لگاؤ رہیگا کبھی اس مرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا۔ اہل تصوف کا تمام ریاضات و مجاہدات سے یہی مطلوب ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے مکہ معظمہ سے اپنے خلیفہ خاص حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ کو تحریر فرمایا کہ "عرصہ سے آپ نے اپنے حالات تحریر نہیں فرمائے"۔ اسکے جواب میں حضرت مولانا نے بہت سی اظہار ندامت و اعتراف تقصیر کے بعد نہایت مختصر لفظوں میں تحریر فرمایا کہ "اپنے اندر چند باتیں پاتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ مادح و ذام یکساں ہیں"۔ جس روز یہ جواب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں پہونچا تو حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ فرط مسرت سے حضرت پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ اور بار بار فرماتے تھے کہ یہ باتیں کس کو نصیب ہوتی ہیں جن لوگونکو حضرت مولانا کی کفش برداری کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مولانا کا اصلی اور بے تکلف حال یہی تھا جو تحریر فرمایا۔ کسی کی مدح و ذم سے ذرا بھی متغیر نہوتے تھے۔ اور امر حق کے اظہار میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور یہی اظہار حق اور تصلب فی الدین ہے جو علماء ربانیین کو صحابہ سے ورثہ میں ملا ہے۔ جسکا نام تعصب و تنگ خیالی رکھا گیا۔

(د) نام و نمود کی طلب نیک نامی و نام آوری کی خواہش وجاہت کی تحصیل محبوب خلایق بنجانا مذموم اور غیر پسندیدہ یا خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں اور بظاہر ہے بھی ایسا ہی۔

کیونکہ کوئی شخص جب تک مدارات خلق نہ کرے اور امور شریعت میں مداہن نہ بنے کبھی لوگوں میں مقبول اور عام خلایق کے نزدیک محبوب نہیں بن سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے روشن اقوال نے اسکا قاعدہ کلیہ بھی بتلا دیا۔ آپ نے اوّل تو ارشاد فرمایا کہ حق گوئی میں حامد و ذام برابر ہوں اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں کوئی شخص محبوب عام نہیں ہو سکتا۔ اور پھر آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم محبوب خلایق بنی سے اعراض مت کرو اور اُسکو خلاف دیانت نسمجھو۔ بظاہر تو یہ جملہ اوّل ارشاد کے معارض و مخالف ہے مگر حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہی۔ آپنے اُسکو بالکل صاف کر دیا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ وجاہت و مقبولیت کے دو درجہ ہیں ایک یہ کہ حق کو چھپا کر اور لوگوں کی رضا کو حق پر مقدم سمجھکر حاصل کی جائے یہ بالکل مذموم اور حرام ہے اسی کی مذمت آئی ہے۔ یہ درجہ مقبولیت کا عوام الناس میں حاصل ہوتا ہے۔ خواص کے قلب میں ایسے شخص سے بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔ ایسی وجاہت کو انبیاء علیہم السلام اور خواص نے ہرگز طلب نہیں کیا۔ اور نہ اپنے لئے کسی درجہ میں گوارا کیا۔ دوسرا یہ کہ اعمال صالح اور اتباع شریعت کے ذریعہ سے خداوند عالم کا مقبول و محبوب بنجائے۔ اور اس ذریعہ سے محبوب خلایق بنے۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسکو مقرب بناتا ہے اُسکو مخلوق میں محبوب و مقبول بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں وارد ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِیْلَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ قَالَ فَیُحِبُّهٗ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَیُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ رواہ مسلم

(ابو ہریرہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ جب کسی بندی کو دوست رکھتا ہی تو جبرائیل سے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم فلان بندہ کو محبوب سمجھتے ہیں تم بھی اُس سے محبت کرو۔ جبرائیل خود محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ فلاں شخص خدا کا محبوب ہے تم بھی اُس سے محبت کرو۔ اسپر آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر وہ زمین میں مقبول بنجاتا ہے)

اس سے معلوم ہو گیا کہ مقبولیت کا اصلی طریقہ کیا ہے۔

یہ مقبولیت خواص کی ہے۔ اور یہی پسندیدہ اور محمود ہے۔

کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا (اللہ کے یہاں صاحب وجاہت ہیں) میں اسی مرتبہ کی مدح فرمائی ہے اور وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا (اے اللہ اُسکو پسندیدہ اور مرضی بنادے) میں اسی درجہ کی طلب ہے۔

اِن دونوں درجوں کو پہچاننے کی علامت وہی ہے جو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمائی کہ اگر اہل اللہ اور خواص میں محبّت ومقبولیت ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کے یہاں بھی محبوب ومقبول ہے اور بھی محبت عوام تک سرایت کرجائے تو بیشک قابل مدح وشکر ہے ورنہ قابل مذمت۔ اکثر دُنیا طلب علماء اور مشایخ کی مقبولیت قسم اوّل کی ہوتی ہے اور علماء ربانیین کی مقبولیت قسم ثانی کی

نتیجہ سویم

اُن تمام اوصاف وکمالات کے ساتھ جو حضرت عمرؓ میں بدرجۂ اتم موجود تھے آپکے اندر شان فراست خاص امتیاز لئے ہوئے تھی۔ جسکے بارہ میں جو فراست ظاہر کی کبھی اُسکے خلاف نہ نکلی۔

قبیلہ سکون بھی منجملہ دیگر قبائل کے جوش اور اخلاص کے ساتھ معرکہ کارزار کی طرف قدم بڑھاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ لیکن آپ کے سامنے گذرے تو بجائے خوش ہونے کے آپ منقبض ہوگئے اور اِس انقباض کا اثر ہمیشہ قبیلہ سکون کے ذکر پر ظاہر ہوتا رہا۔ اور یہ صرف اسوجہ سے کہ آپنے اپنی شان فراست سے اِس قبیلہ میں فتنہ پردازی کا مادّہ احساس فرمایا۔ اور یہ آپکی فراست بالکل صحیح اور سچّی تھی۔ بڑے بڑے مفسدوں اور اسلام میں سخت رخنہ ڈالنے والونکا معدن یہی قبیلہ تھا۔ جیسا ہم مختصر اوپر اشارہ کر آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ کی اِس خاص امتیازی شان کی طرف اِس حدیث میں اشارہ ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یك فی امتی احد فانہ عمر متفق علیہ۔

(ابوہریرہ روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں میں صاحب الہام وفراست ہوتے تھے۔ میری اُمت میں ایسا کوئی ہے تو عمر ہے۔)

اِس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اِس فضیلۃ خاصہ میں امتیاز واختصاص ضرور تھا۔

ف کوئی شخص الفاظ حدیث سے یہ نہ سمجھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس اُمت میں کسی صاحب فراست والہام کے ہونے میں تردد تھا۔ یہ بات وہ شخص کہہ سکتا ہے جو عربی

اور اُردو کے محاورہ سے بالکل ناواقف ہو۔ اس طرز ادا میں اظہار تردد نہیں ہوتا۔ بلکہ جس شخص کی نسبت اثبات حکم ہے اُسکی نسبت تیقن اور تاکید کا اظہار منظور ہوتا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ دنیا میں اگر کوئی سخی ہے تو حاتم ہے اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا بھر میں سواء حاتم کے اور کوئی سخی نہیں ہے۔ یا دنیا میں کسی سخی کے موجود ہونے میں تردد ہے۔ بلکہ حاتم کے بالیقین وصف سخاوت سے متصف ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

واقعات وحالات تاریخی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر وسیع اور طویل وعریض مُلک میں جسکا انتظام آپ کے مبارک ہاتوں میں تھا اور انتظام بھی صرف ایک قسم کا نہیں۔ بلکہ ایک طرف معرکۂ کارزار میں فوجیں بھیجنے اور افسروں کو نامزد کرنے اور مواقع جنگ متعین کرنے کا ہے تو دوسری جانب مُلکی اور عدالتی یا رفاہ عام شہروں کے آباد کرنے سڑکوں کے نکالنے پلوں کے بنانے اور نہروں کے جاری کرنے کا وغیرہ وغیرہ۔

جس بارہ میں آپ نے جو فراست ظاہر فرمائی وہ بالکل ہو بہو صحیح نکلی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اہل حمص نے بارگاہ خلافت میں اپنے والی سعید بن عامر کی خلاف شکایات پہونچائیں۔ آپ نے سُنکر فرمایا الٰہی میری فراست سعید بن عامر کے بارہ میں غلط نہ نکلے۔

سعید بن عامر کو مدینہ میں طلب کرکے اُن لوگوں سے فرمایا تم اپنی شکایات بیان کرو:۔ عرض کیا پہلی شکایت یہ ہے کہ ہر روز بہت دن چڑھے برآمد ہوتے ہیں سعید بن عامر نے جواب دیا کہ بیشک صحیح ہے۔ میرے پاس کوئی خادم تو ہی نہیں خود ہی آٹا گوندھکر روٹی پکاتا ہوں اور وضو کرکے باہر نکلتا ہوں فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا دوسری یہ کہ رات کو کسی کی بات نہیں سُنتے۔ سعید بن عامر نے جواب دیا کہ میں اس بات کو ظاہر کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب مجبوراً عرض کرنا پڑا۔ میں نے دن تو ان لوگوں کے واسطے خاص کردیا ہے اور رات خالص اللہ کیواسطے رکھی ہے۔ فرمایا اور کیا شکایت ہے۔ عرض کیا تیسری یہ کہ مہینہ میں ایک دن بالکل برآمد نہیں ہوتے۔ سعید بن عامر نے عرض کیا صحیح ہے۔ خادم نہونے کیوجہ سے مجھے خود ہی اپنے کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔ مہینہ میں ایک روز اس کام کیواسطے مقرر کرلیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے میری فراست غلط نہ نکلی۔ اہل حمص سے فرمایا جاؤ اپنے والی کی قدر کرو۔

نتیجہ چہارم

عراق کے اس عظیم الشان معرکہ میں تیس ہزار سے کچھ زیادہ اسلامی لشکر تھا جنمیں کا ہر ایک فرد تہذیب و شایستگی۔ اخلاص و ہمدردی۔ دانشمندی و حسن تدبیری۔ شجاعت و مردانگی کا مجسم نمونہ تھا۔ کسی ایک فرد سے بھی اس طویل معرکہ میں ابتدا سے انتہا تک کوئی ایک حرکت ایسی سرزد نہیں ہوئی جس سے مسلمانوں پر بدنما دھبہ لگتا۔ بلکہ اُنکی ہر ہر ادا سے اسلامی صداقت کا سکّہ مخالفوں کے دلوں پر بیٹھتا جاتا تھا۔ ہر ایک بات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات مونہہ سے نکالتے ہیں پہلے سے سوچے ہوئے اور مشورہ کر کے طے ہوئی ہے۔ جو انداز اختیار کرتے ہیں اُس سے مخالف پر رُعب پڑتا اور اسلام کی برتری کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ مُلک فتح کرتے تھے۔ تو مفتوح قوموں کی حالت ابتر سے بہتر ہو جاتی تھی۔

کسریٰ اور رستم کے دربار میں ہر ایک سفیر نے اپنے اپنے نمبر پر جو بات کی مناسب وقت اور تدبیر و فراست سے لبریز کی جس سے درباری اور عام رعایا تو کیا خود کسریٰ و رستم بھی مرعوب ہوگئے ایک اگر اپنے گھوڑے کو قیمتی فرشوں پر سے گذارتے ہوئے یا بیش قیمت قالینوں کو اپنے نیزہ سے پھاڑتے ہوئے مسندوں سے باگ ڈور باندھنے اور مکلّف فرش کو اُٹھا کر خود زمین پر بیٹھنے سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ ساز و سامان ہماری نظروں میں نہایت حقیر اور غیر قابل التفات ہیں اور ان نمایشی سامانوں سے ہمپر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ تو دوسرے سفیر مغیرہ نہایت استغنا سے گذرتے ہوئے رستم کی برابر تخت پر جا بیٹھتے ہیں۔ اور اہل فارس اُنکو کھینچ کر تخت سے نیچے اوتارتے ہیں۔

تخت پر بیٹھنے سے اپنے مساوات یا برتری کا ثبوت دینا مقصود نہ تھا اور نہ اپنے لئے وہ اسکو باعث عزّت سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مجھکو تخت سے اوتار دیا جائیگا۔ مگر اپنی فراست و روشن ضمیری تدبیر و دانائی سے اوّل ہی سمجھ لیا تھا کہ اس طرح بیدھڑک جا بیٹھنے سے اس فوق العادت جرأت کو دیکھکر وہ مرعوب ہو جائینگے۔ اور جب وہ مجھکو تخت سے اوتارینگے تو یہ ظاہر کرنیکا موقع ملیگا کہ اسلام نے اس تفاوت اور امتیاز کو جائز نہیں رکھا۔ جو فارس میں مروج ہے کہ حکام و امرا رعیت کو بمنزلہ غلام کے سمجھتے اور خود خدا بنکر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(باقی آیندہ)

قصیدۂ نعتیہ

جناب مولانا محمد عبید الرحمٰن صاحب رکن مجلس العلماء کے پُرزور اشعار اور نعتیہ قصائد سے ناظرین القاسم محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ جناب ممدوح کا ایک دل سے نکلا ہوا قصیدہ نذر ناظرین ہوتا ہے۔

یَا لَوعَۃَ الحُبِّ مُذْ اُورِیتِ فِی خَلَدِی   اَحْرَقْتِ مَا کَانَ مِنْ صَبْرِی وَمِنْ جَلَدِی

اے سوزشِ محبت تو نے میرے دل میں آگ سلگا کر میرے صبر و دلیری کو جلاکر خاک کر دیا

زِیدِی فَزِیدِی وَلَا تُبْقِی وَلَا تَذَرِی   عُضْوًا بِجِسْمِی وَلَا قَلْبِی وَلَا کَبِدِی

خوب زیادہ بڑھتی رہ اور میرے جسم میں سے کسی عضو کو نہ دل کو نہ جگر کو باقی چھوڑنا

یَا بَارَکَ اللّٰہُ رَبِّی فِیکِ لَاعِجَۃً   اَنْتِ الحَیٰوۃُ لِصَبٍّ وَالِہٍ کَمِدِ

خدای پروردگار تیری حالت گرمی و سوزش میں برکت فرماوے تو تو عاشق غمگین از خود رفتہ کے لئے جان و جی ہے

اَذَابَ حَرُّکِ جِسْمِی فَالعُیُونُ جَرَتْ   کَاَنَّمَا الدَّمْعُ مِمَّا ذَابَ مِنْ جَسَدِی

تیری شدت گرمی نے میرے جسم کو پگھلا دیا اور آنکھیں بہنے لگیں گویا یہ آنسو اُسی جسم گداختہ سے ہیں

فَعَبْرَتِی کَصَبِیبِ القَطْرِ هَامِرَۃٌ   وَزَفْرَتِی کَلَهِیبِ النَّارِ فِی وَقَدِ

پس رشک روانی آب باراں کی طرح برس رہی ہیں   اور آہ مثل شعلہ آتش بھڑک رہی ہے۔

وَمُذْ تَمَکَّنَ مِنْ قَلْبِی غَرَامُ هَوًی   لَمْ یَرْقَاَ الدَّمْعُ لِی شَیْئًا وَلَمْ یَکَدِ

الفت نے جب سے میرے دل پر قابو پالیا   نہ میرا آنسو تھما اور نہ تھمنے کی آس یاس ہے

فَالدَّمْعُ یَفْعَلُ فِعْلَ الدُّهْنِ وَاعَجَبَا   قَدْ زَادَ هٰذَا البُکٰی فِی لَاعِجِ الکَمَدِ

تعجب ہے کہ آنسو روغن کا کام دینے لگے   اس گریہ نے تو غم پنہانی کی سوزش دو بالا کر دی

اَبِیتُ مُلْقًی عَلٰی شَوْکِ القَتَادِ اَسًی   لَیْلِی کَلَیْلَۃِ ذِی العُوَّادِ وَالرَّمَدِ

رات بھر پڑا ہوا کانٹوں پر گزارتا ہوں رات اُس شخص کی سی گزرتی ہے جسکی آنکھ میں کچھ گر جاوے اور دُکھ رہی ہوں

وَالدَّمْعُ اَغْرَقَنِی وَالوَجْدُ اَحْرَقَنِی   وَاِنَّنِی بَیْنَ کِلْتَا الحَالَتَیْنِ رَدِی

اشکوں نے مجکو ڈبو دیا اور غم عشق نے جلا دیا   میں دونوں حالتوں کے درمیان جاں بلب ہو رہا ہوں

بَيْنَ الْجَوَانِحِ نَارُ الْحُبِّ مُوْقَدَةٌ	وَالْقَلْبُ فِيهَا كَجَمْرٍ ضَاءَ مُتَّقِدِ
پہلو میں محبت کی آگ جلادی گئی	اور دل اُسمیں انگارے کی طرح روشن دہک رہا ہی
نَارٌ عَلٰى قَلْبِيَ الْمَعْمُوْدِ مُؤْصَدَةٌ	وَمِنْ مُمَدَّدَةِ الْاَنْفَاسِ فِي عَمَدِ
دل آزردہ اک آگ میں بند کردیا گیا ہے	اور بڑے لمبے لمبے آہوں کے ستونوں میں ہے
وَالنَّفْسُ فِي زَهَقٍ وَالرُّوْحُ فِي رَمَقٍ	وَالْقَلْبُ فِي قَلَقٍ وَالْعَيْنُ فِي سَهَدِ
جان تباہی میں ہے اور روح سسک رہی ہے	اور دل پھڑک رہا ہے اور آنکھ جاگ رہی ہے
وَكَيْفَ لِي مَعْدِلٌ عَمَّا اُكَابِدُهُ	اَلَا وَقَدْ خُلِقَ الْاِنْسَانُ فِي كَبَدِ
میں ان تکالیف سے کیسے بچ سکتا ہوں	سُنو آدمی تکلیف اُٹھانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے
كَلَّا اَمُوْتُ شَهِيْدًا اِنْ اَمُتْ كَمَدًا	وَلِلشَّهِيْدِ بَقَاءٌ دَائِمٌ اَبَدِي
ہرگز بچ نہیں سکتا اگر اس غم میں مرگیا تو شہید مروں گا	اور شہید کے لئے زندگانی جاودانی مقرر ہے
يَا عَيْنُ جُوْدِيْ بِدَمْعٍ غَيْرِ مُنْقَطِعٍ	نَضْحًا عَلٰى كَبِدٍ حَرّٰى بِذَا الثَّمَدِ
اے آنکھ لگاتار آنسو بہاوے	جگر تفتہ پر اس تھوڑے سے پانی کا چھینٹا دیدے
زِدْ يَا غَلِيْلِيْ فَزِدْ وَاشْتَدَّ يَا ظَمَائِيْ	مِنِ اشْتِدَادِكَ لَا اَشْكُوْ اِلَى اَحَدِ
اے تشنگی زیادہ بڑھ جا اور شدید ہو جاؤ	تیری شدت کی شکایت کسی سے نہ کروں گا۔
اِلَّا اِلٰى مَنْ سَقَتْ جَيْشًا اَصَابِعُهُ	وَكَانَ اَلْفًا وَنِصْفَ الْاَلْفِ فِي الْعَدَدِ
مگرہاں حضور والا سے جنکے انگشتان مبارک نے اک لشکر عظیم کو	جسکی شمار ڈیڑھ ہزار تھی سیراب کردیا۔
فَالْمَاءُ يَنْبَعُ مِنْ بَيْنِ الْاَصَابِعِ اِذْ	جَاءَتْهُ كَفُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِالْمَدَدِ
پانی میں جب کف مبارک کی امداد پہونچی تو	انگشتان مبارک میں سے جوش مارنے لگا
فَكَفُّهُ الْيَمُّ جُوْدًا وَالْبَنَانُ اِذًا	كَاَنَّهَا خَمْسُ اَنْهَارٍ جَرَتْ بِيَدِ
کف مبارک تو دریائے جود اور انگشتہائے مبارک	گویا پانچ نہریں ہاتھ میں جاری ہیں
حَتّٰى ارْتَوَوْا رِيًّا وَقَدْ عَلُّوْا وَقَدْ نَهِلُوْا	كَذَا رُوِيْنَا عَنِ الْاَخْيَارِ بِالسَّنَدِ
سب کے سب اک اک دو دو مرتبہ سیراب ہو گئے	اس قصہ کی روایت ہمکو بڑی معتبر راویوں سے سند کیساتھ پہونچی ہے
سَقْيًا وَرَعْيًا لِظَمْاٰنٍ بِهٖ عَطَشٌ	سَيَشْرَبُ الْبَحْرَ حَاشَا اَنْ يَقُوْلَ قَدِيْ
اُس تشنہ لب کی خبرگیری اور سیرابی ہونی چاہئے	جو سمندر نوش کر جاوے اور بس نہ کرے

لا ارحلن من الدنیا علی ظماء — زلال کوثرہ یشفی غلیل صدی

میں تو پیاسا ہی دنیا سے کوچ کر جاؤنگا حوض کوثر کا آب شیریں تشنہ لب کی پیاس بجھاوے گا

ھذا النبی الکریم المصطفی فرط — للمسلمین فبشری من یرد برد

یہ نبی کریم برگزیدہ خدا پیش خیمہ مسلمانوں کے ہونگے سب کو خوشخبری ہو جو ارادہ کریگا اُس حوض پر وارد ہوگا

مثل النجوم اوانی حوضہ عددا — من احتسی منہ لم یظما الی الابد

اُس حوض کے ظروف کا شمار ستاروں کی برابر ہے جسنے اُس حوض میں سے پانی پی لیا کبھی پیاسا ہی نہوگا

احلی وابیض من شہد ومن لبن — اصفی وابرد من ثلج ومن برد

اُس حوض کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید اور برف اور اولی سے صاف اور ٹھنڈا زیادہ

یذاد عن حوضہ قوم بردتہم — ومن یمت موقنا بالحق لم یذد

بعض اشخاص حوض سے بوجہ ارتداد کے ہٹا دیے جاوینگے اور جسکا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ ہرگز نہ ہٹایا جاویگا

فاشہد اللہ انی مسلم یقینا — کفی بحب رسول اللہ مستندی

میں اللہ پاک کو گواہ کرتا ہوں کہ یقیناً مسلمان ہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی محبت میری کافی دلیل ہے

تکون بالحب والایمان خاتمتی — اثوی علی ملۃ الاسلام باللحد

محبت وایمان پر میرا خاتمہ بالخیر ہوگا اور ملت اسلام پر گور میں ٹھکانا

لکن ذنبی کثیر لست انکرہ — کم کان من خطاء کم کان من عمد

لیکن میرے گناہ بہت ہیں جنکا مجکو انکار نہیں ہے کتنے ہی بھول چوک سے اور کتنے ہی جان بوجھ کر

وما سوی حبہ فی کل مکتسبی — لم اکتسب عملا قدمتہ لغد

سوائے محبت حضور اقدس میری کل کمائی میں کوئی کام ایسا نہیں ہے جو کل کے دن کام آوے

محبہ معہ یرجو شفاعتہ — وللمحب رجاء الصدق من عدد

حضور اقدس کا محب حضور کی ہمراہ اُمیدوار شفاعت رہیگا اور سچی امید اُسکا سامان و سہارا ہے

انی علی حوضہ القاہ یومئذ — یقول لی انت یا من امتی فرد

اُس روز میں تو حوض کوثر پر حضور کی ملاقات سے مشرف ہونگا آپ فرماتے ہونگے ای (عبدالرحمن) تو میری اُمت میں ہے حوض پر وارد ہو

اقول اذ ذاک قس حظی علی عطشی — مثلا بمثل فلا تنقص ولا تزد

اسوقت میں عرض کرونگا میرا حصہ میری تشنگی پر قیاس فرمالیجیے برابر سرابر بلا کمی و بیشی

أَوِ اسْقِنِيْ جُرْعَةً إِنَّ الْمِزَاجَ لَهَا — مِنْ رِيْقِكَ الْعَذْبِ أَوْ رَشْحِ الْجَبِيْنِ زَادِ

یاصرف ایک گھونٹ پلادیجئے البتہ لعاب دہن مبارک یا عرق پیشانی مبارک کی ملونی اُس میں بڑھا دیجئے

یَا حَبَّذَا الرِّیْقُ إِبْرَاءٌ لِذِیْ رَمَدٍ — شِفَاءُ ذِیْ وَصَبٍ إِرْوَاءُ ذِیْ کَبِدِ

کیا خوش لعاب مبارک جس سے آنکھیں دُکھتی اچھی ہوجاویں بیمار شفا پا جاویں پیاسے سیراب ہوجاویں

وَحَبَّذَا الرَّشْحُ فَاقَ الْمِسْكَ فِیْ أَرَجٍ — وَکَانَ أَطْیَبَ طِیْبٍ عِنْدَ ذِیْ رَشَدِ

کیا خوب پسینا خوشبو میں مشک سے بڑھکر اور ہوشیار سمجھ دار کے نزدیک عمدہ عطر کا کام دیا ہے

یَوْمَ التَّنَادِ أُنَادِیْ عِنْدَ مُزْدَحَمٍ — یَا سَیِّدِیْ سَنَدِیْ یَا خَیْرَ مُعْتَمَدِیْ

قیامت کے دن اژدحام کے وقت پکاروں گا — ای میرے سردار میرے سہارے میرے اچھے بھروسے

مَنْ یَدْفَعُ الْهَمَّ عَنْ ذِی الْهَمِّ حِیْنَئِذٍ — وَیَجْمَعُ الشَّمْلَ حَیْثُ الشَّمْلُ فِیْ بَدَدِ

کون اسوقت غمگین سے غم کو دفع کردے — اور جب کام تتر بتر ہوجاوے اُسکو اکھٹا سمیٹ دے

أَنْتَ الشَّفِیْعُ لِمَنْ قَدْ فَاتَهُ عَمَلُ — عِنْدَ الْعَزِیْزِ الْجَلِیْلِ الْمَلِكِ الْأَحَدِ

خدائے مالک ذوالجلال والعزۃ کی حضور میں — بیچارہ ناکارہ کی سفارشی آپ ہی ہیں۔

یَا رَبِّ صَلِّ عَلَیْهِ سَرْمَدًا أَبَدًا

اے میرے پروردگار حضور والا پر ہمیشہ نامحدود

بِقَدْرِ عِلْمِكَ فَوْقَ الْحَدِّ وَالْعَدَدِ

بقدر اپنی معلومات کے بے حد و شمار درود بھیجتا رہ

اہل علم کو مژدہ

حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی تفسیر مظہری سورۂ نساء تک ۱۸۵۵ء میں چھپ چکی ہے۔ اہل علم حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اور اس تفسیر کی فضیلت و خوبی سے ناواقف نہیں۔ انکی طبیعتیں ساری تفسیر دیکھنے کے لئے بیتاب ہورہی ہیں۔ انہیں ممنوں ہونا چاہئے۔ کہ جناب سید محمد یامین صاحب نے اس مبارک تفسیر کے طبع و اشاعت کا پورا تہیّہ کرلیا ہے۔ اور اسکی دوسری جلد جسمیں سورۂ مائدہ و انعام و اعراف کی تفسیر ہے نہایت صحت و اہتمام کے ساتھ طیّار کرادی ہے۔ قیمت عہ/ کمبوہ دروازہ میرٹھ جناب سید محمد یامین صاحب کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

فہرست چندہ دار الحدیث جو اشاعت القاسم ماہ صفر ۱۳۳۰ھ تک وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	عالیجناب مولانا مولوی نواب محمد عبد الجبار خانصاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ رئیس کسیاڑہ ڈاکخانہ برگی ضلع بردوان۔ (تفصیل اسکی روداد سالانہ ۲۹ھ میں طبع ہوگی)	۱۲۵ ماصہ
۲	جناب سائند اد خانصاحب آفریدی رسالدار پنشنر ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد۔ (تفصیل اسکی روداد سالانہ ۲۹ھ میں طبع ہوگی)	۵ ,للعہ
۳	معرفت منشی محمد حکیم اللہ صاحب ہیڈ کانسٹبل پولیس بندرابن ضلع متھرا (تفصیل اسکی روداد سالانہ میں طبع ہوگی)	۵۲ ۷/
۴	معرفت حکیم حاجی عبد اللہ صاحب ساکن بسہرا ضلع بلیا (تفصیل انکی روداد سالانہ میں طبع ہوگی)	۸/
۵	منجانب حافظ عبد الکریم صاحب مرحوم ساکن جائس عطیہ مسماۃ جمیل النساء بی بی صاحبہ سکنہ جائس	۱۲ع
۶	منشی احمد علی صاحب تحصیلدار نیاہیڑہ پرگنہ سرونج	عـہ/
۷	عبد اللہ صاحب عرف دودہی ساکن سرونج	۱۲ع/
۸	منشی الیاس حسین صاحب از سیتاپور منجانب والدین وجدین و برادرم وغیرہ	۸/
۹	مولوی سید مجتبی احسن صاحب چاندپوری	۸/
۱۰	منجانب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیرجی حبیب احمد صاحب گنگوہی	عہ/
۱۱	مولوی عزیز حسین صاحب ؍	۱۰/
۱۲	مولوی محمد یٰسین صاحب نگینوی مدرس مدرسہ جونپور	صہ/
۱۳	منجانب طلباء مدرسہ اسلامیہ جزیرہ عدن معرفت مولوی محمد جعفر صاحب	عـہ/
۱۴	منجانب نانی صاحبہ مرحومہ مولوی عبد اللہ خانصاحب ساکن فیض آباد	۵/
۱۵	مولوی رمضان الحق صاحب طالبعلم مدرسہ ہذا	۴/
۱۶	مولوی ظہور محمد صاحب مدرس مدرسہ رحمانیہ روڑکی	۱/
۱۷	مولوی محمد علی صاحب محاسب ضلع بیڑ ڈاکخانہ مرشدپور ضلع احمدنگر۔	عہ
۱۸	منجانب حاجی سید علی تفضل صاحب مرحوم عطیہ مولوی شبیر علی صاحب نگینوی	۱۲ع/
۱۹	جناب مولانا مولوی چاؤس امیر صاحب بن برک صاحب صدر چاؤس صدر خزانہ ضلع اورنگ آباد	عہ/
۲۰	جناب مولانا مولوی حاجی محمد عمر صاحب مدرس صدر مدرسہ احمدیہ اورنگ آباد دکن	عہ/
۲۱	قاضی سید مظہر حسین صاحب ساکن موضع اجھر ضلع گیا	عہ/
۲۲	مولوی محمد مستقیم صاحب طالب علم قنوج	عہ/
۲۳	معرفت حاجی کریم داد خانصاحب نٹھو سپرنٹنڈنٹ ریاست سمتھر (تفصیل انکی روداد سالانہ میں طبع ہوگی)	۱۵/
۲۴	منشی عبد الرشید خانصاحب کانسٹبل پولیس بڈہانہ ضلع مظفرنگر	سے/
۲۵	منشی محمد عبد المجید صاحب کاتب جونپور	عہ/
۲۶	مولوی احمد بخش صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سردہنہ ضلع میرٹھ معہ اہلیہ خود	عـہ
۲۷	حافظ محمد اسحاق صاحب تاجر روڑکی	للعہ/
۲۸	مولوی عبد القادر صاحب از بٹال	عـہ/
۲۹	مولوی ابو البشر صاحب جونپوری منجانب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی ومنجانب مولانا شاہ عبد العزیز صاحب ؍ ومنجانب مولانا حضرت سید احمد صاحب شہید ومنجانب مولانا حافظ احمد صاحب جونپوری ومنجانب مولوی کرامت علی صاحب ؍	صہ/

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شایع ہوتا ہے اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲۔ کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان اور ربیع الثانی کا پرچہ اس مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

۳۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپیہ آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۴۔ جو حضرات بطور اعانت وامداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۵۔ جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نہ فرمائینگے یا وی پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۶۔ شعبان ۱۳۲۸ھ سے رجب ۱۳۲۹ھ تک جلد اوّل کامل ہوگئی ہے اور اُسکی جلدیں موجود ہیں مجلد کی قیمت ۳؍ ہے اور بلا جلد ۲؍۱۲ معہ محصول۔ جلدیں نہایت نفیس ہیں۔

۷۔ جلد دوم شعبان ۲۹ھ سے شروع ہوئی ہے اور پانچ پرچے شائع ہوچکے ہیں جو صاحب درمیان سال سے خریدار ہونگے اُنکو شعبان ۱۳۲۹ھ سے رسالہ بھیجا جاویگا البتہ جو حضرات ابتدا سے نہ لینا چاہیں اُن کو مجبور نہ کیا جائیگا۔ سالانہ قیمت مع محصول ویلو ۲؍۹۔

۸۔ جملہ خط وکتابت وترسیل زر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب یا خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیے۔

الراقم

بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم" دفتر مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۵۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

قیمت سالانہ عہ

نمبر ۸ بابت ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۳۰ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۳۰ھ (مطابق مارچ سنہ ۱۹۱۲ء)

جو

حضرت مولانا احمد حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے۔

ہمارے مدرسہ کے قابل قدر تعلیم یافتہ مولوی محمد احمد صاحب سورتی (جنکے فیض سے جوہانسبرگ ٹرنسوال میں عمدہ طرز سے تعلیم مذہب و اشاعت علوم ہو رہی ہے) آجکل اپنے وطن میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور انکے متعلقین و مخلصین مندرجہ ذیل پتہ پر اُن سے مراسلت کر سکتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مؤتمر الانصار متعلقہ مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند کے سالانہ جلسہ میں بھی شرکت فرماوینگے جو بمقام میرٹھ ۶ و ۷ و ۸ اپریل کو منعقد ہوگا۔

"مقام سیملک ضلع سورت علاقہ نوساری ڈاکخانہ وسیمہ
مولوی محمد احمد صاحب بن ابراہیم سورتی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب اخلاق سے تصحیح عقائد اہم ہے

ھوالملہم والموفق

إنَّ العقايدَ كُلَّها أُسٌّ لِإسلامِ الفتیٰ
إنْ ضاعَ أمرٌ واحدٌ مِن بينهنَّ فقد غویٰ[1]

ہر علم ہر مذہب کی قوت وضعف کا مدار اُسکے اصول اور کلیات پر ہونا ایسا مسلم مسئلہ ہے کہ عقلاً اور نقلاً اُسکا انکار نہیں ہو سکتا اور اسی لئے ہر امر کی تقویۃ اور حفاظت کیواسطے اُسکے اصول کی حفاظت و استحکام اوّل ضروری ہے کیونکہ جزئیات کا قوت اور ضعف اصول کی قوت و ضعف پر موقوف ہوتا ہے اسی لئے اہل علم و فہم جب کسی مذہب کی قوت و ضعف کو دریافت کرنا چاہیں گے تو سب سے اوّل اُسکے اصول و عقائد پر نظر ڈالینگے اور اُنکے ملاحظہ کے بعد اُس مذہب کی قوت یا ضعف کا حکم لگانے کو اطمینان کے ساتھ آمادہ ہو جاوینگے۔

یہ بات کہ کیف ما اتفق کسی خاص جزئے کو دیکھکر کسی مذہب کی نسبۃ کوئی حکم کر دینا اُنہیں کا کام ہے جو فہم کی کم زوری کے ساتھ انصاف سے بھی دور ہیں۔

مگر اصول و کلیات کی تحقیق چونکہ فروع و جزئیات کے سمجھنے سے دشوار ہے اسلئے اصول کی تحقیق بلکہ حسب ارشاد صادق و مصدوق السؤال نصف العلم[2] اصول پر موقع کا اعتراض اور خدشہ

---

[1] بلاشبہ تمام دینی عقائد۔ انسان کے اسلام کی بنیادیں ہیں۔ انمیں سے اگر کوئی ایکبات بھی جاتی رہی تو یقیناً انسان گمراہ ہو گیا ۱۲

[2] سوال کرنا بھی آدھا علم ہے ۱۲

پیش کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں موقع کا خدشہ قابل قبول اہل علم وہی کر سکیگا۔ جسکو کم سے کم اُن اصول کا آدھا علم تو ہو۔

بالجملہ جب اصول وعقاید کا عموماً یہ حال ہے تو اب مذہب اسلام کہ جبکا تمام مذاہب سے اعلیٰ اور مستحکم ہونا محقق و مسلم ہے اُسکے عقاید و اصول کسدرجہ مستحکم اور مضبوط اور غامض اور دقیق ہونے چاہئیں۔ اور اسلام کی حفاظت کے لئے اُنکی حفاظت کسقدر اہم اور ضروری ہوگی اہل عقل وانصاف خود انصاف کرلیں۔

جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ اسلام کے اصلی اصول اور ضروری عقاید نہایت پکے اور سچے چست و درست اور پاک اور صاف ہونے کے ساتھ غامض اور لطیف بھی اسقدر ہیں کہ بجز اکابر اہلسنت اور مقتدایان اسلام جو کہ ارشاد ما انا علیہ واصحابی[1] کی پوری مصداق تھی دیگر فرق اسلام کے موجد اور مقتدا باوجود استعداد علوم بھی اُنکے کما حقہ سمجھنے سے قاصر رہے اور تھوڑی وہمی ضرورتوں اور چھوٹی چھوٹی عقلی خدشوں کے باعث طریق مستقیم سے اتنی دور جا پڑے کہ اصلی اسلام اور اتباع احکام وحی سے محروم ہوکے ضال اور مبتدع اور اہل اہوا وغیرہ خطابات کے مستحق ہوگئے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور[2]۔

محققین اسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُن اصول وعقاید کو خوب مدلل اور منقح کر لینے کے بعد پھر یہ کیا کہ جس عالم یا علامہ نے اُن اصول میں سے کسی ایک کا بھی خلاف کیا بے کھٹکے اُسکو زمرۂ اہل اسلام اور جماعت اہل سنت سے اخراج کا حکم لگایا اور باوجود احتیاط بلیغ اور تحمل عظیم کے جو اُنکا مسلک تھا اصول اسلام میں خلاف کرنے والونکے ساتھ اُنہوں نے مساہلہ[3] اور مسامحہ سے ہرگز کام نہیں لیا اور اصول اسلام کی نہایت حزم واحتیاط سے حفاظت کرتے رہے دیکھ لیجئے اہل اعتزال کی راس رئیس واصل بن عطا کو صرف اتنی بات پر کہ وہ ایمان و کفر کے درمیان واسطہ کا قایل ہوکر صاحب کبیرہ کو نہ مومن کہتا تھا نہ کافر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ

---

[1] صحابہ نے جب تمام فرقوں میں سے نجات وفلاح پانیوالی جماعت کی نسبت دریافت کیا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے صحابہ کے طرز (عقائد و اعمال) کا اتباع کرنے والے ہیں ۱۲ اصغر حسین۔

[2] اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں ترقی کے بعد تنزل سے ۱۲ [3] نرمی اور ڈھیل ۱۲

نے اعتزل عنا فرماکر جماعت اہل سنت سے نکل جانیکا حکم لگادیا حالانکہ یہ مسئلہ نہ نصوص میں مصرح موجود ہے نہ قطعی الثبوت البتہ یہ ضرور ہے کہ اُسکا یہ ایجاد ارشاد سلف صالحین کے بیشک خلاف تھا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کے اِس ارشاد سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ اصول اسلام نہایت قابل حفاظت واہتمام ہیں ویسا ہی اُنکے فہم کا غایر اور اُنکی نظر کا صایب ہونا بھی اہل فہم کو معلوم ہوگیا چنانچہ معتزلہ نے اسکے بعد امور قطعیہ اور منصوصہ اور مجمع علیہا کا انکار کرکے اپنی حالت پوری ظاہر کردی کسی نے سچ فرمایا ہے۔ کہ سالک بے خبر نبود زراہ ورسم منزلہا۔

اِسی وجہ سے جملہ علمائے اہل اسلام نے عقاید کا اہتمام اور اُن میں تنگی اور تشدد اسقدر فرمایا کہ اعمال کے اہتمام وتشدد سے بدرجہا زاید ہے جزاہم اللہ عنا۔ تعدد مذاہب اور اختلاف فرق کا بڑا منشا یہی اصول وعقاید کا اختلاف قرار دیا گیا جس سے بالبداہتہ معلوم ہوگیا کہ عقاید اصلیہ قطعیہ اسلامیہ میں سے ایک امر کا منکر یا مخالف ہوکر بھی اہل سنت وجماعت میں کوئی داخل نہیں رہ سکتا ہاں اسکا کوئی علاج نہیں کہ کوئی یہ کہنے لگے قاضی نے تو ہمکو بہت ہرایا مگر ہم ہارے ہی نہیں۔

اِسمیں کوئی شک نہیں کہ جملہ اہل اہوا میں معتزلہ سب کے سرغنہ نظر آتے ہیں اور فنون عقلیہ اور استعداد علمی میں بھی اُن پر فایق ہیں ادھر اُنکے اقوال کے دیکھنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُنکو اپنی اختراعات اور اہلسنت کی مخالفت سے صرف یہی مقصود نہیں کہ کسی طرح قیود اسلام سے سبکدوش ہوکر آزادی حاصل کریں کیونکہ اُنھوں نے تو متعدد مواقع میں اسقدر تشدد اور تنگی سے کام لیا ہے کہ اہل سنت نے بھی اُسکو جائز نہیں سمجھا مثلاً تارک صلوۃ جو ایک وقت کی بھی نماز ترک کردی یا سود خوار یا شراب نوش یا مرتشی وغیرہ مرتکب کبیرہ کو علی العموم ایمان سے بے نصیب مغفرت سے محروم بتلاتے ہیں اور ایک گناہ کبیرہ کرلینے کے بعد اُس شخص کے تمام صغایر کو بھی ہم رنگ وہم سنگ کبایر سمجھتے ہیں وغیر ذلک۔

جسکے دیکھنے سے بتامل یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے پابندی اعمال شرعیہ کو اہل سنت سے

لے ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ اُسوقت سے اس فرقہ کا لقب معتزلہ ہوا ۱۲ ٭ رشوت خوار ۱۲

بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ پکڑنا چاہا اور اُسکے دائرہ کو بہت تنگ کرنے کے درپے ہوئے اور دین میں بے قیدی اور مطلق العنانی کے ذرا بھی روادار ہونے سے محترز رہنے کی کوشش کی۔

مگر باوجود اس امتیاز علمی وعملی کے جو فرقہ معتزلہ کو دوسرے فرق باطلہ پر حاصل ہے صرف اتنی بات پر کہ معتزلہ نے نصوص شرعیہ کا محمل فلسفہ اور عقلیات کو سامنے رکھکر متعین کرنا چاہا اور احکام خداوندی کا مطلب اپنی عقلی خوش رنگ عینک سے دیکھنا پسند کیا ایسے عمیق گڑھے میں جا پڑے کہ جس سے نکلنا محال اور اُنکی طاقت سے خارج ہوگیا۔ اور اُسی عینک کی بدولت وہ عمیق وتاریک گڑھا اُنکو اوج فلک اور معراج کمال محسوس ہو رہا ہے جو لاعلاج بات ہے اور اتنی دور پہنچگئے کہ ارشاد رسول علیہ السلام صنفان[1] من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ والقدریۃ اور تہدید یکون[2] فی امتی خسف ومسخ وذلک فی المکذبین بالقدر اور تخویف القدریۃ[3] مجوس ھذہ الامۃ کی کڑک اور روشنی بھی نہ سن سکے نہ دیکھ سکے الحذر[4] الحذر۔

اب ہم اہل فہم وانصاف سے پوچھتے ہیں کہ جو شخص نہ اکابر معتزلہ کے برابر فنون وعلوم عقلیہ کا ماہر ہے نہ اپنی آزادی کے مقابلہ میں حدود وقیود شرعیہ کو پسند کرسکتا ہے اسپر نہ عقل کامل نہ فہم صایب اگر ایسا شخص اپنی فلسفیانہ خیالات کو امام بناکر اسلام کے عقاید اصلیہ قطعیہ غامضہ کو خیالات مذکورہ کے تابع بنانے میں سعی کرے اور نصوص صریحہ قطعیہ کو اکابر سلف کے خلاف اُن خیالات کے موافق کرنے میں کوشش کرے تو اُسکا حشر کیا ہوگا اور متبعان نصوص اور پیروان سلف صالحین کے ذمہ ایسے امور کی جوابدہی کس حدتک ضروری ہوگی اور ایسے شخص کی نسبۃ کیا کہا جائیگا۔

بالیقین ایسا شخص معتزلہ سے بھی پستی میں اتنی دور جا پڑیگا کہ جسقدر معتزلہ اہل حق سے

---

[1] میری اُمت کے دو فرقوں کو اسلام سے کچھ حصہ نہیں ایک مرجیہ دوسرا قدریہ ۱۲

[2] میری اُمت میں خسف اور مسخ (یعنی زمین میں دھنسنے اور صورتیں بگڑنے کا عذاب) ہوگا اور یہ اُن لوگوں پر آویگا جو تقدیر کو نہیں مانتے ۱۲

[3] فرقہ قدریہ گویا اس اُمت کے مجوسی ہیں ۱۲

[4] بچتے رہنا بچتے رہنا ۱۲

یا اس سے بھی زیادہ۔

حضرات کیا اسلام افضل الادیان کے اصول و عقاید اصلیہ قطعیہ موم کی ناک ہیں کہ جسکا جی جدہر کو چاہے موڑ توڑ لے اور کیا اسلام کے وہ پاک اور سچّے اصول جنکو اصلی قطعی ضروری مجمع علیہا ہونیکا لقب مل چکا ہے اور آیات کثیرہ اور احادیث متعددہ میں صاف صاف مذکور ہیں اور جنکے منکر و مخالف کو ہمارے سلف و خلف اسلام سے اخراج کا حکم لگا چکے ہیں آج اُن میں کوئی معمولی یا غیر معمولی آدمی اپنے کسی جزوی خیال اور وہمی استدلال سے تغیّر تبدل رد و انکار کا مختار ہو اور ایسا کرنے کے بعد کیا وہ شخص اسلام میں داخل اور زمرۂ اہل سُنت میں شمار ہوسکتا ہے۔

داد داد۔ فریاد فریاد۔

وہ آزادی اور ہوا پرستی جو آجکل تپ دق کی طرح اور حسب ارشاد رسول علیہ السلام مرض کلب[سلہ] کی طرح اکثر قلوب میں ساری ہے اور جسکا منشا صرف قیود و حدود مذہب کو نیست و نابود کر دینا اور اصول و فروع اسلام کو بہ نصیب اعداتہ خاک کرنا ہے اُسکی بدولت آج بے تکلف ہر طرف سے وہ آوازیں قوت کے ساتھ برابر آرہی ہیں کہ ابتدائے اسلام سے کسی مسلمان کے منہ سے وہ آواز کبھی نہ نکلی ہوگی اور اگر بالفرض نکلی ہوگی تو وہ بالیقین اور بالبداہتہ فوراً اہل اسلام کی جماعت سے ایسا نکل گیا ہوگا جیسے معدہ سے مکھی اور آفتاب سے تاریکی۔

اسلام کے عقاید ضروریہ اور عبادات و معاملات قطعیہ کی نسبتہ ایسی سفاکی اور بیباکی سے معاملہ او سلوک کیا جاتا ہے کہ الاماں۔ الاماں۔

قرآن و حدیث سے صرف اتنا ہی سروکار ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے اُنکو پھیر پھار کر اپنے خیالات مخترعہ کے مطابق کر لیا جاوے وبس۔ **شعر**

من از بیگانگاں ہرگز نے نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد ...

[سلہ] دیوانہ کتے کے کاٹنے سے جو مرض پیدا ہوجاتا ہے اسکو کلب کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں ایک ایسا فرقہ نکلیگا کہ اُن میں یہ بُری خواہشات ایسی طرح سرایت کرجائینگی جیسے دیوانہ کتے کے کاٹنے کا اثر آدمی کے رگ و پے میں اثر کرجاتا ہے۔

نکالنے میں کسی کو تذبذب نہیں۔ اُسکے متعلق عقلائے زمانہ اور مصلحان قوم اور ہمدردان اسلام کی جو تحریریں وقتاً فوقتاً شائع ہوئی ہیں اُن تحریرات کو بنظر انصاف ملاحظہ فرمایئے اور کتب عقاید اور حدیث رسول اللہ اور کتاب اللہ سے مقابلہ کر لیجیے۔ انشاء اللہ ہر فہیم تقابل کے بعد بہت سہولت کے ساتھ مخالفت یا موافقت کا حکم دے سکتا ہے۔

رسالۂ تہذیب الاخلاق جسکو مسلمانوں کے ایک معزز گروہ اور مقتدر جماعت کی زبان کہنا واقعی بات ہے ماہ رجب ۲۹ھ کے پرچہ میں جو تقدیر کی نسبتہ تحریر شائع ہوئی ہے اُسی کو انصاف سے دیکھکر ہماری عرض کی تصدیق یا تکذیب فرما دیجے۔

ہر چند فاضل مضمون نگار نے اسکی احتیاط کی ہے کہ کوئی جملہ صاف اور صریح مخالف حق جو موجب توحش ہو لکھا جاوے مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ اہل فہم کو فاضل موصوف کے منشاء قلبی سمجھنے سے بھی کوئی امر مانع نہیں۔

بعض تحریرات کی نسبتہ تو یہ احتمال بھی ہوتا تھا کہ اُن صاحبوں کو شاید تمام نصوص اور جملہ مذاہب پر جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں پوری نظر نہو مگر فاضل موصوف کی نسبتہ چونکہ اس احتمال کی گنجایش بھی ہم نہیں دیکھتے تو بیحد تعجب ہوتا ہے۔

فاضل موصوف کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جملہ امور آیندہ علم الٰہی میں موجود اور معین ہیں اور علم الٰہی سب کو علی التفصیل اور علی الیقین ایسا محیط ہے کہ کسی چیز میں ادنیٰ تفاوت کا احتمال اور اللہ کے علم میں کسی قسم کا تغیر یا نقصان ہرگز ممکن نہیں۔

مگر فرماتے ہیں کہ اسکو بندہ کی مجبوری سے کیا علاقہ اور صرف تعین علمی سے بندہ کی بے اختیاری اور معذوری کیسے ثابت اور قابل تسلیم ہو گئی۔

اور ریلوے ٹائم ٹیبل کی مثال بیان کر کے فاضل ممدوح نے اس امر کو واضح کر دیا کہ دیکھو یہاں جملہ اوقات اور ہر اسٹیشن پر گاڑی کا قیام اور اُسکا پہنچنا اور چلا جانا سب معین ہو چکا ہے مگر باوجود ان تمام تعینات کے انکا کوئی اثر گاڑی چلانے والوں کی قدرت اور اختیار اور پانی اور آگ کی تاثیر پر ہرگز نہیں پڑتا۔

ہر چند ہمارے خیال کے موافق مثال مذکور میں کچھ فروگذاشت ضرور ہوئی ہے مگر چونکہ

اہل انصاف مثال خاص میں جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتے اسلئے اسکو چھوڑ کر یہ عرض ہے۔
کہ فاضل موصوف کی تحریر کا خلاصہ جو دو امر ہیں وہ بظاہر درست اور قابل تسلیم ہیں گو اُنکے خیال میں ان دونوں باتوں سے کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا مقصود ہو مگر ہمکو اس کنج وکاو کی کوئی حاجت نہیں۔

دیکھ لیجے امر اول یعنی علم جناب باری کو محیط کل اشیاء فرمانا اور اُس میں کسی قسم کی تفاوت و تغیر کی گنجائش نہونا تو عقلاً اور نقلاً ایسا مجمع علیہ امر ہے جو نہایت مشکوری کے ساتھ تسلیم کرنے کے قابل ہے اور جسکے مقابلہ میں بلا ارادہ طوبی لک ار زبان تو بادل موافق ست دل میں ضرور آتا ہے خدا نکرے جو کسی کی زبان سے ہمکو اسکی نسبتہ کوئی خلاف کلمہ سننے کی نوبتہ آئے۔

امر دویم یعنی صرف تعین علمی مذکورہ بالا سے بندہ کا اپنی قدرت و اختیار سے معزول ہو جانا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا یہ بھی انکار کے قابل نہیں بلکہ مذہب اہل حق کے موافق ہے۔

مگر اِن دونوں باتوں کے عرض کرنے کے بعد اتنا ہم بھی عرض کرتے ہیں کہ کیا صرف اتنی بات سے کہ تعین علمی کی وجہ سے بندہ مجبور محض نہیں ہوگیا کوئی فاضل یا غیر فاضل یہ کہہ سکتا ہے کہ اِس سے بندہ کا موجد و خالق افعال ہونا محقق ہوگیا۔ ایسی بات قیامت تک کوئی منصف نکہہ سکیگا مگر وہی کہ جسکی نسبتہ علم الٰہی میں ایسا کہنا معین ہوچکا ہو۔

ہمکو پوری اُمید ہے کہ علامۂ موصوف کے ارشاد کو جس مسرت اور صفائی سے ہمنے تسلیم کرلیا ہے وہ بھی ہمارے اِس حق اور بدیہی معروضہ کو اُسی صفائی سے ماننے میں متأمل نہونگے۔

جب یہ بات ہے تو اب ہم اہل انصاف سے پوچھتے ہیں کہ کیا محض اتنی بات سے کہ علم الٰہی میں سب امور کے تعین تام سے بندہ مسلوب الاختیار اور مجبور نہیں ہوگیا۔ مسئلہ تقدیر کی سیدرجہ تک بھی تحقیق ہوگئی اور جو مذاہب اور اختلافات اِس مسئلہ میں ہیں کیا اُن میں سے کوئی معین اور راجح ہوگیا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

اہل علم بالبداہتہ جانتے ہیں کہ اتنی بات سے کسی مذہب کا معین ہونا تو کہاں اِس سے تو کسی مذہب کو اتنا نقصان بھی نہیں پہنچا جیسے علم الٰہی کے محیط کل اشیاء ہونے سے بندہ کی قدرت اور اختیار کو۔

بالخصوص مذہب اہل سنت جو کتب عقاید میں مشرح موجود ہے اُسکو اتنی بات سے مخدوش سمجھ لینا تو کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آسکتا۔ ہاں تعین علم الٰہی کے سامنے دم مارنیکی گنجایش نہیں اب ہم علامۂ مضمون نگار کی اجمالات کی تفصیل اپنے ذمہ لینا غیر مناسب بلکہ خلاف احتیاط سمجھکر اُس سے سکوت کرتے ہیں حتےٰ کہ ہم بالتصریح یہ بھی کہنا ناپسند کرتے ہیں کہ اُنکو اہل سنت کا خلاف مقصود ہے۔

البتہ اتنا عرض کردینا ہمارے ذمہ اور اُسکا قبول فرمانا فاضل موصوف کے ذمہ ضرور ہے کہ تحریر موصوف میں علم الٰہی کی نسبتہ جیسا امر واقعی کا صاف اقرار کرکے علم الٰہی کو محیط تسلیم کرلیا ہے اسی صفائی کے ساتھ اگر غیر مناسب نہو تو یہ امر بھی صاف کردیا جاوے کہ بندہ کے افعال کا خالق اور موجد کون ہے آخر سب ممکنات کو کہیں سے وجود عنایت ہوتا ہے افعال عباد کہ جنکے امکان میں تأمل کرنا کسی سے ممکن نہیں اُنکے لئے معطی وجود کون ہے۔

اس امر کے صاف ہوجانیکے بعد کسی جانب کی راجح اور ثابت ہونیکی البتہ توقع ہوسکتی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مسئلہ تقدیر میں مشہور مذہب تین ہیں۔ قدریہ۔ جبریہ اہل سنت جسکی تفصیل اہل علم پر مخفی نہیں اِن میں سے جونسا مذہب منظور ہو اور حق سمجھا جاوے اُسکی تصریح اور تعیین ہوجانی بھی مناسب اور ضروری ہے۔ یا اِن کے سوا کوئی صورت اور ایجاد کیجاوے تو اُسکا صاف طور پر معلوم ہوجانا چاہئے ورنہ خلط مبحث سے بچنا غیر ممکن اور اُس سے کوئی نتیجہ قابل پسند اہل فہم نکلنا محال ہے۔

اسکے معلوم ہوجانے کے بعد یہ بھی ظاہر ہوجائیگا کہ اس مسئلہ میں اخلاقی کمزوری ہے یا نہیں اور اس مسئلہ کے انکار میں عقل و ایمان کی کمزوری ہے یا نہیں اور اسکی تسلیم میں گناہوں پر جرأت پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں اور اسکی آڑ میں کوئی اپنے نقائص کو چھپا سکتا ہے یا نہیں شعر

بجرم عشق توام میکشند وغوغائیست　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

ہمارا مدعیٰ نہ خلاف ہے نہ نزاع ہم صرف اس امر کے متمنی ہیں کہ اسلام کے قطعی احکام کی نسبتہ قرآن وحدیث واجماع سلف صالحین کے خلاف کوئی آواز دلخراش اُن حضرات کی طرف سے کان میں نہ آئے جو قوم کے مربی اور مصلح کسی حیثیت سے سمجھے جاتے ہوں کہ یہ امر اسلام اور اہل اسلام

کے حق میں نہایت قبیح اور شنیع ہے۔ پر جو خدا دکھائے وہ ناچار دیکھنا۔
اگر ہماری تمنا قابل لحاظ سمجھی جائے تو سبحان اللہ والحمدللہ ورنہ ہم بنظر انصاف معذور سمجھے جانیکے مستحق اور اُمیدوار ضرور رہیں۔
اور اسلئے اسوقت اتنی ہی قدر پر اکتفا کرتے ہیں خدا کرے مصلحان قوم مخالفت نصوص و سلف صالحین سے محفوظ رہیں اور غربا مسلمیں اُنکی مخالفت سے۔
اُنکی طرف سے ایسے مضامین ظاہر نہوں کہ مجبوراً اپنے مذہب کے حامیونکو بھی کسی امر کے اظہار کی نوبت آئے باقی یہ سبھی کو مسلم ہے کہ علم الٰہی میں جو مقرر ہو چکا ہے وہ کسی طرح بدلا نہیں جاسکتا اسلئے اُسکے مقابلہ میں کوئی تدبیر چل سکتی ہے نہ حیلہ قطعہ

انتاج محالست ز شکلے کہ عقیم ست　　　تدبیر چہ سازد بقضایائے الٰہی
کودک نیم اے چرخ کہ بازم بتو لعبت　　　اقبال تو خوش باد باصحاب ملاہی

اصلاح بعض جزئیات انقلاب اُمت

(سلسلہ کے لئے دیکھو نمبر ۷ جلد ۲ صفحہ ۹)

کفارہ مالیہ یمین

اِسمیں ایک بڑی کوتاہی تو یہ ہے کہ بہت لوگوں کا یہی گمان ہے کہ جب قسم ٹوٹے بس کفارہ میں تین روزے رکھ لینا کافی ہے اُنکو یہ خبر ہی نہیں کہ بعض حالتوں میں روزے کافی نہیں ہوتے کسی دوسرے طریق کی ضرورت ہے سو اِسمیں تفصیل یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹنے کے بعد ارادہ ادا کفارہ کا کرے اُسوقت دیکھنا چاہیئے کہ اِس شخص کے پاس قدر کفاف کو مستثنےٰ کر کے آیا اتنی گنجایش ہے یا نہیں کہ دس مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلا سکے یا اُن دس مسکینوں کو

ع‌ــہ خود یمین کے اور اُسکے کفارہ غیر مالیہ کے متعلق پھر کسی موقع پر لکھنے کا خیال ہے اسوقت صرف کفارہ مالیہ کے متعلق عرض کیا جاتا ہے جیسا کہ وجہ تخصیص کی تمہید مضمون گذشتہ سے معلوم ہوگی ۱۲ منہ

فی مسکین بقدر ایک حصہ صدقہ فطر کے حسب شرائط مذکورہ کتب فقہ غلہ یا اُسکی قیمت دیسکے یا دس مسکینوں کو اس طرح کپڑا دیسکے کہ فی مسکین متوسط قیمت کا کپڑا بقدر ایک جوڑے کے دیسکے جسکی تفاصیل جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہے پس اگر اسقدر[ع] گنجایش رکھتا ہو تو اُسکا کفارہ میں روزہ رکھنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوگا تب کفارہ ادا ہوگا اور اگر گنجایش نہیں ہے تب البتہ تین روزے رکھ لینا درست ہوگا اور اسمیں قدر کفاف سے زائد ہونا کفارہ مالیہ کے وجوب کے لئے کافی ہے صاحب زکوٰۃ ہونا شرط نہیں اور قدر کفاف یہ ہے رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کی خوراک (کذا فی الحاشیۃ الشامیۃ عن الخانیۃ) اور حنفی مذہب میں اس گنجایش و عدم گنجایش کو عزم ادائے کفارہ کے وقت دیکھا جاویگا قسم ٹوٹنے کے وقت نہ دیکھا جاویگا پس اگر حنث کے وقت گنجایش ہو اور ادا کے وقت گنجایش نہ ہو تو روزہ سے کفارہ ادا ہوجاویگا اور اگر حنث کے وقت گنجایش نہ ہو اور ادا کے وقت گنجایش ہو تو کفارہ مالیہ دینا پڑیگا (کذا فی الشامیۃ عن الزیلعی) اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایسے لوگ بہت ہی کم نکلینگے جنکے لئے روزہ کافی ہوجاوے کیونکہ غرباء میں ایسے کثرت سے ہیں جنکے پاس کفاف بالتفسیر المذکور سے زائد بقدر خوراک و پوشاک دس مسکینوں کے موجود ہے پس کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایک طرف سے سبنے روزہ ہی کو کافی سمجھ لیا ہے ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو لوگ کفارہ مالیہ ادا بھی کرتے ہیں وہ بھی اُسکے احکام و شرائط کی تحقیق و رعایت نہیں کرتے چنانچہ بعضے مطلق مسکین کو اُسکا مصرف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اُسکا مصرف زکوٰۃ ہونا شرط ہے (کذا فی الدر المختار) بعضے ایک مسکین کو دو تین حصے ایک تاریخ میں دیدیتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہوگا (کذا فی الشامیۃ) لیکن اس غلطی کے معلوم ہونے کے وقت اُس مسکین سے زائد کا واپس کرنا جائز نہ ہوگا اُسکو جو کچھ دیدیا وہ اُسکی ملک ہوگیا (کذا فی الشامیۃ عن الفتح) اگر ایک ہی مسکین کو زیادہ نفع پہونچانا منظور ہو تو اُسکو مختلف تاریخوں میں ایک ایک حصہ ہر روز دیدے یہ

ع اعتاق رقبہ کو اسلئے بیان نہیں کیا کہ وہ ہمارے بلاد میں مفقود ہے دوسرے اعتاق رقبہ کی قدرت کی حالت میں بھی اطعام و کسوۃ جائز ہے ۱۲ منہ

درست ہے (کذا فی الشامیۃ) اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ غروب آفتاب سے بدل جاتی ہے۔ پس اگر ایک مسکین کو دو حصّوں کا غلہ یا قیمت دینا ہو اور ایک حصہ دن میں دیدیا اور ایک حصہ بعد غروب آفتاب کے تو یوں سمجھا جاویگا کہ دو تاریخوں میں دیا اور کافی ہوجاویگا اور اگر ایک حصہ غروب آفتاب کے بعد دیا اور دوسرا حصہ اُس شب کے بعد دن میں دیدیا تو یوں سمجھا جاویگا کہ ایک ہی تاریخ میں دونوں حصے دیئے اسلئے ایک ہی حصہ ادا ہوگا۔ بعضے بیخبری سے ایک حصہ دو مسکینوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیتے ہیں اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہیں سو جان لینا چاہیئے کہ وہ حصہ ادا نہ ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن الجوہرۃ)۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بیخبری کے زمانہ میں جو کوتاہیاں ہوگئیں اُنکو بلا تدارک معاف سمجھ جاتے ہیں یا صرف توبہ کو موجب تدارک سمجھتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بدون ادا کئے ہوے ساقط نہ ہوگا حتّٰی کہ موت سے بھی ساقط نہیں ہوتا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی)۔

پس اس بناء پر جب ان کوتاہیوں کی اطلاع ہو اُنکا تدارک کرے اور جسقدر تاخیر کرے گا گنہگار ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی ایضاً) اور اگر قبل تدارک کے موت آجاوے تو مرنے کے وقت اُسکے متعلق وصیت کرے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے کئی قسموں کے بعد ایک کفارہ کو کافی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ہر قسم کا جدا کفارہ ہے بلکہ شیخین کے نزدیک تو متعدد یمین میں یہ تعدد کفارہ کا ایسا قوی ہے کہ ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو قسموں کی طرف سے دو حصے دینا بھی درست نہیں وہ ایک ہی حصہ سمجھا جاویگا (کذا فی الشامیۃ عن کافی الحاکم) پس اس بناء پر اگر دو قسمیں اسکی ٹوٹی ہوں تو اگر ایک تاریخ میں دونوں کفارے ادا کرنا چاہے تو ایک کفارہ کے لئے جُدا دس مسکین تجویز کرے اور دوسرے کفارہ کے لئے جُدا دس مسکین اور اگر بیس مسکینوں سے کم کو زیادہ نفع پہونچانا چاہیئے تو تاریخیں متفرق کردے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کفارہ یمین کا داموں سے حساب کرکے یا حساب کراکے کسی مدرسہ اسلامیہ میں اہل مدرسہ کو سپرد کر دیتے ہیں اور اطلاع نہیں کرتے کہ یہ کفارہ یمین کا ہے۔ جب اُن لوگوں کو اسکی خبر ہی نہ ہو تو وہ کسی طرح رعایت اُسکے احکام کی نہیں کرسکتے اور اسلئے نہیں کرتے

اور اس صورت میں وہ کفارہ ادا نہیں ہوتا اور حق واجب اُس شخص کے ذمہ رہتا ہے تو دیا بھی اور ادا نہ ہوا اسلئے نہایت ضروری ہے کہ اہل مدرسہ کو تصریحاً اسکی اطلاع دیدیا کریں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کسی انجمن وغیرہ میں ایسے کارکن کے سپرد کرتے ہیں جو بیچارہ خود ہی ان احکام سے بیخبر ہے یا اگر باخبر ہے تو قلت تدین کے سبب اُسپر وثوق نہیں کہ وہ اِن احکام کی رعایت کریگا اور اسلئے وہ شخص خواہ بعلمی سے یا قلت مبالاۃ یعنی بی پروائی سے اپنی رائے یا خواہش کے موافق اُس رقم یا جنس کو صرف کرتا ہے اور اس دینے والیکا کفارہ ادا نہیں ہوتا اور خود یہ کارکن بھی وبال میں مبتلا ہوتا ہے اِسلئے بیحد ضروری ہو کہ ایسے جاہل یا بیباک آدمی کو ہرگز ایسی چیز سپرد نکریں بلکہ جہاں ایسا احتمال ہو اور اسکے ساتھ ہی مدرسہ یا انجمن میں پہونچانا بھی ہو تو اسکی بہتر صورت یہ ہے کہ خود وہاں جاکر مستحقین طلبہ یا یتامی کو جو کہ مصارف زکوٰۃ ہوں تحقیق وانتخاب کرکے اپنے ہاتھ سے حسب احکام شرعیہ تقسیم کردے اور مدرسہ یا انجمن کے حساب میں جمع کرادے تاکہ وہ اپنی اعانت کے وقت اُسکو محسوب کرسکیں اور اس طور پر مدرسہ وانجمن کو مدد پہونچ جاوے۔

بعضے عوام ایک عجیب[1] کوتاہی میں مبتلا ہیں کہ کسی کے مجبور کرنے پر اگر قسم توڑدیں تو اپنے اوپر کفارہ واجب نہیں سمجھتے یا اُس جابر کے اس کہنے پر کہ میرے ذمہ گناہ رہا یا میں کفارہ دیدونگا اپنے کو سبکدوش سمجھتے ہیں یا اُسکے روزہ رکھ دینے کو کافی سمجھتے ہیں سو یہ سب غلطیاں ہیں جو قسم توڑیگا اُس پر کفارہ واجب ہوگا۔ پھر اگر یہ حانث کفارہ مالیہ پر قادر نہیں تو خود ہی اسکو تین روزے رکھنے پڑینگے اور اگر قادر ہے تو واجب اسی کے ذمہ ہوگا۔ اُس جابر کے کہنے سے بیفکر ہونا درست نہیں بلکہ اگر اُس جابر نے ادا بھی کیا لیکن اس حانث نے نہ کہا تھا جب بھی ادا نہیں ہوا البتہ اگر اس حانث نے اُسکو وکیل بنادیا اور اُسنے ادا کردیا صرف اس صورۃ خاصہ میں ادا ہوجاویگا پس عوام کا تمامتر اس تفصیل سے غرض[2] بصر کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ ہذا ما حضرنی الآن ولعل عند غیری اسبغ من ہذا البیان

کتبہ اشرف علی۔ سلخ۔ صفر ۱۳۳۰ھ

---

[1] یہ اگرچہ کفارہ مالیہ کے ساتھ مخصوص نہیں مگر اُس سے بہت کچھ متعلق ہے اسلئے یہاں ذکر مناسب ہوا ۱۲ منہ

[2] چشم پوشی ۱۲

تسہیل مضمون مذکور۔ برعایت تفہیم جمہور

احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ۔ عرض کرتا ہے کہ میرے مضامین مندرجہ رسالہ ہذا کی نسبت بعض ناظرین نے تقریراً وتحریراً عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آنے کی بعض اوقات شکایت ظاہر کی بعد تکرر سماع کے مجکو بھی کسی کسی وقت اسکی تلافی کا خیال ہوتا تھا۔ یہ تو مجھسے ہو نہ سکا اور مناسب بھی معلوم نہ ہوا کہ مضمون کے لکھنے کا طرز بدل دوں کہ اسمیں تکلف بھی زائد تھا اور اہل علم کو بھی اُس سے اُنس نہ رہتا یہ سہل اور مصلحت معلوم ہوا کہ اول اپنے طرز سابق میں بیساختہ مضمون لکھہ لیا جایا کرے پھر اگر کسی حصّہ؏ یا پورے مضمون میں ضرورت ہوئی تو اُسی کی عبارت کو دوسرے عنوان سے خوب سلیس کر دیا جایا کرے اس تجویز کے شروع ہونے میں بھی اتفاق سے دیر ہوتی رہی مگر آج اُسکے نفاذ اور آغاز کا بتوفیقہ تعالیٰ وقت آگیا چنانچہ مضمون کفارہ مالیہ یمین مذکور بالا کو سہل عبارت میں اعادہ کرتا ہوں۔ اور سہولت ہی کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو مسلسل نہ رکھا جاویگا بلکہ اُسکے چھوٹے چھوٹے جدا جدا ٹکڑے کر دئے جایا کرینگے بعنوان مسئلہ مسئلہ یا اور جو عنوان مضمون کے مناسب ہو۔

اعادہ بغرض تسہیل بعنوان مسائل

مسئلہ جس شخص کی قسم ٹوٹ جاوے یا وہ توڑ دے تو ہر شخص کو کفارہ میں تین روزے رکھ لینا کافی نہیں بلکہ جسکے پاس ضروری گذر سے زائد اتنی گنجایش ہو کہ وہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر متوسط معمولی کھانا کھلا سکے یا دس مسکینوں کو فی مسکین اتنا اناج دیسکے جتنا عید کے دن صدقہ فطر میں دیا جاتا ہے یا دس مسکینوں کو فی مسکین معمولی قیمت کا ایک جوڑہ مثلاً کرتہ پائجامہ یا چادر لنگی یا کرتہ لنگی یا چادر پائجامہ دے سکے تو اُسکی اُسوقت ادا ہوگا جب اس طرح سے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا یا ان کے دام دے اور ضروری گذر کا مطلب یہ ہے کہ رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کا کھانا۔ اگرچہ غریب ہی ہو اور زکوۃ اس پر واجب نہ ہو اور جسکے پاس اتنی بھی گنجایش نہ ہو اُسکا کفارہ البتہ تین روزے پیاپے رکھنے سے ادا

؏ اس احتمال کی بنا پر عام ناظرین کو اصل مضمون کا بھی پورا دیکھ لینا ضروری ہوگا کیونکہ ممکن ہو کہ کسی خاص حصہ کا بوجہ سہل ہونے کے اعادہ نکیا جاوے بلکہ اہل فہم کیلئے بھی تسہیل کا دیکھ لینا نافع ہو تو عجب نہیں کیونکہ محتمل ہو کہ تسہیل کے وقت کوئی مضمون مفید زائد لکھہ دیا جاوے ۱۲ منہ

ہوجاویگا۔ اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جنکا کفارہ روزے سے ادا ہوتا ہو کیونکہ اتنی گنجایش والے تو کثرت سے ہیں **مسئلہ** یہ گنجایش ہونا یا نہ ہونا اُسوقت دیکھا جاویگا۔ جب کفارہ ادا کرنے کا قصد ہو قسم ٹوٹنے کے وقت نہ دیکھا جاویگا سو اگر روزہ توڑنے کے وقت گنجایش نہ تھی اور ادا کرنے کیوقت گنجایش ہوگئی تو دس مسکینوں کو بطریق مذکور کھانا یا غلّہ یا کپڑا یا دام دینا ہوگا اور اگر روزہ توڑنے کے وقت گنجایش تھی پھر ادا کے وقت گنجایش نہ رہی تو روزہ سے کفارہ ادا ہوجاویگا **مسئلہ** ہر مسکین کو دینا کفارہ میں درست نہیں بلکہ وہ مسکین ایسا ہو کہ سیّد اور بنی ہاشم میں سے نہ ہو اور اس دینے والے کا باپ دادا نانا ماں دادی نانی اور بیٹا پوتا بیٹی پوتی نواسہ نواسی اور میاں بی بی نہ ہو۔ البتہ بیٹے کی بیوی کو یا داماد کو دینا درست ہے **مسئلہ** ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دو تین حصے دینا درست نہیں اگر ایک ہی مسکین کے ساتھ زیادہ احسان کرنا منظور ہو تو اُسکو ہر روز ایک حصہ دیدیا کرے اور تاریخ شریعت میں دن چھپنے سے شروع ہو کر اگلے دن کے چھپنے پر ختم ہوتی ہے **مسئلہ** اگر غلطی سے کوئی کفارہ ادا نہ ہوا ہو تو توبہ کافی نہیں بلکہ پھر یاد کرکے ادا کرنا چاہیے اور بلا عذر دیر کرنے سے گناہ ہوگا **مسئلہ** اگر کفارہ ادا نکرنے پایا تھا کہ موت آگئی تو اسکے ذمہ واجب ہے کہ وارثوں کو وصیت کرے کہ وہ اسکے ترکہ سے اُسکو ادا کریں اور وارثوں پر اُسکا ادا کرنا اس شرط سے واجب ہے کہ وہ اس میت کے ترکہ کے تہائی حصہ سے نکل سکے مثلاً اسکے ذمہ چار قسموں کا کفارہ واجب تھا اور وہ پانچ روپیہ کے غلہ سے ادا ہوسکتا ہے اور میت کا ترکہ اتنا ہے کہ اُسکی تجہیز و تکفین کرکے اور قرضہ مہر وغیرہ سب دیکر پندرہ روپیہ یا زائد بچتے ہیں تو اس صورت میں اُسکی وصیت کا پورا کرنا انکے ذمہ واجب ہوگا اور جو مثلاً ساڑھے سات روپیے بچتے ہیں تو صرف دو کفاروں کا ادا کرنا اڑھائی روپیہ سے واجب ہوگا اور اگر مثلاً تین ہی روپیے بچتے ہیں تو ایک کفارہ کا بھی ادا کرنا واجب نہ ہوگا اسی طرح نرخ کے اختلاف سے کفارہ کی قیمت کی کمی بیشی کا حساب دیکھ لیا جاوے۔ البتہ ایسی صورت میں اگر کوئی وارث بالغ اپنے حصہ ترکہ سے یا اپنے سرمایہ سے ادا کردے تو بڑا ثواب ہے لیکن وارث کے روزہ رکھنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔ یا اگر میت کے پاس نقد نہ ہو لیکن غلّہ یا کپڑا سلا ہوا یا بے سلا تہائی

ترکہ کے اندر اتنا ہو کہ وہ دس مسکینوں کو فی مسکین بقدر صدقہ فطر یا ایک جوڑہ تقسیم ہو سکے تب بھی کفارہ دینے کی وصیت کو پورا کرنا واجب ہے۔ **مسئلہ** اگر دو قسمیں ٹوٹیں تو دو کفارے دینا واجب ہیں اور امام ابوحنیفہ رح اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اگر ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دونوں کفاروں کا ایک ایک حصہ دینا چاہے تو درست نہیں اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہوگا دوسرا اسکے ذمہ رہیگا جیسا ایک قسم کے کفارہ کے دو حصے ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں۔ البتہ اگر تاریخ بدل جاوے تو درست ہے۔ **مسئلہ** کفارہ کی رقم یا جنس یا کپڑا جب تک کسی خاص مسکین کی ملک نکیا جاویگا اُسوقت تک وہ کفارہ ادا نہ ہوگا خواہ اپنے ہاتھ سے کسی کو مالک کردے یا دوسرے شخص کے سپرد کردے کہ وہ کسی کو مالک کردے۔ مثلاً کسی مدرسہ کے مہتمم کو دیدیا یا کسی انجمن کے کارکن کو دیدیا اس صورت میں وہ اس کفارہ والے کا وکیل ہوجاویگا اور کفارہ محض اُسکے سپرد کرنے سے ادا نہ ہوگا بلکہ جب وہ وکیل موافق احکام شرعیہ کے مساکین کو دیگا تب ادا ہوگا پس اگر اُس وکیل نے کوئی غلطی کی تو کفارہ دوبارہ دینا پڑیگا اسلئے ایسے شخص کو وکیل نہ بناوے جو احکام شرعیہ سے بے خبر ہو یا کہ خبردار تو ہو مگر دیندار اور احتیاط والا نہ ہو۔ **مسئلہ** اوپر کے مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جن کارخانوں میں کوئی خاص مالک نہیں ہوتا گو وہاں رفاہ عام کے کام ہوتے ہوں وہاں دینے سے ایسی رقمیں "جیسے کفارہ ہے زکوٰۃ ہے صدقہ فطر ہے چرم قربانی کی قیمت ہے خواہ خود مالک چرم نے فروخت کی ہو خواہ اسکے وکیل نے اور بھی جن جن رقموں میں تملیک خاص شرط ہے" ادا نہیں ہوتیں پس جنہوں نے چندہ حجاز ریلوے میں ایسی رقمیں دی ہوں اُنکو چاہیئے کہ دوبارہ پھر موافق شریعت کے ادا کریں۔ **مسئلہ** اگر قسم توڑنے والے کی طرف سے دوسرا شخص کفارہ ادا کرنا چاہے تو اگر کفارہ میں اُس دوسرے نے روزے رکھے تب تو کفارہ ادا نہ ہوگا اور اگر دس مسکینوں کو موافق مسائل مذکورہ بالا کھانا یا کپڑا یا غلہ یا دام دیئے تو اگر کفارہ والے نے اجازت نہیں دی تھی تو بھی کفارہ ادا نہ ہوگا اور اگر تصریحاً اجازت دیدی ہو تو ادا ہوجاویگا فقط (باقی اجزاء مضمون کے آسان ہیں محتاج تسہیل نہیں)۔

کتبہ **اشرف علی تھانوی**

آخر عشرہ اولیٰ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ہجری

جلسۂ بنیاد و آغاز تعمیر دار الحدیث

دار الحدیث کی تعمیر کے مسلمان بصد شوق منتظر ہیں۔ انکی آنکھیں لگی ہوئی ہیں کہ کب یہ مبارک تعمیر شروع ہوتی ہے۔ وہ متمنی ہیں کہ بہت جلد اسکو مکمل صورت میں دیکھیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اس پر عظمت نام کی پوری پوری عزت و حرمت کی بلکہ شاید یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہو کہ ہندوستان میں جسقدر مذہبی اور قومی عمارات بنائی گئی ہیں انمیں سے کسی کے لئے آج تک مسلمانوں کا میلان اور جوش اسقدر ظاہر نہیں ہوا۔ جیسا دار الحدیث کیلئے ہوا اور کیوں نہو یہ اس مبارک نام کی پہلی عمارت ہے جو ہندوستان میں سب سے اول مدرسہ دیوبند میں تعمیر کیجاتی ہی یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں اطلاع پہونچتی گئی بلا خاص تحریک کے مسلمانوں نے نہایت رغبت و شوق سے سلسلہ امداد جاری کر دیا۔

مسلمانوں کی عام رغبت اور جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے حضرات نے حضور فخر عالم سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک اور اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ خلفاء راشدین اہل بیت ازواج مطہرات اور اولیاء کاملین کے نام سے چندہ دیا ہی۔ مسلمانوں کی عام رغبت و جوش کو دیکھتے ہوئے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس مبارک تعمیر کی ابتدا میں انکو شرکت کا موقع دیا جاوے اسلئے یہ تجویز کی گئی کہ ایک مختصر مگر بابرکت مجمع میں اسکی بنیاد قایم کیجائے۔

۱۷ ۱۸ ۱۹ ربیع الثانی مطابق ۶، ۷، ۸ اپریل کو بمقام میرٹھ جلسہ موتمر الانصار ہونیوالا ہے اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ۹ اپریل روز شنبہ اس مبارک کام کیلئے مقرر کر دیجائے جو حضرات اسمیں شریک ہونا چاہیں انکا زیادہ وقت صرف نہوگا۔ ۹ کی صبح کو دیوبند پہنچکر اسی روز واپس ہو سکتے ہیں۔ صبح ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک حضرت مولانا مولوی احمد حسن صاحب امروہی و حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم وعظ فرمائینگے اور ایک مختصر تحریر جسمیں دار الحدیث کا تذکرہ اور ان خاص عطیوں کا اعلان کیا جائیگا جو مد دار الحدیث حاصل ہو چکی ہیں یا اس وقت تک ہونگی اسکے بعد جمیع شرکا جلسہ کو موقع دیا جائیگا کہ اپنے ہاتھ سے بنیاد رکھیں۔ اور اسکی تکمیل و اتمام کیلئے بخلوص قلب دعا کریں۔ امید کیجاتی ہی کہ مسلمان اس جلسہ کی شرکت سرمایہ سعادت سمجھکر ضرور تکلیف سفر گوارا فرمائینگے اور خدام مدرسہ کو شکر گذاری کا موقع دینگے۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

[سلسلہ کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۴ جلد دوم]

درباریوں پر تو رعب چھا گیا اور اہل فارس کے دلوں میں اسلام کی محبت کا بیج جم گیا۔ رعایا حریت و مساوات کی تحصیل کیلئے اسلام کے حلقۂ اثر میں داخل ہونے کیواسطے بیتاب ہو گئی۔ اُدھر رستم بول اُٹھا کہ اس گفتگو سُننے کے بعد رعایا کبھی ہماری مطیع نہ رہیگی۔ امراء فارس گھبرا کر کہنے لگے خدا بُرا کرے ہمارے اسلاف کا جنہوں نے فارس میں اس تفوق و امتیاز کی بنیاد ڈالی۔ جسکا خمیازہ آج ہمکو بھگتنا پڑتا ہے دونوں سفیروں کی دونوں ادائیں گہری پالیسی اور اعلیٰ تدبیر و ہوشمندی کا نتیجہ تھیں۔

پہلے دن کے طرز عمل نے اگرچہ اثر ڈالا کہ انسان کی برتری ان سامانوں سے نہیں ہے۔ بلکہ اُسکا مدار اعلیٰ اخلاق اور شریفانہ معاملات اور سب سے بڑھکر اپنے خالق و مالک کے ساتھ ربط و کامل انقیاد سے ہے دل اگر اُن کمالات سے معمور ہے جو ایک انسان میں ہونے چاہئے تو ان نمائشی سامانوں کی ضرورت نہیں اور اگر بجائے انسانی کمالات کے وحشیانہ اخلاق بھرے ہوئے ہیں تو یہ سامان کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ تو دوسرے دن کے معاملہ نے اسلامی قوانین حریت و مساوات وغیرہ کا سکہ دلوں پر بٹھلا دیا۔

اہل فارس خود سمجھ گئے کہ ہم نہایت ابتر و ذلت کی حالت میں زندگی کے مراحل طے کر رہے تھے اگر انسانیت اور آزادی کا لطف ہے تو صرف مسلمانوں کی اطاعت اور اُنکے زیر اثر آجانے میں۔ رستم سفراء اسلام کو بار بار اسلئے بلاتا تھا کہ اُنکی گفتگو سے امراء دربار متاثر ہو کر میری ہمخیال بن جائیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر سفیر اپنا کام کر گئے۔ اُن میں سے ہر ایک جو بات کہتا یا جو معاملہ کرتا تھا اُس سے نہ صرف رستم اور درباری متاثر و مرعوب ہوتے

تھے۔ بلکہ عوام افراد میں اسلام اور مسلمانوں کی محبت بیٹھتی چلی جاتی تھی۔ ایک ایسی قوم ہے جسکو وحشیانہ اور بدویانہ زندگی بسر کرتے ہوئے صدیاں گذر گئی ہوں۔ جنکی تنگدستی و فاقہ مستی ضرب المثل ہو۔ جو ہمیشہ فارس و روم کے غلام بنے رہے ہوں۔ کسریٰ و رستم بھی بروقت گفتگو انکی اس حالت کو یاد دلاکر شرمندہ کرنا۔ اور طمع زر دیکر ٹال دینا چاہتے ہوں۔ یہ امر نہایت تعجب انگیز ہی کہ دشمن کے ملک میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوکر بھی کسی پر چیرہ دستی نہ کریں۔ فقر و فاقہ کی تکلیف اُٹھاتے ہوئے ایسے سرسبز ملک میں پہونچیں اور کوئی چیز خلاف قانون لینا گوارا نہ کریں۔ بلکہ اپنی ہر ادا سے ثابت کریں کہ اُنکو ان لبھانے والی چیزوں کی طرف اصلا رغبت نہیں ہی۔

اسلام کی اشاعت کا اصلی راز انہیں اخلاق و معاملات میں مضمر تھا۔ اور اب بھی مسلمان کسی قسم کی ترقی کر سکتے ہیں تو انہیں اخلاق و اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ۔ وحشیانہ افعال و حرکات یا جابرانہ تہور و مردانگی۔ یا ملحدانہ تخیلات کبھی ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دینگے۔

نتیجہ پنجم

شام و روم عراق و جزیرہ وغیرہ ممالک پر پیش قدمی سے مسلمانوں کو خونریزی کا بازار گرم کرنا یا باشندوں کو ملک بدر کر کے انکی املاک و متاع پر قابض ہونا مقصود نہ تھا۔ نہ انکو ذلیل بنا کر خود آقا و مالک بننا انکی اغراض میں داخل تھا۔ بلکہ اصلی غرض و غایت یہ تھی کہ مخلوق کو قوانین کی تیرہ و تار مہلک اور پیچیدہ عقبات سے نجات دلاکر امن و آسایش تہذیب و تمدن کی شاہراہ پر لا ڈالیں۔ اور انکو حریت و آزادی کے ذائقہ انسانیت کی دولت و نعمت سے متمتع کریں۔ اس اعلی و ارفع مقصود کیلئے جو طریقے اختیار کئے گئے نہایت سہل تھے یا اسلامی اوصاف و کمالات کی طرف راغب ہوکر برضا و رغبت مسلمان بنجائیں۔ یا تھوڑا سا محصول (جزیہ) دیکر مسلمانوں سے مساوات کا درجہ حاصل کریں۔ میزان عدل میں مسلمانوں کی برابر تلیں حقوق میں برابر کا حصہ لیں۔ آزادی و اطمینان کے ساتھ اپنی املاک پر بلکہ ملک پر قابض و حاکم رہیں۔ مسلمان خود انکی حمایت و حفاظت کرینگے

اسلامی سفراء اور نائبین کی گفتگو یزدجرد اور رستم سے بغور ملاحظہ کیجائے اُسکا حاصل اسکے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور یہی مطلب کَلِمَۃُ اللّٰہ کے بلند و بالاتر کرنے سے تھا جسکے لئے مسلمان مامور تھے۔ نظیر دیکھنی ہے تو ہرمزان سے مصالحت کا معاملہ دیکھ لینا کافی ہے جنکا مفصل تذکرہ آیندہ ایک عنوان میں لکھا جائیگا۔ وہ بشرط ادا محصول اپنے ملک پر قابض و متصرف رہا۔ اور مسلمانوں نے اُسکی اور اُسکے ملک کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

نتیجہ ششم

مسلمانوں کا سرزمین عرب سے نکلکر قدیم اور زبردست سلطنتوں سے معرکہ آرا ہونا۔ لٹیروں اور غارت گروں کا سامان۔ یا چنگیز خانی فتوحات کا نمونہ نہ تھا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک اُنکی تمام حرکات و سکنات۔ ارادے منصوبے۔ عملی کام ایسے مرتب اور با قاعدہ تھے۔ کہ اس زمانہ کے متمدن اور شایستہ قومیں بھی اس سے زیادہ تو کیا پوری پوری تقلید بھی نہیں کرسکتیں تاریخ عالم کی ورق گردانی اور واقعات سابق و حال کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح و اقبالمند قوموں کی کامیابی کا راز امور ذیل میں مضمر ہے۔

فنون جنگ میں مہارت۔ اتفاق و اتحاد۔ ہمدردی ملکی و قومی۔ ایثار و جاں نثاری۔ جوش و استقلال۔ ہمت و مردانگی۔ حفظ راز۔ اطاعت امیر و معدلت گستری و نصفت شعاری۔ مساوات و حریت۔ تعدی و ظلم سے پرہیز۔ جوش انتقام میں اعتدال پر قایم رہنا۔ دشمن کے ملک سے کماحقہ واقفیت حفظ ماتقدم۔ انتظام ذرایع خبر رسانی۔ و فراہمی رسد وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ باتیں ہیں کہ جس قوم میں پائی گئیں فتح و نصرت اُنکی ہمرکاب ہوئی۔

مذکورہ بالا واقعات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بات بدرجہ کمال مسلمانوں میں موجود تھی۔ مادی ترقیات کی وجہ سے یہ ممکن بلکہ واقع ہے کہ بعض خاص انتظامی امور میں متمدن قومیں اس وقت ترقی کر جائیں۔ مگر اصولی باتوں پر نظر ڈالتے ہوئے صاف صاف تسلیم کر لینا پڑیگا کہ ان اوصاف میں مسلمانوں سے بڑھکر کوئی قوم نہ اُسوقت تھی اور نہ اُسکے بعد اب تک ہوئی۔ مدعی تو پہلے سے بھی بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں مگر کوئی یہ بتلادے کہ ان اصول پر مجموعی طور سے کہاں تک عمل کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا سا اتفاق و اتحاد جو اُسوقت تھا

کسی قوم میں بھی نہیں ہوا۔ حفظ راز کا حال ظاہر ہے غیر تو کیا اپنوں کو تدابیر جنگ کے راز قبل از وقت معلوم نہوتے تھے۔ ایثار کی یہ حالت تھی کہ سخت سے سخت خطرہ کے موقع پر ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ میں آگے ہوجاؤں۔ جو گزند پہونچے مجھکو پہونچے۔ میرے بھائی اس سے محفوظ رہیں۔ یزدجرد اور رستم کے یہاں جاکر دلیرانہ گفتگو کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ مگر اس پر بھی یہ نہوا کہ ایک شخص کو دوسری بار جانیکی نوبت آتی۔ ہمت و استقلال کا یہ حال تھا کہ تن تنہا بادشاہ وقت سے ایسی بے دھڑک گفتگو کرتے تھے جس سے خود بادشاہ اور درباری مرعوب ہوجاتے تھے۔ جوش و مردانگی اس سے ظاہر ہے کہ طلیحہ اسدی تن تنہا ساٹھ ہزار کی جمعیت میں رات کیوقت گئے۔ اور چپ چاپ واپس آنے کو پسند نہ کیا۔ دشمن کے ملک میں اُسوقت تک قدم نہ رکھتے تھے جب تک اُسکی اندرونی حالت سے پوری واقفیت نہوجاتی۔

اس زمانہ میں میدان جنگ اور دشمن کے ملک کے نقشے تیار ہوتے ہیں مگر اُسوقت بھی اس اصول پر مضبوطی سے عمل تھا حضرت عمرؓ نے امیر لشکر حضرت سعد کو تحریر فرمایا:۔

صِفْ لِیَ الْاَرْضَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْھَا۔ | (سرزمین عراق کا حال ایسا لکھو کہ گویا میں اُسکو دیکھ رہا ہوں)

حضرت سعد نے ایسا ہی کیا۔ یہ نقشہ کھینچنا نہ تھا تو کیا تھا۔ اس نقشہ کو ملاحظہ فرماکر قادسیہ کو جنگ کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی طرح ایک قدم بھی اندرون مُلک میں داخل ہونیکی ممانعت تھی جب تک کہ سامانِ رسد اور ذرایع خبر رسانی کا کامل بندوبست نہو۔ سلسلہ امداد برابر متصل نہو۔ انتظام ڈاک ایسا تھا کہ امیر عراق چھوٹی چھوٹی باتوں میں دار الخلافت سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ اور وہاں سے فوراً جواب آتا تھا۔ اگر ڈاک کا کامل انتظام نہوتا تو ہزاروں میل کے فاصلہ پر اسقدر جلد خبریں کیونکر پہونچ سکتیں۔ اور جواب کیسے آسکتا تھا۔ رہی معدلت و انصاف۔ حریتہ و مساوات وغیرہ یہ تو وہ باتیں ہیں جسکا سکہ مفتوح قوموں پر فتح سے قبل ہی بیٹھ چکا تھا۔ اس قانون میں حاکم و محکوم۔ امیر و رئیس عالم و جاہل سب مساوی تھے۔ اور باایںہمہ مساوات امیر کی اطاعت اسدرجہ تھی کہ سر مو کوئی شخص سرتابی نہ کر سکتا تھا۔ امیر عسکر اُن ہدایات پر جو دار الخلافت سے آتی تھیں نہایت پابندی کیساتھ کاربند ہوتے تھے۔ اور یہی حال ہر ماتحت کا اپنے افسر کی اطاعت میں تھا۔ کیا ایسے شایستہ اور باقاعدہ لشکر کو کوئی شخص غارتگروں سے

تشبیہ دیسکتا ہے۔ یا ان فتوحات کو غارتگری کا نتیجہ بتلا سکتا ہے۔ اگر کسی شایستہ اور متمدن قوم نے اس سے آدھا بھی کر دکھایا ہو تو بتلادے۔ لیکن مسلمانوں نے ان قوانین کی تعلیم کسی لاکالج یا ملیٹری کالج میں نہیں پائی تھی۔

قانون بین الاقوام بھی اُسوقت مدون نہوے تھے۔ امن عام قایم رکھنے کیواسطے ہیگ کی کانفرنس بھی وضع نہوئی تھی اور پھر بھی وہ سادہ لوگ سب امور میں ماہر تھے۔

عرب کا جہل اور بدویت۔ سادگی وفاقہ مستی تو ایسی مشہور تھی کہ روم وشام۔ فارس وغیرہ میں جب کسی سفیر سے گفتگو ہوئی اُنکو سابق حالات یاد دلائے گئے۔ اور مسلمانوں نے بھی بے تکلف اُن سب باتوں کو تسلیم کیا۔ باایں‌ہمہ یہ باتیں اُن میں کہاں سے آئیں۔ اور کیونکر سیکھیں صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار واعتقاد کرنے اور خدا کے حبیب ومحبوب نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند ساعت ہمنشینی سے۔

اس سے یہی بات معلوم ہوئی کہ اسلام نہ تمام باتوں کی رہبری کیلئے کافی ہے۔ بلکہ یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ نفس اسلام کو (جو صدق دل سے اور کمال رسوخ وپختگی کے ساتھ ہو۔ وہ تمام خوبیاں اور عمدہ اطوار وعادات جو ہدایات قرآنی وتعلیم پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہیں۔ اور جنکے ساتھ متصف ہونے سے خود بخود دین ودنیا کی خوبیاں عقل ودانش کے مراتب حاصل ہوجاتے ہیں) لازم وملزوم ہیں مسلمان اور پختہ مسلمان ہونا تمام اخلاقی اور دماغی کمالات وروشنضمیری کی ضمانت ہے۔

نتیجہ ہفتم

رستم کو خود یہ علم تھا کہ مسلمان ضرور ملک فارس پر قابض ہونگے۔ اور ہمپر غالب آئینگے اور اسلئے وہ ہر پہلو سے لڑائی کو ٹالنا چاہتا تھا۔ اُسنے بادشاہ سے باصرار عرض کیا کہ مجھے میدان جنگ میں جانے سے معاف کیا جائے۔ اُسنے باربار سفرا اسلام کی گفتگو امرا فارس کو سنا کر اُنکو سمجھانا چاہا کہ ان لوگوں کی یہ گفتگو اور یہ پاکیزہ حالات اور اعلی وبرتر خیالات وکمالات ہیں۔ اُنکے معاملات اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ ہیں۔ وہ کسقدر سچے اور صاف اور اُنکا دین کیسا برگزیدہ اور اُنکے قوانین کیسے عمدہ ہیں۔ اُسنے کوشش کی کہ میں خود اور میری ساتھ

تمام امراء و لشکر برغبت مسلمان ہوجائیں اور اپنے ملک و حکومت کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھیں۔ جسکا اقرار وہ مسلمانوں سے لے چکا تھا کہ اگر مسلمان ہو گئے تو ملک انکا انکے قبضہ میں رہیگا مسلمانوں کے غلبہ اور حقانیت کا علم فقط رستم ہی تک محدود نہ تھا بلکہ جملہ خواص و سردار اسمیں شریک تھے جسکو وہ عوام پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ رستم اور جابان کی گفتگو اسکی شاہد ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تمام خواص و سرداروں کو رستم و جابان کی برابر تیقن نہو۔ مگر اس علم سے خالی نہ تھے اور گو عوام کو اس راز سے کتنا ہی غافل رکھنا چاہا مگر ع نہاں کے ماند آن رازی کزو سازند محفلہا۔ جبکہ خواص میں باہم چرچا تھا۔ تذکرے تھے۔ اور رستم نے برسر دربار سفیران اسلام سے گفتگو کی۔ اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تو ناممکن تھا کہ ان تک یہ خیال نہ پہونچتا۔ اور وہ اس اثر سے متاثر نہوتے رستم کی کچھ پیش نہ چلی۔ اُدھر بادشاہ نے مجبور کیا۔ ادھر اسکے ماتحت افسروں نے اس بارہ میں اطاعت نہ کی تو مجبوراً جنگ کا پہلو اختیار کیا۔ اُسنے اور اُس کے تمام ماتحت افسروں نے ملک کی حفاظت میں جان توڑ کر کوشش کی دشمن کو ہلاک و تباہ کرنیکی سب تدبیریں عمل میں لائے۔ کوئی دقیقہ سرفروشی و جان بازی کا اُٹھا نہ رکھا۔ رگ حمیت نے تھوڑی دیر کیلئے اُسکے سب قلبی خیالات راسخ اور متیقن علم کو مٹا دیا اور وہ نہایت قوت و شوکت ساز و سامان کے ساتھ دلیرانہ (غَدًا نُدُقُّهُمْ دَقًّا) کہتا ہوا میدان کارزار کو روانہ ہوا۔ اس علم نے اُسکے ارادہ میں کسی قسم کی سستی اور ہمت میں ضعف پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اُس سے زیادہ تن دہی دکھلائی جو لاعلمی کی حالت میں دکھلاتا۔ اُسنے اُس عداوت کا اظہار کیا جو معاند اور جاحد حق کرتا ہے۔ یہ عداوت جہل کی عداوت سے کہیں زیادہ اور مضبوط ہوتی ہے جہل کا علاج تنبیہ سے ہو سکتا ہے۔ مگر عناد کا علاج نہیں ہے مسلمانوں کے غلبہ و تسلط کو اہل فارس کی ضعف یا پستی ہمت و دلشکستگی پر محمول کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور جس طرح کفار عرب و اہل مکہ نے باوجودیکہ اُن کے دلوں میں مذہب اسلام کی سچائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت و راستبازی مرکوز تھی۔ اُنہوں نے وہ تمام حالات و معجزات دیکھے تھے جنکو دیکھنے و سُننے سے سنگدل سا سنگدل بھی نرم ہو جاتا۔ آپ کی کوئی بات کبھی غلط نہ نکلی۔ جو پیشین گوئی فرمائی صحیح اوتری۔ جو حجت طلب کی دکھلادی گئی وہ آپسمیں بیٹھکر آپکی

حقانیت کے تذکرے کرتے تھے۔ مگر بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی۔ آبروریزی۔ دشنام دہی۔ اور انجام کار ہلاکت وقتل میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور حتیٰ کہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جانے اور وہاں بھی انکا پیچھا کرنے اور ضعیف مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب دیکر اسلام سے پھیر دینے میں ممکن سے ممکن کوشش کی۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انجام کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع اپنی جماعت کے ہمیشہ کیلئے مکہ معظمہ چھوڑ دینا پڑا۔ مگر ہجرت کر جانے کے بعد بھی انکے صفحہ ہستی سے معدوم کر دینے کی کوششوں سے باز نہ آئے۔ کبھی یہود مدینہ سے سازش اور منافقوں کو آمادہ کر کے مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنیکی تدابیر میں مشغول ہونا۔ اور انجام کار عرب کے تمام قبائل کو متفق بنا کر غزوۂ خندق کی صورت میں مدینہ کا محاصرہ کرنا۔ کبھی ملوک غسان وغیرہ کو مدینہ پر چڑھائی کرنے کیلئے امادہ کرنا۔ غرض خفیہ وعلانیہ جس طرح بھی ممکن تھا اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے۔ اور مسلمانوں کو جو انکے ہم قوم ہم وطن رشتہ دار اور عزیز تھے۔

جنکی عزت انکی عزت تھی۔ جنکی فلاح میں انکی فلاح تھی۔ جو اگر غالب آکر سلطنت وحکومت کی مسند پر بیٹھتے تو انہیں کی سلطنت وحکومت ہوتی (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کا تسلط ممالک شام وروم وغیرہ پر ہوا۔ یہی لوگ مسند آرائے حکومت ہوئے۔ ابوسفیان (جو بعد ابوجہل کے تمام کفار مکہ کے افسر اعلےٰ اور تمام معرکوں کے بانی مبانی تھے۔ اور انہیں کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے جوش انتقام سے جنگ احد میں حضرت حمزہ کا جگر چبایا تھا) معرکۂ یرموک میں اعلیٰ اور ذمہ داری کی خدمت (قاص) (خطیب ولکچرار) پر مامور تھے۔ جنکا کام یہ تھا کہ اپنی موثر تقریر اور جادو بیانی سے مسلمانوں میں جوش کی روح پھونکتے رہیں۔ انکے دونوں بیٹے یزید ومعاویہ گورنری شام پر ممتاز ہوئے۔

اسی طرح عکرمہ ابن ابی جہل اور سب بڑے بڑے سرداران مکہ خود یا انکی اولاد ذمہ داری کے اعلےٰ عہدوں پر ممتاز تھے) مگر یہ علم حقانیت اور یہ تعلقات قومیت وقرابت ووطنیت انکو کسی بات سے مانع نہ آئی۔ فتح مکہ اور ہر طرح سے مغلوب ہو جانے کے بعد بھی جب تک انکے اندر کما حقہ اسلام راسخ نہ ہو گیا دلوں میں یہ خیال لئے رہے۔ حنین کی لڑائی میں جب نومسلموں

اور اسکے ذیل میں چند قدیم اور پختہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ تو یہی ابوسفیان وغیرہ جو ابھی چند روز ہوئے فتح مکہ کے دن مسلمان ہوچکے تھے۔ ایسے خوش ہوئے کہ اپنے دلی جذبات کو چھپا نہ سکے۔ ایک بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو اب باطل ہوگیا۔ دوسرے بولے کہ بس جی اب مسلمانوں کے قدم کہیں نہ جمیں گے۔ دریا سے ورے تو یہ ٹھہر ہی نہیں سکتے۔

مدینہ کے یہود خوب جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپ کے اندر وہ سب علامتیں دیکھتے تھے جو اُنکے یہاں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر عناد و بغض حُب جاہ و ریاست نے اجازت ندی پرندی کہ دولت اتباع سے مالامال ہوتے۔ دغابازیاں کیں۔ کتاب اللہ کے احکام چھپائے۔ مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔ قتل و غارت ہوئے۔ جلاوطن ہوئے۔ مگر ہٹ سے باز نہ آئے۔ علیٰ ہذا منافقین مدینہ سب کچھ جانکر اپنے بھائیوں کے حسد و بغض کی وجہ سے اس حقیقی نعمت سے محروم رہے۔

یہی حال رستم اور اُسکے ہم خیال امراء اور ارکان سلطنت و رعایا کا تھا۔ اُنکو علم اور تیقن ضرور تھا مگر نہ اس درجہ کا جو مشرکین عرب و یہود مدینہ و منافقین کو تھا۔ اور نہ اُنکے سامنے علم و یقین کے وہ اسباب تھے جو اُن لوگوں کے سامنے تھے۔ اِسلئے وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی پوری قوۃ و سامان سے نبرد آزما ہوئے اور نہ فقط معرکۂ قادسیہ کے اختتام تک ہی اُنکی یہ ہمت قایم رہی۔ بلکہ پایۂ تخت نکل جانے کے بعد بھی اپنی ہٹ پر قایم رہے۔ نہاوند کا سب سے آخری معرکہ ایسا سخت تھا کہ باوجود فتوحات اسلامیہ کے اِسقدر وسیع ہوجانے۔ اور تقریبًا کل مملکت فارس و شام زیرنگیں ہوجانے۔ اور ہر قسم کے سامان جنگ میں سہولت و وسعت ہونے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِسقدر اہتمام کرنا پڑا کہ اس سے پہلے کسی معرکہ میں نکیا تھا۔ اہل فارس نے بھی اتنا زور دکھلایا کہ اس سے قبل نہیں دکھلایا تھا۔

رستم کے ہم رتبہ فیرزان کی کمان میں ڈیڑھ لاکھ نبرد آزما جمع تھی۔ اور امداد کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ ہزیمت سے محفوظ رہنے کیواسطے وہ سخت صورتیں تجویز کیں جو قادسیہ میں بھی نکی تھیں۔ اپنے پیچھے گہری خندق کھودی اور اپنے اور خندق کے درمیان لوہے کے گوکھرو اور کانٹے بچھادئے۔ اور سات سات سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر میں باندھ دیا کہ بھاگ ہی نسکیں

اور اگر بھاگیں تو کانٹوں میں پھنسکر رہجاویں۔ اور اسپر بھی کوئی بھاگ نکلے تو خندق میں گر کر ہلاک ہوجائے۔ غرض اپنی انتہائی کوشش اور بہادری کو خرچ کیا۔ اور جبکہ یزدجرد کو ملک فارس میں کہیں قدم رکھنے کو جگہ نہ رہی تب بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ خراسان و ترکستان اور چین تک پہونچکر مسلمانوں سے مقابلہ کرتا اور کراتا رہا۔ اسلئے یہ تو کوئی شخص ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اہل فارس میں فی الحقیقت ضعف تھا۔ یا اپنے اس علم کیوجہ سے کماحقہٗ مقابلہ نکیا۔ اور مسلمانوں نے ایک ضعیف و مردہ قوم پر غلبہ حاصل کرلیا۔ ہاں اس علم و یقین کا یہ اثر ضرور ہوا کہ جس جس ملک پر فتح حاصل کرکے مسلمان مسلط ہوجاتے اور وہاں اسلام کی برکات پہیلاتے جاتے تھے وہاں کے باشندے جو پہلے سے علم کے درجہ میں اسلام کی صداقت دل میں لئے ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کے معاملات سے اور اُنکے اس قانون حریت و آزادی معدلت و نصفت سے واقف تھے جسکا برتاؤ وہ اپنے دشمنوں اور مفتوح قوموں سے کرتے تھے۔ جب اُنکو بالذات مسلمانوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ اُنکی ہر ہر بات کو آنکھ سے دیکھتے تھے اور پھر اُس ہمدردی اور شفقت اور مساوات کا مشاہدہ کرتے تھے جو اُنکے ساتھ برتے جاتے تھے اور ان سب سے بڑھکر اُنکے اُن حالات کو بھی دیکھتے تھے جس سے مسلمانوں کی دنیا سے بےتعلقی آخرت کی طرف رغبت اور ہر ایک بات میں رضاء الٰہی کا طالب ہونا معلوم ہوتا تھا۔ تو اسلام کی محبت ایسے غیرمحسوس طریقے سے سرایت کرجاتی تھی کہ وہ بےاختیار زبان کے اقرار سے پہلے دل سے مسلمان اور نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کے شیدائی بنجاتے تھے۔ اور یہی ایک سبب تھا جسکی وجہ سے بلاکسی قسم کے جبر یا تدبیر و حیلہ کے مُلک کے ملک اور قوم کی قوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان ہوجاتے تھے۔ اور یہ ایسا مؤثر اور قوی سبب تھا کہ کوئی دوسرا سبب اُسکے مقابلہ میں مؤثر نہیں ہوسکتا۔ اسکے خلاف جو شخص کوئی دوسرا سبب بیان کرے محض دعویٰ بےدلیل ہے۔ جسکو کبھی ثابت نہیں کرسکتا۔

رستم کے اور امراء فارس کے خیالات اور اُسکے ذیل میں دوسرے حالات لکھنے میں ہمنے کسیقدر طول سے کام لیا۔ لیکن جس مطلب کے ہم درپے ہیں اُسکے اظہار کیواسطے واقعات مذکورہ کا تذکرہ نہایت ضروری تھا۔ ان واقعات سے چند نتائج اخذ کئے گئے ہیں جنمیں ہر ایک بجائے خود مہتم بالشان اور نہایت مفید ہے لیکن اصلی مقصود ان مسلسل حالات کے ذکر کرنے سے یہی آخر نتیجہ ہے۔ جسکا تعلق ہمارے

اصلی دعوے سے ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ منصف مزاج و معقول پسند اسکو بغور ملاحظہ فرمائینگے۔
لیکن قبل اسکے کہ ہم اس عنوان کو ختم کریں اسقدر لکھدینے کی ضرورت باقی ہے کہ رستم یا اراکین سلطنت امراء فارس یا عام رعایا کو اسلام کی صداقت اور مسلمانوں کے غلبہ کا یقین کس ذریعہ سے ہوا تھا۔ قیصر روم و شام تو اہل کتاب میں سے تھا علیٰ ہذا یہود مدینہ بھی اُنکو اگر آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے علم ہوا تو قرین قیاس ہی مگر قوم مجوس جو کسی آسمانی مذہب کی پابند تھی نہ کتاب الٰہی اُنکے پاس اُنکو علم ہوا تو کیونکر اس خلجان کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ ممکن ہے کہ فارس اور روم کی سلطنتیں باہم ملی جلی تھیں کبھی اُن میں باہمی جنگ ہوتی تھی اور کبھی صلح غرض آپمیں ایسے تعلقات تھے جنکی وجہ سے یہ امر کچھ مستبعد نہیں ہی کہ جو خیال قیصر شام و روم اور علماء نصاری میں راسخ تھا اُنکے ذریعہ سے فارس تک بھی پہونچگیا ہو۔ یا یہ کہ عرب کے اکثر حصوں پر فارس کی حکومت تھی اور عرب کے کاہنوں اور نجومیوں میں ولادت باسعادت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی کھل بلی پڑ گئی تھی اور بعد ولادت حضور انور تو عرب بھر میں چرچا ہوگیا تھا۔ یہ کچھ بھی مستبعد نہیں ہی کہ یہ خیالات عرب سے فارس تک پھیل گئے ہوں لیکن اصلی وجہ اسکی یہ ہے کہ فارس میں خود ایسے واقعات پیش آئے جنکی وجہ سے اُنکو بالذات یہ علم ہوگیا۔

آپکی ولادت باسعادت کی شب میں ایوان کسریٰ کو زلزلہ آگیا۔ اور اُسکے چودہ کنگرے گر گئے۔ ایوان دنیا کی مشہور عمارتوں میں تھا۔ کسریٰ جیسے زبردست بادشاہ نے کروڑ ہا روپیہ صرف کر کے ۲۳ سال میں تعمیر کرایا تھا۔ اُسمیں زلزلہ آنا اور کنگروں کا گر جانا معمولی بات نہ تھی۔ کسریٰ انوشروان سخت مغموم اور پریشان ہوا۔ اوّل اوّل تو اُسنے استقلال سے کام لیکر اپنے صدمہ کو پوشیدہ رکھنا اور اس واقعہ کو طشت از بام نکرنا چاہا۔ مگر بالآخر دربار منعقد کیا اور اراکین سلطنت پر اس غیر معمولی اور عظیم واقعہ کو جسکے لئے بظاہر کوئی سبب نہ تھا ظاہر کر کے اسکی وجہ اور لم کو دریافت کرنا چاہا۔ دربار ابھی منعقد ہی ہوا تھا۔ اور انوشروان کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ یہ اطلاع ملی کہ آج کی شب تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی اور اسی مجلس میں ایلیا کے گورنر کا مراسلہ بدیں مضمون پہونچا کہ :-

آج شب بحیرہ ساوہ کا پانی بالکل خشک ہوگیا۔ اور اُسی مجلس میں شام سے اطلاع پہونچی کہ

سماوہ کی ندی کا پانی منقطع ہوگیا۔ اور اُسیوقت طبریہ سے خبر آئی کہ بحیرہ طبریہ میں پانی کی روانی موقوف ہوگئی۔ انوشروان تو اپنے دل میں پہلے ہی سے پریشان تھا۔ ان خبروں سے اُسکے رنج و ملال کی انتہا نرہی۔ اور اُسوقت اُسنے بیان کیا کہ آج کی شب میں ایوان کو سخت زلزلہ آیا۔ اور چودہ کنگرے گر گئے یہ سُنکر موبذان[۱] بولا میں نے بھی آجکی رات دیکھا ہے کہ سخت اور زبردست اونٹ اور اُنکے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے بلاد عجم میں پھیل گئے۔ کسریٰ نے موبذان سے اسکی تعبیر پوچھی تو اُسنے کہا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی جانب سے کوئی بات ظاہر ہونے والی ہے۔ آپ حیرہ کے عامل کو لکھئے وہ کسی عالم کو جو وقایع آیندہ کے حالات سے باخبر ہو بھیجدے گا۔ کسریٰ کے حکم پر نعمان ابن المنذر نے عبد المسیح غسانی کو بھیجدیا۔ جسکی عمر اُسوقت ڈیڑہ سو سال کی تھی۔ یہ سب واقعات اور مشاہدات و خوابیں اُسکے سامنے بیان کئے گئے تو اُس نے کہا کہ اسکا پورا علم میرے ماموں سطیح[۲] کو ہے جو شام کے شہر جابیہ میں رہتا ہے۔ عبد المسیح کو معہ ایک جماعت کے سطیح کے پاس بھیجا گیا۔ یہ ایسے وقت پہونچے کہ سطیح تین سو سال اور بعض روایات کے موافق سات سو سال زندہ رہکر دم توڑ رہا تھا۔ اور اپنے حال میں مشغول تھا۔ مگر سطیح نے باآواز بلند کہا۔

اصم ام یسمع غطریف الیمن۔	(یمن کا سردار بہرہ ہوگیا یا سنتا ہے۔)

عبد المسیح کی آواز سُنکر سطیح نے سر اوپھار کر کہا:۔

عَبۡدُ الۡمَسِيۡحِ عَلٰى جَمَلٍ مُشِيۡحٍ اِلٰى سَطِيۡحٍ	(عبد المسیح تیز رو اونٹ پر سطیح کے پاس ایسے وقت

---

[۱] موبذان چیف جسٹس کو کہتے تھے۔ اور بعضوں نے کہا ہو کہ سب سے بڑے آتشکدہ کے محافظ و خادم کو موبذان کہتے تھے لیکن اسمیں کچھ مخالفت نہیں ہے۔ ممکن ہو کہ یہ دونوں جلیل القدر عہدے ایک ہی شخص کے سپرد ہوں۔

[۲] عرب میں دین ابراہیمی کے ضعیف ہوجانے کے وقت سے کہانت کا زور ہوگیا تھا۔ اہل عرب اپنے معاملات میں کاہنوں کے فیصلہ پر راضی ہوتے تھے۔ اور وقایع آیندہ کے مطابق اُنہیں کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے۔ ان کاہنوں میں دو شخص بہت ہی مشہور و مستند ہوئے ہیں شق۔ اور سطیح لیکن ان دونوں میں بھی سطیح کا درجہ بڑھا ہوا تھا۔ سطیح کے بدن میں سوا کھوپری کے کہیں ہڈی نہ تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ بیٹھنے پر قادر نہ تھا۔ البتہ غصہ کیوقت پھول جاتا تھا۔ اور بیٹھنے پر قادر ہوتا تھا۔ خود کہیں نہ جا سکتا تھا۔ اُسکا چہرہ سینہ میں تھا۔ گردن بالکل نہ تھی۔ جب اُس سے کچھ دریافت کرنا ہوتا تھا تو اُسکو اسی طرح ہلاتے تھے جیسے گھی نکالنے کیوقت دہی کے برتن کو ہلاتے ہیں۔ ہلانے سے اُسمیں ہوا بھر جاتی تھی۔ سانس چڑھ جاتا تھا اُسوقت پوچھنے پر جواب دیتا تھا۔ سطیح کی عمر تین سو اور بقول بعض سات سو سال ہوئی ۱۲

وقد وافی علی الضریح یعثك ملك ساسان لارتجاس الایوان و خمود النیران و رؤیا الموبذان رای ابلا صعابا تقود خیلا عرابا قد قطعت دجلۃ وانتشرت فی بلادھا۔ یا عبد المسیح اذا کثرت التلاوۃ وظھر صاحب الھراوۃ وغاضت بحیرۃ ساوۃ وخمدت نار فارس فلیس بابل للفارس مقاما ولا الشام لسطیح شاما یملك منھم ملوك وملکات علی عدد الشرفات وکل ما ھوات آت۔

پہونچا کہ وہ قبر کے کنارہ پہونچگیا تھا۔ شاہ فارس نے تجھکو ایوان کے متزلزل ہونے آتشکدوں کے سرد ہوجانیکا سبب اور موبذان نے جو یہ خواب دیکھا تھا کہ زبردست اونٹوں کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو قطع کرکے بلاد فارس میں پھیل گئے۔ انکی تعبیر پوچھنے بھیجا ہی۔ اے عبد المسیح جب تلاوۃ قرآن بکثرت ہونے لگے اور صاحب عصا (مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہر ہوجائیں بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہوجائے اور فارس کے آتشکدے سرد ہوجائیں تو سمجھ لینا کہ بابل اہل فارس کی جا قیام نہیں رہی۔ اور شام کا ملک سطیح کیواسطے رہا۔ چودہ کنگرے جو ایوان فارس کے گرے ہیں انکی شمار کے موافق کل چودہ بادشاہ فارس کے ہونگے۔ ور جو بات آنیوالی ہے نہایت قریب ہے۔)

اس گفتگو کے ختم ہوتے ہی سطیح کا دم توڑ ہوا۔ اور عبد المسیح نے فارس کی راہ لی۔ کسریٰ انوشروان سے سارا ماجرا بیان کیا تو اسنے سنکر کہا۔ چودہ بادشاہ ہونے کیواسطے تو زمانہ دراز چاہئے۔ اس مدت میں تو بڑے بڑے تغیرات ہوجائینگے۔ لیکن مسکین کو یہ خبر نہ تھی کہ وعدہ خداوندی بہت جلد پورا ہونے والا ہے۔ چار ہی برس کی قلیل مدت میں دس بادشاہ تو سلطنت کرکے قتل یا معزول ہوئے۔ باقی چار کا خاتمہ بھی حضرت عثمانؓ کی شروع خلافت تک ہوگیا۔ لیکن پایۂ تخت اور مملکت فارس کو تو پہلے ہی سے وداع کرگئے تھے۔ یزدجرد نے دوسروں کے گھر پڑکر جان دی۔ اور تین ہزار ایکسو چونسٹھ سال کی قدیم سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

یہ واقعات تو کسریٰ انوشروان عادل کے زمانہ میں ہوئے۔ اور یہ ایسے واضح حالات تھے کہ کسی خاص شخص تک انکا علم محدود نہ تھا۔ کوئی شخص اپنے خواب کو مخفی رکھ سکتا تھا۔ اور کوئی کسی خاص واقعہ کا اخفا بھی کرسکتا تھا۔ جیسا کہ خود انوشروان نے ایوان کے زلزلہ کو مخفی رکھنا چاہا۔ مگر ان تمام حالات اور متواتر روایات کا اخفا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اگرچہ فارس میں اس امر کا علم پہلے سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور تھا کہ اہل عرب ملک فارس پر مسلط

ہوجائینگے۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف کے حالات میں لکھا ہے کہ اُسنے عرب کو سخت اذیتیں پہونچائیں۔ وہ قبایل عرب کو برباد اور تباہ کرتا تھا۔ اور جو شخص ملجاتا تھا اُسکے مونڈھے اوکھاڑ دیتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اُسکو ذوالاکتاف کا لقب دیا گیا تھا۔ اسی طرح تباہی نازل کرتا ہوا قبیلہ تمیم تک پہونچا تو یہ لوگ پہلے ہی اپنے منازل کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہاں سوا عمیر بن تمیم کے جسکی عمر تین سو سال کی تھی کوئی بھی نملا۔ یہ اس درجہ ضعیف ہوگیا تھا کہ بیٹھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور اسی لئے اُسکو زنبیل میں لٹکا کر لٹکا دیا جاتا تھا۔ سپاہی عمیر کو سابور کے پاس لیگئے۔ سابور نے اُس سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ باوجود ضعف و پیرانہ سالی عقل و گویائی کامل ہے۔ عمیر نے سابور سے عرب کو قتل و غارت کرنے اور اس قسم کی اذیتیں پہونچانے کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے کہا ان لوگونکا گمان ہے کہ جب نبی آخرالزماں مبعوث ہونگے تو ملک فارس ہمارا ہوجائیگا۔ عمیر نے کہا مگر آپ نے شاہانہ عقل وحلم سے کام نلیا۔ اگر اُنکا یہ خیال غلط ہے تو آپ کو کیا مضرت۔ اور اگر صحیح ہے تو اُنکی گردن پر کوئی ایسا احسان چھوڑنا چاہیے تھا جسکو وہ یاد رکھتے اور اپنے غلبہ کے وقت اہل فارس کے ساتھ بطور جزاء احسان مراعات کرتے۔ عمیر کی اس گفتگو کا سابور پر پورا اثر ہوا۔ اور وہ ان سخت حرکات سے رُک گیا۔

گو یہ علم کسی معتبر اور مستند روایات یا دلیل پر مبنی نہو۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خواہ بربنار کہانت و نجوم جسکا اُس زمانہ میں بہت چرچا تھا۔ اور انہیں کے اقوال پر عام طور پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ اور انہیں کے فیصلوں کو ناطق و واجب العمل سمجھا جاتا تھا۔ یا بربنار روایات یہود مدینہ جو خاص نبی آخرالزماں کے اتباع اور امداد کیلئے وہاں آباد ہوئے تھے۔ اور بوجہ اہل کتاب ہونے کے اُنکے اقوال قابل اعتماد مانے جاتے تھے۔ اسکا چرچا عرب میں اور اُنکی وجہ سے ممالک متصلہ میں ضرور تھا۔ لیکن انوشروان عادل کے وقت جو امور پیش آئے وہ ایسے واضح اور روشن تھے کہ کسی کو انکار کی گنجایش نہ تھی۔ اور اسی وجہ سے یہ علم درجۂ یقین تک پہونچکر اہل فارس میں راسخ ہوگیا تھا۔

انوشرواں کے بعد اُسکا پوتہ پرویز تخت سلطنت پر بیٹھا تو اُسکو بھی متواتر ایسے ہی واقعات پیش آئے۔ اور اُسکے دربار کے کثیر التعداد کاہنوں اور نجومیوں نے بھی ان آثار کو مبعوث

ہونے والے نبی کا پیش خیمہ بتلایا۔ جنکی اُمت مُلک فارس پر حکمرانی کریگی۔ ان واقعات نے اُس سابق علم کو اور بھی تقویت پہونچا دی رستم اور اُسکے سوا بہت سے دوسرے ارکین سلطنت خود بھی علم نجوم و کہانت میں مہارت رکھتے تھے اُنکو ذاتی طور پر بھی اسکا علم تھا۔ اور اسلئے وہ تقلیداً نہیں۔ بلکہ اپنے مشاہدات کی بنا پر اسلام کو حق سمجھکر اُسکی طرف مائل تھے۔ ان سب کے علاوہ وقت ظہور اسلام سے اسوقت تک جس قسم کے حالات خود مُلک عرب میں پیش آئے یا فتح شام و عراق کے وقت دیکھے گئے اور مسلمانوں کا طرز و انداز۔ خالق و مخلوق کیساتھ معاملات۔ اور اپنے دشمنوں اور مفتوح قوموں کے ساتھ برتاؤ ان سب باتوں کی وجہ سے خود بخود بلا استدلال واستنباط۔ یہ امر ذہن نشین ہوتا گیا کہ اسلام ایک زبردست قوت ہے جو تمام قوتوں پر غالب آکر رہیگی۔ اور مسلمان اپنے اندر وہ اوصاف لئے ہوئے ہیں جنکی خوبی کا سکہ اسی طرح بیٹھتا چلا جائیگا کہ کوئی تدبیر اُسکے خلاف کارگر و مفید ثابت نہوگی۔ ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے جدہر کا رُخ کیا۔ قوموں کی قومیں اسلام کا خیر مقدم کرنے کیلئے تیار بیٹھیں تھیں۔ خوشی خوشی اُسکے حلقہ میں داخل ہوتی گئیں۔ مسلمانوں نے کسی کے ساتھ نہ جبریہ معاملہ کیا۔ اور نہ ناجائز اور خلاف عقل و انسانیت ترغیب تحریض کا۔

وہ صداقت سے معاملہ کرتے تھے اور یہی اُنکی بڑی تدبیر تھی۔ اور اسی سے اُنکو ہر قسم کی کامیابی نصیب ہوئی۔ مخالف اپنی پوری قوۃ سے مقابلہ کرتے تھے مگر اُنکے پاس ان اعلےٰ اوصاف کے مقابلہ کا سامان نہ تھا۔ اس سے وہ بالکل عاجز تھے۔ اور یہی وہ اوصاف تھے جنکا بے اختیاری اثر قلوب کو مسخر کر لیتا تھا۔

(باقی آیندہ)

قسطنطنیہ کا قدیم بیت العلوم

مدرسہ عربیہ عالیہ دیوبند کی رفتار ترقی نے جو نصاب اور درجات تعلیم قرار دئے ہیں۔ اسکا تقریبی نمونہ دکھانیکے واسطے ذیل کا مضمون شائع کیا جاتا ہے جو ہمارے ایک محترم مہربان مولوی حامد علی صاحب صدیقی کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرین اسکو دلچسپی کے ساتھ پڑھینگے۔ (مدیر)

محمد الثانی الفاتح کا زمانہ ترکوں کی تاریخ کا ممتاز حصّہ سمجھا جاتا ہے۔ رزم و بزم دونوں شعبوں کو نمایاں ترقی ہوئی۔ مضافات قسطنطنیہ کی فہرست نسبتاً بہت زیادہ وسیع ہوگئی۔ لیکن حسن اتفاق سے اس مضمون میں ہمکو صرف بزم سے سروکار ہے۔ رزمی نیکنامیوں کی تفصیل کی فرصت نہیں محمد الثانی جس طرح رزم میں الفاتح سے ملقب ہوتے تھے۔ اسی طرح بزم میں انکو ابوالحسنات اور "ابوالخیرات" سے مخاطب کرتے تھے۔ قسطنطنیہ میں ایک رفیع الشان مسجد آجتک انکے نام سے "مسجد الفاتح" موسوم ہوتی ہے۔ اور قدیم فن تعمیر کا ایک نفیس نمونہ ہے۔ مسجد کے پیش پا ایک کشادہ میدان دامن پھیلائے ہوئے تھا۔ جسکو "الصحن" کہتے تھے۔ اسکے دونوں جانب بالمقابل چار چار کالج بنائے گئے تھے۔ انکو "مدارس الثمانیہ" کہتے تھے۔ یا بنظر اختصار صرف "الثمانیہ" یا "الصحن" کہتے تھے۔ ہر ایک کالج کے پس پشت ایک بورڈنگ ہوس تھا جسکو "تتمہ" کہتے تھے۔ ہر تتمہ میں آٹھ وسیع کمرے تھے۔ اور ہر ایک کمرہ میں تیس طلبا بلافیس رہتے تھے انکو فی کس ۱۲ اسپرس وظیفہ ملتا تھا۔ اسپرس = ۲ پنس = ۲/۔

یہ تو اعلیٰ تعلیم کا سامان تھا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے علیحدہ مدارس تھے۔ جنکو "مسیل الصحن" کہتے تھے۔ ہر ایک "مسیل" میں دو درجے ہوتے تھے۔ "خارج" اور "داخل" نصاب تعلیم یہ تھا۔ صرف۔ نحو عربی زبان میں منطق۔ علم الکلام۔ ادب۔ معانی۔ بیان۔ بدائع۔ ہندسہ۔ ہیئت تلک عشرۃ کاملۃ۔ فقہ اور قانون اس نصاب میں داخل نہ تھا۔ بلکہ یہ مضامین "الصحن" کے نصاب میں تھے۔ ابتدائے نصاب کا صرف یہ کام تھا۔ کہ "الصحن" کے لئے استعداد پیدا کردے۔ "مسیل" میں کامل التحصیل ہوکر۔ طالبعلم "دانشمند" سے ملقب ہوتا تھا۔ اور کسی چھوٹے مدرسہ کا

معلم یا مسجد کا امام یا اور اسی طرح کسی چھوٹی خدمت پر مامور ہوتا تھا۔
"دانشمند" کا درجہ حاصل کرکے۔ طالبعلم "الصحن" میں داخل ہوتا۔ الصحن کے پرنسپل یا مدرس اوّل کے ساتھ اعلیٰ درجوں کے طلباء بطور پروفیسر یا فیلو کام کرتے تھے۔ اور ادنیٰ جماعتوں کو درس دیتے تھے۔ ایسے طلباء "موید" کہلاتے تھے۔ کالج میں تعلیم کے دو درجے تھے "ملازم" اور "مدرس" پہلا امتحان پاس کرنے پر "ملازم" کی سند ملتی۔ اور طالب علم کا نام ایک خاص رجسٹر میں جسکو "روزنامچہ ہمایوں" کہتے تھے۔ درج ہوتا تھا۔ درجہ ملازم کے نصاب کے دو حصے تھے پہلے میں بلاغت اور علم کلام کی انتہائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اور دوسرے میں اصول قانون۔ عقائد۔ فقہ۔ احادیث اور تاویل۔

"ملازم" صرف دوم درجہ کے شہروں کا قاضی یا نائب قاضی۔ جج یا اسسٹنٹ جج ہو سکتا تھا۔
"مدرس" کے سند حاصل کرنے پر۔ البتہ اُسکو سلطنت کے ہر جلیل القدر منصب کا استحقاق ہوجاتا تھا۔
"مدرس" درجہ کے لئے کوئی خاص مضمون یا امتحان نہ تھا۔ بلکہ ایک مدت معینہ تک لازم تھا کہ وہ اونچی جماعتوں کو خاص خاص مضامین پر لیکچر دیا کرے۔ اِس مدت کے بعد اُسکو ایک سند ملتی تھی جسکو "رءوس" کہتے تھے۔ اب وہ "الصحن" کے کسی درسگاہ یا "مسیل" کا پرنسپل مقرر ہوتا۔ اور اُسکو مناسب مشاہرہ ملتا تھا۔ بلحاظ تعلیم۔ مدرس کی کئی قسمیں تھیں۔ جیسے ہمارے زمانہ میں آنرز لیتے ہیں اِسی طرح اُسوقت ترکی طلباء۔ خاص خاص مضامین میں امتیازی ڈگری حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالحسنات نے "مدرس" کے چار مدارج قایم کئے تھے۔ خارجی۔ داخلی صحنی۔ التمش لو۔ اوّل الذکر "خارج" اور "داخل" مدارس کے پرنسپل ہوسکتے تھے "صحنی" الصحن کے کسی درسگاہ کا پرنسپل ہوسکتا۔
"التمش لو" میں کوئی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ منازل تعلیم کا سدرۃ المنتہی تھا۔ اور سب سے بھاری تنخواہ پاتا تھا جب کوئی طالبعلم۔ درجہ بدرجہ ترقی کرکے۔ "التمش لو" تک پہونچ جاتا تو وہ گویا طبقہ علما میں داخل ہوجاتا تھا۔ وزارت۔ قضاء۔ معدلت گستری کا بڑا ذخیرہ اسی طبقہ میں تھا۔ قضاۃ کے چار درجے تھے۔ اوّل کسی بڑے شہر کا قاضی مقرر ہوتا۔ پھر خاص قسطنطنیہ کی قضاۃ پر آتا۔ پھر ایشیائے کوچک کا قاضی مقرر ہوتا۔ اور اخیر پر قاضی العسکر اناطولیا کے منصب پر متمکن ہوتا اسکے بعد ایک اَور درجہ بھی تھا۔ یعنی قاضی العسکر صوبجات مغربی۔ جسکو قاضی القضاۃ یا

چیف جسٹس کہتے تھے۔ یہ معدلت گستری کا انتہائی درجہ تھا۔ الثمانیہ درحقیقت علوم وفنون اور فضائل انسانیہ کا حوض کوثر تھا جسنے ترکوں کی قومی زندگی کے عام خاص انجام مدارج کو صدہا برس سیراب کیا۔ اُس طرز تعلیم کو مٹے ہوئے آج سو برس گذرے اور ترکوں کے تنزل کی تاریخ بھی سو برس سے شروع ہوئی ہے۔ تو کیا نتیجہ نکلا۔ بلاشبہ یہ کہ ترکوں نے وہ طرز تعلیم مٹا کر۔ اپنے آپ کو مٹا لیا۔ وہ تعلیم۔ اُنکو مرکز اسلام پر لائی تھی۔ اُن میں اسلامی خصوصیتیں پیدا کرتی تھی۔ خالص اسلامی فضائل سے معمور کرتی تھی۔ اس نے وہ دنیا کے جس حصہ میں آباد تھے۔ امان دینا پر بھاری تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ تعلیم گاہیں اب بکثرت ہیں طلباء کی تعداد زیادہ ہے۔ اسلام! اسلام! کا شور وغوغا زیادہ ہے مگر استعارۃً اصلی حالت یہ ہے کہ سونے کے کام بنے بند ہوگئے ہیں۔ اور ملمع کے کارخانے جابجا کھل گئے ہیں۔ مصنوعات میں چمک دمک اسقدر ہے کہ آنکھیں چندھیائی ہیں۔ لیکن۔ تلمیع سے کوئی چیز خالی نہیں۔ اسلامی خصلت کا پتہ نہیں۔ یثرب و بطحا کے میدانوں سے اُٹھ آئے ہیں۔ اور سراب کے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ ع

تو از خود غیر مے جوئی ازیں معنی نمے یابی

حامد علی۔ صدیقی

فہرست چندہ دار الحدیث جو اشاعت القاسم ماہ ربیع الاول ۳۴ھ تک وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	ڈاکٹر محمد نظر خانصاحب ڈاکٹر شفاخانہ ریلوی بارہ بنکی	عمہ
۲	معرفت جناب رسالدار سائنداد خانصاحب آفریدی پنشنہ ساکن قائم گنج ضلع فرخ آباد تفصیل انکی رُوداد سالانہ میں طبع ہوگی	عہ
۳	منشی ایوب علیصاحب علاقہ ریاست الور	عمار
۴	نمبردار جہانگیر خانصاحب علاقہ کرنال	٧ر
۵	مولوی مجتبیٰ حسن صاحب چاندپوری مدرس مدرسہ آنولہ	للعہ
۶	منشی محمد یسین صاحب گنگوہی	صر
۷	منشی محمد اسحق صاحب امین نہر گنگ ڈویژن میرٹھ تفصیل انکی روداد سالانہ میں طبع ہوگی	لعہ
۸	مولوی محمد عالم صاحب وکیل منصفی قنوج ضلع فرخ آباد	صر
۹	مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ امروہہ	عمر
۱۰	منجانب ہمشیرہ صاحبہ حاجی محمد یوسف صاحب دفتر دیوانی فنا شلی۔ سیف آباد۔	صر
۱۱	حاجی عبدالرحمن صاحب ساکن موضع چانگانہ ڈاکخانہ راسیدنگ ضلع اکیاب۔	صر
۱۲	مولوی عبدالحق صاحب ساکن سردہنہ ضلع میرٹھ	۸ر
۱۳	شیخ رفیع اللہ صاحب رئیس موضع مخدوم پور ضلع غازیپور	عمہ
۱۴	شیخ فصیح اللہ صاحب رئیس ایضاً	سے
۱۵	مولوی سید احمد علیصاحب تحصیلدار نیما ہیڑہ	صر
۱۶	مولوی محبوب علیصاحب مدرس دوم اسکول مونگیر تفصیل	صر
	منجانب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم	
	بجانب حضرت مولانا رشید احمد صاحب رح	

موتمر الانصار کا دوسرا اجلاس

میرٹھ میں

اِسوقت ہمارے مُلک کے مسلمانوں کی علمی کوشش علوم عصریہ اور شرعیہ کے متعلق تین طرح
پہلی قسم کی وہ درسگاہیں ہیں جنمیں علوم شرعیہ اپنی اصل زبان میں تحصیل کرائے جاتے ہیں۔ اور علوم عصریہ اگر
بالعرض ہونگے یعنی اس حد سے تجاوز نکیا جاوے جسکی احتیاج علوم شرعیہ کے لئے ضروری ثابت ہوچکی ہ
کی ایسی درسگاہیں جنمیں علوم عصریہ مقصود بالذات ہیں۔ اور علوم شرعیہ بقدر ضرورت پڑھائے
تیسری قسم کی درسگاہیں ہیں دونوں علوم مقصود بالذات ہیں۔ پہلی قسم کی درسگاہوں کا اصل
عالیہ اسلامیہ دیوبند ہے۔ جو اپنی دار التکمیل اور شاخوں سمیت **دار العلوم** کہلاتا ہے۔

جمعیتہ الانصار اہل علم و صلاح کی وہ جماعت ہے جس نے دار العلوم دیوبند کی تکمیل کے ضمن میں
مذہبی ضروریات پورا کرنے کا تہیّہ کرلیا ہے۔

الانصار نے اپنے مقصد کی تکمیل کے ذرائع و وسائل میں مشورہ لینے اور مسلمانوں کے مذہبی اقتدار
سے مذہبی تعلیم کی ترقی کا راستہ معین کرنے کیلئے ایک سالانہ جلسہ قرار دیا ہے جسکی تعریف بالفاظ ذیل کی گ

"جمعیتہ الانصار کا وہ جلسہ علمیہ جسمیں (**الف**) قرآن مجید و حدیث شریف کے اسرار و لطائف بیان ہ
(**ب**) اصلاح عقائد و اخلاق و اعمال کے متعلق علمی مضامین پڑھے جائیں۔ (**ج**) مسلمانوں
مذہبی علوم و مصارف کی حفاظت و اشاعت کے وسائل پر عموماً اور مدارس و مساجد کی اصلاح و عمارت
خصوصاً بحث و مشورہ ہو۔ (**د**) ان تجاویز پر عمل کرنے کا تہیّہ کیا جائے" موتمر الانصار کے نام سے موسوم
میرٹھ کے معززین کی ایک جماعت نے امسال موتمر الانصار کی ضروریات بہم پہنچانے کا ذمہ لیا ہے۔ اور ۱۷۔
ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۶۔۷۔۸ اپریل ۱۹۱۲ء ایسٹر کی تعطیلوں میں اسکا اجلاس قرار پایا ہے۔

موتمر الانصار نہایت خوش قسمت ہے کہ اُسے پہلے سال اگر حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی
کی صدارت کا فخر حاصل ہوا تو دوسرے سال جناب مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی مدظلہم کی صدارت سے مشرف ہوا
اس اجلاس میں علاوہ مواعظ حسنہ کے دار العلوم۔ الدار الآخرۃ۔ التجدید فی الاسلام۔ التناسخ۔ نزول ال
مضامین اور مذہبی تعلیم کی ترقی اور اشاعت اسلام کے متعلق نہایت مفید اور اہم تجاویز پیش ہونگی۔

بفضلہ تعالیٰ اہل علم کی ضیافت طبع کے لئے قلمی کتابوں کا ایک نادر ذخیرہ بھی جمعیتہ الانصار کے شعبۂ
الاشاعت کے دفتر میں جلسہ گاہ کے متصل موجود رہیگا۔ جسقدر حضرات مذہبی علوم کی ترقی سے دلچسپی
صالحین کی زیارت اور واعظین کے پند و نصائح سننے کے شائق تشریف لانیکا قصد فرماویں۔ نہایت

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۹ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

(مطابق ماہ اپریل ۱۹۱۲ء)

جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

(اور)

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع

ہوتا ہے

جلسہ مؤتمر الانصار واقع میرٹھ کی شرکت اور جلسہ بنیاد دار الحدیث کی مصروفیت نے ربیع الثانی کے رسالہ کو نہایت مؤخر کر دیا۔ اور اسکے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب مدیر رسالہ کی ناسازی طبع نے اشاعت رسالہ کی اجازت نہ دی اور بھی ایسے ہی وجوہ پیش آتے رہکر جمادی الاولی کے آخر میں شائع ہوتا ہے۔

ہمارے ناظرین کو جو کچھ کلفت اس انتظار میں ہوئی اسکی معافی چاہتے ہیں اور آئندہ کیلئے وقت پر شائع کرنیکی انتہائی سعی اور اہتمام کا وعدہ کرتے ہیں۔ جمادی الاولی کا رسالہ انشاء اللہ تعالی عنقریب ملاحظہ سے گذریگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربیع الاول ۱۳۳۱ھ کا آخری دن بھی مسلمانوں کیلئے نہایت پرآشوب دن تھا۔ جبکہ اُن میں سے مولانا احمد حسن صاحب امروہی قدس اللہ سرہٗ اُٹھا لئے گئے۔ ایسے وقت جبکہ مسلمانوں کی مذہبی بنیادیں متزلزل اور اُنکا عالیشان دینی قصر منہدم ہو رہا۔ اور آزادی و لامذہبی کے سیلاب نے اُنکی استقامت و استقلال کو صدمۂ عظیم پہونچا دیا ہے۔ مولانا کا وجود خدا تعالیٰ کی رحمت تھی۔ آپ کی ذات سے اسلام کی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اہل اسلام آپ کو دیکھکر اسلاف کی یاد تازہ کر لیتے تھے۔ آپکا اس عالم سے اُٹھ جانا حقیقۃً تمام عالم کیلئے یکساں مذہبی و اسلامی حادثہ ہے مسلمان ہر طرف سے مصائب و آلام حوادث و فتن کے آماجگاہ بنے ہوئے ہ ہر بلائیکہ ز آسمان آید ہ گرچہ بر دیگری قضا باشد ہ برزمیں نارسیدہ مے پرسد ہ خانۂ انوری کجا باشد ہ کے مصداق ہیں۔ اس حالت میں انکے لئے کوئی سہارا ہے تو یہی کہ انکے اندر ایسے سچے عالم جو دین کو سنبھالنے والے اور انکی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے والے ہوں۔ موجود رہیں۔ مگر نہایت افسوس نہایت قلق و حسرت نہایت اضطراب و پریشانی کا وقت ہے کہان نمونہ اسلاف اور کشتی اسلام کے ناخدا بزرگان دین سے بھی دنیا خالی ہوتی جاتی ہے۔

وہ زمانہ کہاں ہے کہ امام الحرمین دنیا سے تشریف لیگئے۔ اور ہزاروں کامل الفن تلامذہ کے علاوہ اپنی جانشینی کیلئے۔ امام غزالی۔ خوافی۔ کیا ہرسی جیسے ائمۂ وقت کو چھوڑ گئے۔ جنکی نسبت خود فرمایا کرتے تھے۔ الغزالی بحر مغرق۔ والخوافی نار تحرق۔ والکیا اسد یخرق۔ اب ایک عالم ربانی تشریف لیجاتے ہیں۔ اور اُنکا قائم مقام نظر نہیں آتا۔ اس آخری زمانہ میں جبکہ مسلمان انتہا قعر تنزل میں اوترتے چلے جاتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔ و مولانا رشید احمد صاحب۔ قدس سرہما کا وجود اسلام اور مسلمانوں کیلئے پشت پناہ بنا ہوا تھا حضرت الحاج

کی وفات عالمگیر اور اسلام کیلئے ناقابل تلافی حادثہ تھا۔ مگر آپ کے بہت سے لائق وکامل تلامذہ میں چند حضرات اس درجہ کے بھی تھے جو آپکی جانشینی کا پورا حق ادا کرسکتے تھے۔ جنکو مولانا اپنی اولاد یا اولاد سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔

مولانا احمد حسن صاحب میں اسقدر اوصاف وکمالات مجتمع تھے کہ کسی شخص واحد میں اُنکا اجتماع دشوار عادی ہے۔ علمی تبحر۔ ورع وتقدس اور اُنکے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اوصاف خاصہ میں سے تھے۔ آپکی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ خلاف شرع امور اور منکرات پر مداہنت کو ہرگز جائز نہ رکھتے تھے۔ مگر ان سب کمالات کے ساتھ جس امر نے آپکو ممتاز بنا کر رفعت وعظمت کے آسمان پر پہونچا دیا وہ یہ تھا کہ آپ حضرت قاسم الخیرات کی زندہ تصویر خیال کی جاتی تھے۔ مسلمانوں کو دوہرا صدمہ یہی ہو کہ تصویر قاسمی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

طلبہ علم دین کیلئے جبکہ ملائکہ پر بچھاتے اور زمین وآسمان کے باشندے دریا میں مچھلیاں استغفار کرتی ہیں تو بلاشبہ مولانا کی وفات پر زمین وآسمان۔ جن والنس۔ حیوانات ونباتات اور عالم کا ہر ذرہ نوحہ گری اور دعاء مغفرت کرے تو بالکل حق بجانب ہے۔

دل چاہتا تھا کہ القاسم کے اسی نمبر میں مولانا کی مرض وفات اور زندگی کے حالات ذرا تفصیل سے لکھتے۔ مگر ہمارے عزیز مولوی شبیر احمد سلمہ نے جو اس صدمہ سے نہایت متاثر ہیں اپنے دلی جذبات کو خاص طرز میں ادا کیا ہے بالفعل اُس مضمون کو بجنسہ شائع کرنے پر قناعت کرکے آیندہ حسب موقع حالات درج کرینگے۔

دوسرا عظیم الشان حادثہ

جناب مولانا حافظ قاری محمد اسمعیل صاحب راندیری اس زمانہ کے اُن متدین مقدس ومتقی علماء اور مقتدایان اسلام میں سے تھے جنکے وجود پر مسلمانوں کو بجا ناز تھا اور جنکی ذات بابرکات سے اسلام کی ہر قسم کی تقویت اور مسلمانوں کی اصلاح وابستہ تھی۔ نہایت ہی اندوہ وملال ہو کہ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ میں آپ کی رحلت کا نہایت سخت حادثہ پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی مغفرت فرمائے۔ جناب حافظ صاحب مرحوم مدرسہ عالیہ دیوبند کے خاص معاون ومربی تھے۔ انشاء اللہ تعالی آیندہ آپکے مرض وفات کے حالات درج ہونگے۔

جانگداز سانحہ

عمرہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

کسی نے بیشک یہ سچ کہا ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنا سبق دُہراتی رہتی ہے۔ اور جو واقعات وہ ایک زمانہ میں دیکھنے والوں کے روبرو پیش کرتی ہے دوسرے زمانہ میں پھر اُنکا اعادہ کر دیتی ہے۔ تاکہ اہل بصیرت اس سے دنیا کی بے ثباتی اور اُسکے حالات کی بوقلمونی پر استدلال کر سکیں۔ چنانچہ جب آپ اسلام کے آغاز سے لیکر آج تیرہ صدیوں کے بعد تک کے حالات کا بنظر امعان مطالعہ فرمائینگے تو آپ کو صاف معلوم ہو گا کہ جیسا کہ اس عرصہ میں ہزارہا ایسے تباہ کن۔ ناپاک اور ظلمت انگیز حوادث صفحات ہستی پر نمودار ہوئے ہیں جنہوں نے عالم کے اخلاقی مرقع کو تہ و بالا کر کے خاک میں ملا دیا ہے اور جنسے بار بار عہد بنی اسرائیل کی یاد تازہ ہوتی رہی ہے اور جنکی پیشین گوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لترکبن سنن من کان قبلکم سے فرما چکے ہیں۔

اسی طرح بہت سے ایسے پاکیزہ واقعات کی جھلک بھی اسی فتنۂ عمیار میں کبھی کبھی لوگوں کو دکھلائی دی ہے جنسے اسلام کے قرون اولیٰ کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے۔

مثل اُمتی کمثل المطر لا یدری اولہ خیر آم آخرہ (میری اُمت کی مثال بارش کی سی ہے۔ نہ معلوم اُسکا اول اچھا ہو یا آخر۔)

حجاج کے زمانہ میں سیاست کے مطلع پر مظالم اور سفاکیوں کی گھٹا چھا رہی تھی اور حجاج کے بھائی محمدؐ نے یمن والوں پر عُشر کے بجائے ایک نہایت سخت اور جدید خراج (ٹیکس) مقرر کیا تھا۔

جب یزید بن عبدالملک کچھ مدت کے بعد ۱۰۱ھ میں تخت و تاج کا مالک ہوا تو اُس نے اس ظالمانہ حکم کی تجدید کیواسطے اپنے عامل کو یہ الفاظ لکھے کہ :۔

خذ ها منهم ولو صار واحرضاً۔
لیکن ان دونوں حکمرانوں کے درمیان میں چند روز کے واسطے ایک فرشتۂ رحمت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے ساری بیرحمیوں کو مٹا کر دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا اور یمن کے مظلوموں کو اس بھاری ٹیکس سے نجات دلائی اور خلافت علی منہاج النبوۃ کے ٹھاٹھ دوبارہ قائم کر دئے۔ گویا یوں کہنا چاہئے کہ یزید نے اگر حجاج کے مظالم واضح کئے تو عمر بن عبدالعزیز نے فاروقی سُنتوں کو زندہ کیا۔ (ابن خلدون جلد ثالث ص ۷۶ مصری)

الغرض اسی قسم کا اُتار چڑھاؤ دنیا کی زندگی کے ہر ایک دور میں ہوتا رہا اور جیسا کہ تاریخ بتلاتی ہے زمانہ نے ہمیشہ مستقبل میں ماضی کی مثالیں پیش کیں۔
لیکن ماضی اور مستقبل کی مشابہت میں بہت کم نظائر ایسے مسلسل اور پائدار ملسکینگے جیسا کہ ہندوستان کے ایک مقدس گروہ اور جماعت صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے احوال کی باہمی تناسب سے اس اخیر زمانہ میں ظاہر ہوئیں۔

اگر آپ غور فرمائینگے تو معلوم ہوگا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب فریضۂ تبلیغ و ہدایت کو بخوبی ادا کر لینے کے بعد دنیا سے رحلت گزیں ہوئے تو آپکے صحابہ سخت ملول و محزون تھے۔ اُنکے دلوں پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ اور رنج و ملال کی بجلی نے اُنکے خرمن صبر و استقلال میں آگ لگا دی تھی۔ لیکن ان سب صدمات و مصائب کے باوجود بھی حضرت ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو اپنے اندر دیکھکر وہ ہر قسم کے جھگڑوں اور پریشانیوں سے مطمئن ہو جاتے تھے اور فتنوں کے تلاطم کا انہیں کچھ بھی اندیشہ نہ تھا۔
اسکے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو بیشک یہ ایک ایسا زخم لگا جس نے پہلے زخم کو بھی ہرا کر دیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابرکت و ہمت زندگی سے ان زخموں کے اندمال کی اُمید باندھی گئی اور حسب ارشاد حضرت حذیفہ صاحب السر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے رہے کہ جب تک فاروق اعظم زندہ ہیں۔ فتنوں کا دروازہ بند ہے۔ یہانتک کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قیامت خیز واقعہ بھی آموجود ہوا اور آپ مسلمانوں کے

تمام معاملات کی باگ صحابہ کے ایک برگزیدہ جماعت شوریٰ کے ہاتھوں میں دیکر خدا کو پیارے ہوئے یہ ساعت اسلام میں وہ پہلی ساعت تھی جسمیں دریا کی طرح موج مارنے والے فتنوں نے چپکے چپکے سر اُٹھانا شروع کیا اور آپ کے پاک جانشینوں نے ہر چند کہ کچھ عرصہ تک اُن فتنوں کی مقاومت کی مگر وہ نہ بند ہونے تھے نہ ہوئے اور نہ رُک سکنے تھے نہ رُکے اور انجام کار ہوا جو کچھ ہوا اور گذرا جو کچھ گذرا۔

ٹھیک اسی قسم کے نمونے مسلمانان ہند کے اُس مقدس طبقہ میں ظاہر ہوے جنکا وجود اس آخری دور میں طبقہ صحابہ کے وجود کی بہترین مثال ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ نے (جنکی پاک زندگی وراثۃ انبیاء کا کامل مظہر تھے۔) حفاظت دین اور احیاء سنت نبویہ کی غرض سے ایک مدرسہ دیوبند کی سی گمنام بستی میں قائم کیا اور جب اُسکے فیوضات کی لہریں اقصائے ہندوستان سے گذر کر ممالک خارجیہ تک پہنچنے لگیں تو آپ نے اُسکو چھوڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُسوقت چونکہ ہماری سرپرستی کے لئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا رفیع الدین صاحب قدس اللہ اسرارہم موجود تھے اسلئے آپ کی وفات حسرت آیات سے سب کو حزن و ملال تو بیحد ہوا۔ لیکن معاملات کی طرف سے گھبراہٹ اور تشویش پیدا نہیں ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا محمد یعقوب صاحب و مولانا رفیع الدین صاحب نے انتقال فرمایا تو سب کی اُمیدوں کا مرکز اور توجہات کا قبلہ تنہا مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ٹھر گئی۔ اس اثنا میں بیشک بہت کچھ فتنے اور حوادث بھی پیش آتے رہے مگر اُس کوہ وقار و عظمت کی ہستی اُن سب کے لئے سپر بنتی رہی اور ہم غریبوں کو یہ اطمینان رہا کہ جب تک حضرت ہمارے اندر موجود ہیں کسی بلا یا فتنہ کا مقابلہ دشوار نہیں ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد آخر وہ نامبارک گھڑی بھی آپہنچی جسمیں ہمارے ہر ایک طرح کے اطمینان و سکون کا خون ہو گیا اور خاتم الاکابر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات نے شہادت فاروقی کا نقشہ پیش کر دیا۔ اور بجائے کسی شخص واحد کے ان ہی حضرات مرحومین کے متوسلین کی ایک جماعت نے

بلکہ اس دین کے کام کو سنبھالا۔

لیکن آنسوؤں کے بجائے خون حسرت بہانے کا موقعہ ہے کہ آج اُس جماعت کے ارکان میں سے بھی ایک بہت بڑا رکن اعظم منہدم ہوگیا اور حضرت قبلہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی قدس سرہٗ کی ناگہانی موت سے اس جماعت کی قوۃ کو نہایت ناقابل تلافی صدمہ پہنچایا۔ اور نہ صرف یہ ہی کہ ہماری جماعت کی طاقت کو ایک بھاری صدمہ پہنچا۔ بلکہ آج ایک ایسا جامع معقول و منقول عالم مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا جسکی نظیر ہمارا زمانہ بمشکل پیدا کر سکتا ہے۔ آج ہندوستان کا بہت بڑا مقتدا دنیا سے اُٹھ گیا۔ آج تصویر قاسمی مٹ گئی اور آج قاسمی معارف کے اعلیٰ شارح نے اپنی مسند خالی چھوڑ دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فللہ ما اخذ و لہ ما اعطے وکل شی عندہ بمقدار۔

ہر شخص جسکو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوتے ہیں جنکو علمی شعبوں کی ہر ایک شاخ میں پوری دستگاہ ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے وہ تدریس پر پورے قادر نہیں ہوتے اور جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں اُنکو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول و فلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بیخبری ہوتی ہے۔ لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولائے ممدوح میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کر دیئے تھے۔ مولانا کی تقریر۔ تحریر۔ ذہانت۔ تبحر۔ اخلاق اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی۔ اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے دقیق اور غامض علوم کو اُن ہی کے لہجہ اور طرز ادا میں نہایت صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔

ان تمام خوبیوں کو مولانا کی ذات واحد میں مجتمع دیکھکر بے اختیار یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ابو نواس کا یہ شعر

لیس علی اللہ بمستنکر	ان یجمع العالم فی واحد

(خدا سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ساری دنیا کو کسی ایک ہی آدمی میں جمع کر دے)

جیسا کہ شیخ عبد القاہر کے نزدیک عربی بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ میرے نزدیک صداقت کا

بھی بہت ہی عمدہ اظہار ہے۔
حضرات ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں سے ایسے ایسے مقبول اور جامع المحاسن بندے اُٹھتے چلے جاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی :-
یقبض العلم بقبض العلماء - ہمارے حق میں پوری ہو رہی ہے۔
ہمکو بجا طور پر حق حاصل ہے اگر ہم بھی مولائے ممدوح کے ماتم میں ایک تاریخی واقعہ کا اعادہ کریں اور جس طرح امام الحرمین کے شاگردوں نے اُنکے ماتم میں دوات قلم کو توڑ دیا اور ممبر وغیرہ کو جلا دیا تھا۔ ہم بھی اپنی علمی مسندوں کو سمیٹ کر رکھدیں اور مولانا کے کمالات کا تصور کر کے اُن ہی اشعار کے تکرار کریں جو امام الحرمین کے مرثیہ میں لکھے گئے ہیں۔

قلوب العالمین علی المقالی ‖ وایام الوری شبه اللیالی

(لوگوں کے دل سخت بےچین اور غمگین ہیں اور (غم والم کی تاریکی سے) خلقت کے دن رات کے مشابہ ہوگئے ہیں (ایسی حالت میں)

ایثمر غصن اهل العلم یوما ‖ وقل مات الامام ابوالمعالی

کیا اہل علم کی تر شاخیں کبھی بارآور ہوسکتے ہیں (جبکہ ہر قسم کی سربلندیوں اور عزتوں کے لائق) امام ابوالمعالی اُن میں سے انتقال کر گئے ہوں)

بلا شبہ ایسے ایسے مصیبت خیز واقعات کے بعد یہ محال نظر آتا تھا کہ دین کا سلسلہ دنیا میں اپنی مضبوطی اور قوۃ کے ساتھ برقرار رہسکے اور اتنی چوٹوں سے بھی دل کی طرح ہماری ہمت نہ ٹوٹے۔ لیکن سبحان اللہ چونکہ اپنے دین کا محافظ خود خدا ہے اسلئے اس بارہ میں بھی اُس نے اس قسم کے اسباب پیدا کر دیئے جنکی وجہ سے دین کے کاروبار میں کوئی اختلال ظاہر نہیں ہوا اور اس اعتبار سے بھی اس زمانہ کے واقعات قرون اولی کے بعض واقعات سے پورے مشابہ ہوگئے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ جانکاہ سے جسوقت صحابہ کے جگر شق ہوئے جاتے تھے اُسوقت بھی شیخین رضی اللہ تعالی عنہما نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جاکر اسلام کو نہایت ناگوار تفرقے اور شر سے محفوظ رکھا اور جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ ابو لؤلؤہ کا دودھارا خنجر کھا کر مسجد کے فرش پر لوٹ رہے تھے اُسوقت بھی صحابہ کے صبر واستقلال نے نماز باجماعت کے کسی رکن میں فرق نہیں آنے دیا اور خلافت راشدہ جب دنیا سے اُٹھ گئی تو اُس زمانہ میں بھی خدا تعالی اپنے دین کی حفاظت بنو امیہ اور بنو العباس سے کراتا رہا۔ تو

پھر ایسے حالات کے بعد ہمکو خدا کے فضل سے مایوس نہونا چاہیئے۔ کیا تعجب ہے اسپر کہ ہمارے اس آخری عہد میں بھی باگران تواتر صدمات کی وجہ سے مہمات دین اور کاروبار مدرسہ میں خدا کے فضل سے کوئی خلل اور خرابی نہیں واقع ہوئی۔ اور اُسکی رحمت و کرم سے توقع ہے کہ وہ آئندہ بھی ایسے ہی خستہ حال اور شکستہ خاطر لوگوں سے اپنے دین کو ترقی اور فروغ دیتا رہیگا۔ آمین اللہم آمین۔

آخر میں ناظرین رسالہ سے اُمید ہے کہ وہ مولانا احمد حسن صاحب قدس سرہٗ کی مغفرت اور ترقی درجات اور اُنکے صاحبزادہ میاں سیّد محمدؐ سلمہ اللہ تعالیٰ کی ترقی عمر و علم کے واسطے دُعا فرمائیں۔

چونکہ حضرت مولانا **القاسم** کے اعلیٰ سرپرست تھے اور آپ کی وفات کا حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے اور نہ وہ ذہنوں سے بہت جلد فراموش ہونے کے قابل ہے۔ اسلئے ہمارا ارادہ ہے کہ مولانا کے حالات کے متعلق وقتاً فوقتاً ہم مضامین شائع کرتے رہینگے اور جو اشعار اور نظمیں وغیرہ مولانا کی حیات و ممات کے متعلق موصول ہونگی اُنکو القاسم میں بصد شوق درج کیا جائیگا۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی

دار العلوم دیوبند

جلسہ مؤتمر الانصار میرٹھ میں

حضرت مولانا **اشرف علی صاحب** ... نے ۶ر اپریل کو جو مضمون سُنایا تھا ... اہم اور مفید مضمون ہے۔ ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہے کہ بغور مطالعہ کرنیکے بعد اُسکے ... تکمیل کی فکر کریں۔

مذہبی تعلیم کیلئے ایک مرکز اور دار العلوم کی سخت ضرورت ہے اور مولانا نے اُسکو ایسا واضح کردیا ہے کہ اُسکے بعد انشاء اللہ کسی مزید توضیح کی حاجت نہ رہیگی۔

اس بغایت مفید اور مثمر برکات مضمون کو بغرض افادہ عام ... درج ...

دُعَاۃُ الْاُمَّۃِ وَھُدَاۃُ الْمِلَّۃِ

ازافادات حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی اشرفعلی صاحب مدظلہم جسکو حضرت ممدوح نے
بتاریخ ۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ کو مؤتمر الانصار کے اجلاس ثانی میرٹھ میں خود پڑھکر سنایا

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ احقر اشرفعلی تھانوی عفی عنہ باقتضائے وقت ایک ضروری مضمون متعلق بقاء ملۃ اسلام کے عرض کرتا ہے جسکو پولٹیکل معاملات سے کچھ تعلق نہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ یعنی تم مسلمانوں میں (ہمیشہ) ایک ایسی جماعت رہنا چاہئے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) دعوت کرتی رہیں اور اچھی باتوں کی فرمائش کرتی رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتی رہیں اور (دنیا و آخرت میں) کامیاب یہی لوگ ہیں۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ۔ یعنی میری اُمت میں ہمیشہ ایک ایسی جماعت (خدمت دین کیلئے) موجود رہیگی جو (منجانب اللہ) منصور (و مؤید) ہونگے اور حق پر قائم ہونگے اور جو شخص اون کا ساتھ نہ دیگا وہ (یعنی اوسکا ساتھ ندینا) اون کیلئے مضر نہوگا۔

آیت شریفہ تشریعًا ایسی جماعت کو ضروری تبلارہی ہے جو طریق حق کیطرف اُمت کے داعی اور ملت کے ہادی ہوں اور اخیر میں لفظ عام سے اس جماعت کی کامگاری کی بشارت دے رہی ہے۔ اور حدیث شریف بعد ضرورت تشریعیہ کے ایسی جماعت کے وجود تکوینی مستمر الی یوم القیامۃ کی پیشین گوئی کررہی ہے اور اُس جماعت کی کامگاری کا راز کہ تائید من اللہ ہے بتلارہی ہے۔ اور لایضرہم من خذلہم سے لطیف و خفی لہجہ میں اوس جماعت کے ساتھ ندینے والی کا مذموم و ملام ہونا اس عنوان سے ظاہر کررہی ہے کہ اوس جماعت کا جب خدا تعالیٰ ساتھ دیتا ہے جس سے وہ منصورین کی صفت سے موصوف ہوئی تو اونکا ساتھ ندینے والا خدا کا مخالف ہوا کہ خدا تو ساتھ دے اور وہ شخص ساتھ ندے اعاذنا اللہ منہ۔

اور ایک طرف جس طرح ساتھ نہ دینے والے کو مذموم وملام کہہ رہی ہے دوسری طرف صریح دلالت سے اوس جماعت کو کسی کے ساتھ نہ دینے سے اندیشہ میں پڑنے سے بیفکر کر رہی ہے کہ تم تسلی رکھو اگر تمہارا کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی تمکو اس سے ضرر نہو گا اور تمہاری کامیابی میں تمہارا انفراد سنگ راہ نہو گا کیونکہ تمہارا ساتھ دینے والا خدا ہے جس کے ساتھ دینے کے بعد کسی کے ساتھ دینے کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس پر نظر کر کے یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ کسی کا ساتھ دینا اوس کا دین یا خدامِ دین پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ خود اوس پر خدائی احسان ہے کہ گو اوسکی اس محکمہ میں ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی بلا ضرورت اوس کو جگہ دیدی گئی اور تنخواہ واُجرت یعنی ثواب وقبول بقدار اوفی دیگئی یہ ہی معنی ہیں اس ارشاد کے یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صٰدقین اور اسی کا ٹھیک ترجمہ ہے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ مدلولات ومفہومات ہیں آیت وحدیث مذکورین کے اور اسی جماعت کی بعض اہم اوصاف وخدمات والقاب کی مختصر تعیین ومجمل تبیین حضرت مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اپنے اس قول میں فرمائی ہے۔ "المعتنین بتعلیم الشرائع والقرآن والسنن والآمرین بالمعروف والناھین عن المنکر والذین یحصل بکلامھم نصرۃ الدین اما بالمجادلۃ کالمتکلمین او بالموعظۃ کخطباء الاسلام او بصحبتھم کمشائخ الصوفیۃ الذین یقیمون الصلوۃ والحج والذین یدلون علی طریق اکتساب الاحسان والمرغبون فی التنسک والتزھد والقائمون بھذا الامر ھم الذین نسمیھم بالخلفاء الباطنین۔ اس عبارت میں اس جماعت کے یہ اوصاف ہیں۔ معلم الشرائع والقرآن والسنن۔ آمر بالمعروف وناہی عن المنکر ناصر دین بالکلام الملفوظی اوالمکتوبی"۔ اور یہ خدمتیں ہیں علاوہ اُن خدمات کے جو اوصاف مذکورہ سے ماخوذ ومفہوم ہیں مجادلہ وکلام۔ وعظ وخطبہ۔ ہمت بالصحبت تہذیب نفس وتحصیل نسبت اور اخیر میں لقب ہے یعنی خلفاء باطنین۔

میرا اسوقت کا مضمون کوئی جدید دعویٰ نہیں ہو گا بلکہ قرآن مجید کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث اور شاہ اولیاء کی اسی عبارت کی کچھ شرح اور تفصیل ہو گی

جس سے وہ ہر طرح قابل قبول اور لائق توجہ وعمل ہوگی وان ارید الا الاصلاح ما استطعت
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب۔

اس ایت اور اس روایت اور اس عبارت میں چند احکام ہیں اور بعض احکام میں کچھ اجزاء
ہر حکم اور ہر جزو پر مختصر مختصر عرض کرنا ضروری ہے۔ **حکم اوّل** بقاء دین ان امور پر موقوف ہے
علم تفسیر۔ علم تجوید و قراءۃ۔ علم حدیث۔ علم اصول حدیث۔ علم عربیہ صرف ونحو ولغت وبلاغت
علم فقہ۔ جسمیں فرائض وعلم اخلاق وتصوف بھی داخل ہے۔ علم اصول فقہ۔ علم کلام۔ علم قول شارح
وحجت اصول مناظرہ اور جو علوم ان کے مقدمات یا متممات ہوں انکی تکمیل میں اہل مدارس
مشغول ہیں۔
وعظ جو مساجد ومجالس عامہ میں دیکھا جاتا ہے۔ تربیت اخلاق وسیاسات نفس جو
خانقاہوں میں پایا جاتا ہے۔

اس حکم میں چند اجزاء ہیں **جزو اوّل** وجہ توقف اور علوم پر ظاہر ہے کیونکہ دین میں
کل دوامر مقصود ہیں تصحیح عقائد واصلاح اعمال۔ ان اعمال میں اعمال جوارح اور اعمال
قلب دونوں داخل ہیں اور اعمال جوارح میں دیانات ومعاملات دونوں داخل ہیں اور
معاملات میں حقوق مالیہ اور معاشرت دونوں داخل ہیں۔ قرآن وحدیث انکی تعلیم میں اصل
ہے پھر قرآن مجید کے توضیح مغلقات وتعیین مبہمات ومشترکات وامثال ذلک میں لغات
وروایات کاشفہ اسباب نزول کی حاجت ہوئی اس مجموعہ کا نام علم تفسیر ہے۔
اور چونکہ قرآن لغت عربی میں ہے اس سے علوم عربیہ ادبیہ ولغات کی احتیاج بھی ثابت
ہوگئی اور حدیث چونکہ بجمیع اجزائہ متواترۃ الالفاظ نہیں ہے اس لئے اس کی تنقید وتمیز کیلئے
علم اصول روایت کہ فن رجال بھی اس کے تابع ہے ضروری ٹھہرا اور چونکہ بعض احکام صریح الفاظ
قرآن وحدیث کے مدلول نہیں اسلئے سلف صالح نے غیر منصوص کے احکام کو منصوص سے
اخذ واستنباط کرنے کیلئے خود قرآن وحدیث سے قواعد صحیحہ سمجھکر اُن کو خود بھی استعمال کیا
اور اپنے اصحاب پر اسکو القاء واملاء فرمایا اس سے **فقہ** کہ علم احکام مستنبطہ ہے اور **اصول فقہ**
کہ علم لقواعد استنباط احکام ہی حاصل ہوا۔

پھر چونکہ ہر زمانہ میں عامۂ ناس تحصیل علوم بدرجۂ تکمیل کیلئے فارغ نہیں ہوسکتے اس لئے اون کے افادہ کا سہل طریق خطبہ یعنی **موعظت** عامہ قرار پایا اور چونکہ بعض اعمال نفس پر کسیقدر شاق ہیں جنمیں کوتاہی بعید نہیں نیز بعض اعمال میں بعض غامض خرابیاں بھی ہیں جنکا فروگذاشت ہوجانا عجیب نہیں اسلیئے اوّل کے تدارک کیلئے بالاستقلال علوم منبہہ کی کہ علم **اخلاق** ہے اور ثانی کی تلافی کے لئے یہ سمجھکر کہ انسان بنی نوع کے حال سے بہت متاثر ہوتا ہے **صحبت** اہل تہذیب کی ضرورت ثابت ہوئی یہ انتظام تو اندرون حدود کا ہے۔

چونکہ ہر مقصود الابقا چیز کیلئے اندرونی انتظام کے ساتھ بیرونی حفاظت کی بھی ضرورت ہوتی ہے دین اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنے نہیں ہوسکتا اسلیئے بیرونی حملات مذہبی کی مدافعت بھی ایک لابدی امر ٹھہرا اسکے لئے علوم مجادلہ و **کلام** کی ضرورت قرار پائی اور چونکہ بعض مدافعات میں مخالف کے مذہب پر بھی نظر کی ضرورت ہوتی ہے اس ضرورت سے بھی اور نیز خود احقاق حق و ابطال باطل کی غرض سے بھی جو کہ اشاعت اسلام کیلئے موقوف علیہ ہے اور یہ اشاعت خود مامور بہ اعظم ہے بعض اوقات دوسرے **مذاہب** پر مطلع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بعض غیر مقصود علوم کی تحصیل اس مرتبہ میں مقصود بالغیر ہوگی نیز اثبات امور واجبۃ الاثبات اور نفی امور واجبۃ النفی میں کچھ عقلی قوانین کی حاجت ظاہر ہے اس بناء پر بعض **علوم آلیہ** عقلیہ محتاج الیہ ہونگے۔

اور چونکہ شریعت نے قرآن مجید کے الفاظ کے ساتھ بالذات بھی اعتناء فرمایا ہے بضرورت حفاظت بھی اور بمصلحت ثواب تلاوت بھی اسلیئے تجوید و قرأت بھی واجب الاہتمام ہوا اس تقریر سے اجمالاً تمام علوم ضروریہ بالذات و بالغیر کی مختصر فہرست معلوم ہوگئی اور ساتھ ساتھ ان سب پر بقاء دین کا توقف عقلی عادی بھی معلوم ہوگیا۔ اور بقیہ امور پر توقف آگے جزو دوم میں مذکور ہوگا۔

جزو دوم۔ عام لوگوں کو جو کہ علوم مذکورہ میں بوجہ عدم فراغ مہارت نہیں پیدا کرسکتے ضروریات دین پر اطلاع ہونے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خود اُنکو اُسکی حاجت محسوس ہو اور احساس کے ساتھ طلب و رغبت بھی ہو اور اس وجہ سے وہ کسی ماہر عالم کے پاس قصد کرکے

کلید مثنوی

یعنی مولانا روم کے دفتر اول کی شرح اُردو میں اس سے زیادہ معتبر اور شریعت اور طریقت کا پورا پاس و ادب ملحوظ رکھکر مضامین کو حل کرنیوالی شرح نہیں لکھی گئی - مطالب و مضامین اشعار کو واضح طور سے بیان کر کے مسائل تصوف کو حتی الوسع عام فہم بناکر لکھا گیا ہے - جابجا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ارشاد فرمودہ فوائد و مضامین درج کئے ہیں جو تصوف کی جان ہیں تین سو سے زیادہ صفحے ہیں اور بڑی تقطیع حصہ اول عہ حصہ دویم ۳ر

بیان القرآن

حضرت مولانا نے قرآن مجید کی پوری تفسیر اُردو میں نہایت معتبر اور مستند قابل اعتماد طرز پر تحریر فرمائی ہے مطبع مجتبائی میں چھپ رہی ہے چار جلدیں دس پارہ تک تیار اور موجود ہیں قیمت بلا شبہ ذرا گراں ہے یعنی فی جلد عہ ہر چہار جلد ۳ر

نامہ مبارک

حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر لگا کر ۷ھ میں سلطان مقوقس شاہ اسکندریہ کے نام جو فرمان بغرض دعوت اسلام روانہ فرمایا تھا اور حضرت سلطان روم کے تبرکات میں بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہے اُس کا ہو بہو بجنسہٖ فوٹو نہایت خوبصورت دلفیں بڑے ورق پر طبع کیا گیا ہے - قیمت (۲ر)

امداد الفتاوی

اسمیں حضرت مولنا اشرف علی صاحب کے فتاوی ۱۳۱۰ھ سے اسوقت تک کے جمع کئے گئے ہیں پہلی جلد میں کتاب الطہارت صلوٰۃ جنائز زکوٰۃ و صدقہ صوم اعتکاف حج کے تقریباً تین سو فتوے ہیں اور دوسری جلد میں نکاح رضاعت طلاق وعدۃ نفقہ عدد ایمان نذور وقف قربانی و ذبائح حظر و اباحت وغیرہ کے دو سو ستر بلکہ زیادہ پر تحقیق فتوے ہیں لیکن بعض جگہ کتب عربیہ کی طویل طویل عبارتیں وغیرہ بھی منقول ہیں جنکا ترجمہ نہیں ہے دونوں جلدیں یکجا متوسط درجہ کے کاغذ پر ۸۰ ۳ صفحہ پر مطبع مجتبائی میں چھپی ہیں نہایت عمدہ فہرست مرتب کر کے شروع میں لگائی ہے قیمت بھی ذرا گراں ہے - یعنی بلا کسی رعایت کے ۳ر باقی دو جلدیں زیر طبع ہیں -

فہرست مضامین تقویم شرعی یعنی اسلامی جنتری بابتہ سنہ ۱۳۳۰ ہجری نبوی صلعم

مضمون	صاحب مضمون
تعدیل التقویم مشتمل بر تاریخ مضمون	مولنا اصغر علی صاحب مدظلہم
تقویم دوازدہ ماہ سنہ ۱۳۳۰	خاکسار مؤلف
ہدایات ماہانہ	ایضاً
وفیات بزرگان اسلام	″ ازسیر و تاریخ
واقعات ماہانہ	″
اسلامی تاریخ کی ابتدا	″
قمری حساب کی فضیلت	″
مدار ستارہ	حضرت مولنا اشرف علی صاحب مدظلہم
کسوف وخسوف	فقیر مؤلف عفی عنہ
سحر خیزی	صاحبزادہ قاری محمد طیب صاحب
علم الاولین	بندہ مؤلف عفی عنہ
عقائد مسلمین در آسمان و زمین	ایضاً
اشعب طماع رحمۃ اللہ علیہ	″
متفرقات	″

نبس المهاد (۲) انتصاف البری قیمت (۲)
الطین اللازب (۱) الواحد من المتعین (۲)
یہ سب رسائل ابن علی شیر خدا مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے احمد رضا
خانصاحب کے جوابات و الزامات میں تحریر فرمائے ہیں اور بھی
رسائل زیر طبع ہیں قیمت سب کی (۴) **الاریحہ** ۔ چہلم تیجہ سوا
وغیرہ تمام بدعات کی مدلل و مفصل تردید قیمت آٹھ آنہ (۸)
قطع الوتین ۔ خانصاحب نے جو بزرگوں پر کفر کے فتوے لگائے
تھے دلائل صحیحہ سے اون سب کی جڑ کاٹ دی ہے قیمت (۱)
تنزیہ الالٰہ عام فہم اردو رسالہ امکان کذب کے مسئلہ میں جوابات
اور دلائل قیمت (۳) **تفسیر تبارک الذی** ۔ ایک سورت
کی نہایت سلیس منظوم ۱۲۴ صفحہ کی دیندار وں کے پڑھنے کے قابل قیمت ۴
تبلیغ دین ۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ اربعین کا حضرت
مولانا اشرفعلی صاحب نے انتخاب فرمایا اور مولانا عاشق الٰہی صاحب نے مطلب خیز
اور نشاط انگیز ترجمہ فرما کر حضرت ممدوح کے ملاحظہ سے گذارا۔ نماز روزہ
صدقہ زکوٰۃ حج ۔ تلاوت قرآن ذکر الٰہی طلب حلال حقوق عباد امر بالمعروف
نہی عن المنکر ۔ اتباع سنت کی خوبیاں اور ہوس طعام حرص کلام
غیظ و غضب حسد و بخل حب مال ۔ رعونت حب جاہ حب دنیا
کبر خود پسندی ریا کی مذمت توبہ خوف زہد صبر شکر اخلاص توکل محبت
الٰہی رضا بالقضا نفس کے ساتھ مناظرہ مباحثہ وغیرہ کا بیان ہے
تہذیب نفس و اصلاح اخلاق کے لئے نہایت مفید و اکسیر ہے عمدہ
چھپے ہوسے ایک سو پچاس صفحہ کی کتاب قیمت اسکی ۱۲ رکھی تھی
اب صرف دس آنے کو دیجاتی ہے ۔ (۱۰)

مثنوی شریف مولانا روم ۔ کی جسکو مولانا محمد حسن صاحب
رحمۃ علیہ کانپوری نے نہایت نفیس و خوشخط محشی طبع کرایا تھا
بادامی کاغذ والی دفتر دوم سوم چہارم پنجم ششم معہ رسالہ سپہ سالار
موجود ہیں قیمت سبکی بارہ روپیہ ہے (۱۲ عہ)
زیارۃ الشام و القدس ۔ جناب مولانا عاشق الٰہی صاحب نے گذشتہ
سال حج بیت اللہ اور زیارۃ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر حجاز ریلوے پر سفر کر کے
تمام حالات قلمبند کر دئے حجاز ریلوے کے تمام اسٹیشنوں کے نام اور مسافت
اور شرح کرایہ وغیرہ اور دمشق و بیروت و بیت المقدس و مصر کے حالات
چشم دید حالات تحریر فرمائے ہیں قیمت ۸ رعایتی ۶
احسن القصص ۔ یعنی یوسف علیہ السلام کا قصہ مولانا عاشق الٰہی
صاحب نے عجیب طرز میں معتبر صحیح روایتوں کے مطابق جمع کیا ہے قیمت ۲
فرائض اردو ۔ فرائض سیکھنے کیلئے مولوی منفعت علی صاحب کا
نہایت ہی مفید و کارآمد رسالہ ہے امتحان وکالت میں بھی داخل کر لیا
مولف مرحوم نے رجسٹری کرا کر اسکو ۸ رسالہ ۲ کو فروخت کیا تھا اب
اون کے حاجت مند وارث ہیں ۔ [illegible]
تبیین الضاد ضاد کے مخرج وغیرہ کی تحقیق و تفصیل سے مناسبت
رکھنے والوں کیلئے قابل دید قیمت (۲) **نصیحۃ المسلمین** مولانا
خرم علی صاحب مرحوم کا رسالہ عمل کرنے اور بچوں کو دین سکھلانے کے قابل (۱)
عربی ادب کی تاریخ بزبان اردو ۔ اہل علم کی دلچسپی کا
سامان مصنف نامعلوم قیمت حصہ اول ۱۲ ۔ **تذکرۃ الرشید**
حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح عمری اور علمی
افادات کا حال مفصل اشتہار میں ہے جو آپکو دیکھنا ہے قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ ہر دو حصے کے [illegible]

ایضاح الادلہ ۔ کی جلد اول مع فہرست مضامین ۲۰ پونڈ کے اچھے کاغذ پر ۱۹۶ صفحہ پر چھپ کر تیار ہو گئی ہے جن حضرات
کو پوری قیمت ادا کرنا اسوقت ناگوار ہو وہ عہ میں اس جلد کو طلب فرمالیں دوسری جلد بلا قیمت آپکی خدمت میں ایک آنہ کی ٹکٹ بھیجکر بھیجدیجائیگی جو انشاء اللہ
۲۰ مئی ۱۹۱۲ء تک ضرور تیار ہو جائیگی دونوں جلدیں تیار ہو نیکے بعد طلب کریں بھی کچھ نقصان نہیں محصول خرچ ویلو عہ میں ادا نہ ہوگی جو صاحب بیشگی قیمت مرحمت
کر نیکا ثواب حاصل فرما چکے ہیں وہ مطمئن رہیں ۲۰ مئی ۱۲ء کو انشاء اللہ پوری کتاب انکی خدمت میں بھیجدیجائیگی

ملنے کا پتہ ۔ مولوی منظور حسین	کر نیکا ثواب حاصل فرما چکے ہیں وہ مطمئن رہیں ۲۰ مئی ۱۲ء کو انشاء اللہ پوری کتاب انکی خدمت میں بھیجدیجائیگی	مدرسہ اسلامیہ دیوبند

جاویں اور سوال کرکے جواب حاصل کریں یہ **استفتاء و افتاء** ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ یا تو اُنکو حاجت کا احساس ہی نہو یعنی مثلاً اُنکو اپنے کسی فعل کے متعلق کوئی شبہ ہی نہ پیدا ہوا اسلئے اُسکی نسبت سوال کی حاجت نہ سمجھیں یا احساس ہو مگر جاذبہ عمل و تقویٰ کا تقاضا نہ ہوا اسلئے پوچھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھیں اور اسلئے اُنکو علماء خود ابتدائً خطاب کرکے متنبہ و متوجہ کریں۔

اور چونکہ غفلت اکثر میں غالب ہے اسلئے علماء کو اجازت نہ ہوگی کہ عوام سے پہلے طریقہ کے منتظر رہیں بلکہ دوسرے طریقہ کا اختیار کرنا خود اُن پر ضرور ہوگا اس سے مواعظ و خطبات عامہ کا محتاج الیہ بقاء دین کا ہونا ظاہر ہوا۔

جزو سوم تحصیل علم کی غایت عمل ہے اور اعمال میں عموماً جذبات باطنہ محمودہ کا تحت دخل ہی اور ان جذبات کے ساتھ دوسرے جذبات نفسانیہ جنکی بناء بعض منافع دنیویہ کا جلب یا بعض مضار دنیویہ کا دفع ہی اکثر اوقات منازعت کرتے ہیں اور بوجہ ان جذبات نفسانیہ کے اوفق بالمرافق العاجلہ ہونیکے اکثر یہی غالب آتے ہیں اور اسکے مغلوب کرنے اور جذبات محمودہ کے غالب کرنے کیلئے صرف ایک ہی چیز کام دینے والی ہی یعنی ہمت بمعنی عزم مصمم۔

اور تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بہت کم طبائع ایسی ہیں کہ حالت انفراد میں اُنکے عزم کو تصمیم ہو جاوے اسلئے اکثر کیلئے اسکی سخت حاجت ہو گی کہ وہ کسی صاحب عزم مصمم کے ساتھ چندے مجتمع رہے کہ اُسکے عزم کو دیکھ دیکھ کر اسکے عزم میں تصمیم پیدا ہو اور پھر بعد راسخ ہو جانے ملکہ کے مفارقت اور انفراد بھی مضر نہ ہوگا اور اس مصلحت تصمیم عزم کے ساتھ ہی دوسرے منافع و مصالح بھی مثل اطلاع کے دقائق مکائد نفس پر اور تطہیر اعمال کے شوائب اغراض فاسدہ سے اور ایک وجدانی و ذوقی تعلق پیدا ہو جانے کے حق تعالیٰ کے ساتھ وغیر ذلک بھی اُنکی صحبت سے میسر ہوتے ہیں۔

اس سے ضرورت مفہوم ہو گئی ہوگی حضرات مشائخ صوفیہ کی صحبت میں چندے رہکر اُنکے ارشادات پر عمل کرنیکی۔ اور یہ ضرورت مشترک ہی خواص و عوام یعنی علماء و غیر علماء سب کے درمیان ہیں۔

پس حکم اوّل کہ ان اجزاء ثلثہ میں بقاء دین کا توقف جمیع امور مذکورہ پر ثابت ہو گیا اور یہی مدعا تھا۔ اور یہ حکم آیت کے ان جملوں میں یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر

اجمالاً اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عبارت میں تفصیلاً موجود ہے جو اسی اجمال کی تفصیل ہے چنانچہ دُعاء الی الخیر و امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ان سب پر منطبق ہوجانا اہل علم پر مخفی نہیں رہ سکتا۔

حکم دوم۔ اِن علوم کی تحصیل کے دو درجے ہیں ایک مجموعہ مقاصد و آلات کا مہارت کے ساتھ جمع کرنا دوسرے صرف مقاصد پر اور اسمیں بھی ہر وقت کے اقتضاء کے موافق ضروری مقدار پر پھر دوسرے وقت پر اُسوقت کے اقتضاء کیموافق ضروری مقدار پر اکتفا کرنا۔

اور ظاہر ہے کہ درجۂ اوّل کیلئے ہر اُمتی فارغ نہیں ہے اسی لئے اسلام کے کسی دور میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہر ہر واحد اس درجہ کا جامع ہوا ہو البتہ ہمیشہ یوں رہا ہے اور اب بھی یہی ہوسکتا ہے اور اتنا ہی ہونا کافی بھی ہے کہ دوسرا درجہ عام رہے اور پہلا درجہ خاص جماعت کے ساتھ خاص رہے مگر وہ جماعت ہر جگہ شمار میں اتنی ہو کہ اُس جگہ کی ضروریات دینیہ کیلئے کافی ہوسکے پہلے درجے کے لوگوں کو عوام یا طلبہ کہا جاویگا دوسرے درجے کے لوگوں کو خواص یا علماء لقب دیا جائیگا۔

آیت میں اُمّۃ الخ اور حدیث میں طائفۃ الخ اور شاہ صاحب کی عبارت میں خلفاء باطنین اسی جماعت خواص کے اوصاف ہیں جیسا کہ دوسرے درجہ کا ایک اور آیت میں بعنوان الناس اور ایک اور حدیث میں بعنوان مسلم و مسلمۃ ذکر ہے۔ آیۃ یہ ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس حدیث یہ ہے طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ نیز صدر کی آیت و حدیث بھی اس درجہ کے ذکر سے خالی نہیں آیت میں یدعون کا مفعول مقدر اور حدیث میں لفظ اُمتی کے مصداق کا (جو کہ مِن کا مجرور ہے) بقیہ اس سے عبارت ہے۔

حکم سوم۔ جس جماعت کو علماء و خواص سے اوپر ملقب کیا گیا ہے اور جسکو قرآن و حدیث میں اُمۃ داعیہ الی الخیر اور طائفہ منصورین فرمایا گیا ہے اس جماعت کا قائم ہونا اور ہمیشہ قائم رہنا مقاصد شرعیہ اور واجبات دینیہ سے ہے چنانچہ قرآن میں ولتکن صیغۂ امر اس وجوب پر دلالت کرنیکے لئے کافی ہے تو بعد انضمام حکم دوم ایک ایسی جماعت کا جنمیں علماء مفسرین و محدثین و فقہاء و اصولیین و متکلمین و خطباء و صوفیہ ہوں قائم کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہوا اور بعد انضمام حکم اوّل بقاء دین کا اس جماعت علماء پر موقوف ہونا ثابت ٹھرا۔

تجربہ متعلقہ تکمیل و تسہیل حکم سوم اسمیں کلام زیادہ طویل کرنیکی حاجت نہیں زمانہ کے اسباب وواقعات نے تجربہ ومشاہدہ کراکر اسکے تسلیم کرا لینے پر بلاشبہ مجبور کردیا ہے۔ کہ اس شان کی جماعت علماء کی جسکا اوپر ذکر ہوا ہے تیاری کی تکمیل موقوف عادی ہوگئی ہے اسباب خاصہ کے جمع ہونے پر۔ اُن اسباب کا خلاصہ آیندہ کی مختصر سطور سے سمجھ میں آجاویگا وہ یہ کہ جابجا اسلامی علوم کی کفالت کیلئے مدارس ہوں اور اُن میں علوم دینیہ کا درس ہو اور اُن کا ایسا نظم ہو کہ اُنکے محصلین میں ایسے کاملین کی جماعت پیدا ہو جو مذکورہ بالا خدمات دین کیلئے بالکل کافل وکافی ہوں۔

اور چونکہ مشاہدہ ہے کہ ہر مدرسہ میں کاملین تیار ہونیکا نہ سامان ہے اور نہ مسلمانوں کی حالت سے یہ اُمید ہے کہ ہر ہر مدرسہ میں اتنا سامان مہیا کرسکنے کے وہ متحمل ہوسکیں اسواسطے یہ ضرور ہوگا کہ بعض مدرسے ایسے ہونے چاہئیں۔

پھر وہ اگر متعدد ہوں اور ایک کا دوسرے سے کوئی ارتباط واتساق نہ ہو تو اس صورت میں تجربہ ہی اس ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ بوجہ اسکے کہ طبائع میں استبداد وانفراد غالب ہے بہت جلد ایک دوسرے کے گھٹانے یا مٹانیکی فکر میں پڑکر دونوں ہی اس اثر سے متاثر ہونگے اور کوئی بھی کامیاب نہ ہوگا۔

اور اگر باہم کوئی ارتباط ہو تو اگر تساوی کے ساتھ رہے تو اس پر بھی تجربہ ہی شہادت دینے کیلئے تیار ہے کہ محض تساوی کے ساتھ وہ ارتباط رہ نہ سکیگا چنانچہ قدرتی یہ ہی راز ہے بنی آدم میں باوجود تشارک نوعی کے عقلاً ونقلاً تشارک حکمی کے جائز نہ ہونیکا اور بالاضطرار ایک کے فرمان روا ہونے اور لاکھوں کروڑوں اُسی فرمان روا جیسے ہاتھ پاؤں رکھنے والوں کے زیر فرمان ہونیکا۔

اور اگر تساوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ ایک کو دوسرے کا تابع بنایا جاوے تو اُس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر اس درجہ کے علماء تیار کرنیوالے متعدد مدارس بھی ہوں تب بھی اِن سب کا مرکز اور صدر اور متبوع اور قطب الرحی ایک ہی مدرسہ ہونا چاہیئے۔

اور جب ایک کی مرکزیت کی ضرورت تسلیم کرلیگئی تو اب اس خصوص میں گفتگو کرنا کہ پھر ایسے مدارس متعدد ہوں یا ایک ہو قبل از وقت اور فوق از منصب تسلیم کنندہ مرکزیت کے ہے کیونکہ جب ایک کو مرکز مان لیا تو اب اسکا فیصلہ اُس مرکز ہی میں ہوجائیگا ممکن ہے کہ وہ مرکز مجموعی حالات داخلیہ وخارجیہ پر نظر کرکے سردست ایسے مدرسہ کا ایک ہونا اور آیندہ ضرورت ومصلحت ووسعت کے

بناء پر متعدد ہونا مناسب قرار دے اسوقت تو مقصود اعظم اسکا تسلیم کرانا تھا کہ مرکز ایک ہی مدرسہ ہونا چاہیئے سو وہ مسلم ہو چکا۔

پس حاصل اُن اسباب موقوف علیہ تکمیل اعداد جماعت مذکورہ کا یہ ہوا کہ مثلاً ہم لوگوں کیلئے ہندوستان میں ایک ایسا مدرسہ مرکزیہ تجویز کیا جاوے کہ تمام مدارس اسلامیہ اُسکے تابع ہوں اور ہر مدرسہ کا درس اُس مدرسہ مرکزیہ کی رائے سے معین کیا جاوے اور ان مدارس کے محصلین جب اُس درس سے فارغ ہو جاویں تو اس مدرسہ مرکزیہ میں تکمیل کیلئے آجاویں اور تکمیل سے مراد درسیات متعارفہ کا پورا کرنا نہیں یہ تو اُن مدارس فرعیہ میں سے بھی بہت سے مدرسوں میں رہ سکتا ہے اور خود اس مدرسہ مرکزیہ میں بھی مثل دیگر مدارس کے یہ نصاب بھی رہنا چاہیئے۔

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ باوجود جامعیت کے زیادہ توجہ ہر محصل کے مناسبت طبیعت و موافقت مذاق کے لحاظ سے کسی خاص فن کی طرف کیجاتی تھی اور یہ ہی وجہ تھی کہ سب کامل ہی ہوتے تھے اور گو قدرتی طور پر اب بھی یہ طریقہ جاری ہے کہ بعد تحصیل نصاب متعارف کے سب کی توجہ الگ الگ خاص خاص فنون کی طرف ہو جاتی ہے۔

لیکن بڑا فرق ہے اسمیں کہ توجہ ہو اور سامان نہ ہو یا کم ہو اور اسمیں کہ توجہ ہو اور سامان بھی پورا ہو اکابر کے پاس اگر سامان میں کچھ کمی ہوتی تھی تو وہ اپنی جد و جہد و صبر و مشقت و نیز فطری اصابت فہم سے اُسکی تلافی کر لیتے تھے اور اب یہ جزو مابہ التلافی خود کمیاب ہوتا جاتا ہے و نیز اُسوقت دوسرے مذاہب و ملل والے بھی ایسے ضوابط سے کام نہ لیتے تھے اسلئے اہل حق کو بھی اسکی ضرورت نہ تھی اب ایک تغیر یہ بھی ہو گیا ہے اسلئے بہت ضروری ہے کہ جس کی مناسبت جس علم سے دیکھی جائے اُسکو اُس علم کی کتابیں زیادہ مقدار میں دی جاویں اُس علم کے ماہر اساتذہ کی صحبت میں اُسکو چندے رکھا جاوے اُسکی ضروریات کی کفالت کیجاوے تاکہ فراغ کے ساتھ ترقی و مہارت حاصل کر سکے تکمیل سے ہماری یہ مراد ہے۔ ایسی تکمیل کیلئے اُس مدرسہ مرکزیہ میں ایک درجہ ہونا چاہیئے۔

ایسے مدرسہ کا لقب پہلے سے عام و خاص کی اصلاح میں **دار العلوم** ہوتا ہے۔ اور اُسکے اس درجۂ خاص کا نام جسمیں اس طور پر تکمیل ہو **درجۂ تکمیل**۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ایسی جماعت خادم دین کی تیاری کیلئے ایک اسلامی

دار العلوم کی کہ مرکز المدارس ہو اور اُس دار العلوم میں درجہ تکمیل کی ضرورت ہے پس اس بنا پر باقتضائے حکم سوم بانضمام مقدمۃ الواجب واجب مسلمانوں پر اس دار العلوم کا قائم کرنا واجب ہوا۔ اور اگر اس مجموعی سامان کو اس مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ بھی مانا جاوے اور دعوی کیا جاوے کہ بدون اسکے بھی مقصود کی تکمیل ہوسکتی ہو تاہم اسمیں تو شبہ ہی نہیں کہ اس سامان سے مقصود میں سہولت تو ضرور ہے پس اگر مقصود کی تکمیل کا موقوف علیہ نہ بھی ہو لیکن اس تکمیل کی تسہیل کا موقوف علیہ تو ضرور ہے اور حدیث میں سنت نبویہ مصرح ہو ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرھما پس اگر ایسا دار العلوم بنانا واجب نہ ہوگا تو سنت ہونیمیں تو شبہ ہی نہیں اور یہ احتمال سنیت کا اسوقت تبرعًا و تنزلًا منوانے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ بطور پیشین گوئی (نہ کہ کشفًا بلکہ فراستہً) کہتا ہوں کہ مسلمانوں پر جو زمانہ آرہا ہے اسکو دیکھنے کے وقت آج وجوب کا انکار کرنیوالے انشاء اللہ تعالی اسکو فرض کہتے ہوئے نظر آوینگے اور اسوقت ایسے دار العلوم کا قائم کرنا محال تو نہیں مگر غالبًا دشوار ضرور ہوگا۔

کیونکہ جس شان کے محققین و متدینین علماء میں اسوقت موجود ہیں ظاہرًا آیندہ کمی ہی ہوگی جیسا اسوقت پہلے سے کمی ہے اور ظاہر ہے کہ جسقدر سامان میں کمی ہوتی ہو مقصود میں دشواری ہوتی ہے اور روح ایسے دار العلوم کی معلمین محققین ہی ہیں اور باقی سامان اس روح کا جسد۔

ای مسلمانو خوش ہوجاؤ کہ جو کام سب کے ذمہ سنت کفایا واجب یا آیندہ کی حالت قریبہ دیکھکر فرض۔ وہ آپ سب کی طرف سے ایک مختصر مگر برگزیدہ جماعت نے شروع کردیا ہو یعنی ایک مدرسہ کو اسی شان کا دار العلوم بنانا قرار دیدیا ہو۔ یہانتک تو اُمید ہو کہ سب کے نزدیک پہلے سے مسلم یا اب واجب التسلیم ہو گا اب صرف کلام اسکی تعیین میں رہا مگر قبل اسکی تعیین کے مستحسن بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہو کہ ان خواص و اوصاف میں بحث کیجاوے جو دار العلوم کیلئے شایاں ہیں اس سے تعیین میں بھی سہولت ہوگی سو میرے نزدیک بلکہ جو صاحب ذرا بھی غور و انصاف و تحقیق سے کام لینگے اُنکے نزدیک بھی ایسے دار العلوم کیلئے اِن اوصاف کی ضرورت ہے۔

(۱) وہ خالص مذہبی مدرسہ ہو یعنی دنیا کا نہ اسمیں غلبہ ہو نہ خلط ہو کیونکہ اگر غلبہ ہے تو احکام و آثار میں حکمًا و وقوعًا اعتبار غالب کا ہوتا ہو اسلئے وہ دنیوی مدرسہ ہوگا اور گفتگو ہو مذہبی دار العلوم میں

اسلئے دنیوی مدرسہ مذہبی دارالعلوم نہیں ہوسکتا اور اگر دنیا کا خلط ہی تو تجربہ سے طے ہوچکا ہے کہ کہ دنیا بوجہ عاجل ہونیکے نفوس کو جلدی اپنی طرف مائل کرتی ہی تو دنیا و دین کا جامع بنانا مآل کار دنیادار بنانا ہی تو ایسا مدرسہ بھی دنیوی مدرسہ ہوگا جو مذہبی دارالعلوم نہیں بن سکتا۔

دوسری غرض دارالعلوم سے خادمان مذہب کا پیدا کرنا ہے اور خدمت مذہب کیلئے صرف تحصیل علوم ہی کافی نہیں بلکہ اسکے لئے سخت ضرورت ہے تقدس و تعشق دین و خلوص و للہیت و توکل و قناعت و تواضع و انکسار و تحمل مشاق و مصاعب کی اور خلط دنیا کے ساتھ یقینی اور مشاہد ہے کہ یہ صفات پیدا نہیں ہوسکتیں نیز ان صفات کے پیدا ہونے میں ان اوصاف والوں کی صحبت طویلہ کو اور صحبت بھی بلا شرکت انکے اضداد کے بڑا دخل ہی اور خلط کی صورت میں یا تو ایسی صحبت ہی میسّر نہ ہوگی یا اگر ہوئی تو بوجہ خلط بالدنیا کے انکے اضداد کی معیت ان آثار کو ضعیف کرتی رہیگی غرض ایسی جگہ کی آب و ہوا دینی و مذہبی نہیں ہوسکتی اور بدون اسکے یہ اوصاف نہیں پیدا ہوسکتے اور بدون ان اوصاف کے کوئی خادم دین نہیں بن سکتا تو ایسے مخلوط مدرسہ سے خدام دین نہیں پیدا ہوسکتے اسلئے وہ دارالعلوم بھی نہیں بن سکتا۔

(۲) اُس مدرسہ میں اساتذہ محققین و مشائخ کاملین کافی مقدار میں مجتمع ہوں کیونکہ غرض دارالعلوم سے ایسے ہی لوگونکا پیدا کرنا ہے تو اگر وہاں علماً و عملاً اہل کمال نہ ہوئے یا ہوے مگر کم مقدار میں ہوئے تو ایک صورت میں نفس غرض اور دوسری صورت میں غرض کی مقدار کافی و محتاج الیہ مرتب و حاصل نہ ہوگی۔

(۳) وہاں سرمایۂ کتب و مساکن و مطاعم و ملابس طلبہ کیلئے کافی مقدار میں ہو کیونکہ یہ سب موقوف علیہ ہیں غرض مقصود کے اور یہ ظاہر ہے۔

(۴) عام مسلمانوں کے دلوں میں اُسکی وقعت اور میلان اور اُسکے کارکنوں پر وثوق و اعتبار ہو کیونکہ یہ دارالعلوم لابد محتاج ہوگا مسلمانوں کی امداد کا اور امداد کیلئے یہ امور عادۃً موقوف علیہ ہیں۔

اب بعد اثبات ضرورت ان اوصاف کے آگے دو صورتیں ہیں یا تو کوئی نیا مدرسہ اس شان کا ہو یا مدارس قدیمہ میں سے کسی مدرسہ کو اس درجہ پر پہونچا دیا جاوے فی نفسہ تو دونوں صورتیں ایک ہی درجہ میں تحصیل غرض کیلئے مساوی ہیں لیکن اندرونی اور بیرونی اسباب پر نظر کرنے سے ایسا جدید مدرسہ قائم کرنا دشواری سے خالی نہیں۔

اندرونی اسباب تو یہ کہ اُس جدید مدرسہ کیلئے اس درجہ کے علماء و مشائخ جو کہ فارغ ہوں کہاں سے آوینگے اور اتنے مشغولین کا فارغ ہوجانا یہ کوئی سہل بات نہیں۔ اور بیرونی اسباب یہ کہ اتنے سامان فراہم کرنے کیلئے جسمیں سب سے پہلے ایک بہت بڑا مکان اور ایک بہت بڑا کتبخانہ ہوگا قبل کام شروع ہونیکے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوگی جسکے لئے مسلمانوں کو ہم تیار نہیں پاتے خاصکر اسوجہ سے بھی کہ اسوقت وہ خیال محض فرضی و ہوائی ہو۔ انسان طبعاً آنکھوں کے سامنے کی موجودہ کام کی صورت کی طرف منجذب ہوا کرتا ہے۔

غرض ان بیرونی و اندرونی اسباب کی دشواری جدید مدرسہ سے کاربرآری کی متوقع نہیں ہونے دیتی لامحالہ دوسری شق متعین ہوگئی کہ کسی قدیم مدرسہ ہی کیلئے معراج ترقی پر پہونچانا تجویز کیا جاوے۔

اب یہ بات کہ قدیم مدارس میں سے وہ مدرسہ کونسا مدرسہ ہو تو بعد معلوم ہوجانے اُن خصوصیات لازمہ کے جو دارالعلوم کیلئے شایاں ہیں جنکا اوپر چار نمبروں میں ذکر کیا گیا ہے اس سوال کے جواب میں میرے کسی دعوے کی ضرورت نہیں ہر صاحب نظر فیصلہ کرسکتا ہے کہ جس مدرسہ میں وہ خصوصیات ہوں وہی اس تخصیص کیلئے احق ہو اور اس کا دیکھ لینا بھی کچھ دشوار نہیں کہ وہ کون مدرسہ ہو جسمیں ان خصوصیات کا اجتماع محسوس و بیّن ہے۔

شاید اب بھی کسی کو اس مصلحت سے کہ بعض طبائع کو بعد تسمیہ کے تطبیق میں غور کرنا سہل ہوتا ہے اُس مدرسہ کے نام سُننے کا انتظار ہو سو جو مدرسہ میرے نزدیک اس شان کا ہو اسمیں میرا تحصیل درسیات کرنا اُسکا گو نام لینے سے عرفاً مانع ہو کہ وہ نام لینا کہیں اس پر محمول نہ کیا جاوے کہ جسکا کھایئے اُسکا گایئے مگر یہ مانع اتنا قوی نہیں جسقدر مقتضی تسمیہ کا کہ شرع اور عقل ہر قوی ہے اسلئے حدیث الدین النصیحۃ پر نظر کرکے اُس مدرسہ کا نام بلا کسی لقب کے بتلائے دیتا ہوں۔

اُس کا نام ہے مدرسہ دیوبند۔

اور بلا لقب اسلئے بتلایا گیا کہ جس کا نام ہی سُننے سے اُسکے تمام اوصاف و کمالات مثل لازم بیّن کے سب نظروں میں پھر جاتے ہوں اُسکا نام ہی لقب ہے پھر لقب بڑھانا تحصیل حاصل ہے کیا عجب ہے کہ یہی قدرتی راز ہو اسکا کہ اسوقت بہت کم مدارس ایسے ہونگے جنکا کوئی نہ کوئی علم لقبی نہ ہو بجز مدرسہ دیوبند کے کہ اوّل سے اسوقت تک اُسکا کوئی علم لقبی ہوا ہی نہیں

صرف "مدرسہ دیوبند" کہا جاتا ہے۔ ولنعم ما قیل۔

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است | بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

وقیل۔ دلفریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند | دلبرِ ماست کہ با حسنِ خدا داد آمد

وقیل حسن الحضارة مجلوب بتطریة | وفی البداوة حسن غیر مجلوب

اور اُسکی ایک روشن اور پاک نظیر یہ ہے کہ اُمت میں جتنے اکابر سلف گذرے ہیں باوجود اُنکے اکمل الأمة مانے جانے کے آج اُنکا نام کس سادگی و اختصار سے بلا انضمام بڑے لمبے چوڑے لقبوں کے لیا جاتا ہے کسی کو یہ کہتے نہ سُنا ہوگا۔ جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ مولوی ابوحنیفہ وکذا وکذا۔ اکثر تو صرف ابوحنیفہ کہا جاتا ہی اور اسی میں محبت و عظمت کا وہ لطف آتا ہی کہ بڑے بڑے القاب و آداب میں نہیں آتا اور جو کسی کا بہت ہی شوق ہوا تو امام کا لفظ بڑھا دیا جیسا بعینہ اسی طرح چند روز سے خود بخود لوگوں کے السنہ پر مدرسہ دیوبند کے ساتھ "عالیہ" کا لفظ اطلاق کیا جانے لگا ہے۔

یہ ایک مضمون بطور جملہ معترضہ کے لفظ "بلا لقب" کی توضیح میں بڑھ گیا جسکی ناظرین سے معافی چاہتا ہوں بالجملہ وہ مدرسہ جو بوجہ جامع خصوصیات بالا ہونیکے دار العلوم ہونیکے لائق ہے مدرسہ دیوبند ہے چنانچہ اُس کا دار العلوم ہونا بفضلہ تعالیٰ طے ہوگیا ہے۔

اور اُسکا سب سے پہلا قاعدہ جو کبھی متغیر و متبدل نہ ہوگا نہایت اہتمام و التزام کے ساتھ یہ منظور ہوا ہی کہ اس دار العلوم کے افسر اعلیٰ اکابر علماء اہل حق کی ایک خالص مذہبی جماعت ہوگی اور تمام منتظمین پر اُنکا ہر حکم بلا مزاحمت و بلا معارضہ کثرت رائے و بلا تفتیش وجوہ و علل فیصلۂ ناطق سمجھا جاویگا اور اس جماعت کا لقب الجامعة القاسمیہ تجویز کیا گیا ہے۔

اور مدرسہ موصوفہ کا اِن خصوصیات کا جامع ہونا فلسفی مزاجوں کے نزدیک خواہ کسی سبب ظاہری سے ہو مگر ہمارا تو یقین اور اعتقاد ہے کہ اُسکا سبب صرف ایک امر باطنی ہی وہ یہ کہ وہ ایسے مقبولانِ الٰہی کا بنا کردہ ہی جن پر اصاغر تو کیا اُنکے اکابر بھی فخر کرتے تھے بقول کسی صاحب ذوق کے

؎ شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر | آبا از و مکرم و ابناء عزیز تر + اور

بانی کی برکت کا موجب ترقی اصلی ہونا ایک عارف کی شہادت میں مصرح بھی ہی وہ مولوی رومی ہیں

حیث یقول کعبہ را ہر دم تجلی میفزود   ایں زاخلاصات ابراہیم بود + اور یہ میرا نام لینا اس غرض سے نہیں کہ میرے نام لینے ہی سے میرے دعوے کو مان لیا جاوے یہ نام لینا تو صرف اُن لوگوں کے انتظار کے جواب میں تھا جنکو تطبیق اوصاف میں نام لینے سے سہولت ہوتی ہی باقی اصل مدار اس دعوی کا ان خصوصیات کا منطبق ہونا ہی سو میں درخواست کرتا ہوں کہ میرے نام لینے سے قطع نظر کرکے خود سب حضرات نمبروار غور فرمالیں کہ مجموعہ اوصاف کا جامع اسوقت کون مدرسہ ہے۔

وصف اوّل نے تو تمام مدارس اسلامیہ خالصۃ کو شریک رکھکر خالص دنیوی اور دینی دنیوی مخلوط مدارس کو مستثنے کردیا ان پر کسی طرح اسکا احتمال ہی نہیں ہوسکتا اور اسوقت یہ مسئلہ ضروری البحث نہیں کہ وہ اپنے اپنے غرض موضوع لہ میں کیسے ہیں یا کون کامیاب ہے کون نہیں ہے اور پھر ہوسکتا ہی یا نہیں اسوقت تو صرف یہ کہا جاتا ہی کہ وہ خالص مذہبی دارالعلوم نہیں بن سکتے اور اگر وجدان و ذوق صحیح کے ساتھ مشاہدہ سے کام لیا جاوی تو صرف مشاہدہ اس دعوی کی کافی شہادت دے سکتا ہے۔

اور وصف دوم و سوم نے بہت سے معمولی مدارس کو مستثنے کردیا جہاں کمالی اور مالی ذخیرہ کم ہی اور خاص خاص مدارس شریک رہی گو بطور کلی مشکک قلت و کثرت کے تفاوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وصف چہارم نے بقیہ شرکا سے بھی مدرسہ دیوبند کو ایسا امتیاز دیا ہے کہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلت باید از وے رو متاب

عام اہل اسلام اپنے ہی قلوب کو ٹٹول لیں کہ اس مدرسہ کی طرف کسقدر کشش و رجحان اور اسکی خدمت کرنے میں اطمینان کے ساتھ کسقدر نشاط ہوتا ہی اور اگر کسی عارض سے کشش اور نشاط نہیں ہے تو یہ دیکھ لیں کہ وقعت و عظمت کسقدر ہی غرض اگر ایک کے نزدیک محبوب ہے تو دوسرے کے نزدیک معظم۔ کیا اسکو دیکھکر ہم "انتم شہداء اللہ فی الارض" سے استدلال نہیں کرسکتے۔

اب اُمید ہی کہ میرے اس دعوے کے صدق و صحۃ میں کسی کا اختلاف نرہیگا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ فی ھٰذہ الدعویٰ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

حکم چہارم۔ اس جماعت کی جسکہ وہ موجود ہو اعانت اور آیندہ ایسے قائم کرنے کا اہتمام کرنیوالوں کی اعانت اور بعد اعتبار تجربہ متضمنہ حکم سوم بعنوان دیگر ایسے دارالعلوم کی اعانت۔

امداد عامۂ امت پر ضروری ہے چنانچہ و لتکن سے اس جماعت کے قیام کا وجوب اور مشاہدہ سے اس قیام کا اعانت عامہ پر توقف یہ اس وجوب اعانت کیلئے کافی دلیل ہے۔

اور کوئی شخص یہ شبہ نکرے کہ جب حدیث لایزال الخ سے وجود تکوینی اس جماعت کا ثابت ہوتا ہے جیسا ابتدائی مضمون میں اس حدیث کے ذیل میں بیان ہوا ہے تو بعد تکفل حق تعالے کے خلق کے تکفل کی کیا ضرورت ہے جو اس تکفل کو موقوف علیہ قرار دیکر واجب کہا جاوے جواب یہ ہے کہ حق تعالی کے تکفل کا اسی طرح ظہور ہوتا ہے کہ مخلوق پر اس تکفل کو واجب فرمایا اور ہزارہا ہزار بندوں کو اس واجب کے ادا کرنیکی توفیق دی اور بعد ادائے واجب کے اس کا ثمرہ کہ قیام جماعت ہے مرتب ہوا تو وعدہ الہیہ اس طرح صادق ہوگیا۔

جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرما کر اس کو اس طرح پورا کیا کہ بندوں کو بھی اسکا مکلف بنایا اور مکلفین میں بہت لوگوں کو توفیق دی تو کیا کسی کو اس کہنے کی گنجایش ہے کہ جب حق تعالی نے حفاظت قرآن کی کفالت فرمائی ہے تو ہمکو اسکے اہتمام کرنیکی کیا ضرورت ہے اسی طرح اس جماعت کے وجود کے وعدہ سے اقامت جماعت کے اہتمام کا واجب نہ ہونا لازم نہیں آتا۔

اگر کسی کو دوسرا فلسفی شبہ ہو کہ اس صورت میں حق تعالی کا فعل ہمارے فعل پر موقوف ہوا تو نعوذ باللہ منہ واجب کو ممکن کی طرف احتیاج لازم آئی اسکا جواب یہ ہے کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ اصل موقوف علیہ توفیق ہے اور توفیق خود فعل حق ہے اور اسکے بعد جو بندہ کا فعل ہے وہ توفیق کا موقوف علیہ نہیں بلکہ توفیق کے لوازم متاخرہ سے ہے اور توقف شئی علی شئی آخر سے اس پہلی شئی کا توقف اس شئی آخر کے لازم متاخر پر لازم نہیں آتا کوجود النہار یتوقف علی طلوع الشمس الذی من لوازمہ المتاخرۃ طمس الکواکب فلا یلزم توقف وجود النہار علی طمس الکواکب ولا یلزم ان یکون لطمس الکواکب مدخل فی وجود النہار فافہم۔

حکم پنجم۔ جو ایسی جماعت کی یا اس کی اقامت میں سعی کرنیوالوں کی نصرت و اعانت نکرینگے وہ حق تعالی کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں لا یضرہم من خذلہم میں سخن فہم کی نظر میں اسکی صراحت ہے چنانچہ ابتدائے مضمون ہذا میں اس حدیث کے تحت میں اسکی ایک تقریر بھی کیگئی ہے ملاحظہ فرمایا جاوے اور اس طرح بھی اسکی تقریر ہوسکتی ہے کہ من خذل سے ضرر رسانی کی نفی کیگئی ہے تو خذلان اگر امر جائز ہوتا تو شرعاً ضرر رسانی کا اسمیں احتمال ہی نہ تھا تو نفی کی ضرورت ہی نہ تھی نفی اسی لئے کی کہ فی نفسہ

خذلان مضر تھا مگر چونکہ نصرت حق ان کے ساتھ ہو اسلئے اُس خذلان کا اثر ظاہر نہیں ہوا لیکن اس سے خذلان کا فی نفسہ مضر ہونا مرتفع نہیں ہوا وہ بحالہ مضر رہا۔

اور جو امر حق و اہل حق کیلئے مضر ہوگا ظاہر ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو کیسے ناپسند نہ ہوگا پس بلا عذر شرعی خذلان و خاذل حق تعالیٰ کے نزدیک ملام و مذموم ہونگے تو جس طرح حکم بالا میں اعانت کا وجوب ثابت ہوتا ہے اسی طرح اس حکم میں اعانت نکرنیکی حرمت ثابت ہوتی ہے یہ حکم مرتبہ کلی میں تو ظاہر ہے کہ اجماعی ہے البتہ بعض خصوصیات جزئیہ کی تقیید کے بعد کسی وقت اسکے اجتہادی ہونے میں گنجایش ہے مگر اجتہادی ہونا کسی حکم کا اس پر مجبور نہیں کرتا کہ اُس پر عمل کرنیکے لئے اجماعیت کا انتظار کیا جاوے بلکہ سمجھ جانیوالوں کے ذمہ اُس پر عمل شروع کر دینا ضروری ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ اعانت کی قسمیں مختلف ہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کے اقتضاء سے اہل اموال پر واجب ہے کہ اس غرض کی تکمیل کیلئے چندہ دیں یکمشت بھی اور دوامی بھی اور اہل اثر پر واجب ہے کہ لوگوں کو اعانت کی ترغیب دیں مگر اس شرط کی رعایت واجب ہے کہ طیب خاطر کے ساتھ لیا جاوے ثقل اور کراہۃ کیساتھ نہ لیا جاوے ورنہ وہ حرام ہوگا اور اہل دل پر واجب ہے کہ دل سے دُعا کریں اور اہل الرائے پر واجب ہے کہ نیک مشورہ دیں اور اسی مشورہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر اسکے دستور العمل میں کوئی مضرت و مفسدہ محسوس فرماویں تو تحریراً یا تقریراً اُس پر مطلع فرماویں اور اُسمیں نوبت گفتگو کی آوے تو بدون ضیق قلب گفتگو فرماویں۔

اور اُسکے بعد بھی اگر اجتماع آرا نہ ہو تو باہم وہی طریق عمل رکھیں جو امور اجتہادیہ میں ہوتا ہے کہ سب اپنی اپنی رائے پر عمل کریں اور ایک دوسرے پر رد و قدح نکریں اسی طرح اگر کوئی بزرگ سلف کے اوصاف ظاہری و باطنی کے جامع ہونیکے سبب یا کوئی بندۂ خدا فطری آزادی کے سبب انتظام خاص کا مقید نہ ہو یا نہ ہو سکے تو اُس کی برکت و شرکت دعا اور سادگی کے ساتھ خدمت دین کرنے پر اکتفاء کیا جاوے خلاف طبع پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اخیر کی ان تینوں اعانتوں کا مصداق ایک شعر یاد آیا ہے

لا خیل عندک تھدیھا ولا مال   فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

حکم ششم و اولٰئک ھم المفلحون او منصورین اور لا یضرھم میں یہ ارشاد ہے کہ ایسی جماعت گویا ساعی فی اقامتھم کو کسی کے ساتھ دینے نہ دینے کا انتظار نکرنا چاہئے اس سے اُن حضرات کو جو کہ دار العلوم بنام مدرسہ دیوبند کا تجویز کر چکے ہیں کسی کی شرکت و موافقت کا منتظر نہ رہنا چاہئے اگرچہ موافقت میں سعی قرین صواب ہے لیکن بنام خدا اسکو شروع کر ہی دینا چاہئے انشاء اللہ تعالیٰ قلوب خود اس طرف

متوجہ ہونگے اور جو نہ ہونگے اُنکے نہ ہونے سے کچھ ضرر نہوگا اور ضرر نہ ہونیکی ظاہری صورت وہ ہوگی جسکو ایک آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

یہاں بھی اُس مضمون کو یاد کر لیا جاوے جو اختلاف اجتہادی کے متعلق حکم پنجم اخیر میں مذکور ہوا ہے جسمیں اہل عذر اجتہادی مستثنےٰ کئے گئے۔

حکم ہفتم - بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ بنام خدا اس دار العلوم میں ان لوگوں کو تیار کرنیکا سامان کیا جاوے۔ مفسر۔ محدث۔ فقیہ۔ متکلم۔ مناظر۔ مصنف۔ مفتی۔ واعظ۔ اور ایسے لوگ ان خدمات کیلئے منتخب کئے جاویں جو یا تو غناء ظاہر رکھتے ہوں یا غناء باطن اور اُنکی مالی خدمات حسبۃً للہ عمر بھر کیجاوے اور وہ عمر بھر دین کی خدمت میں خالصاً للہ مشغول رہیں لفظ خلفاء باطنین میں اس طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ خلافت نبوۃ کی ہے اور انبیاء علیہم کا یہی طریق رہا ہے کہ اُنہوں نے اشاعت دین پر معاوضہ نہیں لیا۔ لا اسألکم علیہ اجراً۔ لا اسالکم علیہ مالاً۔ ام تسئلھم خرجاً فخراج ربک خیر۔ اسی طرح وارثان علوم نبویہ کیلئے بجائے اکتساب کے اُنکے نفقات قوم کے ذمہ قرار دئے گئے قال اللہ تعالیٰ لِلفُقَرَاءِ الَّذِینَ اُحصِرُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ لَا یَستَطِیعُونَ ضَرباً فِی الاَرضِ الخ۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس مختصر مضمون میں صرف اجمالی خاکہ ضرورت وحالت دار العلوم کا کھینچا گیا ہے۔ اسکے بعد میں مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ زبانی یا اپنی تحریرات سابقہ یا حال کے ذریعہ سے جو کہ اسی مضمون میں لکھی گئی ہوں اس مضمون کی جسقدر مناسب سمجھیں تفصیل فرمادیں کہ وہ اسکو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور اچھی طرح سمجھا سکتے ہیں۔

بلکہ میں نے جو کچھ ان پریشان عبارات میں عرض کیا ہے وہ اُن ہی کی توجہ کی برکت ہے اور میں یہ بات براہ تکلف نہیں کہتا بلکہ یہ ایک واقعہ ہے جو مجھپر گذرا ہے کہ جب مجھ سے مولویصاحب موصوف نے اس باب میں کچھ لکھنے کو فرمایا واقعی میں خالی الذہن تھا ایک صفحہ کے لائق بھی ذہن میں مضمون نہ تھا اور مولویصاحب نے فرمایش کی بیس صفحہ کی۔ میں نے عذر بھی کیا مگر دوبارہ فرمانے سے قبول کرنا پڑا لیکن متردد تھا کہ کیا لکھونگا صرف شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت کہ وہ بھی مجکو مولویصاحب ہی سے ملی تھی میرے پاس کل سرمایہ تھا مگر جب لکھنے بیٹھا غالباً پانچ گھنٹہ میں یہ بیس صفحہ لکھے گئے میرا اعتقاد یہی ہے کہ اس فضل خداوندی کے ظاہری دو سبب ہوئے ایک مدرسۂ دیوبند کی مقبولیت دوسرا مولویصاحب کے توجہ کی برکت۔ اسکے چاہے یہ معنی نہ ہوں کہ مولوی صاحب صاحب تصرف ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ صاحب خلوص ہیں خلوص کی ایسی تاثیرات متعدیہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مقام تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۲ جلد دوم)

امان العبد مسلمانوں کے کمال اخلاق۔ حُسن معاملہ۔ صلح پسندی۔ حب امن۔ حفظ جان ومال کی خواہش ورغبت۔ احکام شرع کی پابندی۔ وفاء عہد۔ اور اس قسم کے جملہ اوصاف حسنہ کے ساتھ متصف ہونے کا یقین موافق ومخالف کے ذہنوں میں یہانتک راسخ ہوگیا تھا کہ ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم وغلام بھی اُنکے اِن اوصاف کے اعتماد پر بڑی سے بڑی ذمہ واری کا کام بلا استفسار کر بیٹھتا تھا۔ اور مخالف بھی مسلمانوں کے برتاؤ سے ایسے مطمئن تھے کہ ذرا سا سہارا ملنے پر اپنی جان و مال کو بالکل اُنکے حوالہ کرنیکے واسطے تیار ہوجاتے تھے اور مسلمان ادنیٰ آدمی کی بات کا بھی وہی پاس کرتے تھے جو ایک مقتدر عہدہ دار کی بات کا۔

ذیل کا واقعہ بھی انہیں واقعات میں سے ہے جس سے بڑھکر امن پسندی۔ وفاء عہد کی مثال کوئی شخص کسی قوم میں کسی ملک میں کسی زمانہ میں دکھلا نہیں سکتا۔

سوس کو صلحاً فتح کرنے کے بعد جندی سالور کا محاصرہ کیا گیا۔ صبح وشام محاصرین حملہ کرتے تھے۔ اور کچھ نہ کچھ لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اسی حالت میں ایک دن صبح کو مسلمانوں نے دفعتہً یہ بات دیکھی کہ محصورین شہر کے دروازے کھولکر باہر نکلنے شروع ہوگئے۔ اور اپنے ساتھ مسلمانوں سے خرید وفروخت کرنے کیلئے دوکانیں بھی لے آئے۔ مسلمان اس حالت کو دیکھکر سخت متعجب ومتحیر تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ مگر اُنھوں نے اپنی مستمر عادت پر عمل کرکے بجائے اسکے کہ اُن پر حملہ کرتے یہ دریافت کیا کہ تم اس طرح بلا کھٹکے کیسے چلے آئے۔

محصورین نے کہا کہ تمنے ہمکو امن دیا۔ اور امن کا رقعہ لکھکر شہر میں پھینکا۔ مسلمانوں نے کہا ہرگز ایسا نہیں ہوا اُن لوگوں نے کہا ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہمارے پاس یہ رقعہ موجود ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے جو محصورین ہی کی ہم قوم تھا امان کا رقعہ لکھکر شہر میں پھینکدیا۔

مسلمانوں نے محصورین سے کہا کہ یہ ایک غلام کا فعل ہے۔ اُن لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں تم میں غلام کون ہے۔ اور آزاد کون۔ ہم تو تم پر اعتماد کر کے چلے آئے۔ تمہارا جی چاہے تو عہد شکنی کرو مسلمان یہ سُنکر چپ ہو رہے۔ اور حضرت عمر کی خدمت میں لکھکر بھیجا۔ وہاں سے

جواب آیا۔ اِنَّ اللهَ عَظَّمَ الْوَفَاءَ فَلَا تَكُوْنُوْنَ اَوْفِيَاءَ حَتّٰى تَفُوْا مَا دُمْتُمْ فِيْ شَكٍّ اَجِيْزُوْهُمْ وَفُوْا لَهُمْ ~~فوا~~ فُوْا لَهُمْ وَانْصَرِفُوْا عَنْهُمْ۔

(اللہ تعالیٰ نے وفاداری کی بڑی عظمت بیان فرمائی اور تم لوگ کبھی وفادار نہیں کہلائے جا سکتے جب تک تم ایسی حالت میں بھی وفاء عہد نہ کرو خود تمکو شک ہو کہ آیا ہمپر وفاء عہد لازم ہے یا نہیں۔ اُنکے عہد کو نافذ کرو۔ اس پر مسلمانوں نے عہد کو پورا کیا۔ اور وہاں سے واپس ہو گئے)

ظاہر ہے کہ اگر غلام کو یہ اطمینان نہوتا کہ جو کچھ میں کر گذرونگا اُسکو مسلمانوں کا سپہ سالار پورا کریگا۔ تو وہ اپنی قوم کو کبھی خطرہ میں نہ ڈالتا۔ اور اُنکو محفوظ مورچہ بندی سے نکالکر کھلے میدان میں مسلمانوں کے رحم پر چھوڑتا۔ اور خود محصورین کو یہ تیقن نہوتا کہ مسلمانوں میں کا ادنیٰ بھی جو عہد کریگا اُسکو وہ پورا کرینگے۔ تو وہ کبھی نہایت بے فکری کیساتھ بلا ساز و سامان جنگ دُکانیں اور بازار لیکر نہ نکلتے۔ وہ تو یہ سمجھکر کہ امن تو ہو ہی گیا۔ اب چلکر اُن لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کر کے نفع اُٹھاؤ۔ تجارتی سامان لیکر آئے تھے۔ یہ تھے مسلمانوں کے اخلاق و معاملات۔ اور یہ تھے اُنکی شریعت کے احکام۔ جسپر ہر شخص کو اطمینان تھا۔ اور کیسے نہوتا جبکہ اُنکی شریعت کا مسلم

مسئلہ تھا۔ ید المسلمین واحدۃ تسعی بذمتھم ادناھم

(مسلمانوں کا قبضہ ایک ہے۔ اُنکے عہد کیواسطے ادنیٰ بھی سعی کر سکتا ہے۔)

اور جبکہ اُنکے خلیفہ کی بار بار یہی تاکید ہو کہ کسی طرح خواہ ہنسی میں یا اشارہ سے کوئی ایسا فعل کیا جائے جس سے دشمن اپنے لئے امن سمجھ لیں تو اُسکو پورا کرو۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو تحریر فرمایا۔

انی القی فی روعی انکم اذا لقیتم العدو وھزمتموھم فمتی لاعب احد منکم احدا من العجم بامان او

(میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ جب تم دشمن سے مقابلہ کرو اور اُنکو ہزیمت ہو جائے۔ اور تم بطور مذاق کے امن دینے کی بات کہو یا زبان اور اشارہ سے

بلسان کان عندهم امانا فاجروا ذلک مجری الامان والوفاء فان الخطأ بالوفاء بقیة وان الخطاء بالعذر هلکة وفیها وهنکم وقوة عدوکم

کوئی ایسی حرکت کرو جسکو دشمن امان سمجھیں تو اسکو پورا کرو وفا کرنا اگرچہ خطا سے ہو کارآمد ہے۔ اور عہد شکنی اگرچہ عمداً نہو غلطی رائے سے ہو تب بھی ہلاکی کا سبب ہے اور یہ بات تمھاری ضعف اور دشمن کی قوت کا موجب ہے)

مطلب یہ ہے کہ وفا کرنے میں غلطی ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔ اور نقض عہد کرنا کسی حال اچھا نہیں ہے۔ اسلئے وفا کرنے میں احتیاط کی جانب اختیار کرنی چاہیئے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد اور مسلمانوں کے اُس معاملہ سے جو محصورین کے ساتھ کیا۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی۔ کہ مسلمان حقیقی طور سے ان زریں اصول کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے۔ اُنکی مذہبی تعلیم یہی تھی اور وہ واقعی یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہم دنیا میں اسلام کی خوبیان پھیلانے اور مخلوق خدا کو امن وآزادی کی شاہ راہ پر چلانے اور اُنکی جان و مال عزة وآبرو کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ اُنکو اعتقاد تھا کہ ہم سچّے طور سے ان اصول پر عمل نہ کرینگے تو کبھی کامیابی کا مونہہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ جو وعدے ہمسے کئے گئے ہیں پورے ہو سکتے ہیں۔ اگر اسلام کی حقیقی اور واقعی تعلیم یہی نہ ہوتی اور مسلمان یہ سمجھے ہوئے نہ ہوتے کہ اسلام پھیل سکتا ہے یا اُسکے اوصاف دلوں میں جگہ پکڑ سکتے ہیں۔ تو اسی طرح پر کہ ہم ان اصول پر ظاہر و باطن صدق دل سے عمل نکریں۔ اگر اُنکی یہ باتیں محض ظاہری اور نمائشی ہوتیں تو ممکن تھا کہ جب محصورین بلا کسی قسم کی اطلاع کے دفعةً شہر سے باہر نکل آئے تھے اور امن حاصل کرنے کی کوئی درخواست بھی نکی تھی تو مسلمان بلا دریافت حملہ کر لیتے اور جب ایک جماعت کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے تب اُنکی بات سُنتے اور انجام کار اپنی انصاف پسندی اور حُبّ امن کا بھی ثبوت دیتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا ایک شخص نے بھی بھولے سے اُن پر دست درازی نہیں کی حالانکہ سوا اس غلام کے جس نے محض وطن پرستی اور اپنے ہم قوموں کے بچانے کیلئے یہ حرکت کی تھی کسی کو علم نہ تھا۔ مگر چونکہ اُسوقت اسلام کے اصلی محاسن اور اوصاف کے ساتھ مسلمانوں میں کوئی ایسی بات پیدا نہ ہوئی تھی کہ جو اُنکو نفسانی خواہشوں کی طرف چلاتی یا دنیا کے مال وجاہ کی طرف مائل کرتی اسلئے سب نے احتیاط کی جانب کو اختیار کیا۔ اور بعد اس تحقیق کے بھی کہ یہ فعل صرف ایک غلام کا ہی

اور وہ اُسکے نافذ کرنے پر مجبور نہیں ہیں اپنی طرف سے اُسکے عہد کو توڑنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ دربار خلافت سے بذریعہ عرضداشت ہدایت طلب کی۔ اور وہاں سے وہی حکم آیا کہ نہیں اُس عہد کو اگرچہ غلام ہی کا ہے پورا کرو۔ علیٰ ہذا حضرت عمرؓ کا اپنی طرف سے یہ تحریر فرمانا کہ جسکو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ شریعت میں فی نفسہ اسکا کسقدر اہتمام تھا۔ اور یہ کہ خلیفۃ المسلمین اور سب مسلمان اپنی کامیابی صرف اس صورت میں سمجھے ہوئے تھے کہ مخلوق کی حقیقی فلاح و بہبود کی کوشش کریں۔ اُنکا ظاہر و باطن ایک ہو۔ وہ غلطی سے بھی کوئی ایسی بات نکریں جس سے کسی کو نقصان پہونچے یا اسلام پر عہد شکنی کا دھبہ لگے۔ وہ اسلام کی قوۃ اور شوکت اسی بات میں سمجھے ہوئے تھے کہ اسکے احکام کی پوری پابندی کیجائے ورنہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے ممکن تھا کہ مسلمان بھی اپنی قوۃ و شوکت دکھلانے کے لئے کبھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتے۔ جو عام طور پر فاتح اقوام کا دستور ہے۔ دنیا نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے۔ اور اس وقت جیسا کہ ایک جانب فنون جنگ مدارج کمال پر پہونچائے گئے اور نسل انسانی کو حیات کی خوشگوار فضاء سے نکالکر مُلک عدم میں پہونچانے کے وہ آلات ایجاد کئے گئے جس سے آن کی آن میں دنیا ویران ہو سکتی ہے۔

اسی طرح دوسری جانب امن عام، حفظ جان و مال کے بھی وہ قوانین بنائے گئے ہیں کہ دُنیا اُنکو حیرت انگیز سمجھتی ہے۔ یہ اسی ترقی یافتہ زمانہ کا کرشمہ کہ سلطنتیں بھی باہم ایک عام قانون میں جکڑی ہوئی ہیں۔ خونریزی سے اور بد امنی سے بڑھکر اسوقت کوئی جرم نہیں ہے۔

مگر ان تمام اعلیٰ قوانین اور تمدن و شائستگی کی ان تمام برکتوں کا جو مخلوق کو بلا امتیاز رنگ و مذہب شامل ہیں۔ اور جن پر متمدن اقوام کا ناز بجا ہے۔ اسلام کی سادہ اور بے لوث ہدایات سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام اقوام ملکر بھی اُس درجہ کے قریب نہیں پہونچ سکیں جسکو اسلام نے جاری کیا اور جس پر ایک سادہ اور بدویت کے اخلاق سے متصف قوم عمل پیرا ہو چکی۔ اس شائستگی کے زمانہ میں بھی حالت جنگ کے اندر امن طلب کرنیکے لئے جو نہایت سہل اور انتہائی طریقہ مقرر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہتیار ڈالدئے جائیں یا سفید جھنڈا اوڑا دیا جائے۔ مگر اسکو اُس اسلامی طریقہ سے کیا نسبت ہے جسکی حضرت عمرؓ نے ہدایت فرمائی

اور جس پر مسلمان کاربند ہوئے۔ امن کا اشارہ اور وہ بھی خواہ مذاق میں ہو یا واقعی۔ اور کوئی ایسا فعل جس سے واقع میں امن دینا مقصود بھی نہ تھا مگر فریق ثانی امن سمجھ گئے۔ اور پھر امن دینے والا یا ایسی حرکت کرنے والا بھی یہ ضرور نہیں کہ ذمہ دار افسر ہی ہو بلکہ ادنےٰ سپاہی اور غلام بھی کر بیٹھے تو وہی حکم ہو جو ایک اعلیٰ افسر کے فعل کا۔ انصافاً فرمائے کہ کیا کوئی متمدن قوم بھی امن کے ایسے سہل قاعدوں کی پابند ہے یا ہو سکتی ہے۔ جنکا پابند اسلام آج سے تیرہ سو برس پہلے اپنے پیروؤں کو کر گیا ہے۔ اور پھر کیا ایسے ہی مذہب کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بجبر پھیلایا گیا ہے۔ اور پھر اگر ہم یہ دعوے کریں تو کیا بیجا ہے کہ تمام بہترین اصول کا جاری کرنے والا اسلام ہے۔ تمام اقوام دنیا کی رہبر مسلمان ہیں۔ وہ جو کچھ کر گئے ہیں اُسکی تقلید بھی پوری نہیں ہو سکی۔ اور جو کچھ کیا گیا ہے اُنہیں کے اصول سے اخذ کر کے اور اُسی راستہ پر چلکر۔

ہرمزان کا عجیب حیلہ سے امن حاصل کر کے مسلمان ہونا

ہرمزان فارس کے اُن سات مشہور گھرانوں میں سے ایک خاندان کا معزز ممبر تھا۔ جو فارس بھر میں چوٹی کے شریف اور خاندانی نواب کہلاتے تھے۔ ہرمزان اپنی ذاتی جوہروں میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے قادسیہ کے معرکہ میں میمنہ کی کمان جسمیں تقریباً بائیس ہزار نبرد آزما تھے۔ اُسکے سپرد تھے جنگ قادسیہ کا فیصلہ فارس کے برخلاف ہو چکا۔ تو ہرمزان نے بھی بھاگ کر جان بچائی۔ اہواز پہونچکر وہاں کی خود مختارانہ حکومت سنبھال لی۔ اور مسلمانوں پر غارتگرانہ حملے شروع کر دے۔

عتبہ بن غزوان عامل بصرہ نے اس سے مشوش ہو کر حضرت سعد سے اہل میسان کیلئے امداد طلب کی۔ نعیم بن مقرن اُنکی امداد کو بھیجے گئے۔ ادھر عتبہ نے سلمی بن القین اور حرملہ بن مریطہ کو بھیجا۔ اُنھوں نے حدود میسان پر ایک عربی قوم کی امداد سے جو وہاں آباد تھی۔ جسکو بنو العم بن مالک کہا جاتا تھا اور جسکے سردار غالب وکلیب وغیرہ تھے۔ ہرمزان پر حملہ کیا۔ اُسکو شکست ہوئی اور سوائے صلح کر لینے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ صلح میں اتنی نرمی برتی گئی کہ ہرمزان اپنے مذہب پر قایم رہکر تمام ملک اہواز کا حاکم رہے البتہ نہر تیری مناذر اور سوق اہواز مسلمانوں کے قبضہ میں رہے۔

مناذر پر جنگی چوکی قایم کر کے غالب کو امیر مقرر کر دیا گیا۔ اور نہر تیری کی جنگی چوکیاں کلیب کی امارت میں دیگئیں۔ اس طرح انتظام کر دینے کے بعد مسلمان افسر واپس آگئے۔ تھوڑی ہی دنوں کے بعد غالب اور حرملہ سے ہرمزان کا ایک زمین کی حدبندی کے معاملہ میں نزاع ہو گیا۔ عتبہ بن غزوان نے اسکے تصفیہ کیلئے ایک کمیشن بھیجا۔ جسکے افسر اعلے حرملہ اور سلمی فاتح اہواز تھے۔ اُنھوں نے جا کر بیانات سُنے تو غالب و کلیب حق پر تھے۔ اُنھیں کے موافق فیصلہ صادر فرمایا۔

ہرمزان نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر عہد شکنی کر کے ادائے محصول سے انکار کیا اور قبایل اکراد سے امداد لیکر بھاری لشکر جمع کر لیا۔ امرا سرحد نے عامل بصرہ کو اطلاع دی۔ اُنھوں نے بارگاہ خلافت میں اطلاع دیکر مشورہ اور امداد طلب کی امیر المومنین نے حرقوص بن زہیر سعدی کو فوج کی کمان اور جو ملک فتح کریں اُسکی امارت سپرد کی۔ حرقوص نے ہرمزان پر حملہ کیا۔ وہ شکست کھا کر رامہرمز بھاگ گیا۔ حرقوص نے تمام ملک اہواز پر قابض ہو کر ملکی انتظامات شروع کر دئے۔ اس سے فارغ ہو کر جزء بن معاویہ کو ہرمزان کے تعاقب میں بھیجا۔ جزء نے مدینہ سُرّق فتح کر کے اُس میں نہریں جاری کی۔ اور بنجر زمینوں کو آباد کر کے ویرانہ کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔

ہرمزان یہ حالت دیکھکر پھر صلح کر لینے پر مجبور ہوا۔ اور اب بھی اُسی نرمی کیساتھ صلح ہوئی کہ جن جن شہروں پر وہ قابض ہے اُسی کے تسلط میں رہیں۔ البتہ محصول ادا کرتا رہے جسکے معاوضہ میں مسلمان اُسکی اور اُسکے ملک کی حفاظت کرینگے لیکن ہرمزان کو عہد شکنی کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

یزدجرد جو دار السلطنت کو چھوڑ کر دربدر مارا پھرتا تھا۔ اُسنے ہرمزان کو ابھارا اور ساتھ ہی کل باشندگان اہواز کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر دیا جس سے ایکدفعہ پھر ہرمزان آمادہ جنگ ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو اطلاع پہونچی تو آپنے عامل کوفہ حضرت سعد کو لکھا کہ نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں بھاری لشکر بھیجیں۔ اور ابو موسیٰ اشعری کو جو اسوقت بجائے عتبہ کے بصرہ کے گورنر تھے لکھا۔ کہ ایک بڑی جمعیت بصرہ سے بھیجی جائے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ بصرہ اور کوفہ کے

دونوں لشکروں کے سپہ سالار ابو سبرۃ بن ابی رہم بنائے جائیں۔ اس دفعہ ہرمزان نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ کیونکہ فارس کا بے شمار لشکر اُسکی امداد کیلئے تھا۔ ادھر باشندگان ملک باغی ہوگئی تھے۔ مسلمانوں کے نامی اور مشہور بہادر اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ مگر انجام کار ہرمزان کو ہزیمت ہوئی۔ اور وہ تستر میں جاکر پناہ گزین ہوا۔ چند ماہ محاصرہ جاری رہا۔ دوران محاصرہ میں مسلمانوں کے چند سر برآوردہ اور نام آور شہسوار شہید ہوئے۔ براء بن مالک جو یمامہ کے معرکہ میں شہرت حاصل کر چکے تھے اور مجزأۃ بن ثور کو خود ہرمزان نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس درمیان میں ایک شخص نے نعمان بن مقرن کو شہر میں داخل ہونے کے خاص راستہ سے اطلاع دی۔ اور چند بہادروں نے داخل ہوکر شہر پر قبضہ کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی اتحاد و اتفاق کے ساتھ صوری وظاہری یکجہتی ومساوات اس درجہ مرغوب ومحبوب تھی کہ نماز کی صفوں میں ذرا سے تفاوت کو کہ کسی کا سینہ نکلا ہوا ہو۔ یا قدم آگے پیچھے ہو جائے ہرگز گوارا نفرماتے تھے۔ اسکے خلاف کرنیوالوں کے لئے سخت تہدیدی احکام جاری فرمائے۔ فرمایا:۔

لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ	(مسلمانو۔ یا تو نماز میں اپنی صفیں سیدھی کیا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمھارے چہروں میں مخالفت پیدا کریگا)

حاصل یہ کہ اگر صفیں سیدھی نہ کروگے اور قیام نماز کی حالت میں تم ایک سیدھ میں نہ ہوگے تو اندیشہ ہے کہ تم میں نفاق واختلاف پیدا ہو جائے۔ یا اس سے بڑھکر سزا یہ ملی کہ چہرے مسخ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد نے حکمتوں کے دروازے کھولدئے۔ آپ نے اوّل تو یہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیۃ میں باوجود فریقین کی باطل پرست اور تعداد میں مساوی ہونے کے کامیابی ونصرۃ کا سہرا اہل فارس کے سر پر اسلئے بندھا کہ وہ ایک حکومت کے تابع ایک اشارہ پر چلنے والے تھے۔

اور اسی ارشاد سے اس طرف بھی اشارا ہوگیا کہ باوجود اسلام کے آسمانی مذہب ہونے اور مسلمانوں کے حق پرست ہونے کے اُنکی کامیابی کا ظہور بھی اتفاق واتحاد ہی کی صورت میں ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ قوموں کی ترقی تنزل کا راز اتفاق میں مضمر ہے اور نا اتفاقی کو ادبار وذلت لازم

مسلمان جہاں اپنے مذہب سے بے خبر ہو کر آسمانی برکات کو کھو بیٹھے اور اصول شریعت کو چھوڑ کر عقل نارسائی بدولت فیشن کے تابع ہو گئے۔ مادیات کی پرستش میں لگ گئے وہیں اتفاق کی لازوال دولت کو بھی کھو بیٹھے اور اسی وجہ سے فقر و ذلت کے گڈھے میں گرتے چلے گئے اور چلے جاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہرمزان سے فرمایا کہ تیرے پاس بار بار عہد شکنی اور مسلمانوں کے اذیت پہونچانے انکو قتل و ہلاک کرنیکا کیا جواب اور کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا میں بوجہ اندیشۂ قتل اپنا عذر و جواب بیان نہیں کرسکتا۔ اگر آپ امن دیں تو بیان کروں۔ آپ نے فرمایا۔ لَا تَخَفْ (اندیشہ مت کرو) اسکے بعد اسنے پینے کیواسطے پانی طلب کیا۔ جو ایک بھدّی بدہیئت لکڑی کے پیالہ میں لاکر دیا گیا۔ اسنے کہا اگر میں پیاس سے مر بھی جاؤنگا تب بھی ایسے پیالہ میں نہیں پی سکتا۔ اسپر اسکی مرضی کے موافق گلاس میں لاکر پانی دیا گیا۔ اسنے گلاس ہاتھ میں لیکر سخت مضطربانہ انداز سے کہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کردیا جاؤں۔ آپ نے فرمایا:۔

لَا بَاسَ عَلَيْكَ حَتّٰى تَشْرَبَهٗ (پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہیں ہے۔)

ہرمزان نے یہ سنکر پانی گرادیا۔ آپ نے فرمایا:۔

اَعِيْدُوْا عَلَيْهِ وَلَا تَجْمَعُوْا عَلَيْهِ بَيْنَ الْقَتْلِ وَالْعَطَشِ۔ (اسکو اور پانی دیدو۔ پیاس اور قتل کو اسکے لئے جمع مت کرو۔)

ہرمزان نے کہا مجھے پانی پینا منظور نہیں۔ نہ پیاس ہے۔ مجھے تو اس بہانہ سے امن حاصل کرنا تھا۔ آپنے فرمایا میں تجھے قتل بغیر نہ چھوڑونگا۔ اسنے کہا آپ مجھے امن دیچکے۔ فرمایا ہرگز امن نہیں دیا۔ اس پر حضرت انس بولے۔ امیر المومنین یہ سچ کہتا ہے آپنے اسکو امن دیا ہے۔ آپنے فرمایا کیا میں براء بن مالک اور مجزاۃ بن ثور جیسے لوگوں کے قاتل کو امن دیسکتا ہوں تم یا اسکی کوئی دلیل بیان کرو ورنہ تمکو بھی باطل کی تائید کیوجہ سے تنبیہ کی جائیگی۔ حضرت انس نے فرمایا آپ اسکو فرما چکے ہیں۔

لَا بَاسَ عَلَيْكَ حَتّٰى تُخْبِرَنِيْ وَلَا بَاسَ عَلَيْكَ حَتّٰى تَشْرَبَهٗ ۔ (جب تک تو بیان نہ کردے کچھ اندیشہ نہیں۔ اور جب تک پانی نہ پی لے کچھ اندیشہ نہیں۔)

دوسرے حاضرین مجلس نے بھی حضرت انس کی تائید کی۔ اسپر حضرت عمرؓ نے سکوت فرمایا۔ اور ہرمزان سے ارشاد فرمایا

خَدَعْتَنِيْ وَلَا اَنْخَدِعُ اِلَّا لِمُسْلِمٍ۔ (تونے مجھے دھوکہ دیا۔ اور میں تو کسی مسلمان ہی کے دھوکہ میں آسکتا ہوں)

جلسہ بُنیاد دار الحدیث دیوبند

الحمد للہ تعالیٰ کہ تاریخ مقررہ یعنی ۲۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۹ اپریل ۱۹۱۲ء کو جلسہ بنیاد دار الحدیث دار العلوم دیوبند میں نہایت آب وتاب وشان وشوکت سے منعقد ہوا۔

ایسٹر کی تعطیلوں میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام۔ میرٹھ میں مؤتمر الانصار دیوبند۔ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کے جلسے قرار پا چکے تھے۔ جہانتک ہمکو معلوم ہو تینوں جلسے کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے اور ہر نواح سے بکثرت مہمان اپنے میلان خاطر ومناسبت طبیعت کے موافق ان جلسوں میں شریک ہوئے ۹ اپریل کو کوئی تعطیل نہ تھی ادھر جو حضرات اپنے قیمتی اوقات کو صرف کر کے تین روز تک ان جلسوں میں شرکت اور سفر کی زحمت گوارا فرما چکے تھے اُنکو دشوار تھا کہ جلسہ دار الحدیث میں شریک ہوتے اطلاعی خطوط پہونچنے پر اکثر مقتدر اور اعلےٰ طبقہ کے بزرگوں نے اشتیاق شرکت کے ساتھ اسی قسم کے عذر تحریر فرمائے۔ علاوہ ان اسلامی جلسوں کی خاص خاص تقریبیں بھی انہیں تاریخوں میں ہونیوالی تھیں جنکی وجہ سے بعض مدرسہ کے بڑے ہمدرد شرکت سے معذور رہے جنکی عدم شرکت کا اہل مدرسہ کو نہایت افسوس ہے۔

مگر ۱۹ اور ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ کی شام اور ۲۰ کی صبح دیوبند کی تاریخ میں جلسہ دستار بندی کے بعد قابل یادگار ہے۔

شام سے دو طرفہ ریلوں سے مہمانوں کی آمد کا نظارہ ریلوے اسٹیشن سے دار العلوم دیوبند تک نہایت نظر فریب تھا ابتک آنکھوں میں اُسکا نقشہ اور دل میں کیف موجود ہے۔ در ودیوار کوچہ وبازار پر جو رونق چھائی ہوئی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بوجہ موانع مذکورہ مہمانوں کی وہ کثرت تو نہوئی جو دیوبند کے جلسوں میں نظر آیا کرتی ہے۔ مگر یہ بھی دار الحدیث کی ہقناطیسی کشش تھی کہ اسقدر موانع پر بھی اچھا خاصا مجمع ہو گیا جو تقریباً ایکہزار کی تعداد پر مشتمل تھا اور نہایت بارونق اور شاندار جلسہ ہوا۔

پہلے سے سامان مدارات اور ضروریات مہمانداری بقدر کفایت مہیا کر لی گئی تھی مہمانوں کی

آسایش کے لئے مدرسہ کے مکانات حجرے درسگاہیں اور قصبہ میں بہت سے مکانات خالی کرا لئے گئے تھے اور وہاں ضروری اشیاء فراہم اور خدام مقرر کردئے گئے تھے۔ استقبالی جماعت ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے اور جماعت مدارات دروازۂ دارالعلوم پر حاضر۔

درسگاہ کلاں معروف بہ نودرہ میں فرش دری اور اُسکے سامنے صحن مدرسہ میں شامیانے نصب کراکے چوکیاں اور فرش بچھا دئے گئے تھے۔ جلسہ کا وقت ۸ بجے سے مقرر تھا مگر اللہ رے اشتیاق کہ مہمان باوجود کسل وماندگی سفر فجر کی نماز سے فارغ ہو ہو کر جلسہ گاہ میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ یہ تھا جذب مقناطیسی دارالحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اشتیاق کی کمندوں میں جکڑ کر بعد نماز صبح مشتاقوں کو کھینچ لیا اور تاخیر کی اجازت نہ دی۔ یہ فریفتہ اور مشتاق مہمان اسوقت بعینہ اس شعر کے سچے مصداق تھے۔ **شعر**

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند ۔۔۔ بلاکشان محبت بکوئے یار روند

جب اکابر واصاغر خواص وعوام جمع ہو چکے تو جلسہ کی کارروائی حسب ذیل شروع ہوئی

اوّل جناب مولانا مولوی احمد موسی صاحب مصری امام مسجد جامع کلکتہ نے اپنے پر اثر لہجہ میں کلام مجید کی کچھ تلاوت کی بعدازاں جناب مولانا قاری محمد عبدالوحید خانصاحب مدرس درجہ تجوید دارالعلوم دیوبند نے اپنے دل لبھانے والے لہجہ میں تلاوت کلام مجید کی۔ کلام مجید کی تاثیر قاریوں کے حسن ترتیل اور خوش آویزی سے جو محویت اور حیرت حضار پر طاری تھی دل من داند ومن دانم وداند دل من۔ بعدازاں نمونہ سلف حافظ علوم جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنا عربی قصیدہ جو حضرت سیدی وسیادی یومی وغدی مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رح روحی فداہ کے مناقب میں تصنیف فرمایا تھا پڑھا اور خوب خوب فصاحت بلاغت کی داد دی اور مہجوران رشیدی کی خوب مہماں نوازی کی اور دعائیں لیں۔

اب ہمارے مخدوم جناب مولنا الحاج المولوی محمد حبیب الرحمن صاحب مددگار مہتمم دارالعلوم کھڑے ہوئے اور ایک تقریر بیان کرنا شروع کی جسمیں دارالعلوم کے کچھ حالات بیان کرتے ہوئے بانیان مدرسہ کا ذکر خیر اور اُنکے دنیا سے تشریف لیجانے کا افسوس اور اُنکے بعد دارالعلوم کا اُن کے

خدام کی تربیت میں نشو ونمو بیان فرماکر دار العلوم کے رکن رکین حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات کی یادگار فخر زمن حضرت مولانا الحاج المولوی سید احمد حسن صاحب امروہی نور اللہ مرقدہ کی رحلت و فراق پر تاسف ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب و مولنا محمد یعقوب صاحب و حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی وفات کے صدمہ سے مولانا احمد حسن صاحب علیہ الرحمۃ کی مفارقت کا صدمہ دار العلوم اور اُسکے خدام کو بعض وجوہ سے زیادہ محسوس ہوا۔

جس روز حضرت مولانا قاسم العلوم نے ہمسے مفارقت اختیار کی تھی گو اُس روز کا سانحہ مدرسہ کی تاریخ میں بڑا سانحہ ہے شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھنا اور دار العلوم کا یتیم ہونا کچھ تھوڑی مصیبت نہ تھی مگر دوسرے اخیار اکابر موجود تھے جن سے دلوں کو ڈھارس تھی جماعت کی باگ اُن کے ہاتھ میں قلوب کی اصلاح اونکا فرض تھا علیٰ ہذا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دار العلوم کے غمزدہ دل پر دوسرا داغ اور ہم خدام کے دلوں پر دوسرا زخم کاری لگا مگر احساس کم ہوا کہ مسند تدریس کے اہل بھی موجود تھے اور طبیب امت اور جماعت کی کشتی کے ناخدا حضرت قطب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے آپنے دار العلوم کی وہ سرپرستی کی کہ جسکی نظیر نہیں حضرت قطب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات ہماری حق میں قیامت صغریٰ تھی فتنوں کا دروازہ مفتوح نظر آتا تھا اور بظاہر اپنے عہد کا خاتمہ ہو چکا تھا دل پاش پاش ہو چکے تھے جماعت کا شیرازہ وا ہو گیا تھا یہ مصیبت پہلے بزرگوں کے فراق پر پیش نہ آئی تھی جسکا آج سامنا ہوا کہ حضرت قطب گنگوہی تشریف لیگئے اور کوئی اپنا سا نہ چھوڑ گئے مگر ان بزرگوں کی جماعت نے اپنی متفقہ کوشش سے دار العلوم کو سنبھالا اور خدا تعالیٰ کے کام میں مصروف رہے۔

صاحبو آپ مدرسہ کا اطلاعی خط پڑھ چکے ہیں اوسمیں اولا حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ ہونا تجویز ہوا تھا مگر یہ سانحہ کسقدر رنجدہ اور دلوں کو پاش پاش کر دینے والا ہے کہ اسوقت بجائے اسکے کہ مجمع میں مولانا مرحوم وعظ فرماتے میں اونکی وفات پر اظہار افسوس کرنے کیلئے آپ حضرات کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔

آہ اس قحط الرجال کے زمانہ میں ہمکو حضرت قاسم العلوم کے سچے جانشین کی مفارقت پر جسقدر صدمہ ہو بجا ہے مولانا ایک ایسے یکتا اور باخدا شخص تھے کہ اونکی نظیر ہمکو ڈھونڈے نہیں ملتی اور

جو سکون ہم غمزدوں کو مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب علیہم الرحمۃ کے بعد ہوگیا تھا وہ آج نہیں آپ جانتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کے وصال کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا کچھ مصیبت تھی اور کیسا صدمہ تھا مگر سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وجود صحابہ کرام کیلئے دینی مہمات میں خضرِ رہ بننے کیلئے کافی تھا اسلئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سب نے رجوع کیا اور اسلامی دنیا کا انتظام کرلیا جو فتنے اٹھے اونکو دبا دیا دو برس بعد حضرت صدیق اکبر کی وفات کا حادثہ پیش آیا صحابہ کرام کے زخمی دلوں کو دوسرا زخم کاری لگا مگر چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بار کے اُٹھانے والے موجود تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سکون تھا لیکن جب دس برس بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کا داغ صحابہ کرام کے دلوں پر رکھا تو سیر و تاریخ اسلام کے جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ صحابہ کرام کی پریشانی کی کیا حالت تھی معلوم ہوتا تھا کہ گویا آجتک انپر کوئی مصیبت پڑی ہی نہیں۔

راز یہی تھا کہ حالت موجودہ کو دیکھتے ہوئے سخت اندیشہ تھا کہ حضرت عمر کی وفات سے فتنوں کے دروازے کھل جائینگے اور اس قوت کا کوئی شخص معلوم نہ ہوتا تھا۔

علیٰ ہذا حضرت سیدنا عثمان وسیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات پر یہ پریشانیاں بڑھتی چلی گئیں۔ صاحبو اسلئے آج مجھے کیا ہماری ساری جماعت کو مولانا امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی مفارقت پر زیادہ صدمہ ہے کہ مقدس حضرات نے جو مجموعی قوۃ دین کی حفاظت علوم اسلام کی اشاعت۔ ہدایت خلق۔ ارشاد عباد کیلئے چھوڑی تھی آج اُسکا ایک رُکن رکین اٹھ گیا۔

(بندہ راقم عرض کرتا ہے کہ مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب کی اس واضح تقریر سے دار العلوم دیوبند کے ہواخواہوں کو تسلی کرنی چاہی کہ جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا آفتاب باوجود خلفاء راشدین کے گذر جانیکے آجتک تاباں ہے اور قیامت تک رہیگا ایسے ہی انشاء اللہ تعالیٰ یہہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا چمن ہمیشہ ہرا بھرا پھولا رہیگا بزرگوں کے اوٹھ جانیکے بعد گو حوادث آوینگے فتنے پامال کرینگے مگر باغبان رحمت کی آبیاری سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ بہار دائم و قائم رہے گی اللہ تعالیٰ ہمارے باقی بزرگوں کو ہمارے سر پر تا دیر سلامت رکھے آمین۔)

اسکے بعد مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب نے سامعین کے مجروح دلوں پر مرہم کافور کا پھایہ رکھدیا یعنی دنیائے دوں کی بے ثباتی کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ہمیشہ رہے نام اللہ کا کا نقشہ کھینچدیا اور مولانا مرحوم کے فرزند ارجمند قاری حافظ سید محمد حسن عرف بنّے میاں اطال اللہ عمرہ وجعلہ کابیہ کیلئے جو جلسہ میں موجود تھے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ انکو مولانا مرحوم کے سچے جانشینی کے ساتھ متصف فرمائے اور ہماری آنکھوں کو اُن سے ٹھنڈا رکھے۔ اور ایک نظم فصیح و بلیغ جو آپنے کسی متقدم شاعر عرب کے کلام میں تھوڑا سا تصرف فرماکر مرتب کی اور مولانا امروہی رحمۃ اللہ کی تعزیت ادا کی ہے سُنائی جو آئندہ القاسم میں انشاء اللہ تعالیٰ مع ترجمہ منظوم درج ہوگی۔

اسکے بعد سرو بستان محمود جناب مولٰنا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی مدرس دار العلوم نے خطبہ مسنونہ پڑھنے کے بعد آیہ کریمہ وَمَن یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ کا وعظ فرمایا اور توکل کے معنی اور اُسکے متعلق علمی نکات اور بہت سے قابل قدر مضامین بیان فرماکر سامعین کو محو حیرت بنادیا۔ تقریر کی شستگی مضامین کی برجستگی پر کسی کا یہ شعر بیساختہ مجھے یاد آیا جو ناظرین القاسم کی نذر کرتا ہوں۔ **شعر**

اثر لبھانے کا دل کے ترے بیان میں ہے — کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے

اور درخواست کرتا ہوں کہ ناظرین القاسم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپکے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو آپکے فیض سے متمتع فرمائے اور آپکو حوادث و بلیات سے محفوظ و مصون رکھے۔

اسکے بعد جناب حافظ محمد عبد الرحمن صاحب مرادآبادی جو مولانا امروہی رحمۃ اللہ علیہ کے غم میں مبتلا اور مولانا حبیب الرحمن صاحب کی تقریر سے متاثر ہوکر دیر سے ضبط کئے ہوئے بیٹھے تھے۔

شعر۔ ضبط کہتا ہی کہ جب تک ٹلے ٹلجانے دو — دل یہ وحشت کا تقاضا ہی مچلجانے دو۔

نہ رہ سکے بے اختیار کھڑے ہوئے اور مولانا مرحوم کے فرزند دلبند کو بُلا کر اپنے گلے سے لگالیا اور

مولانا کے حالات۔ کیفیت مرض وفات۔ رجوع الی اللہ۔ مرض وفات میں مبتلا ہوکر چار پانچ گھنٹہ حدیث کا سبق پڑھانا اور طلبہ سے فرمانا کہ یہ آخری سبق ہی۔ مرض میں نمازوں کی پابندی ذکر فکر نماز عشا پڑھکر بحالت ذکر طایر روح کا قفس عنصری سے پرواز کرجانا اہل امروہہ کی بیتابی رنج و غم

نماز جنازہ میں خارج از قیاس مجمع کا ہونا کچھ ایسے پُر اثر اور درد وگداز لہجہ میں بیان فرمایا کہ خود بھی روئے اور سب کو رولایا۔

اسکے بعد حضرت حکیم الامۃ مولانا الحاج المولوی محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کھڑے ہوئے اور دعا و خطبہ ماثورہ کے بعد آیت کریمہ یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کے معنی تفسیر مطلب اور وہ وہ نکات ولطایف وحقائق ومعارف تقریباً دو گھنٹہ تک بیان فرمائے کہ میرا قلم انکے بیان سے بسبب عدم قدرت واحاطہ قاصر ہے۔ مولانا کی معجز بیانی کو کون نہیں جانتا مگر دیوبند سے جو خصوصیت اور تعلق مولانا کو ہے۔ اس سے سمجھ لیجیے کہ بیان میں کیا کیا ترقیاں ہونگیں۔ علمار کرام کی جماعت جدا محظوظ تھی طلبائے دارالعلوم جدا اپنا حصہ لے رہے تھے عوام حاضرین پر جدا عنایت تھی نصایح کے گران بہا موتی تقسیم ہو رہے تھے امراض روحانی کی تشریح تھی اور علامات واسباب ومعالجات کی تفصیل بیماروں کو مجرب نسخے بلاقیمت طبیب حاذق بلافیس تقسیم فرمارہا تھا تندرستوں کو بشارات اور حفظ صحت کی ہدایات تھیں آخر وعظ میں ارشاد ہوا کہ۔

صاحبو اب چندہ کا بیان ہوتا ہے جس کسی کو کھسکنا ہو کھسکجاؤ اور اسکی بھی کیا ضرورت ہے شوق سے بیٹھے رہو کسی پر دباؤ نہیں جبر نہیں جسکا دل چاہے دے جسکا دل نچاہے نہ دے آپنے چندہ کے متعلق تقریر فرمائی کہ جو جبر اور زور اور دباؤ ڈالکر ہو وہ ممنوع ہے اسی کو میں منع کیا کرتا ہوں اور جو بلا اکراہ وغیرہ کے ہو اور بطیب خاطر کوئی دے اسکو میں منع نہیں کرتا ہوں لوگ میرے مدعا کو سمجھے نہیں فضول اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔ صاحبو آپ دیکھ رہے ہیں کہ مدرسہ میں بحمدہ تعالیٰ یہ مسجد طیار ہو چکی ہے اب دارالحدیث کی تجویز ہے اسکے جلسہ بنیاد میں آپ تشریف لائے ہیں مسجد جس طرح بیت اللہ ہے دارالحدیث بیت الرسول ہے جیسیکہ مسجد مظہر ہے کعبۃ اللہ کی۔ ایسے ہی دارالحدیث مظہر ہے انوار مدینۃ الرسول کے روضہ اطہر میں حضور پر نور کا جسد اطہر مدفون ہے اور آپ مصروف صلاح امت ہیں دارالحدیث میں آپکا کلام مبارک جو زندہ کلام ہے انشاء اللہ تعالیٰ روایت ہو گا اور کیا عجیب کیف ہو گا کہ ادھر طلبہ مسجد میں جو بیت اللہ ہے نمازیں ادا کرینگے اور ادھر وہاں سے فارغ ہو کر دارالحدیث میں جو بیت الرسول ہے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرینگے مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور ہر سال مکہ معظمہ میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے ایک مرتبہ جب وہ ہمارے حضرت قبلہ

وکعبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں تشریف لائے تو آپنے اُنکو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

خوشا سعادت آن بندۂ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

پس یہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ اُدھر مسجد میں نماز پڑھینگے اِدھر دار الحدیث میں حدیث۔

مولنا نے چندہ کی ترغیب میں کچھ مختصر ہی بیان فرما کر بسہولت اُسکے جمع ہونیکی صورت بیان فرمائی کہ گو انجنیر صاحب کا تخمینہ ساٹھ ہزار کا ہے مگر پچاس ہزار کے عدد کو اس مناسبت سے کہ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کا حدیث شریف میں مذکور ہے اس عدد کو اختیار کرتا ہوں اب اگر دس ہزار کی ضرورت ہوگی تو بعد کو پوری ہو جاویگی۔ پچاس ہزار کے ایکہزار حصہ قرار دئے جاویں تو فی حصہ ۵۰ روپیہ پڑتا ہے جو صاحب جسقدر حصے خود لینا چاہیں خود لے لیں۔ اور جو صاحب خود اسقدر نہیں دیسکتے ہیں وہ اپنی حالت کا اندازہ کریں کہ اپنی سعی سے جسقدر وصول کرا سکتے ہیں اُسقدر وصول کرانیکی غرض سے لے لیں اور وصول میں سعی کریں۔ میں بھی پچاس روپیہ کا ایک حصہ لیتا ہوں۔

اس تقریر کا جو سماں تھا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا مسلمانوں کا شوق جوش خلوص جو اسوقت تھا بیان نہیں ہو سکتا جسطرح کہ دار الحدیث ہندوستان میں اول تعمیر ہے اسی طرح یہ جلسہ بھی اپنی نوعیت اور قبولیت کے اعتبار سے اوّل ہی جلسہ ہے شرکاء کو اس نعمت اور دولت کے حصول پر مبارکباد دیتا ہوں اور خود بھی ناز کرتا ہوں کہ مجھسا خراب بھی اس مقدس جلسہ میں حاضر تھا مسلمانوں نے حضرت مولانا محمد اشرفعلی صاحب کے حصہ کے روپئے دینے اور لکھانے شروع کئے جو تھوڑی دیر میں تقریبًا ۸۰ ہو گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ بجای ۵۰ کے جو اپنے احباب سے وصول کرکے داخل کرنیکا وعدہ کیا تھا۔ تقریبًا ۵۰ ہو گئے۔ اب میں اپنی ذات سے ۵۰ کا وعدہ کرتا ہوں۔

چاروں طرف سے چندہ برسنے لگا اور وعدے ہونے لگے:۔ حافظ حاجی شیخ محمد فصیح الدین صاحب سوداگر صدر بازار میرٹھ نے ۵۰ حصے لئے اور مولنا مولوی عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار نے ۱۰۰ حصے۔ نواب حاجی احمد حسین خانصاحب رئیس جنپور نے ۱۰ حصے مولوی سید ہادی حسن صاحب رئیس خانجہانپورہ ۲ حصے شیخ ضیاء الحق صاحب رئیس راجوپور ۴ حصے مولوی فضل حسین صاحب اڈیٹر المشیر مراد آباد ۳ حصے۔ مولوی محمد یونس صاحب بگھروی ۲ حصے۔ مولوی حکیم فیض الحسن صاحب کرانوی ۲ حصے منشی عبد اللہ خانصاحب رئیس خورجہ ۲ حصے سید معشوق علیصاحب رئیس قنوج ۲ حصے مولوی رحمت علیصاحب مہتمم مدرسہ مراد آباد ۴ حصے۔ حافظ حنیف الدین صاحب پسر حافظ حاجی فصیح الدین سوداگر میرٹھ ۲ حصے مولوی محمد عاشق حسین صاحب چیف انجنیر ریاست بہاولپور ڈھائی حصے۔

نقد تقریبًا تین ہزار وصول اور وعدے تقریبًا بارہ تیرہ ہزار کے ہوئے۔ حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہم نے شرکاء جلسہ سے فرمایا کہ اسی وقت جلسہ ختم ہونے پر بنیاد رکھی جاویگی اور میں مناسب سمجھتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ آپ سب صاحب ایک ایک اینٹ اپنے ہاتھ سے رکھدیں نمعلوم حق تعالیٰ کے ہاں کسکا خلوص قبول ہو جاوے

اور جماعت کی برکت سے یہ کام سہل ہو جائے چنانچہ اس درخواست کو سب نے بطیب خاطر قبول کیا جناب مولوی سید محمد عاشق حسین صاحب انجنیر ریاست بہاولپور نے جو چند نقشے دار الحدیث کے بنا کر لائے تھے شرکاء جلسہ کو دکھائے اور دار الحدیث کی عمارات کو ان میں اچھی طرح متمیز کرایا اب دار الحدیث کی جو ایک دلفریب صورت مسلمانوں کے ذہن میں آئی تو انکے اشتیاق و رغبت کا وفور انکے چہروں سے نمایاں تھا سب مجمع بنیاد دار الحدیث کیطرف روانہ ہوا دار العلوم کی غربی جانب میں پشت مدرسہ کے کچھ فصل سے دار الحدیث کی تعمیر شروع ہو گی بنیاد چونکہ بہت طویل و عریض و عمیق کھودنی تھی اور مزدوروں سے یہ کام بعجلت ممکن نہ تھا خدا تعالی کی طرف سے طلبہ دار العلوم کے دلوں میں یہ امنگ پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنا ایک گرانقدر با خلوص چندہ دار الحدیث میں نقد پیش کیا یعنی شوق صادق کے داعیہ پر بہت جلد اسقدر طویل و عریض و عمیق بنیاد کھود کر تیار کر دی یہ منظر عجیب موثر اور قابل دید تھا۔ دو طرفہ سیڑھیاں رکھی گئی تھیں کہ اندر آنے اور باہر نکلنے میں سہولت ہو بنیاد کے قریب پختہ اینٹوں کا ایک ذخیرہ موجود تھا مدرسہ کا جنوبی دروازہ کھول دیا گیا تھا مہمانوں کی جماعتیں نکلنی شروع ہوئیں سب انسپکٹر صاحب پولیس مع اپنے ہمراہی کنسٹبلوں کے جلسہ گاہ سے وہاں پہونچ گئے اور بنیاد کے کناروں سے گذرنے کو لوگوں کو منع کیا کہ مبادا کسی زحمت پہونچے حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب و مولانا مولوی محمود حسن صاحب و مولانا مولوی خلیل احمد صاحب و مولانا مولوی عبد الرحیم صاحب نے ایک پتھر اپنے ہاتھ سے بنیاد میں لگایا بعد ازاں دیگر اکابر و اراکین مدرسہ نے اور پھر انکے بعد دیگر کل شرکاء جلسہ نے اپنے ہاتھوں سے دو دو اینٹیں رکھیں جیسے میکش میخانہ کو یا بلاکشان محبت کوئے یار کو مستانہ وار جلتے ہیں ایسے ہی شرکاء جلسہ مجسم شوق اور ہمہ تن خلوص کی پاکیزہ تصویر بنکر بنیاد کی طرف چلے یہ نظارہ قابل دید تھا۔ اسلامی شان آشکارا تھی اس گئے گذرے زمانہ میں جو کچھ حمیت اسلامی مسلمانوں کے دلونمیں مرکوز ہے اور اپنے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کے دلونمیں ہے مسلمانوں کی اس پر جوش بے ریا با اخلاص قابل قدر سعی سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہے اسوقت جو شان قبولیت نمایاں تھی وہ عجیب مسرت بخش اور امید افزا تھے کہ صحن زمین سے آسمان تک نور کے سائبان رحمت کے شامیانے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی دار الحدیث کی بنیاد رکھنے والوں پر سایہ افگن تھے ؎ ای خدا قربان احسانت شوم ✦ این چہ احسان است قربانت شوم۔

حضور نظام دکن۔ ہز ہائنس بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال و نواب صاحب بہاولپور و نواب صاحب ڈھاکہ چونکہ دار العلوم کے محسن ہیں اسلئے بعض بہی خواہوں کی تحریک پر اس مقدس جلسہ میں انکے لئے بھی دعائے خیر کی گئی۔ اسکے بعد جملہ شرکاء درسگاہ نودرہ میں تشریف لائے تھے انکو کھانا کھلایا گیا اور جلسہ بخیر و خوبی نہایت کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

خاکسار سراج احمد عفی عنہ

فہرست چندہ دار الحدیث جو ابتدا سے ماہ ربیع الاول تک وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
	حاجی حافظ ابراہیم کاکا صاحب ساکن کھولوڑ ضلع بھڑوچ	[illegible]
۱	جناب مولوی شاہ محمد ایثار علی صاحب حنفی قادری چشتی نظامی خادم سجادہ حضرت مولانا شاہ مذاق صاحب بدایونی قدس سرہٗ	[illegible]
۳	حاجی محمد یوسف صاحب مومول رئیس کٹھور ضلع سورت	[illegible]
۴	مولوی عبدالاول صاحب جونپوری	[illegible]
۵	منشی محمد صدیق صاحب سرستی بازار ضلع بیر بھوم	[illegible]
۶	سید عبدالحسین صاحب ساکن ہاوبا ضلع گیا	[illegible]
۷	مستری محبوب صابر صاحب روڑکی	[illegible]
۸	قاضی حکیم محمد عبدالخالق صاحب از لشکر مالیگاؤں	۸ر
۹	منجانب والد قاضی حکیم میاں احمدالدین صاحب ابن میاں امین الدین مرحوم ساکن لاہور	۴ر
۱۰	منجانب والدہ سماۃ بی بی زبیرہ خاتون بنت قاضی عبدالقادر صاحب متوطن اقتیجی ملک کاشغر	۴ر
۱۱	منجانب اہلیہ خود سماۃ بسم اللہ بی بنت قاضی بڑے میاں صاحب مرحوم	۴ر
۱۲	منجانب برخوردار محمد عبدالرزاق صاحب	۲ر
۱۳	منجانب پسر خود محمد ظہور الحق صاحب مرحوم	۲ر
۱۴	انصر علی صاحب از ہاٹہزاری چاٹگام	[illegible]
۱۵	رحمن علی صاحب " "	[illegible]
۱۶	مولوی افاضل الدین صاحب " "	[illegible]
۱۷	مولوی ابوالحسین صاحب جونپوری	[illegible]
۱۸	منشی عبدالعلیم صاحب سب انسپکٹر گلاؤٹھی	۸ر
۱۹	منشی محمد علی صاحب ساکن گلاؤٹھی	۸ر

نمبر	نام	رقم
۲۰	حاجی شیخ قدرت اللہ صاحب رئیس بجنور	[illegible]
۲۱	عبدالحکیم صاحب و رحمت اللہ صاحب تاجران سورت	[illegible]
۲۲	منشی احسان الحق صاحب رئیس جلال آباد	[illegible]
۲۳	مولوی عبدالعلی صاحب ساکن رای بریلی	[illegible]
۲۴	مولوی خواجہ عبدالحی صاحب گورداسپوری طالب علم درجہ تکمیل مدرسہ عالیہ دیوبند	[illegible]
۲۵	چودہری عبدالقیوم صاحب نمبردار بچھرایوں	[illegible]
۲۶	مولوی نور محمد صاحب سہسرامی	[illegible]
۲۷	منشی عبدالکبیر صاحب جونپوری	[illegible]
۲۸	حاجی چودہری عظیم الدین صاحب ساکن صابریہ معروف چھونٹی پرانک ضلع اکیاب	[illegible]
۲۹	منشی محمد عبداللہ صاحب سب جیلر نگینہ ضلع بجنور	[illegible]
۳۰	مولوی غلام مصطفےٰ صاحب کانپوری	[illegible]
۳۱	مقبول احمد پسر حافظ لیاقت علی صاحب دیوبندی	۲ر
۳۲	منشی سید احمد حسین صاحب سب اورسیر دہرہ دون تفصیل روئداد سالانہ میں طبع ہوگی۔	[illegible]
۳۳	منشی محمد رضا خان صاحب تحصیلدار سورج پورہ	[illegible]
۳۴	مولانا مولوی محی الدین خان صاحب قاضی ریاست بھوپال ممبر مدرسہ عالیہ دیوبند	[illegible]
۳۵	مولانا مولوی حکیم محمد مسعود احمد صاحب گنگوہی	[illegible]
۳۶	منشی باقر علی صاحب نگینوی	[illegible]
۳۷	منشی نوازش علی صاحب ساکن پور قاضی	۸ر
۳۸	منشی محمد اکرم صاحب دیوبندی	[illegible]
۳۹	عبدالشکور خان صاحب ساکن بگھراسی	[illegible]
۴۰	مولوی علی احمد صاحب نگینوی منجانب والدین خود	۳ر
۴۱	عبدالرحمن لوہاری	۲ر

نمبر	نام	رقم
۴۲	حاجی عبداللہ صاحب رئیس خورجہ	ما/
۴۳	منشی مصطفیٰ خانصاحب مظفر نگری	عـــہ
۴۴	محمد خلیل صاحب دیوبندی	عصہ/
۴۵	جناب حافظ حمشید علیخانصاحب صاحبزادہ عالیجناب نواب خورشید علیخانصاحب رئیس باغپت ضلع میرٹھ	ماہ/
۴۶	عالیجناب چودھری محمد لیاقت حسین خانصاحب رئیس مینڈھو ضلع علیگڈھ	ما/
۴۷	جناب محمد کلامیان صاحب گھاٹ سارنگ لوا کھالوی از کلکتہ	عـــہ
۴۸	حکیم حسن رضا صاحب ساکن سہوارہ	صہ/
۴۹	منشی عابد حسین صاحب	عـہ
	منجانب زوجہ منشی عابد حسین صاحب از الہ آباد	عصہ/
۵۰	ازجانب ہمشیرہ صاحبہ منشی عابد حسین صاحب ساکن الہ آباد محلہ یحییٰ پورہ محلہ بانس منڈی	عـــہ
۵۱	ازجانب واجد علی صاحب و ازجانب زوجہ واجد علی صاحب	عصہ/
۵۲	زوجہ صدیق معمار از الہ آباد	۸/
۵۳	منشی حسن احمد صاحب عرف اللہ رکھا دیوبندی	عـــہ
۵۴	مولوی عبدالحکیم صاحب اسلام آبادی مدرس	عما/
۵۵	ازجانب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ سید محمد احسن شاہ صاحب وازجانب اہلخانہ خود	عما/
۵۶	شیخ امام بخش صاحب آبدار سکوٹ توپخانہ چھاؤنی ملتان	عما/
۵۸	ازجانب عبدالخان صاحب راجپوت مورنڈہ ضلع انبالہ	عصہ/
۵۹	مسماۃ رحیمن زوجہ شادی خانصاحب ساکن ״	عصہ/
۶۰	شیخ محمد اسمعیل صاحب ״ ״	عصہ/
۶۱	حبیب الرحمن صاحب شیخ ״ ״	عصہ/
۶۲	حافظ وزیر الدین صاحب ״ ״	عصہ/
۶۳	دسوندہی تیلی ״ ״	۲/

نمبر	نام	رقم
۶۴	منشی عبداللہ خانصاحب ناظر عدالت دیوانی سرونج	[illegible]
	ازجانب والدہ صاحبہ مرحومہ ازجانب والد صاحب ازجانب برادر	[illegible]
	ازجانب استاد محمد خانصاحب ازجانب خود	[illegible]
۶۵	حاجی شیخ احمد صاحب اینڈ کنسٹر کالو باغبان احمد نگر	[illegible]
۶۶	حکیم محمد قاسم صاحب از بہار ضلع پٹنہ	عصہ
۶۷	مولوی محمد شاکر صاحب از بہار ضلع پٹنہ	۴/
۶۸	مولوی محمد اسحٰق صاحب ״	ا/
۶۹	محمد یعقوب و محمد یسین صاحبان اٹھیاں چرم صدر بازار دہلی	عـــہ
۷۰	عبدالستار صاحب ساکن بنجہری ضلع اعظمگڈھ	عـــہ
۷۱	منشی محمد اسمعیل خانصاحب گنگوہی ضلعدار نہر	عـــہ
۷۲	چودھری سوندہی صاحب پٹواری	روپیہ
۷۳	منشی مولا بخش صاحب پٹواری	۲/
۷۴	مولوی عبدالرحیم صاحب ضلعدار نہر	۲/
۷۵	نامعلوم الاسم محلہ جبیت پور بھاگلپور	۸/
۷۶	منشی محمد حسین صاحب ״ جبیت پور	عصہ/
۷۷	منشی الٰہی بخش صاحب پیشکار ״	عصہ/
۷۸	منشی عبدالمجید صاحب جونپوری	[illegible]
۷۹	منجانب حضرت سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ منیجر عالم پسند کمیٹی قنوج ضلع فرخ آباد	صہ/
۸۰	منجانب حضرت سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ حاجی جعفر بیگ و یسین بیگ صاحبان تاجران	״
۸۱	منجانب حضرت سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ مولوی عبداللہ صاحب ساکن نہٹور ضلع بجنور	عما/
۸۲	منشی محمد امین الدین صاحب سجادہ نشین قدم رسول کرانہ	عما/
۸۳	منشی عبدالواحد صاحب ساکن شاہجہانپور ضلع مظفر نگر	صہ/
۸۴	منشی محمد ولی خانصاحب	عما/
۸۵	منجانب قاضی محمد اسمعیل صاحب مرحوم ساکن گنگوہ ضلع سہارنپور	عصہ/

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

محصول

علمی - مذہبی - اخلاقی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱۰ | بابت ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۰ھ | جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمٰن عفی عنہ

نے

مدرسہ عالیہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شایع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولی سنہ ۱۳۳۰ھ

مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء

جو مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الحدیث

جلسہ بنیاد دار الحدیث منعقدہ ۹ راپریل ۱۹۱۲ء مطابق ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کا مفصل تذکرہ گذشتہ نمبر میں ہوچکا ہے جس سے جوش و اخلاص کا جو حضار جلسہ سے ظہور پذیر ہوا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ خدا تعالی کا ہزار در ہزار شکر ہے کہ یہ تعمیر جیسا کہ فی الحقیقت مبارک ہے اور ہندوستان بھر میں پہلی تعمیر ہے، ایسے ہی مسلمان بھی سچے دل سے اُسکی طرف گرویدہ و مائل ہیں۔ طلبہ مدرسہ کا از خود درخواست کرکے ایسی طویل و عریض بنیاد کو نہایت ذوق و شوق سے کھودنا اور دن رات اس مبارک مشغلہ میں مشغول رہنا ایسا موثر سمان تھا جس سے ہر ایک مسلمان پر جسکے دل میں ذرا بھی احساس اسلامی جذبات کا ہو۔ گہرا اثر پڑتا تھا۔ جلسہ میں تسابق الی الخیر کی وہ شان جو آنکھوں کے سامنے گذر چکی ایسی نہیں ہے جسکو جلدی بھلا دیا جائے۔

یہ بات بھی نہایت مسرۃ انگیز ہے کہ یہ جوش برابر ترقی پذیر ہے۔ دار الحدیث کی امداد کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ جس جس پاک طینت اور نیک نفس مسلمان کے کان تک اسکی خبر پہونچتی جاتی ہے بصد شوق اُسکی امداد کی طرف مائل و گرویدہ ہوتے جاتے ہیں۔

دہلی قدیم سے اہل اسلام کا مرجع اور مسلمانوں کی عظمت و جلال کا مظہر ہے اور دست برد حوادث کے بعد اب بھی اُسمیں وہ مقناطیسی اثر باقی ہے کہ گورنمنٹ عالیہ نے بھی اُسکی گذشتہ عظمت

کو از سر نو زندہ کرنے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔

لیکن باوجودیکہ وہاں کے اکثر افراد میں اسلام کا خاص اثر باقی ہے۔ دار الحدیث کی امداد کا سلسلہ قائم نہوا تھا۔ جلسۂ بنیاد دار الحدیث میں شیخ احمد جان صاحب کی شرکت اور (۱۱۰عہ) ایکسو دس روپیہ کے عطاء سے اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی تھی۔

اور اب عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین خان صاحب نے اس تحریک کو مضبوطی سے قایم فرما دیا۔ جناب موصوف کو مدرسہ عالیہ اور اسکے کارناموں سے گہری دلچسپی ہے آپ نے دار الحدیث کی امداد کیلئے پچھتر روپیہ (۷۵عہ) بذریعہ منی آڈر عطا فرمائے۔

جناب موصوف کی اس گرانقدر امداد کے کچھ ہی بعد عالیجناب حاجی اللہ بخش صاحب و محمد جان صاحب رئیس دہلی تاجر کلکتہ نے مبلغ ایکہزار روپیہ عطا فرمائے۔ اور جناب حاجی محمد اسمعیل صاحب نے مبلغ پانصد روپیہ کا وعدہ فرمایا جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔

ان عطیوں سے امید بند گئی ہے کہ دہلی کے اہل خیر میں اب یہ تحریک وسعت پذیر ہو جائیگی۔ اور وہاں سے شایان شان دار الحدیث کیلئے چندہ وصول ہوگا۔

گذشتہ نمبر القاسم کے مطالعہ سے واضح ہوچکا ہے کہ سید عاشق حسین صاحب انجنیر نے نقشہ دار الحدیث دکھلانے کے ساتھ تخمینہ تعمیر ساٹھ ہزار بیان فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو اسکی تکمیل کی طرف پوری جد وجہد سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

امتحان سالانہ میں انعام خاص

القاسم کے ذریعہ سے یہ بات ظاہر کیجا چکی ہے کہ سالانہ امتحان پر انعام خاص کے اعلان سے طلبہ میں خاص قسم کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر ترقی استعداد کیلئے بہت زیادہ مفید ہے۔ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ اس سلسلہ کے محرک جناب مولوی شفیع احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر ہوئے۔ آپ نے ۱۳۲۸ھ کے امتحان سالانہ پر علم تفسیر و علم حدیث کے اول نمبر والے طالب علموں کیلئے دو گھڑیاں فی گھڑی صعہ قیمتی دینے کا اعلان فرمایا۔ اور دوسرے سال علم فلسفہ کے اول نمبر طالب علم کیلئے ایک گھڑی عطا فرمائی۔ اور اسی طرح مولوی عبد الرزاق صاحب ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر نے بھی

ایک گھڑی عطا فرمائی تھی۔

ناظرین القاسم کو یہ بھی معلوم ہے کہ ۱۳۲۹ھ کے جلسہ تقسیم انعام کیوقت مولوی سید عاشق حسین صاحب اسٹیٹ انجنیر بہاولپور تشریف فرما تھے۔ آپنے اس نہایت مفید تجویز کا حال سُنکر ۱۳۳۰ھ کے امتحان سالانہ پر علم ادب میں اوّل نمبر طالب علم کیلئے ایک گھڑی عطا فرمانے کا اعلان فرمایا۔

ہم نہایت مسرۃ کے ساتھ اسکا اظہار کرتے ہیں کہ یہ نہایت مفید تحریک وسعت پذیر ہوتی جاتی ہے۔ جو حضرات اسکی غایت وغرض سے مطلع ہو جاتے ہیں وہ اس طرف متوجہ ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ علاوہ سید عاشق حسین صاحب کے ۱۳۳۰ھ کے سالانہ امتحان پر انعامات ذیل کا اعلان ہوا ہے

(۱) جناب منشی محمد علیخان صاحب وکیل ججی فتحگڈھ ضلع فرخ آباد۔ علم حدیث میں اوّل نمبر رہنے والے طالب علم کیلئے صہ

(۲) جناب ڈاکٹر کریم اللہ صاحب رئیس پٹیالہ۔ " " " صہ

(۳) جناب حافظ عبد الرزاق صاحب سپرنٹنڈنٹ مدرسہ ڈہاکہ۔ علم تفسیر وحدیث کے طالبعلم کیلئے نقرئی۔ تمغہ

امتحان سالانہ شروع شعبان پر ہوتا ہے ہمیں اُمید ہے کہ اس عرصہ میں اور بھی اس قسم کے اعلان قدردانان علم واہل علم کی طرف سے ہونگے۔

علّامہ سیّد رشید رضا

علامۂ موصوف کے ہندوستان تشریف لانیکا مسلمانان ہند پر خاص اثر تھا۔ اور آپ کے اس سفر کو نہایت وقعت واہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ اگرچہ ندوہ کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ لیکن آپنے دوسری مشہور درسگاہوں کو بھی اپنی تشریف ارزانی سے محروم نہ رکھا۔ دارالعلوم دیوبند کی اسلامی ومذہبی کشش خود بھی سید صاحب کو متوجہ کرنیکے لئے کافی تھی۔ لیکن ہم ممنونی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں کہ عالیجناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب نے بھی آپ کو دارالعلوم کے ملاحظہ کیلئے شاندار الفاظ میں متوجہ فرمایا اور جناب مولوی سید عبد الحق صاحب بغدادی اسسٹنٹ پروفیسر عربی علیگڈہ کالج نے جو بمبئی سے سید صاحب کے ہمراہ تھے۔ دارالعلوم کی طرف متوجہ کرنے اور اُسکی اصلی حالت کے بیان فرمانے میں پوری توجہ فرمائی۔

سیّد صاحب موصوف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ اور حمایت اسلام لاہور وغیرہ کا ملاحظہ فرماتے

ہوئے ندوہ تشریف لیگئے وہاں سے فراغت کے بعد علیگڈھ تشریف لائے۔ درمیان میں بعض خطوط سے یہ معلوم ہوکر مایوسی ہوگئی تھی کہ سید صاحب لکھنؤ سے بالا بالا تشریف لیجائینگے اور دیوبند تشریف نہ لائینگے۔ لیکن ۱۴ اپریل کو دفعۃً نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین خان صاحب سکرٹری علیگڈھ کالج کے تار نے اس مایوسی کو شادمانی و مسرۃ سے بدل دیا۔ جناب نواب صاحب بہادر نے اطلاع دی کہ ۱۵ اپریل کی صبح کو ۷ بجے سید صاحب رونق افروز دیوبند ہونگے۔ سید صاحب وقت مقرر پر تشریف لائے۔ آپ کی معیت میں مولوی سید عبدالحق صاحب بغدادی۔ مولوی رشید احمد صاحب انصاری بھی تھے۔

دیوبند میں سید صاحب کے استقبال و مہمانداری میں آپکے احترام کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ اُسی سادگی کا استعمال کیا گیا۔ جو اسلامی طرز کے مناسب اور بزرگان دیوبند کا خاصہ ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ دار العلوم کی اسلامی شان اور اُسکی تعلیمی امتیازات اور مذہبی استحکامات و جذبات نے سید صاحب کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ اور جیسا کہ ایک عالم مبصر اور مصلح کی ذات سے توقع ہوسکتی تھی آپ نے دار العلوم کو تعمق اور تحقیق کی نظر سے دیکھکر اپنے قلبی خیالات کو بے تکلف ظاہر فرما دیا اور آپ نے چند مختصر لفظوں میں [لولم ارہا لرجعت من الھند حزیناً۔ (ترجمہ) اگر میں دار العلوم دیوبند کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین واپس جاتا] سب کچھ فرما دیا۔ سید موصوف کی خدمت میں ایک عربی اڈریس بھی پیش کیا گیا تھا۔ جسمیں دار العلوم کی بنا۔ اغراض و مقاصد۔ آیندہ کے متعلق خیالات کو بوضاحت تام ظاہر کر دیا گیا تھا۔ مولنا مولوی سید انور شاہ صاحب نے ایک گھنٹہ سے زیادہ عربی میں برجستہ اور نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی تھی جسمیں آپ نے اختلاف مذاہب اور اُنکی طریقۂ تطبیق و جمع اور مذہب حنفی کی تقویت و ترجیح کو نہایت عجیب و غریب اور نرالے طرز میں بیان فرمایا تھا۔ دوران تقریر میں مولوی صاحب موصوف نے اپنی ایک عربی نظم بھی سنائی تھی۔ یہ وہ باتیں تھیں جن سے سید صاحب کے اوپر مدرسہ کی علمی شان و امتیاز ایسی واضح و ظاہر ہوگئی جسکے لئے کسی دلیل کی حاجت باقی نرہی۔ اور خاتمۃ المطاف پر آپ نے وہ بات دیکھی تھی۔ جسکے دیکھنے کا آپ کے دل میں کچھ بھی خیال باقی نرہا تھا۔ اور آپ اس قسم کے علمی شان دیکھنے سے خالی الذہن تھے۔ سید صاحب نے اپنی تقریر میں

مدرسہ کی حالت پر اطمینان و مسرت ظاہر فرماتے ہوئے بہت سی مفید و نافع باتیں بھی فرمائیں اور طریقہ تعلیم وغیرہ میں بعض امور بھی ارشاد فرمائے جو منتظمان دارالعلوم کے خیال کے مطابق اور اُنکی تجاویز میں داخل تھی۔ سید صاحب موصوف ۱۲ گھنٹہ قیام کے بعد شام کو دیوبند سے سیدھے بمبئی واپس تشریف لیگئے۔ بمبئی پہونچکر آپ نے مہتمم صاحب کی خدمت میں ایک خط ارسال فرمایا جو محبت سے لبریز اور آپکے قلبی میلان کا مظہر تھا۔

ہم القاسم کے آیندہ نمبروں میں انشاء اللہ تعالیٰ مدرسہ کا عربی اڈریس اور مولانا مولوی سید انور شاہ صاحب کی نظم وغیرہ اور سید صاحب کی تقریر شائع کرینگے۔

فریاد مہجوراں

قطعات تاریخ وفات حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ

متعدد نظمیں ہمکو موصول ہوئی ہیں اُن میں سے چند درج ذیل کیجاتی ہیں۔ یہ قطعہ تاریخ حضرت مولانا محمود حسن صاحب عم فیضہم کی تصنیف ہے آپنے بعض خدام کی درخواست پر بروز جلسہ دارالحدیث صبح کو لکھدیا تھا اور بندہ مدیر نے پڑھکر جلسہ میں سنایا تھا:۔

گم ہوئی ہے آج صد حسرت ہماری ہاتھ سے
سید العلما امام اہل عقل و اہل نقل
معدن علم و حکم سر دفتر اہل کمال
جب شبیہ قاسمی سے بھی ہوے محروم ہم
درد یہ پہونچا ہے سب کو اسکا منکر کون ہے
لوگ کہتے ہیں چلے علامۂ احمد حسن
کاملِ و اکمل سبھی موجود ہیں پر اُسکو کیا
اپنی اپنی جائے پر قایم ہیں سب اہل کمال
ہاں جنون اتحاد قاسمی میں بارہا
مجمع حسرت قرین درد و غم میں ہی بھی تھا

حضرت قاسم نشانی دیکھتے تھے اپنی جو
پاک صورت پاک سیرت صاحب خلق نکو
عازم خلد بریں ہے جسکو چلنا ہی چلو
تم ہی بتلا دو کہ پھر ہم کیا کریں ای دوستو
ہاں مگر اک فرق ہی تھوڑا سا گر میری سنو
اور میں کہتا ہوں وفات قاسمی ہی ہو نہو
جو کہ مشتاق ادائے قاسم خیرات ہو
ہر جگہ اُستاد کی خالی پڑی ہی دیکھ لو
تمکو ہم کہتے تھے من او اور آپ کو کہتے تھے تو
فکر میں تاریخ کے سب نے کیا جب سر فرو

یاد دلِ پُر یاس آئی کان میں میرے صدا
حکب ہوئی تصویر قاسم صفحۂ دنیا سے لو
۱۳ ۳۰ ھ

قطعہ تاریخ از تصنیف لطیف جناب مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری

هُوَ الْبَاقِي وَفَانٍ مَا عَدَاه
هو الموجود معدوم سواه

صد دریغا حسرتا دردا کہ کوہ غم فتاد — بر دل اسلامیاں ناگہ درایں دور فتن
از سر عالم برفتہ سایۂ آں عالمے — کز فضائل بود او محسود اقران در زمن
متصف باجملہ اوصاف حری اہل دیں — علم و فضل و زہد و تقوی خلق و عادات حسن
سید عالی نسب والا ہمم اہل کرم — خلقت و خلقش مماثل با حسین و ہم حسن
زبدۂ اصحاب فیض قاسم اسرار دیں — آنکہ بودہ آیتے ز آیات رب ذو المنن
جامع شرع و طریقت و کاشف اسرار حق — در علوم عقلی و نقلی امام اہل فن
بر سر دنیائے دوں خاک مذلت بیختہ — با خلوص دل بحق مشغول در سر و علن
با علائقہائے دنیا بے تعلق ماندہ او — بود گویا ذات آزادش مسافر در وطن
از ربیع الاول آخر روز رفت آخر بشش — بود کو بر بست ناگہ رخت از ایں دار محن
شد جگرہائے جہانے پاش پاش از صد تپش — اشکہا در چشمہا بنمود دریا موجزن
سن ترحیلش دریں حالت دل بیتاب جست — تا بماند یادگار سال نقل آں فخر زمن

گفت ہاتف بالیقیں از روی بخشائش بخواں
جنت علیا قرار مولوی احمد حسن
۱۳ ۲۸
۱۳ ھ ۳۰

ذیل کی عربی نظم بندہ نے ایک پرانی عربی نظم میں قدرے تصرف کر کے مولانا کی تعزیت ادا کی تھی اور جلسہ دار الحدیث میں سنائی تھی :-

ثَمَلَ الْهُدٰى وَالدِّيْنِ عَمَّ شَتَاتُهُ — وَالدَّهْرُ سَاءَ وَأَقْلَعَتْ حَسَنَاتُهُ

بِاللهِ اَيْنَ الْعَالِمُ الْحِبْرُ الَّذِي — تَقْوَى الْاِلٰهِ صِفَاتُهُ وَسِمَاتُهُ

اَيْنَ الَّذِي اَفْنَى الشَّبِيْبَةَ كَافِلًا — نَشْرَ الْعُلُوْمِ مَسَائُهُ وَغَدَاتُهُ

اَيْنَ الَّذِي مُذْ لَمْ يَزَلْ مُتَوَاضِعًا — لِلّٰهِ خَالِصَةً صَفَتْ نِيَّاتُهُ

مَسْعُوْدَةٌ غَدَوَاتُهُ مَحْمُوْدَةٌ — رَوْحَاتُهُ مَيْمُوْنَةٌ ضَحَوَاتُهُ

عَلَمٌ عَنِ الْاِسْلَامِ كَانَ مُحَامِيًا — اَبَدًا اِذَا مَا اَسْلَمَتْهُ حُمَاتُهُ

جَبَلٌ تَضَعْضَعَ مِنْ تَضَعْضُعِ رُكْنِهٖ — اَرْكَانُنَا وَتَهُدُّنَا هَدَّاتُهُ

يَا وَحْشَةَ الْاِسْلَامِ يَوْمَ تَمَكَّنَتْ — فِيْ كُلِّ قَلْبِ مُؤْمِنٍ رَوْعَاتُهُ

لَا تَحْسَبُوْهُ مَاتَ شَخْصٌ وَاحِدٌ — فَمَمَاتُ كُلِّ الْعٰلَمِيْنَ مَمَاتُهُ

مَاكَانَ اَسْرَعَ وَقْتُهُ لَمَّا انْقَضٰى — فَكَاَنَّمَا سَنَوَاتُهُ سَاعَاتُهُ

كَانُوْا جُلُوْسًا اَمْسِ حَوْلَ وِسَادِهٖ
وَالْيَوْمَ هُمْ حَوْلَ السَّرِيْرِ مُشَاتُهُ

ناظرین القاسم کی سہولت کو مدّنظر رکھکر مولوی سراج احمد صاحب نے اس نظم کا ترجمہ اردو نظم میں بیساختہ لکھدیا جو درج ذیل ہے :-

انتقال ہادیٔ اسلام سے — انتظام دین پراگندہ ہوا
ہے کہاں وہ عالم یکتائے دہر — جسکا تقویٰ تھا لباس بیریا
رات دن تعلیم علم دین میں — کردیا اپنی جوانی کو فنا
صبح تھی مسعود اور محمود شام — چاشت تھی میموں اُسکی واہ وا
ایسے وقتوں میں تھا وہ اک دوستو — حامی دین محمد مصطفےٰ
ہلگئی بنیاد اور سارے ستون — زلزلہ اُس کوہ میں جب آگیا
جب دلوں میں مومنوں کے جاگزیں — درد غم فرقت کا اُسکے ہوگیا
موت عالم کی ہے گویا آگئی — یہ نہ سمجھو تم کہ وہ تنہا مرا
ہائے کیسی جلد گذری زندگی — ہائے اب پچھتا کے یوں کہنا پڑا

نیکیوں کی جڑ ہی گویا کھد گئی — دہر بے رونق نظر آنے لگا
ہے کہاں وہ عاشق شیدائے علم — کافل نشر علوم مصطفےٰ
ہے کہاں وہ صفائے نیت پاک دل — تھی صفت جسکی تواضع دائما
جب نہ لے کوئی خبر اسلام کی — جب نہو کوئی حمایت کو کھڑا
تھا علوم دین کا کوہ رفیع — فائق الاقران و عالی مرتبہ
اُسکے گرنے سے قیامت آگئی — قصر جمعیت ہے سارا گر گیا
کیا کہوں اُس روز کی وحشت کا حال — کشور دیں میں تہلکا مچگیا
لیگئے تشریف جب دنیا سے وہ — سوئے فردوس بریں پر فضا
ہائے گذرے سال گھڑیوں کی طرح — ہائے پل کی پل میں کیا ہوگیا

کل جو پروانے تھے اُنکی بزم کے — آج گرد نعش ہے اُنکا پرا

قطعہ تاریخ از تصنیف مولنا مولوی سراج احمد صاحب

بخیہ گر چاکِ گریباں کو نہ سی کیا فائدہ
دستِ وحشت پھر اوڑا دیویگا اُسکی دھجیاں

چارۂ دردِ فراقِ یار جز گریہ نہیں
چارہ سازی رہنے دے ای چارہ سازِ مہرباں

آبروے عشق رکھ لینا خدا کیواسطے
ہو نہ گریہ میں کمی اللہ چشمِ خوں فشاں

اپنے آپے میں نہیں ہوں آج میں معذور ہوں
رونے سے مت روک مجھکو ناصحِ نامہرباں

میں بھلا کیونکر نہ رُوؤں ناصحا تو بھی تو دیکھ
ہیں حبیب و احمد و محمود سب گریہ کناں

ہائے چھائی ہے اُداسی کیا در و دیوار پر
ہوش میں آ دیکھ عالم ہو گیا ہو کا مکاں

کچھ خبر بھی ہے تجھے روتے ہیں ہم سب آج کیوں
رنج و غم کا آج ہم پر گر پڑا کوہِ گراں

حضرت قاسم کی کھو بیٹھے نشانی آج ہم
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور ملتا نہیں اُنکا نشاں

چشمِ مشتاقِ جمالِ قاسمی حیران ہے
ہو گئی تصویرِ قاسم آج نظروں سے نہاں

مولوی احمد حسن صاحب نے پائی ہے وفات
آج امروہہ سے آئی ہے خبر یہ ناگہاں

صدمۂ ہجرِ شبیہِ قاسمِ علم و ہدا
ہے مصیبت سے مصیبت یا الٰہی الاماں

ماہتابِ مستنیرِ آفتابِ قاسمی
آج نظروں سے ہماری ہو گیا ہے نہاں

تھا بیاں میں آپکی طرز و ادای قاسمی
یاد آتا ہے ہمیں رہ رہ کے وہ طرزِ بیاں

دنگ ہوجاتے تھے اُن کی بزم میں اہلِ کمال
تھی روانی آپکی تقریر کی بحرِ رواں

عالمِ تصویر ہوتی تھی دمِ تقریر بزم
ہے کہاں اب آپ سا جادو بیاں شیریں زباں

جوہرِ فرد آپ حسنِ ظاہر و باطن کے تھے
آپکو اللہ نے کی تھیں عطا سب خوبیاں

تیغِ حق سے کاٹ دیتے تھے دلائل خصم کے
آپ کھلاتے تھے جسدم جوہرِ تیغِ زباں

صبر کر اے عاشقِ نازِ و ادائے قاسمی
مصرعِ تاریخ پڑھ اب اے سراج نوحہ خواں

آگیا تاریخِ رحلت کا جو کچھ دل کو خیال
ختم کی ناچار میں نے تعزیت کی داستاں

یوں سروشِ غیب نے مجھسے کہا از روے لطف
اُدْخُلِ الْخُلْد آپکا ہے سنِ رحلت بیگماں

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

الٰہی عاقبت محمود گرداں

"مضمون ذیل عزیز مولوی شبیر احمد سلمہ نے اجلاس مؤتمر الانصار میرٹھ میں پڑھا تھا چونکہ یہ ایک مفید اور کارآمد مضمون ہے اور بعض بہی خواہان قوم کا تقاضا بھی ہے اسلئے القاسم میں اُسکا درج کرنا قرین مصلحت معلوم ہوا" (مدیر)

صاحبو۔ آج یہ موتمر الانصار کا دوسرا سالانہ جلسہ ہے جسمیں ہندوستان کے مختلف طبقات کے مسلمانوں نے ایک کثیر تعداد میں محض اسلامی دردمندی اور دینی اخوۃ و دلسوزی کی راہ سے زحمت سفر اور صرف اوقات وغیرہ کی پرواہ نہ کرکے شرکت حاصل فرمائی ہے۔ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ آپ حضرات کا یہ قومی اجتماع کسی معتد بہ شخصی منفعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ آپ تو اپنے کاروبار کا حرج کرکے اور بہت سے ذاتی فوائد کو نظرانداز کرکے یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ نہ آپ کی غرض یہاں جمع ہونے سے کوئی سیر و تماشا ہے۔ ورنہ نوچندی کے ایام جو ابھی عنقریب ختم ہوئے ہیں۔ اسکے لئے زیادہ موزوں اور مناسب تھے۔ اور نہ ہے کوئی شاہی عمارت کے دیکھنے کا اشتیاق یا اپنے اسلاف کے قدیم و ممتاز یادگاروں کی کشش آپ کو یہاں کھینچکر لائی ہے۔ کیونکہ اس قسم کی قوۃ جاذبہ میرٹھ کی سرزمین میں۔ آگرہ۔ دہلی۔ لکھنؤ سے زیادہ موجود نہیں۔ جنکو چھوڑ چھوڑ کر آپ نے اس اجلاس کو رونق اور ہم ناچیزوں کو عزت بخشی ہے۔ پھر آخر وہ کیا مقصد ہے جسکے لئے آپ نے سفر کی گوناگوں مشقتوں کا تحمل فرمایا۔ زیرباری گوارا کی۔ روپیہ اور روپیہ سے زیادہ قیمتی وقت صرف کیا۔ نیند کھوئی آرام کھویا۔ اور ایک پرزۂ کاغذ پہنچنے پر وطن عزیز کو چھوڑ کر ایک اجنبی شہر میں آپڑے۔ میرے نزدیک اس سوال کا معقول جواب اسکے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ آپ صرف ایک مقصد یعنی اپنے مذہبی ہستی کا عملی ثبوت پیش کرنیکے واسطے تشریف لائے ہیں۔ بیشک آپ کے اس طرز عمل نے بخوبی ثابت کردیا کہ مسلمانوں کے تن بیمار میں ابھی تک جان باقی ہے۔ اُنکے دلوں میں مذہب کا جذبہ موجود ہے۔ اُنکی رگوں میں عربی خون حرکت کر رہا ہے۔ وہ گو خود مٹ گئے ہوں مگر اسلام کی

عظمت واحترام کو انہوں نے اپنے دلوں سے نہیں ہٹایا ہے اور انکو اگرچہ بالکل مردہ فرض کرلیا جائے لیکن اسپر بھی جب وہ کبھی منادی اسلام کی آواز سن لیتے ہیں تو اسکو روح القدس کی آواز سمجھکر فوراً اٹھ بیٹھتے یا کم از کم کلبلانے ضرور لگتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ یہاں آنیسے آپ کو فی الحال کوئی زرعی یا تجارتی فائدہ نہیں پہنچا لیکن یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ آپنے فی الحقیقت ایک ایسی سودمند تجارت میں حصہ لگا لیا ہے۔ جسکو قرآن پاک تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم کے الفاظ سے ادا کرتا ہے۔ آپ نے بیشک یہاں کسی پرانی یادگار یا دلچسپ عمارت کی سیر نہ کی ہوگی مگر بالیقین ایسے پاکباز بزرگوں کی زیارت کرلی ہوگی جنکو دیکھکر اسلام کے فراموش کئے ہوئے کمالات اور قرون اولی کے مقدس مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جائے۔ بلا شبہ آپ اور ہم یہاں کسی شادی یا غمی کی تقریب میں شرکت کرنے کیلئے مجتمع نہیں ہوئے۔ لیکن ہاں اپنی قوم کی تنزل و تیرہ بختی پر مرثیہ پڑھنے اور پچھلے بزرگوں کے تذکرے یا ان جدید کوششوں کو سنکر مسرور ہونے کیلئے حاضر ہوئے ہیں جنکے ساتھ فی زماننا ہماری حقیقی زندگی اور فلاح متعلق ہے۔

ہمارا اور آپ کا نصب العین اسوقت صرف یہ ہے کہ ہم مسلمانان ہندوستان کے مختلف گروہوں کے جو مختلف فرائض اس پرآشوب زمانہ میں ہونے چاہئیں ان میں سے بعض کو بیان کردیں اور یہ بھی جتلادیں کہ ان فرائض میں کامیاب ہونے کیلئے دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ الانصار کا وجود کس حد تک ضروری ہے۔ اور یہ کہ ان قومی انجمنوں کے برخلاف (جنمیں بہت سے بلند پایہ خیالات اور امیدیں پیدا ہوکر وہیں دفن کردیجاتی ہیں اور جنکو قومی انجمن کے بجائے قومی امنگوں کا گورستان کہنا زیادہ مناسب ہے۔) دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ الانصار نے اپنے طویل یا قصیر زندگی میں اپنے فرائض کے اندر کسقدر سرمایہ سے کسقدر کامیابی حاصل کرلی ہے۔

جلسہ کے ان ہی مقاصد کے انجام دینے کے لئے علماء وعظ فرمائینگے۔ تقریریں ہونگی تحریریں سنائی جائینگی۔ اور جو تجاویز مذہبی ترقیات کے بارہ میں اہل الرائے کے مشورہ سے طے ہوچکی ہیں انکا اعلان کیا جائیگا۔

مجھکو اپنے حال پر افسوس ہوتا ہے جب یہ دیکھتا ہوں کہ درصورتیکہ اس مجمع کے اندر کوئی واعظ

کہنے میں کوئی سُننے میں کوئی رائے ومشورہ میں کوئی انتظام میں اور کوئی اور کسی مفید کام میں مصروف ہے میں چند اوراق سیاہ لیکر اہل مجلس کے دلوں کو کچھ دیر کے لئے منغص بناؤں اور ایک ایسے خشک پیچیدہ اور بے آب ونمک مضمون کے سُننے پر سامعین کو مجبور کروں جسمیں نہ کچھ لذت اور مزہ حاصل ہو اور نہ وہ عام طور پر آسانی کے ساتھ سمجھ میں آنیکے قابل ہو۔ لیکن ای حضرات معاف کیجئے کہ میں اپنے خود مختاری سے ہرگز اس جُرم کا (اگر یہ واقعی جرم ہے) مرتکب نہیں ہوا ہوں۔ ہمارے محترم بزرگ مولانا عبید اللہ ناظم جمعیتہ الانصار جنہوں نے کسی نامعلوم مصلحت اور حسن ظن کے بنا پر یہ عنوان میرے سپرد کیا ہے اسکے گواہ ہیں کہ میں نے اس مضمون کے لکھنے سے کس وقت اور کس حد تک پہلوتہی کی ہی اور کس کس حیلہ سے جان بچانا چاہی۔ لیکن آخر کار مولائے موصوف کے حکمی تقاضے میرے تکاسل اور تقاعد پر غالب آئے اور جلسہ سے تین روز پہلے بنام خدا یہ تحریر لکھنا شروع کر دی۔

میری ان معروضات کا یقین کرنے کے بعد آپ خود انصاف کر سکتے ہیں کہ مجھ جیسا کاہل اور بے بضاعت آدمی اتنے تھوڑے عرصہ میں کسی طرح سب اگلے پچھلوں کے اقوال کا استقصاء کر کے ایسے دقیق مضمون کو کامل ومکمل نہیں بنا سکتا تھا اسلئے جن مواقع میں مجھ سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہو یا کسی سمجھدار آدمی کے واسطے نکتہ چینی کا موقعہ باقی رہگیا ہو یا عجلت اور پریشانی تقریر کی وجہ سے دلائل کی تقریب ناتمام ہو تو آپ مسامحت یا اصلاح سے کام لیکر مجھکو معذور سمجھیں اور اگر کوئی جملہ آپ کے نزدیک صحیح لکھا گیا ہو تو اُس خدائے بے نیاز کا شکر ادا کریں کہ اُس نے ایک نیک کام میں اپنے بندۂ ضعیف کی مدد فرمائی۔ اِس سے زیادہ نہ ہمکو آپ سے کسی صلہ کی خواہش ہی اور نہ اجر کی اُمید۔ ان اجری الا علی اللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔ شعر

شاہا من ار بعرش رسانم سر بفضل مملوک این جنابم ومسکین این درم

اس تمام سامعہ خراشی کے بعد جو ہمنے اب تک کی ہے مناسب ہے کہ ہم اپنے مقصد اصلی کا آغاز کر دیں لیکن چونکہ ہر بحث کے شروع کرنے سے پہلے جبتک موضوع بحث کی تعیین اور دائرہ بحث کی تحدید نہ ہو جائے اُس بحث کا سمجھنا علیٰ وجہ البصیرۃ ناممکن ہی۔ اسلئے میں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میرا موضوع بحث اسوقت کیا ہوگا اور میں اُس سے کسدرجہ تک سروکار رکھونگا۔

آپ سُن چکے ہیں کہ میرے مضمون کا عنوان **دار الآخرۃ** قرار دیا گیا ہے۔ دار الآخرۃ

اگرچہ اپنے ترکیبی لحاظ سے عربی زبان کا لفظ ہے مگر اُردو میں بھی اس کثرت سے اُس کا استعمال کیا جاتا ہے کہ مجھکو اُسکے معنی کے سمجھانے میں مزید توضیح کی ضرورت نہیں رہی مجھکو اُسکا صحیح مفہوم دلنشین کرانیکے واسطے اتنا کہدینا کافی ہو کہ عالم کے تغیر در تغیر اور فنا در فنا کے بعد جو مرقع اُسکی موجودہ حالت کو ختم کرکے دوبارہ قائم کیا جائیگا اور جسکے وجود کے لئے کوئی انتہا نہ ہوگی اور جس میں کھرا اور کھوٹا بالکل الگ الگ کرکے مطیع و عاصی کی پوری تفریق قائم کردیجائیگی اور جسکے ایک پہلو میں جنت مع اپنے بیشمار نعماء و آلاء کے اور دوسرے پہلو میں جہنم مع اپنے ہر قسم کے آلام و تکالیف کے موجود ہوگی اُسی کا نام ہمارے نزدیک دار آخرۃ ہے۔

دار آخرۃ کا اعتقاد مذہب اسلام کے اُن قطعی اور ناقابل انکار مسلمات میں سے ہے جنکے قبول کئے بغیر کوئی شخص دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہوسکتا اور یہ ہی وہ چیز ہے جسکو تمام اوامر و نواہی شرعیہ پر عمل پیرا ہونیکا سب سے آخری نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی کی تلاش میں بڑے بڑے سلاطین نے اپنے جاہ و جلال کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اور اسی کی طلب میں بادشاہوں نے گداؤں کے سامنے گردنیں خم کی ہیں۔ اسی کے اشتیاق میں ایک مذہبی سپاہی اپنے کو موت کے مونہہ میں ڈالدیتا ہے۔ اور اسی کے خوف سے ظالمانہ خونریزیاں دنیا سے معدوم ہوتی ہیں۔ یہ ہی وہ چیز ہے جسکے نشہ میں چور ہوکر ایک دنیا پرست قوم سارے جھگڑوں اور خرخشوں سے آزاد ہوجاتی ہے۔ اور اسی کی اُمید و بیم کی کشمکش انسان کو ہر قسم کی بداخلاقیوں اور ناپاک جرائم کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے۔ شاید یہ ہی دار آخرۃ کا خیال راسخ تھا جس نے ایک زمانہ میں عربوں کی کایا پلٹ کر سارے عالم میں اُنکی فتح و ظفر کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اور یہ ہی وہ جذبہ تھا جسکی بدولت اُنکے دلوں میں کمینہ خصائل کی جگہ ہمت بلند۔ نیت صحیح اور جوش صادق وغیرہ اوصاف نے لے لی "وہ کیا تھے اور اس خیال میں پختہ ہونے کے بعد کیا ہوگئے"۔ اسکی مختصر کیفیت ذیل کے نہایت صحیح واقعات سے آپ کو معلوم ہوسکتی ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے عرب میں چند مذہبی گروہ موجود تھے جنمیں یہود نصاریٰ۔ مشرکین مکہ اور مجوس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ سب کے سب اوہام کی تاریکیوں اور طرح طرح کی غلط فہمیوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ اِن کے عقائد میں توحید کامل کا نام و نشان نہ تھا۔

انکے عادات واطوار بالکل بگڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے معاملات کو کبھی جادۂ اعتدال پر لانے کی کوشش نہ کی تھی۔ اور ہرگز انکے قلوب میں خداوند کریم کی عظمت و کبریائی کا نقشہ اس طرح نہ جما تھا کہ وہ انکو ایسے افعال شنیعہ اور حرکات ناشایستہ سے روکدیتا جنکو وہ خود بھی فواحش اور ممنوعات میں شمار کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اسوجہ سے تھا کہ انکے دلوں میں خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا اندیشہ پوری قوت اور استحکام کے ساتھ موجود نہ تھا۔

وہ یہ نہ جانتے تھے کہ خدا کے یہاں ہرگز مشرک کی نجات نہیں ہوسکتی اور توحید کا دل سے ماننے والا ضرور فلاح ابدی کا مستحق ہوتا ہے۔ انکو یہ بھی یقین نہ تھا کہ سارے عالم کے انسانوں کو فنا ہوجانے کے بعد ایک روز اپنے خالق کے روبرو کھڑا ہونا ہے جہاں ان سے ذرہ ذرہ کا حساب وکتاب ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ان باتوں کو سمجھتا بھی تھا تو اسکے دل میں یہ خیالات ایسے مضبوطی کے ساتھ جاگزیں نہ تھے کہ انکا اثر اسکے جوارح اور اعمال میں جھلکنے لگتا غرض وہ۔ بلکہ وہ ہی خاص نہیں ساری دنیا۔ ایک عام غفلت اور ظلمت میں پڑی ہوئی تھی جو ناگہاں خدا کی رحمت سے مکہ کی پہاڑیوں میں ایک خورشید جہانتاب اپنے نورانی اور تیز تیز شعاعیں ڈالتا ہوا سارے دنیا کی اندھیریوں کو دور کرنے کے واسطے نمودار ہوا۔ جسکے نکلنے پر گو اول اول بہت سی خفاش سیرتوں اور شپرچشموں نے اپنی کورباطنی کی وجہ سے اس کے دیکھنے سے آنکھیں چرائیں اور الٹے آفتاب ہی ذات منور میں عیب نکالنے لگے۔ لیکن سہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

انجام کار ان کو بھی ثابت ہوگیا کہ یہ صرف ہماری نظر کا قصور تھا۔

اس آفتاب سے ہر ایک شخص نے سمجھ لیا ہوگا کہ میرا اشارہ اپنے آقائے نامدار حضور اقدس جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی طرف ہے۔ جنہوں نے دنیا میں تشریف لاکر سرزمین عرب سے ہر ایک قسم کی مخلوق پرستی اور ذمائم و منکرات کا استیصال فرمادیا۔ اور وہ ہی گنوار۔ تندخو۔ جاہل۔ وحشی اور خونریز عرب جنکا کچھ تذکرہ میں پہلے کرچکا ہوں آپ کی رہنمائی سے راستی اور صدق کو قبول کرکے تمام عالم کی ہدایت و صلاح کا پیش خیمہ بنے۔

آپ نے دنیا کے فانی اور آخرۃ کے لازوال ہونیکا نقشہ کچھ اس طرح ان کے دماغوں میں

حماد یا کہ اُنکے نزدیک ساری دنیا پر پشہ سے زیادہ حقیر اور ذلیل نظر آنے لگی اور وہ ہر وقت دار آخرۃ ہی کے دھیان میں مستغرق رہنے لگے۔

اُن ہی شراب کے متوالوں نے جنسے عبادت کے وقت بھی شراب کی بدمستی زائل نہ ہوتی تھی جب شراب کی حرمت کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُنا اور یہ معلوم کیا کہ اُسکے پینے میں آخرۃ کا گناہ اُسکے ظاہری منافع سے بڑھا ہوا ہے تو فوراً مٹکے توڑ ڈالے اور سیکڑوں کو برباد کر دیا اور اس کثرت سے شراب گرائی گئی کہ مدینہ کے تمام گلی کوچوں میں پانی کی طرح بہتی پھری۔

اسی طرح جب اُن لٹیروں کو جنکے واسطے اپنا اور پرایا مال شیر مادر کی طرح حلال تھا۔ یہ بتلایا گیا کہ دوسروں کا مال لینے سے خدا ناراض ہوتا ہے اور آخرۃ میں صاحب مال اپنے مال کا مطالبہ کریگا تو وہ اسقدر اس نصیحت سے متاثر ہوئے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کو زمانۂ خلافت میں اپنی زرہ وصول کرنے کے واسطے ایک ذلیل یہودی کے مقابلہ پر قاضی شریح کی عدالت میں دعوےٰ دائر کرنا پڑا اور جب کوئی شہادۃ ثبوت میں نہ گذار سکے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کو قاضی صاحب نے بیٹا ہونیکی وجہ سے مسترد کر دیا تو زرہ یہودی کے حوالہ کر کے ناکامی کیساتھ واپس چلے آئے۔

علیٰ ہذا القیاس عربوں میں اقوام یونان و ہندوستان کی طرح دختر کشی کی بیہودہ رسم قدیم زمانہ سے جاری تھی اور وہ اس بیرحمی اور سفاکی کے اس درجہ خوگر ہو گئے تھے کہ اُنکے خیال میں یہ کوئی عیب بھی نہ رہا تھا۔ جسوقت قرآن نے دار آخرۃ کا ہولناک منظر اُنکے سامنے اِن الفاظ میں پیش کیا اذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت تو اُن کو اپنی اولاد سے گذر کر غیروں کی اولاد کے ساتھ ایسا رشتۂ محبت والفت پیدا ہو گیا کہ عمرۃ القضا سے فارغ ہو کر بوقت واپسی مدینہ طیبہ حضرت حمزہ کی لڑکی پر تین صحابیوں میں نزاع قائم ہو گئی۔ حضرت علی حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک اُسکا حق حضانت (پرورش) اپنے لئے ثابت کرتا تھا۔ اور ایک جو دلیل پیش کرتا تھا دوسرا اُسکو رد کر دیتا تھا۔ یہانتک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقاعدہ شرعی لڑکی کو حضرت علی کے حوالہ کر کے حضرت جعفر کو اشبہت خلقی وخلقی اور حضرت زید کو انت اخونا و مولانا فرما کر تسلی بخشی۔

یہ ہی حال اُنکا شرک و بت پرستی کے بارہ میں ہوا۔ ایام جاہلیت میں اُنکے معبود لاکھوں

کروڑوں تھے۔ بلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ پہاڑ کا ہر ایک پتھر اُنکا معبود تھا۔ اور ان ہی معبودوں کی حمایت میں وہ خدا سے اور خدا کے سچّے رسول سے لڑتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے وہ دنیوی جاہ واعزاز کو چھوڑکر دار آخرة کی طرف متوجہ ہوئے اور ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرك به و یغفر مادون ذالك لمن یشاء کی تہدید اور الذین آمنو ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئك لھم الامن وھم مھتدون کی بشارت اپنے نبی کی زبان مبارک سے سُنی تو اُنکے پختہ اور پرانے اعتقادات میں اسقدر عظیم اور سریع انقلاب واقع ہوا کہ وہ بوئے شرک سے بھی بھاگنے لگے۔ اور چار دانگ عالم میں اُنہوں نے خالص توحید کا ڈنکا بجادیا یہانتک کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس احتمال پر کہ شاید آیندہ چلکر اسکی پرستش یا تعظیم مفرط کی نوبت نہ آجائے۔ ایک نہایت متبرک درخت شجرة الرضوان کو جڑ سے کٹوا ڈالا۔ اور جب سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرنے کیلئے آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو یہ کہدیا کہ انّی واللّٰہ اعلم انك حجر لا تنفع ولا تضر۔ یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ تو منجملہ پتھروں کے ایک پتھر ہے جسکے قبضہ میں سود و زیاں اور نفع و نقصان کچھ نہیں ہے۔

اسی قسم کا عظیم الشان تغیّر اُنکی ایک اور عادت میں ہوا۔ عربوں پر کمال بدویت کی وجہ سے درندگی اسدرجہ غالب تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر اُنکے یہاں جنگ وجدال کا بازار گرم ہوجاتا تھا۔ اور کسی ادنی حرکت پر جب تلوار میان سے باہر نکل آتی تھی تو صدیوں تک قتل و خونریزی کا سلسلہ بند نہ ہوتا تھا۔ اسلام کے پرزور اثر نے جب اُن میں آخرة کا خوف پیدا کرکے اس طرح کی نفرت انگیز حرکات سے روکا تو وہ ایسے حلیم اور نرم دل ہوگئے کہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسکر بھی اپنے بےشمار حامیوں کو لڑنیکی اجازت نہ دی یہانتک کہ اُنکا سر کٹ گیا مگر کسی اور کی اُنگلی تک نہ کٹی۔

یہ ہیں درخشان نتائج اُس دار آخرة پر اعتقاد رکھنے کے جسکے شوق اور خوف نے قرون اولی کے مسلمانوں کو تمام دنیوی لذتوں اور تکلیفوں سے آزاد کردیا تھا۔ اور جسکے حاصل کرنے کی فکر میں اُنہوں نے گھر بار۔ زن و فرزند۔ اور مال و دولت وغیرہ سب کو خاک میں ملا کر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی اختیار کی تھی۔

بلاشبہ دار آخرۃ کے متعلق ایسا مضبوط اعتقاد جسکے ایسے ایسے آثار قاہرہ دنیا میں پائے گئے اور جسکی طاقت نے اس کارواں سرائے میں عام ہلچل ڈالدی - ایک قوم کی قوم کے دلوں میں ہرگز تہ نشین نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ کوئی اعلیٰ درجہ کی زبردست صداقت اور حقانیت اسکے منوانے میں مدد نہ کرے - اسلئے ہمکو اہل عرب کی اُن عام حالتونکا موازنہ کرنیسے جو اسلام سے پہلے اور اُسکے بعد اُنکے متعلق تاریخوں میں بتواتر بیان کی گئی ہیں - نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور راستبازی کا گہری حد تک سُراغ ملسکتا ہے -

گاڈفری ہیگنس صاحب اپنی کتاب میں گبن صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ :-

"چاروں خلفاء کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے کہ اُنکے سرگرمی - دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی - اور ثروت واختیار پاکر بھی اُنھوں نے اپنی زندگیاں فرائض اخلاقی و مذہبی کے ادا کرنے میں صرف کیں - یہ ہی آدمی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوّل جلسہ میں شامل تھے جو پیشتر اس سے کہ آپ نے اقتدار حاصل کیا آپ کی جانب دار ہوگئے یعنی ایسے وقت میں کہ آپ ہدف آزار ہوئے اور جان بچاکے اپنے مُلک سے چلے گئے - اُنکے اوّل ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے اُنکی راستی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے اُنکی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے ۔" (صـــ۲۱۹)

اس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوئے یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں جسمیں ہر طرح کی بُرائیاں پائی جائیں اور اُس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو اُنکی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُنکی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو - اس پر یقین نہیں ہوسکتا - کیونکہ یہ خارج ازحیطۂ امکان ہے - (صـــ۲۲۳)

عیسائی اسکو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے اسدرجہ کا نشۂ دینی آپکے مریدوں میں پیدا کیا جسکو عیسیٰ کی ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بیفائدہ ہے اور آپ کا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں - چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سے عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا - جب عیسیٰ (علی نبینا

وعلیہ الصلوۃ والسلام) کو سولی پر لیگئے تو اُنکے پیرو بھاگ گئے۔ اُن کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چلدئے۔ اگر بالفرض آپ کی حفاظت کرنیکی اُنکو ممانعت تھی تو آپ کی تشفی کے لئے تو موجود رہتے اور صبر سے آپ کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اسکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپکے بچاؤ میں اپنے جانیں خطرہ میں ڈالکر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔" انتہی

لارڈ ولیم میور صاحب باوجود انتہا متعصب ہونیکے اپنی کتاب سیرۃ محمدیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور جزیرۂ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہو گئی تھی۔ گو ایک ضعیف اور ناپائدار اثر یہودیت ونصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا۔ جیسے کہ ایک دریا چہ غیر رواں کی سطح کا ادھر اُدھر لہر کھانا مگر تہ میں بےحس وحرکت رہنا۔ تمام عرب توہمات مظالم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بیاہ لیتا۔ اُنکے غرور اور افلاس سے رسم دختر کشی بھی جاری ہو گئی تھی۔ اُنکا مذہب حد درجہ کی بُت پرستی تھا اور اُنکا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہم باطل کسی ہیئت کا اُنکا ایمان تھا۔ قیامت اور جزا وسزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُسکے اُنہیں خبر تک تھی۔

ہجرت سے تیرہ برس پیشتر تو مکہ اس طرح سے ایسے ذلیل حالت میں بیجان پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہے اثر عظیم پیدا کیا سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بُت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع ومنقاد ہو گئے اُسے قادر مطلق سے بشدّت وکثرت دعا مانگتے۔ اُسیکی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے اور حسنات وخیرات وپرہیزگاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب اُنہیں شب وروز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال ہے اور یہ کہ وہ ہی رازق ہماری ادنیٰ ادنیٰ حوائج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امور متعلقات زندگانی میں اور اپنی خلوت وجلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اُسی کی ید قدرت کو دیکھتے تھے اور اُسکے وہ لوگ اُس روحانی حالت کو جسمیں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص اور رحمت باختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے اہل شہر کافروں کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کا نشان

جانتے تھے۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ اپنی حیات تازہ بخشنے والا جانتے تھے" (الخ)
اس تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہوگیا مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا۔ ایک سو مرد و عورت نے اپنے ایمان عزیز سے انکار نکر کے اپنا گھر بار چھوڑ حبش کو ہجرت کرلی تھی۔ پھر اس سے زیادہ آدمی اور اُن میں نبی بھی اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اُس عجیب تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں اُن لوگوں کیواسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کردے۔ اہل مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گذار کرچکے تھے مگر وہ بھی اُسوقت تک خواب خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبی عربی کی نہیں سنیں۔ تب البتہ ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے۔" (انتہی)

اُسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔ کہ

" ہم بلا تامل اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کیواسطے اکثر توہمات باطلہ کو کالعدم کردیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرت کاملہ کا مسئلہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا ہے۔ جیسا کہ خاص حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنی میں ہی یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے۔ مذہب اسلام اسبات پر فخر کرسکتا ہے کہ اسمیں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔" (انتہی)

راڈویل صاحب دیباچہ قرآن مجید میں لکھتے ہیں :۔ کہ

" محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو جہالت اور ذلت اور بت پرستی سے چھڑائیں اور یہ کہ نہایت مرتبہ کی خواہش انکی یہ تھی کہ سب سے بڑے امر حق یعنی توحید الٰہی کا جو انکی روح پر بدرجۂ غایت مستولی رہتی تھی اشتہار کریں۔ اور بمقتضائے حوادث اور تدریجی نوز مرام اسکا باعث ہوا کہ انہوں نے

اپنے آپ کو خدا کا رسول امین یقین کر لیا۔ تاہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک عجیب نمونہ ہے اُس قوۃ اور حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے کہ جسکو خدا اور قیامت پر اعتقاد کامل ہوتا ہے۔"

الغرض مسیحی محققین کے ان تمام اقوال سے جو اوپر نقل کئے گئے اور تاریخ کی متواتر شہادتوں سے یہ بخوبی ہویدا ہوتا ہے کہ عربوں کی حیرت انگیز ترقی اور کامیابی کا راز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفید تعلیمات اور قوۃ روحانیت کے پردہ میں چھپا ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ہدایات کا خلاصہ یہ تھا کہ انسان دنیا میں محض ایک مسافر یا راہگیر کی طرح زندگی بسر کرے یعنی وہ دار آخرۃ کو اپنا اصلی دار القرار اور دار الاقامۃ سمجھے اور حطام دنیا سے بقدر ضرورت متمتع ہو۔ اور لذائذ و تعیشات میں پڑ کر خدا کو اور آخرۃ کو نہ بھول بیٹھے۔

یہ دار آخرۃ جسکو اسلام نے ہمارا وطن اصلی اور دائمی جائے اقامت قرار دیا ہے اور جس کے معتقدوں کی ثنا خوانی ہم بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔ اسکے وجود کا اعتراف اگرچہ اسلام کے سوا اور بھی بعض مذاہب میں فی الجملہ پایا جاتا ہے لیکن مذاہب کا عام اتفاق اُس پر نہیں ہے۔ اِسلئے میں چاہتا ہوں کہ آپکو اُن مذاہب کی ضروری تفصیل سے ایک حد تک مطلع کردوں جو دار آخرۃ یا دوسرے لفظوں میں مسئلہ معاد سے تعلق رکھتے ہیں۔

اِس سلسلہ کے ضمن میں میں اُن بیشمار خیالات کو جو زمانۂ قدیم میں اِس مسئلہ کی نسبت وقتاً فوقتاً قائم کئے گئے ہیں مفصل بیان کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میرے نزدیک اُنکے اسوقت ذکر کرنے میں تطویل لاطائل اور خوابیدہ فتنوں کو بیدار کرنے کے سواء کوئی فائدہ معتد بہ متصور نہیں۔ اسواسطے میں اسبارہ میں فقط اُن ہی اختلافات کو ذکر کرونگا جو ہمارے ملکی بھائیوں کے لئے خاص طور پر کارآمد ہو سکیں۔

ہندوستان میں جو مذاہب جوش وخروش کے ساتھ اپنی حقانیت کے دعویدار ہیں اُنمیں چونکہ اسلام عیسائیت اور ویدک دہرم کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جا سکتا ہے اسلئے ہمارے مضمون کے اکثر خطابات کا تعلق بھی زیادہ تر انھیں تینوں مذہبوں سے ہوگا۔ اور اب ہم یہ بتلائینگے کہ اِن میں سے ہر ایک جزا سزا حشر اور معاد کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔

اسلام کا دعویٰ ہی کہ یہ ساری دنیا جیسا کہ ایکدفعہ پہلے بالکل معدوم محض رہچکی ہو اسی طرح ایک مرتبہ پھر نیست ونابود کردی جائیگی۔ اور اس نیستی کے بعد پھر اسکو ایک وجود عطا ہوگا جو غیر فانی اور لازوال ہوگا۔ اسی وجود کے ملجانے پر تمام لوگ خدا کے روبرو حساب وکتاب کے واسطے کھڑے کیئے جائینگے اور اُس سے فارغ ہونے کے بعد جو کافر جہنم میں اور جو مسلمان جنت میں داخل ہونگے وہ وہاں ابدالآباد تک زندہ رہکر جنت کی نعمتوں اور جہنم کی تکلیفوں کا ہمیشہ ہمیشہ نو بہ نو مزہ چکھتے رہینگے۔ انبیا۔ اولیا۔ اور عامۂ مومنین کی شفاعت پر خدا تعالیٰ بہت سے مجرموں کی تقصیرات معاف فرمائیگا۔ اور بہت سے تباہ کاروں کو بلا توسط غیرے محض خدا کے فضل ورحمت سے رہائی ملجائیگی۔ اِسکے سوا اور بھی عجیب وغریب واقعات ہیں جنکا ظہور محشر میں ہوگا اور جنکی تفصیل مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں دستیاب ہوگی۔

بائیبل کی روایات بھی اسبارہ میں اسلامی اعتقادات کے قریب قریب ہیں۔ اور نصاریٰ کی ہولناک قیامت۔ اور جنت کا خوشنما سین اور دوزخ کے کریہہ منظر جو کتاب مقدس میں موجود ہیں وہ ہرگز اُس سے کم نہیں جسکا قرآن مجید نے یقین دلایا ہے۔ البتہ عہد عتیق کے صحیفوں کا تتبع کرنے سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ توراۃ کی روسے اہل جنت یا اہل جہنم کے واسطے خلود نہیں ہے یعنی نیکوں کو خدا تعالیٰ خوش ہوکر جنت میں اور بدکرداروں کو ناراض ہوکر جہنم میں کئی ہزار برس رکھیگا اور اُسکے بعد دونوں بالکل فنا کردئے جائینگے اور ہمیشہ کیلئے بس ایک خدا اپنے کافی صفات کے ساتھ موصوف ہوتا ہوا باقی رہجائیگا۔

بہرحال قرآن اور بائیبل کے معتقدات میں اتنا زیادہ بُعد المشرقین نہیں ہو کہ جسکی وجہ سے اصل مقصود کے اعتبار سے ایک صلح کُل مشرب کے واسطے اُنکے اندر تطبیق دینے میں کچھ موانع اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ البتہ ویدک دہرم کے پیرووں نے جس عقیدۃ کا اظہار معاد کے متعلق ویدک تعلیم کی روسے کیا ہے۔ (اگرچہ خود وید اُسکا اظہار نہ کرتے ہوں) اُسمیں اور جزا وسزا کے اِن دونوں طریقوں میں جو قرآن وبائیبل کے حوالہ سے نقل کیئے گئے بڑا انتہا فرق اور بون بعید ہے۔

وید کے پیرووں کے نزدیک عالم کی ہستی کیواسطے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اُنکے نزدیک

جس طرح خدا تعالیٰ بجمیع صفاتہ ہمیشہ سے موجود ہے ایسے ہی عالم کا مادہ اور روحیں اور جسم و روح کی باہمی ترکیب کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے قائم ہے۔ خدا کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ارواح کو ایک قالب سے دوسرے قالب میں مناسب طور پر منتقل کرتا رہے۔ اور کسی ایک شخص کے حق میں بھی وہ اعمال و افعال کے موافق جزا یا سزا دینے سے نہ چوکے۔ اُنکے نزدیک کسی آدمی کی جنت یہ ہی ہے کہ اُسکی روح کسی اسفل اور ناقص قالب کو چھوڑ کر اعلیٰ اور کامل قالب اختیار کرے اور اگر حد سے زیادہ نیکی میں ترقی کر جائے تو پھر اپنے قطرۂ ہستی کو سرچشمہ وجود میں ڈالکر فنا کر دے۔ اسکے مقابلہ میں دوزخ اسکا نام ہے کہ روح اپنے درجات میں اوج سے تخفیض کی طرف اور بلندی سے پستی کی طرف اُوترتے ہوئے چلے آئے۔ اور جب کوئی انسان مثلاً بُرے کرم کرے تو اُسکی روح انسانی قالب سے نکلکر گدھے۔ کتے اور خنزیر وغیرہ کی صورتوں میں جنم لے۔ اور اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ تک جنم لیتی رہے۔ روحوں کی اسی دوامی چکر کا نام تناسخ یا آواگون ہے۔ اور قدیم مقتدایان ہند اور اہل چین اور حکماء یونان کا یہ ہی عقیدہ مشہور کیا جاتا ہے اور ساسان اوّل کے نامہ کے اس جملہ سے ٭ رواں ارتنے بہ تنے روندہ است ٭ مجوسیوں کا مذہب بھی یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جملہ ۷۔ ۱۷۔ ۲۷۔ میں اسکی تصریح ہے کہ انسان عالم میں اپنے پہلے بدن کے اعمال کا نتیجہ شادی۔ غمی۔ رنج اور خوشی دیکھتا ہے۔

مجھکو فی الحال اس سے بحث نہیں کہ جن لوگوں کو تناسخ کا معتقد بتلایا گیا ہو وہ فی الحقیقت اُسکے معتقد ہیں بھی یا نہیں۔ بلکہ اسکی تحقیق منظور ہے کہ ہمارے برادران وطن (آریہ سماج) جنھوں نے عقیدۂ تناسخ کے منوانے میں بڑی بصیرت کوششیں کیں ہیں۔ تناسخ کے اقسام میں سے کس کس قسم کو جائز قرار دیتے ہیں۔

علامۂ قطب الدین شیرازی نے شرح حکمتہ الاشراق میں تناسخ کی چار قسمیں اس طرح بتلائی ہیں کہ اگر روح ایک انسانی قالب کو چھوڑ کر دوسرا انسانی قالب اختیار کر لے تو اُسکو اصطلاحاً نسخ کہا جاتا ہے اور اگر انسان کے علاوہ اور کسی حیوانی قالب میں اُتر آئے تو مسخ ہی اور نباتی قالب میں فسخ اور جمادی میں رسخ کے ناموں سے اُسکو موسوم کیا جاتا ہے اور یونان کے بعض فلسفیوں کے نزدیک ان چاروں سے تجاوز کر کے ایک یہ بھی صورت ممکن ہی کہ روح

اجسام عنصریہ کو چھوڑکر اجرام فلکیہ میں جا سمائے۔ بہرکیف تناسخ میں پانچ احتمال ہوں یا چار ہمکو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے ملکی دوستوں نے اُن میں سے کس احتمال کو قبول کیا ہے اور کس کو چھوڑا ہے۔

لیکن افسوس ہی کہ جب ہم اپنے دوستوں کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کے متعلق یہ منقح کرنا چاہتے ہیں کہ اُنکا واقعی مذہب اسمیں کیا ہے تو ہمکو ایک سخت لاینحل دشواری پیش آجاتی ہے۔ وہ یہ کہ وید مقدس تو ہمکو کچھ بتلاتی ہے اور پنڈت سرسوتی سوامی جی مہاراج کچھ ارشاد فرماتے ہیں اور سوامی جی کی کتابوں پر حاشیہ لکھنے والے جو مطلب سمجھتے ہیں وہ اُن دونوں سے الگ ہوتا ہے چنانچہ اسی قسم کے بعض نظائر پر عنقریب آپ اسی مضمون میں مطلع ہونگے۔

پس ایسی حالت میں کہ نہ سوامی جی کے مقلدین کو سوامی جی پر اعتماد ہو اور نہ سوامی جی کو وید کی ہدایات پر۔ اسکے سوا کیا ہوسکتا ہی کہ ہم اپنا روے سخن سب طرف سے پھیر کر خاص سوامی جی کی جانب بحیثیت اُنکے مقتدائے جماعت ہونے کے متوجہ ہوں۔ اور جو کچھ نقل کریں اُن ہی کی تصنیفات سے نقل کریں۔

تناسخ کی جو بحث رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں ہمنے پڑھی ہی اُس سے گو یہ فیصلہ صاف طور پر نہیں ہوتا کہ انسان کی روح نباتات وجمادات کے قالبوں میں بھی آسکتی ہی یا نہیں لیکن طرز بیان یہ بتلاتا ہے کہ سوامی کے نزدیک روحوں کا دور دورہ بطریق استقرار صرف حیوانی قالبوں ہی میں محدود ہی۔ اور یہ کہ تناسخ کے اقسام میں سے نسخ ومسخ کے سوائے فسخ ورسخ کا وجود ممکن نہیں۔ سوامی جی کی اس تحقیق کو اگرچہ ویدک دہرم کے وہ نصوص باطل ٹھہراتے ہیں جنسے نباتات کا ذی روح ہونا ثابت ہی۔ مگر بالفعل بجاراۃ خصم کے طور پر ہم اپنے اقوال کی بنا صرف سوامی جی کی محسوسات ہی پر قائم کرتے ہیں اور اُن سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تناسخ کی حقیقت کے معتقد کہاں سے ہوئے۔

میرے اس سوال سے جس طویل بحث کے سلسلہ جنبانی ہوتی ہی اگرچہ اُسپر رائے زنی کرنیکا پورا استحقاق مجھکو نہیں کیونکہ میرے محترم بزرگ مولانا سید مرتضی حسن صاحب جنکی تحریر کا عنوان خاص تناسخ ہی قرار دیا گیا ہے یہ حق رکھتے ہیں کہ مجھکو اپنی سرحد میں قدم رکھنے سے روک دیں۔ لیکن

یہ خیال کرکے کہ "اگر میں اس موقعہ پر سکوت سے کام لیتا ہوں تو میری موضوع بحث کی تصویر کا صرف ایک ہی رُخ آپ دیکھ سکینگے" مولانا کی خدمت میں باادب یہ عرض کرتا ہوا کہ وہ مجھکو بہت تھوڑی دیر کے لئے اِدھر آنے کی اجازت دیدیں۔ تناسخ کے متعلق مختصر کلام شروع کرتا ہوں۔

حامیان تناسخ نے سب سے بڑا زبردست استدلال جو تناسخ کے ثابت کرنے کیواسطے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں ہم بنی آدم کے حالات کو بہت ہی مختلف پاتے ہیں۔ کوئی شخص امیر ہے کوئی غریب۔ کوئی توانا۔ کوئی کمزور۔ کسی کی دو آنکھیں ہیں کسی کی ایک بھی نہیں۔ ایک اگر اقلیموں پر حکومت کرتا ہے تو دوسرے کا کاسۂ گدائی بھی خالی ہے۔ وہ اگر انتظام سلطنت میں مصروف ہے تو یہ فکر شکم میں۔ غرض جہانتک نظر دوڑاؤ زمانہ کی نیرنگیوں کی کوئی انتہا معلوم نہیں ہوتی۔

اب اگر ان تمام اختلافات کی جنکو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں یہ توجیہ کی جاے کہ خدا تعالٰی کو اپنی مخلوقات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہے اور وہ اپنے مقبوضات میں جو کچھ بھی سیاہ و سپید کرے اُس سے کوئی بازپرس نہیں ہوسکتی تو یا ایک ایسا جواب ہوگا جس سے خدا تعالٰی کی صفت انصاف ومعدلت گستری بالکل فراموش کردینا پڑیگی۔ کیونکہ جب خداوند ذوالجلال قادر مطلق ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا عادل اور منصف بھی تسلیم کیا گیا ہے تو اسکے کیا وجہ کہ اُس نے اپنے ایک بندہ کو عین راحت اور ایک کو سراسر تکلیف میں پیدا کیا۔ اب اسکے بعد دو ہی احتمال ہیں۔ یا وہ شخص جسکو ہدف آزار بنایا گیا ہے کچھ تقصیروار تھا جسکے پاداش میں اُسکے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا۔ اور یا خود حقتعالٰی شانہ معاذ اللہ لطف و کرم اور عدل و انصاف کرنا نہیں جانتا دوسری صورت تو ہر وہ شخص جو خدا کی خدائی کا صحیح مفہوم سمجھے ہوئے ہو ذرا سی دیر کے لئے بھی قبول نہیں کرسکتا اور پہلی صورت اگر درست ہے تو اُسکے ماننے کے دو طریقے ہیں۔ یا جن تقصیرات کی اُسکو سزا دیجاتی ہے وہ اسی جون میں اُس سے صادر ہوئے ہوں اور یا اس سے پہلے کسی جون میں۔ پہلا احتمال اُس شیر خوار بچہ میں ہمکو کچھ نفع نہیں دیسکتا جو ماں کے پیٹ سے ہی اندھا اور بہرا پیدا ہوا ہو۔ کیا اُس نے رحم مادر کے اندر ہی خدا کی کسی نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا جو فوراً ہی مورد عتاب بنا۔ جب یہ نہیں تو لامحالہ ماننا پڑیگا کہ آواگون کے طور پر جن معاصی کے اندر وہ پہلے کسی جون میں ملوث ہوچکا ہے یہ سب اُسکی سزا ہے۔ اور یہی وہ مدعا تھا جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔

اصحاب تناسخ کی یہ دلیل جسکو ہمنے بہت آب و تاب کے ساتھ منطقی ترتیب میں بیان کیا ہے اگرچہ بادی النظر میں نہایت وقیع اور صادق المقدمات معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع اس کے بعض پہلو نہایت ہی کمزور ہیں۔ اس دلیل کا مدار اس امر کے ثابت ہونے پر ہے کہ جملہ تکالیف اور راحتیں جو کسی شخص کو میسّر ہو سکتی ہیں اُنکے پہنچنے کا طریقہ بجز سزا اور جزا کے اور کچھ نہیں۔ اگر فرض کرو کہ مکافات اور سزا دہی کے سوا کسی اور عمدہ غرض کے لئے بھی کوئی تکلیف دیجا سکتی ہو تو ہمکو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم انسان کے واسطے اُسکی موجودہ زندگی سے پہلے کوئی اور موہوم زندگانی فرض کریں۔ کیونکہ اس حالت میں یہ کہدیا جاسکیگا کہ خدا تعالیٰ عادل اور منصف اور رحمان و رحیم سب کچھ ہے اور اُسی نے کسی کو عیبدار اور کسی کو بے عیب بنایا ہے لیکن نہ بطور کسی پچھلے کرم کے جزا اور سزا کے۔ بلکہ بسبب کسی اور ایسی عمدہ مصلحت کے جسکا ملحوظ رکھنا نظام عالم کی حفاظت یا تکمیل کے واسطے ضروری تھا۔

لہذا ہمکو اور ہمارے دوستوں کو سب سے مقدم یہ طے کر لینا چاہیئے کہ آیا تکلیف و راحت رسانی کے اسباب سزا و جزا ہی میں منحصر ہیں یا اور کوئی سبب بھی انکے ماسوا مانا جا سکتا ہے۔

اس مطلب پر بسہولت پہنچنے کیواسطے میرے نزدیک بہتر ہوگا کہ آپ اس بات پر غور کریں کہ ہمنے راحتوں اور تکلیفوں کا مثلاً سزا و جزا کیلئے ہونا کہاں سے سمجھا۔ اگر دنیا کے حالات کو دیکھکر تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپنے حالات کا تتبع کرنے میں بہت ہی کوتاہی کی۔ کیونکہ دنیا میں اگر ہمنے چور کو جیلخانہ میں اور قاتل کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا ہے تو شفاخانہ میں جاکر یہ بھی معائنہ کیا ہے کہ کہیں ڈاکٹر کسی مریض کے دُنبل میں تیز نشتر چبھو رہا ہے اور کہیں کسی کے بدن کا کوئی عضو نہایت بیرحمی کے ساتھ کاٹا جا رہا ہے۔ حالانکہ اُس مریض نے ڈاکٹر صاحب کی جناب میں کوئی بھی گستاخی نہیں کی تھی۔ لیکن شاید آپ نے کلورافارم کا استعمال کرتے ہوئے دیکھکر یہ تاویل کرلی ہو کہ ڈاکٹر گو ایسا عمل کر رہا ہے جس سے تکلیف پہنچے مگر کیونکہ مریض کو اُسکا احساس نہیں ہوتا اسلئے وہ تکلیف کالعدم ہے۔ اور اسلئے ہم ڈاکٹر کو ظالم نہیں ٹھیرا سکتے۔

(باقی آیندہ)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی

دُنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

سلسلہ کیلئے دیکھو القاسم نمبر ۹ جلد دوم

ہرمزان اس تدبیر سے امن حاصل کرکے مطمئن ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اُسکے واسطے عطاء میں وہ درجہ مقرر فرمایا جو بڑے رتبہ والے مسلمانوں کیواسطے تھا۔ یعنی دو ہزار والوں میں نام لکھا گیا۔ اس عجیب وغریب واقعہ سے چند نتیجے حاصل ہوتے ہیں۔

نتیجہ اوّل۔ اہل فارس آخردم تک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی کوشش کرتے رہے۔ کسی ممکن اور مناسب موقعہ پر مقابلہ سے درگذر نہ کیا۔ مغلوب ہوکر صلح کرلیتے تھے۔ اور وقت ہاتھ آتے ہی اعادہ جنگ ہوجاتے تھے۔

نتیجہ دوئم۔ مسلمان جس ملک اور جس علاقہ کو فتح کرتے تھے۔ تمدن وتہذیب پھیلاتے جاتے تھے۔ اور ملک آباد کرکے گلزار بنادیتے تھے۔ ایک جگہ کو جب تک باقاعدہ متمدن نہ بناتے آگے نہ بڑھتے۔

نتیجہ سوئم۔ مسلمانوں کی امن پسندی۔ خونریزی۔ اور اُنکا اتلاف نفوس سے پرہیز و اجتناب اس درجہ تسلیم ہوچکا تھا کہ اُنکے مخالف اور سخت پولیٹکل مجرم بھی حیلے بہانوں کے ساتھ نفع اُٹھانیکی کوشش کرتے تھے۔

ہرمزان کو اپنے جرم کا حال معلوم تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ نقض عہد اور جلیل القدر اصحاب کو قتل کی سزا کبھی قتل سے ورے نہوگی۔ حضرت عمرؓ بھی پہلے سے ارادہ اُسکے قتل کا کرچکے تھے مگر باایں‌ہمہ ہرمزان نے ایک نہایت پوچ حیلہ سے امن حاصل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چونکہ فرمانا کہ میں نے ہرگز امن نہیں دیا۔ بالکل صحیح تھا۔ کیونکہ متکلم اپنی مراد و مطلب کو خوب سمجھتا ہے۔ کلام کا مطلب ظاہر تھا کہ اس پانی کو پینے تک اندیشہ نہیں۔ یعنی اگر پینا چاہے تو اندیشہ نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ جب تک پانی نہ پیئے۔ چاہے ساری عمر نہ پیئے۔ تب بھی اندیشہ نہیں ہے۔

ہرمزان تو جبلی چالاکی سے کام لینا چاہتا تھا اور صحابہ بھی اسکو خوب سمجھتے تھے۔ مگر اُنکو تو حضرت عمرؓ کے وہی فقرے یاد تھے جو امان العبد کے عنوان میں بیان ہو چکے ہیں کہ وفاءِ عہد میں غلطی کر گذرو یہ اُس سے بہتر ہے کہ نقض عہد میں غلطی کرو۔ یعنی اگر شبہ بھی ہو کہ عہد ہو چکا ہے تو اُسکو پورا کرو۔ اس لئے اُنہوں نے احتیاط کی جانب اختیار فرما کر ہرمزان کی تائید کی۔ اور حضرت عمرؓ کو بھی ماننا پڑا اور اس چالاکی سے ہرمزان نے امن حاصل کیا۔ لیکن اسلام کی محبت اُسکے دل میں آچکی تھی گو حُب ریاست اُسکو مانع آتی تھی۔ مگر ابتداء سے مسلمانوں کے حال دیکھتا تھا۔ اور راستہ کی طویل صحبت میں اور بھی خوب جانچنے کا موقع ملا تھا۔ مدینہ منورہ پہونچنے پر حضرت عمرؓ کے حالات دیکھکر تو بول ہی اُٹھا کہ کیا یہ نبی ہیں۔ مگر چونکہ وہ ایک بہادر خاندانی نواب تھا اُسکو یہ گوارا نہوا کہ اسلام لانا خوف پر محمول ہو اسلئے مامون اور مطمئن ہو کر مسلمان ہوا۔

حضرت عمرؓ نے بھی اس احساس و میلان باطنی کا ادراک کر لیا اور فرمایا۔

وَلَا اَنْخَدِعُ اِلَّا لِمُسْلِمٍ

ظاہر ہے کہ ہرمزان کی تدبیر کارگر ہو چکی تھی۔ صحابہ کی تائید سے حضرت عمرؓ بھی تسلیم فرما چکے اور اُسکو امن دے چکے تھے۔ پھر اس فرمانے کا مطلب کیا تھا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اگر تو مسلمان نہ ہوا تو قتل کر دیا جاویگا۔ یہ امر تو خود آپ کی عام ہدایات کے مخالف تھا۔ بلکہ ان الفاظ سے آپ نے لطیف پیرایہ میں اپنی فراست کا اظہار فرمایا۔ جسکا ظہور یہ ہوا کہ وہ اُسیوقت مسلمان ہو گیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد نہ صرف سابق تمام جرموں سے درگذر ہوئی بلکہ اُسکو اُسی اعزاز سے اپنے گروہ میں داخل کیا گیا جیسا کہ اپنے خاندان کے اعتبار سے تھا۔

کیا ایسے صریح اور صحیح واقعات کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام بزور پھیلایا گیا یا مسلمانوں نے کسی ایک فرد کو بھی گو اُنکے قابو اور اختیار ہی میں کیوں نہو اسلام لانے پر مجبور کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ ہرمزان کا مقتول ہونا

ہرمزان نے جس تدبیر سے امن حاصل کرکے باطمینان و اختیار مسلمان ہوا اُسکو تو ہم مفصل بیان کر چکے۔ لیکن اُسکے قتل کا واقعہ بھی

اسلامی تاریخ میں مہتم بالشان واقعہ ہے جسکی بدولت دو جلیل القدر خلفاء اسلام میں اختلاف رائے ہوا۔ اگرچہ واقعہ قتل کو ہمارے عنوان اشاعت سے تعلق نہیں ہی۔ مگر اول تو اسوجہ سے کہ ہرمزان کی ابتدار اسی حال کے ساتھ اُسکے خاتمہ کا تذکرہ بھی ایک قسم کی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ بریں چونکہ اس بیان میں بہت سی ایسی مفید باتیں لکھی جائینگی جنسے اصل عنوان کی تائید ہوگی اور مسلمانوں کے ذاتی محاسن اور شریعت کے پاک قوانین پر روشنی پڑیگی۔ اسلئے ہم اُسکو بھی لکھدینا چاہتے ہیں۔ لیکن اُسکے قتل کا تعلق امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی شہادت سے ہے اسلئے وہیں سے مضمون کو شروع کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قلب میں دو خیال جو بظاہر متضاد معلوم ہوتے تھے جمع تھے۔ ادھر شہادت کا شوق اُدھر مدینہ منورہ میں وفات اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک میں دفن ہونا۔ اور اسلئے اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک و اجعل موتی فی بلد رسولک۔	(الٰہی مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں مقرر فرما۔)

ظاہر ہے کہ شہادت کی تمنا اسکو مقتضی تھی کہ آپ مدینہ منورہ سے دور معرکہ کارزار میں جان دیتے اور مدینہ میں وفات کی خواہش کا تقاضا یہ تھا کہ آپ بستر مرگ پر وفات پاتے مگر حق تعالیٰ نے آپ کی دونوں آرزوؤں کو پورا فرمایا۔ جسکی ظاہری صورت یہ پیش آئی۔

مغیرۃ بن شعبہ کے پاس ابولؤلؤہ نام ایک غلام تھا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اور روم سے اسیر ہوکر آیا تھا۔ مگر اصل سے فارسی تھا۔ کسی زمانہ میں اہل روم اُسکو اسیر بناکر لیگئے تھے۔

یہ غلام اپنے موجودہ مذہب پر پختگی سے قائم رہنے کے ساتھ قومی تعصب اور حمیت کو بھی پوری طرح دل میں لئے ہوئے تھا۔ نہاوند کا سخت معرکہ ختم ہوکر بہت سے قیدی جب مدینہ منورہ لائے گئے تو ابولؤلؤہ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا تھا۔ قیدیوں میں سے چھوٹے چھوٹے بچوں کے سروں پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا۔

اکل عمر کبدی۔	(عمر نے مرا جگر کھالیا۔)

مگر باوجود ان خیالات کے مسلمانوں میں رہکر بے خوف وخطر نہایت آزادی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ آدمی بہت ہوشیار اور طرح طرح کی صنعت ودستکاریوں میں ماہر تھا۔ اُسکے مولیٰ مغیرۃ بن شعبہ نے پوری آزادی دیکر دو درہم یومیہ کا ٹکس اُسپر لگا دیا تھا۔ ایسے صناع اور ماہر پر دو درہم یومیہ کچھ بھی نہ تھے مگر اس پر بھی اُسنے یہ دیکھکر کہ اسلامی عدالت میں ہر شخص نہایت آزادی کے ساتھ عرض معروض کر سکتا ہے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے آقا مغیرہ سے کہکر محصول کم کرا دیا جاوے۔ حضرت عمرؓ نے سُنکر دل میں تو یہ ارادہ فرما لیا کہ مغیرہ سے کمی کی سفارش کر دینگے۔ مگر اُس سے فرمایا کہ تجھکو تو بہت سی صنعتیں آتی ہیں۔ یہ محصول زیادہ نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا میں نے سُنا ہے تو ایسی چکی بنا سکتا ہے جو ہوا کے ذریعہ سے آٹا پیسے اگر ایسا ہے تو مسلمانوں کیلئے بھی ایک چکی بنا دے۔

ابو لؤلؤ نے کہا بیشک ایسی چکی آپ کے لئے بنا دونگا جسکا چرچا مشرق ومغرب میں ہو جائیگا اُسنے اس گفتگو میں آپ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی تھی۔ اور آپ بھی اسکو فوراً سمجھ گئے۔ چنانچہ اُسکے چلے جانے کے بعد فرمایا۔

لقد اوعدنی العبد الآن۔ | (غلام مجکو قتل کی دھمکی دیکر گیا ہے۔)

مگر اس پر اُس سے کسی قسم کی باز پرس کی اور نہ اسکو نظر بند کیا اور نہ اپنی حفاظت کا خاص سامان کیا۔

اس گفتگو سے اگلے روز کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپکی وفات کے صرف تین دن باقی ہیں۔ جو کچھ وصیتیں کرنی ہیں کر دیجئے۔ آپنے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہا توراۃ میں ایسا ہی ہے۔ فرمایا کیا توراۃ میں عمر کا نام ہے۔ کہا نام تو نہیں مگر جو علامات ہیں وہ سب آپ پر منطبق ہیں اگلے روز کعب نے آکر پھر کہا کہ اب دو روز باقی رہگئے ہیں۔ دوسرے روز آکر کہا اب صرف ایک روز رہگیا حضرت عمرؓ بالکل تندرست تھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی۔ تین دن ختم ہو جانے کے بعد صبح کی نماز کیلئے تشریف لے گئے نماز غلس سے یعنی اندھیرے سے شروع ہوتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ مصلے پر پہنچکر دونوں طرف صفوں کو سیدھا کرنیکی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

ابو لؤلؤہ۔ اندھیرے سے اوّل صف میں قریب مصلی مسلمانوں میں مل جل کر کھڑا ہو گیا۔ جب آپ مصلے پر پہونچے اور تسویۂ صفوف کیلئے فرمایا۔ تب اُسنے آپ پر دو دھارے خنجر سے جو زہر سے بجھایا ہوا تھا حملہ کیا۔ اور چھ زخم لگائے آپ وہیں گر گئے۔ ابو لؤلؤہ نے اور بھی کئی مسلمانوں کو شہید کیا۔ بالآخر ایک مسلمان نے اُسپر اپنی بارانی کوٹ ڈالدیا۔ ابو لؤلؤہ نے یہ سمجھکر کہ میں گرفتار ہو گیا اُسی خنجر سے اپنا کام تمام کر لیا۔

حضرت عمر نے اُسیوقت حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو امام بنا دیا۔ نماز اختصار کے ساتھ پورا کرنیکے بعد آپ کو مکان پر لیگئے صحابہ پر اور تمام مسلمانوں پر صدمے کی یہ کیفیت تھی کہ گویا آجتک اُن پر اس قسم کی کوئی مصیبت پیش نہیں آئی۔ اور اُنکا صدمہ حق بجانب بھی تھا۔ دوربین اور خواص حضرات تو جانتے تھے کہ آپکی بابرکت زندگانی فتن اور حوادث کیلئے سدراہ ہے آپکا اس عالم سے اُٹھ جانا اور مسلمانوں میں اختلاف وفتن کا ظہور پذیر ہونا گویا لازم وملازم ہیں۔ مگر وہ طبقہ جو ان احساسات سے خالی الذہن لیکن آپکے عدل ورافت عام کے خوشگوار سایہ میں تربیت پا رہا تھا اُسپر خواص سے زیادہ اس صدمہ کا اثر تھا۔

امتثال احکام شرع کی بنا پر بظاہر گو صبر وسکون تھا۔ مگر دلوں میں قلق واضطراب کے دریا موجزن تھے۔ چہرہ پر اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ حسرت ویاس اندیشہ واضطراب کا سماں بندھا ہوا تھا مسلمانونکی تو یہ حالت تھی۔ مگر حضرت عمرؓ کو نہ اپنی جان کا کچھ خیال تھا اور نہ ان مہلک زخمونکی تکالیف پر کچھ اظہار کلفت۔ بلکہ وہی مسلمانوں کی محبت وہمدردی اب بھی اُنہیں مشغول کئے ہوئے تھی۔ اوّل فکر تو یہ تھا کہ میرا قتل کسی مسلمان کے ہاتھ سے تو نہیں ہوا۔ مبادا میری وجہ سے کوئی مسلمان عذاب میں مبتلا ہو۔ چنانچہ آپنے گھر پہونچنے پر اپنے صاحبزادہ عبد اللہ کو بلا کر یہ کہا دیکھو مجکو کس نے قتل کیا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ابو لؤلؤہ غلام مغیرہ نے۔ فرمایا کہ وہی صناع وکاریگر۔ عرض کیا گیا کہ وہی۔ فرمایا۔

الحمد للہ الذی لم یجعل منیتی بید رجل سجد للہ سجدۃ واحدۃ۔	(خدا کا شکر ہے اُسنے میری موت ایسے شخص کے ہاتھ نہیں کی جسنے ایک سجدہ بھی اللہ کے واسطے کیا ہو۔)

لیکن ابھی یہ فکر باقی تھا کہ شاید کوئی مسلمان اس مشورہ میں شریک ہے۔ اسلئے جب انصار

ومہاجرین عیادت کی غرض سے آتے تھے تو آپ پوچھتے تھے۔

اعن ملأ منکم کان ھذا۔ (کیا رائے تمہاری مشورہ اور اتفاق سے یہ فعل ہوا۔)

وہ فرماتے تھے۔ معاذ اللہ۔ (خدا کی پناہ ہم ایسا کیونکر کر سکتے تھے۔)

اس سے مطمئن ہو کر سب سے اہم امر کی طرف متوجہ ہوئے اور خلافۃ کا معاملہ اُن چھ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا جن سے آخر دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہے۔ اسی درمیان میں کعب احبار بھی بغرض عیادۃ آئے تو آپ نے اُنکو دیکھکر فرمایا۔

فاوعدنی کعب ثلٰثا اعدھا
مجھکو کعب نے تین دن کے اندر مرنیکی خبر دی جسکو میں شمار کرتا تھا

ولاشك ان القول ماقال لی کعب
اسمیں شک نہیں بات وہی تھی جو کعب نے کہی تھی

ومالی حذار الموت انی میت
موت کا تو کچھ ڈر نہ تھا کیونکہ میں مرنیوالا تھا

ولکن حذار الذنب یتبعھا ذنب
ہاں گناہوں کا خوف تھا جو یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں

ایک مرتبہ اسی حالت میں فرمایا:۔

ظلوم لنفسی غیر انی مسلم
اپنے نفس کیلئے بڑا ظالم ہوں۔ مگر ہاں مسلمان ہوں

اصلی الصلوۃ کلھا واصوم
نمازیں سب پڑھتا ہوں اور روزے سب رکھتا ہوں

اسکے بعد آپ آخر تک تسبیح و تہلیل و ذکر میں مشغول رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

بڑے صاحبزادہ عبد اللہ تو آپ کے قدم بقدم جھگڑے اور فتنہ سے دور رہنے والے اور مسلمانوں میں کسی قسم کے اختلاف پیدا کرنے یا کسی اختلاف اور نزاع میں شرکت سے پرہیز کرنیوالے تھے۔ حدود شرع سے ایک بچہ ادھر اُدھر قدم رکھنے والے نہ تھے۔ اسلئے آپ تو باپ کی مفارقت اور ایک نصرانی غلام کے ہاتھ سے قتل ہونے کو جو فی الحقیقت ناقابل برداشت صدمہ تھا صبر و استقلال سے ضبط کئے ہوئے۔ کوہ وقار بن رہے تھے۔ کوئی حرف زبان سے ایسا نہ نکلا جو خلاف شان ہوتا۔ کوئی حرکت ایسی نکی جس سے اضطراب معلوم ہوتا۔ مگر چھوٹے صاحبزادہ عبید اللہ کی حالت دگرگوں تھی وہ ضبط سے گذرے ہوئے تھے۔ اُن کو یہ بھی وہم تھا کہ میرے باپ کا قتل گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ اسلئے وہ کہتے تھے۔

واللہ لاقتلن رجالا ممن شرك فی قتل ابی (خدا کی قسم میں اُن لوگوں کو قتل کرونگا جو میرے باپ کے قتل میں شریک ہوئے)

اسی غم وغصہ میں ابو لؤلؤہ کی بیٹی کو قتل کر دیا۔ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر نے بیان کیا کہ میں نے ابو لؤلؤہ اور جفینہ (نصرانی غلام تھا) اور ہرمزان کو باہم سرگوشی کرتے دیکھا تھا۔ مجھکو دیکھکر بھاگ گئے۔ اور اُنکے پاس سے ایک خنجر گرا جسکی دونوں طرف نوکیں تھیں۔ یہ وہی خنجر تھا جس سے حضرت عمرؓ شہید کئے گئے تھے۔ یہ سُننا تھا کہ عبیداللہ نے جفینہ اور ہرمزان کو بھی جا کر قتل کر دیا۔ اور ابھی اُنکا غصہ فرو نہوا تھا معلوم نہیں کہ اس شبہ میں کس کس کو قتل کرتے مگر حضرت سعدؓ نے اُنکو گرفتار کرکے اپنے یہاں نظر بند کر دیا۔

خلافت کا معاملہ جب طے ہو چکا۔ اور حضرت عثمانؓ خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔ بیعت عامہ ہو چکی۔ تو سب سے پہلے عبیداللہ کا ہی معاملہ پیش ہوا۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔

اشیروا علیّ فی ھذا الرجل الذی فتق فی الاسلام ما فتق۔ (مجھے اُس شخص کے بارہ میں جسنے اسلام کے اندر ایسا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو کیا کروں۔

یعنی اس شخص نے جو بیگناہ صغر سن بچی کو اور ایک نصرانی کو جو ہمارے عہد میں تھا اور ایک مسلمان کو بلا ثبوت قتل کر دیا۔ اور اسلام کے اندر بڑا رخنہ ڈالا کیا کیا جائے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا قصاص لیا جائے۔ بعض مہاجرین بولے یہ امر بھی نازیبا معلوم ہوتا ہے کہ کل تو عمر شہید ہوئے تھے۔ اور آج اُنکا بیٹا قتل کیا جائے۔ اسمیں اختلاف رائے ہوا تو عمرو بن العاص نے کہا کہ امیرالمومنین یہ قتل ایسے وقت ہوا کہ آپ کو مسلمانوں پر تسلط نہ تھا اسلئے آپ اگر قصاص جاری نکریں تو گنجایش ہے حضرت عثمان نے سب کی رائیں سنکر اور صحابہ کے عام خیالات کا اندازہ کرکے کہ حضرت عمر کے صاحبزادہ کو ایسے وقت کہ ابھی وہ شہید ہو چکے ہیں قتل کرنے کو پسند نہیں کرتے۔ فرمایا کہ میں خلیفہ ہوں اور مجھکو ولایت حاصل ہے اسلئے میں قصاص سے درگذر کرکے مقتولین کی دیۃ اپنے مال میں سے ادا کرتا ہوں مگر حضرت علی نے اس فیصلہ کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے زمانہ خلافت میں ارادہ قصاص لینے کا فرمایا۔ عبیداللہ اسی خوف سے شام چلے گئے۔ اور امیر معاویہ کی رفاقت کا دم بھرنے لگے۔

حضرت عمر کی شہادت کے واقعہ سے معلوم ہو گیا کہ صحابہ اور صدر اوّل کے مسلمانوں کا دینی امور میں اہتمام کسقدر بڑھا ہوا تھا۔ اور اُن کی استقامت کسدرجہ پر تھی۔

حضرت عمرؓ کی شہادت معمولی واقعہ نہ تھا۔ اور وہ بھی اندھیرے میں مسجد کے اندر اور عین نماز کیوقت۔

اوّل تو یہ بالکل ممکن تھا کہ ایک ایسے اچانک اور مخفی حملہ کیوجہ سے جسکی نسبت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حملہ آور کون ہے۔ تنہا ہے یا جماعت ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تنہا حضرت عمرؓ ہی مقصود ہیں یا اور بھی خصوصًا جبکہ حضرت عمرؓ کے ساتھ کئی شخص مقتول و مجروح ہوئے ہوں۔ یہ خیال پختہ ہو سکتا تھا کہ بہت سے آدمی اسی ارادہ سے آئے ہوں اور اُنکا مطمح نظر صرف ایک ذات واحد نہو بلکہ اور بھی چیدہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دینا مدنظر ہو۔

ایسی حالت میں بالکل ممکن تھا کہ بہت سے لوگ خصوصًا وہ جو پچھلی صفوف میں تھے گھبرا کر مسجد سے نکل جاتے۔ اور جیسا کہ ایک ایسی مبہم اور گول مول حالت میں اضطراب ہونا چاہیئے تھا پیش آتا لیکن تمام مسلمان اُسی حالت پر باطمینان کھڑے رہے صفوف کی ترتیب میں بھی فرق نہ آیا۔ اگلی ہی صف میں سے بعض حضرات نے اپنا برنس ڈالکر ابولؤلؤہ کو گرفتار کر لینا چاہا۔ اور اُس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر زخمی ہو کر گر گئے مسلمانوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مگر کیا ممکن تھا کہ ایسے سخت وقت بھی دین کے رکن اعلیٰ نماز میں کچھ فرق پڑتا۔ حضرت عمر اُسی جگہ رہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آگے بڑھکر نماز پڑھادی۔ ایسے اضطراب میں نماز کا وقت سے موخر ہو جانا قریب الوقوع تھا۔ مگر ہرگز ایسا نہوا۔ یہ تھا صحابہ کا انہماک امور دین میں اور یہ تھی اُن کی استقامت جس سے ہمکو سبق لینا اور اُنکے افعال کو مشعل راہ بنانا چاہیئے۔

یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر کو سوا ایک درد کے دوسرا کوئی درد نہ تھا وہ ہر وقت ایک ہی فکر میں مشغول تھے اپنی زندگی صحت اور عافیت کے زمانہ میں بھی وہی خیال تھا جو سب خیالوں پر غالب تھا اور زخموں کی بےچینی میں جب کہ موت سامنے کھڑی تھی وہی ایک مسلمانوں کی بھبودی اور خیرخواہی کا خیال پیش نظر تھا۔ اپنی تکلیف کا احساس نہیں تھا فکر تھا تو صرف یہ کہ کوئی مسلمان تو میرے قتل میں ملوث ہو کر مستوجب عذاب نہیں ہوا۔ اللہ اکبر یہ ہمدردی اور دلسوزی تھی مسلمانوں نے اپنے اوصاف کو کھو دیا ہے جس سے اُنکی حالت تباہ و برباد ہے۔ اُن میں ہمدردی بھی ہے تو دینی نہیں بلکہ خیالی ہے جسکا نام قومی رکھا گیا ہے۔ اور جسکو مذہب سے بیگانہ اور علیحدہ سمجھتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

مؤتمر الانصار کا دوسرا اجلاس میرٹھ میں

ناظرین القاسم نے سال گذشتہ میں مؤتمر الانصار مراد آباد کی کیفیت القاسم کے اوراق میں پڑھی ہوگی امسال جمعیۃ الانصار کی دوسری سالگرہ میرٹھ میں ہوئی دیوبند سے مشرق کی جانب سفر کرنے والوں کے لئے میرٹھ پہلی منزل ہے بعض بہی خواہان دار العلوم دیوبند کے دلوں میں منجانب اللہ یہ شوق پیدا ہوا کہ ۱۳۳۰ھ کا اجلاس مؤتمر الانصار کا میرٹھ صدر میں ہو غیبی حرکت کا دلوں میں محسوس ہونا تھا کہ ایک چھوٹی سی جماعت مسلمانوں کی اس سے متحرک ہوئی اور جلسہ کی تیاریاں شروع کردیں اور چونکہ اس جماعت کا نصب العین حمایت اسلام تھی اسلئے باوجود بہت سی مقامی چپقلشوں کے اسکو اپنے مقصود میں کامیابی ہوئی۔ خواجہ ابو المتین جناب شیخ رشید احمد صاحب و جناب حافظ حاجی محمد فصیح الدین صاحب سوداگران صدر بازار میرٹھ و جناب حاجی حافظ محمد اعلیٰ صاحب کی سعی قابل تحسین ہے یہ حضرات جماعت استقبالی کے ارکان تھے کل انتظامات کرکے ایسٹر کی تعطیل میں اجلاس کی تاریخیں مقرر کردیں اور خطوط اطلاعی شائع کردئے۔ جمعیۃ الانصار کا دفتر بھی حسب ضابطہ پہلے سے میرٹھ بھیجدیا گیا تھا صدر دفتر جمعیۃ الانصار سے اشتہارات شائع کئے گئے اور ملک میں اچھی طرح اشاعت ہوگئی۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسٹر کی تعطیل میں جلسہ مؤتمر الانصار نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا اور جو خیال بعض غلط بیں دوستوں کا تھا وہ غلط ثابت ہوا۔

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ کو مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی جماعت استقبالیہ نے استقبال و مدارات کا اچھا انتظام کر رکھا تھا کوٹھیاں خیمے مکانات مہمانوں کی آسایش کے واسطے کافی طور پر مہیا تھے ضروری سامان سب موجود تھے جلسہ گاہ اچھے موقع پر تھی۔ پنڈال و فرش کی سادگی لائق داد تھی بلکہ قابل سبق۔ جلسہ گاہ میں متعدد دکانیں بھی ضروری اشیاء کی موجود تھیں روشنی کا اچھا انتظام تھا۔

پہلا اجلاس

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۱۲ء یوم شنبہ کو یہ پر رونق اجلاس ۷ بجے صبح کو

بصدارت طبیب اُمت حضرت مولنا الحاج الحافظ القاری محمد اشرفعلی صاحب مدظلہم العالی منعقد ہوا اور حسب ذیل کارروائی شروع ہوئی۔

اوّل جناب مولنا قاری عبدالوحید خانصاحب الہ آبادی مدرس درجہ تجوید دارالعلوم دیوبند نے دل لبھانے والے لہجہ میں تلاوت کلام مجید کے بعدازاں نونہالان گلشن قاسمی حافظ قاری محمد طیب و حافظ قاری محمد طاہر سلمہما اللہ تعالی فرزندان حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یکے بعد دیگرے قرأت سبعہ میں کچھ کلام اللہ پڑھا اور اہل جلسہ کو محو حیرت بنایا۔ اسکے بعد جناب خواجہ ابوالمتین شیخ رشید احمد صاحب ناظم مجلس استقبالیہ نے جناب حافظ فصیح الدین صاحب صدر مجلس استقبالیہ کی طرف سے تقریر پڑھی جسمیں علماء کرام کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کے دین سے بے رغبتی پر تاسف کرتے ہوئے مسلمانوں کو علماء کے اتباع کی رغبت دلائی اور جمعیۃ الانصار کی ضرورت پر اچھی روشنی ڈالی اور حضرت مولنا مولوی سید احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کیا فصیح مقرر کے بیان سے سامعین پر جو اثر تھا وہ اُنکے خلوص و جوش عقیدت کا مخبر صادق تھا خواجہ ابوالمتین کی تقریر ختم ہونے پر حضرت مولنا اشرف علی صاحب مدظلہم صدر انجمن مؤتمر الانصار تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور اوّل صدارت کے متعلق ایک تقریر فرمائی جس سے سامعین نہایت محظوظ ہوئے اور صدارت رسمی مروجہ مجالس کی حقیقت لوگوں پر منکشف ہوگئی بعدازاں آپنے جمعیۃ الانصار و مؤتمر الانصار کا مفہوم حاضرین کو سمجھایا کہ حق تعالی شانہ نے دین اسلام کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہی اور ہمکو بھی حکم کیا ہے کہ ہم دین کی حفاظت اور اشاعت کریں اسلیے ضرورت ہی کہ ایک جماعت دینی خدمات بجالانے کیلئے کمربستہ رہے اسلامی ضروریات کو بطریق اتم و احسن پورا کرے ایسی جماعت یا تو کوئی پہلے سے طیار ہو اُسکو اس طرف متوجہ کردیا جائے یا کوئی نئی جماعت بنائی جائے ظاہر ہے کہ اگر کوئی جماعت پہلے سے موجود ہو تو اُسی کو ادھر لگانا مناسب ہوگا نہ کہ نئی جماعت کی تربیت میں سعی کرنا اسوقت مدرسہ عالیہ دیوبند کی مذہبی جماعت کی اسلامی خدمات کسی پر مخفی نہیں ہیں محصلین مدرسہ عالیہ دیوبند کی ایک بڑی جماعت موجود ہے اور دینی خدمات ادا کرنے کی اچھی قابلیت رکھتی ہے۔ بس طلباء محصلین مدرسہ عالیہ دیوبند کی وہ جماعت جو اشاعت اسلام تبلیغ دین

تصنیف تالیف کا اہم کام انجام دینے پر کمربستہ ہو اُسکا نام جمعیۃ الانصار ہے۔ سو بحمدہٖ تعالیٰ یہ جماعت کئی سال سے قایم ہے اور اکابر کے منشار کے موافق دینی خدمات کے انجام دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

مؤتمر الانصار جمعیۃ الانصار کا ایک شعبہ ہے جسکا اہم مقصد عام اہل اسلام کی اصلاح ہے اور اسکا سالانہ جلسہ کسی شہر میں ہوا کریگا۔ اس ذریعہ سے یہ اپنے مقاصد کی تکمیل کریگی۔

دینی خدمات کی بجا آوری کے لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں اسکو مدارس و کتب خانہ کی بھی ضرورت ہے جس سے اشاعت علوم میں اعانت ہو۔ پس دار العلوم دیوبند میں خدا کی دی ہوئی یہ تمام باتیں موجود ہیں۔ وہ مستحق ہے کہ مرکز قرار دیا جائے۔ بدینوجہ اُسکو مرکز قرار دیا گیا۔

دوران تقریر میں حضور بیگم صاحبہ والی ریاست بھوپال کی علمی قدردانی کا ذکر فرمایا کہ حضور ممدوحہ نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے لئے جو دار العلوم دیوبند کا ایک جز ہے فی الحال سو روپیہ ماہوار مقرر فرمائے ہیں حاضرین جلسہ سے درخواست ہے کہ بیگم صاحبہ کے لئے خدا تعالیٰ سے دعائے خیر کریں۔ چنانچہ جمیع شرکاء جلسہ نے بخلوص قلب دعا کی۔

تعلیم علوم دینیہ کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے آپنے شرفاء اسلام کی شکایت کی کہ اچھے گھرانوں میں تعلیم دینی اسقدر کم ہوگئی ہے کہ کالعدم ہے عربی مدارس میں اچھے گھرانوں کے لڑکے بہت ہی کم دستیاب ہوتے ہیں اور اگر کوئی صاحب ہمت کرتے ہیں اور اپنی اولاد میں سے کسی کو عربی تعلیم کے لئے مدارس عربیہ میں سپرد کرتے ہیں تو انتخاب ماشاء اللہ عجیب و غریب ہوتا ہے ہونہار ذہین ذکی لڑکوں کو تو انگریزی کے لئے منتخب کرتے ہیں اور جو احمق اور کودن ہو اُسکو عربی کی تعلیم کے لئے جب عربی مدارس میں مجمع الحمقاء ہوگیا تو پھر ان میں امام غزالی اور امام رازی کہاں سے پیدا ہوں علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ آپ فلاں فلاں خدمات دینی انجام دیں اور جسقدر روپیہ کی ضرورت ہو وہ بھی خود مہیا کریں اس موقع پر مجھے ایک نقل یاد آگئی وہ یہ ہے کہ اکبر بادشاہ نے بھانڈ کو ہاتھی انعام میں دیا تھا وہ غریب پریشان ہوا کہ اسکو کھلاؤں کہاں سے ناچار ہاتھی کے گلے ڈھول ڈالکر بادشاہ کی رہگذر پر چھوڑ دیا جب بادشاہ کی سواری آئی تو معلوم ہوا کہ ہاتھی گلے میں ڈھول ڈالے پھر رہا ہے بھانڈ کو بلاکر دریافت کیا کہ یہ کیا حماقت ہے بھانڈ نے عرض کیا کہ حضور مجھکو اسکے کھلانے پلانے کی مقدرت کہاں ہے گلے میں ڈھول ڈالکر چھوڑ دیا ہے کہ خود مانگ کھائیگا۔

ہمارے مہربانوں نے ہمکو بھانڈ کا ہاتھی خیال کر لیا ہے کہ ہم خود ہی کام کریں اور خود ہی روپیہ جمع کریں جدید خیالات کے پیرو چاہتے ہیں کہ علمائے ربانیین دین کی خدمت بھی کریں اور تجارت حرفت کے ذریعہ سے دنیا بھی حاصل کریں۔ جب مستقل طور پر اس مسئلہ پر بحث کیجائیگی تو معلوم ہوگا کہ این خیالست ومحالست وجنون۔ علماء دنیا کے کام تجارت وغیرہ کر سکتے ہیں لیکن دونوں قسم کے کام علی وجہ الکمال ہو نہیں سکتے یہ لوگ تجارت صنعت میں وقت صرف کریں تو پھر دین کا کام پورا نہ کر سکینگے۔ دونوں کاموں میں کھنڈت ہی رہیگی اور اسوقت اشد ضرورت ہے ایک ایسی جماعت کی کہ جو صرف احیاء دین میں مصروف رہے۔ میں تو یوں کہتا ہوں کہ عقلاً تو یہ بات مسلم ہے ہی قانوناً بھی مسلم ہے۔ میں قانون نہیں جانتا مگر قانون دان اور سرکاری ملازموں سے سُنا ہے کہ سرکاری ملازم کو کوئی پیشہ وغیرہ کرنیکی سخت ممانعت ہے جو کوئی ایسا کرتا ہے ستوجب سزا سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ برین تجربہ شاہد ہے کہ ایک آدمی دو کام نہیں کر سکتا جو کام کے آدمی ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ کام کرنیکے لئے وقت کے علاوہ فکر اور سوچ کی بھی اشد ضرورت ہے۔ پس جو شخص کسی فکر میں مبتلا ہو وہ دوسرا کام فراغت سے کیونکر کرے حضرت میں خود اسمیں مبتلا ہوں کہ جب کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو رات بھر اسی میں محو رہتا ہوں اور جب تک لکھ نہیں لیتا اطمینان نہیں ہوتا پس علماء ایسی حالت میں تجارت صنعت حرفت کیا کر سکتے ہیں

علماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی دینی کاموں میں منحصر رکھتے ہیں ذرائع معاش ہم نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ کام کرنیوالے علماء آپکی جیبوں سے آپکے صندوقچوں میں سے کھائینگے۔ ہاں جو نکمے ہیں اور ناجائز طریقوں سے تحصیل وصول کرتے ہیں اُنکو کچھ نہ دیجے بلکہ اُنکے کپڑے اوتار لیجے تاکہ اُنکی اصلاح ہوجائے اور جب وہ درست ہوجاویں تو پھر اُنکے کپڑے واپس کر دیجے۔

اِسکے بعد آپنے اپنی تقریر مطبوعہ جسکا نام دُعَاۃُ الاُمَّۃ وھُدَاۃُ المِلَّۃ ہے پڑھکر سُنائی۔ جو القاسم بربیع الثانی میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

بعد ازاں جناب مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار نے جناب مولانا مولوی سید احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ کے لئے کل حاضرین سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور سب نے بکمال اخلاص دُعا کی۔

بعد ازاں جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب نے اپنا عربی قصیدہ سُنایا جو عربی فصاحت وبلاغت کا نمونہ اور شعراء عرب کی زندہ یادگار تھا جسمیں آپنے دار العلوم دیوبند کے حالات اور حضرت

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے واقعی مناقب بیان کئے تھے۔

اسکے بعد دوبارہ ناظم صاحب جمعیۃ الانصار کھڑے ہوئے اور خصوصیت کے ساتھ گورنمنٹ عالیہ کا شکریہ ادا کیا اور نیز حضور ملک معظم کا کہ گورنمنٹ کی درخواست پر ملک معظم نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو شرف ملاقات بخشا۔ ناظم صاحب تقریر کر رہے تھے مگر حاضرین کے دل میں صدر انجمن صاحب کی تقریر سے دارالعلوم کا شوق موجزن تھا جسکو وہ ضبط نہ کر سکے اور چاروں طرف سے بے اختیار چندہ دینے کی آوازیں کانوں میں آنا شروع ہوئیں۔ مجبوراً ناظم صاحب کو اپنی تقریر تھوڑی دیر کیلئے دوران میں روکنی پڑی۔ اور اسیوقت معقول مقدار خاص دارالعلوم کے نام سے فراہم ہوگئی درجہ تکمیل کے متعلق ناظم صاحب نے قوم سے درخواست کی پانچسو روپیہ ماہوار کے حساب سے اگر چھ ہزار روپیہ ایک سال کے واسطے ہمکو ملجائیں تو ہم شوال سنہ ۱۳۳۰ھ سے اس کام کو شروع کریں اور ایک سال میں خوب اندازہ کرلیں کہ یہ درجہ کس حد تک طلبہ کے لئے مفید اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے

اس سے فارغ ہوکر جمعیۃ الانصار کی مفصل روئداد سنائی اسکے ختم پر جناب مولوی عبدالرحیم صاحب متوطن ریواڑی نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی سچی خدمات سے متاثر ہوکر ریواڑی کے چھ نوجوان طالبعلموں نے جو ایسے غریب ہیں کہ خود مزدوری کرکے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اپنے آپس کے چندہ سے مبلغ چار روپیہ دارالعلوم کے لئے مجھکو دئے ہیں ہیں دو روپیہ اپنے پاس سے اضافہ کرکے پیش کرتا ہوں اور ایک سال کے مبلغ چوبیس عہ روپیہ پیش کرونگا۔

اسکے بعد جناب قاضی نجم الدین صاحب سکرٹری مقامی مسلم یونیورسٹی میرٹھ نے چالیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ ایک سال کے لئے اس گریجویٹ کے لئے مقرر فرمایا کہ جو دارالعلوم دیوبند میں رہکر دینیات کی تعلیم حاصل کرے۔ قاضی صاحب اور جملہ معاونین کے لئے دعا کی گئی اور جلسہ ختم ہوا۔

دوسرا اجلاس

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ شنبہ

۲½ بجے جلسہ شروع ہوا جناب مولانا مولوی احمد موسیٰ صاحب مصری امام جامع مسجد کلکتہ نے جو بغرض شرکت موتمر الانصار تشریف لائے تھے تلاوت کلام مجید کی اور دارالعلوم کے ایک طالب علم نے قرآن مجید پڑھا اسکے بعد حسب تحریر نظام الاوقات جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی کا وعظ ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ ممدوح تشریف نہیں لائے تھے اسلئے اسوقت میں جناب مولانا مولوی سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب مدرس دارالعلوم نے وعظ فرمایا

آپنے نہایت پرزور دلائل سے اسلام کی خوبیاں بیان کیں اور سائنس وفلسفہ کی نسبت کہا کہ مخرب دین نہیں بلکہ مصدق دین ہیں سائنس وفلسفہ کی چند جدید تحقیقات کا ذکر فرماکر اسلامی اصول و مسائل کو ان سے ثابت کیا اور بداہۃً دکھلادیا کہ جن اسلامی مسلمات کا ابنائے زمانہ شد ومد سے انکار کررہے ہیں اور کسی کی نہیں مانتے خداتعالیٰ کی قدرت ہے کہ مسلمات سائنس وفلسفہ خود ان مسلمات اسلام کے لئے مثبت ہیں مولانا کے وعظ سے شرکاء جلسہ پر جو محویت اور اثر تھا وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت قوم کو ایسے مواعظ سُننے کی ضرورت ہے۔

چونکہ مولانا نے ابطال تناسخ پر ایک تقریر طویل لکھی تھی اُسکے سُنانے کی غرض سے وعظ کو ختم فرمایا اور تقریر طویل کا ایک جز شرکاء جلسہ کو سُنایا جس سے مولانا کی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپنے نہایت پُرزور دلائل سے تناسخ کو باطل کیا آجتک ایسی جامع اور محکم تقریر اہل عالم نے کم دیکھی ہوگی۔ انشاءاللہ طبع ہوکر ملک میں شائع کیجائیگی۔

تیسرا اجلاس

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ یکشنبہ

مولوی قاری محمد شفیع صاحب بڈھانوی کی تلاوت کلام مجید سے آغاز جلسہ ہوا آپنے قرأت سبعہ میں قرآن شریف پڑھا۔ پھر مولوی قاری احمد موسیٰ صاحب امام جامع مسجد کلکتہ نے عربی لہجہ میں اور پھر چند طلبائے دارالعلوم دیوبند نے مختلف قراءتوں میں کلام مجید پڑھا جس سے اہل جلسہ پر ایک خاص اثر اور وارفتگی کا عالم تھا۔ اسکے بعد جناب مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی وہ تقریر شروع کی جسکا عنوان الدار الآخرہ ہے۔ عنوان بتلا رہا ہے کہ مضمون کیسا کچھ دقیق ہوگا۔ ادھر مولانا کا طرز تقریر وتحریر فلسفیانہ مشکل تھا کہ عوام اس مضمون سے متمتع ہوں مگر جہاں مولانا کی تقریر فلسفیانہ ہے وہاں خداتعالیٰ کے فضل سے طرز ادا بھی ایسا عام فہم ہے کہ اُسکی نظیر دوسری جگہ مشکل سے ملسکتی ہے۔ آپنے دار آخرہ کے ثبوت اور ضرورت پر تسکین بخش بحث فرمائی اور درمیان میں بضرورت اثبات مدعی ابطال تناسخ پر متعدد دلائل قائم کئے آپکی تقریر سے مؤتمر الانصار اور دارالعلوم دیوبند کی ایک خاص شان ہویدا تھی اور سامعین محو حیرت تھے۔ درحقیقت مسلمانوں کو ایسی تسکین بخش مسکت خصم دلائل کی ضرورت ہے ناظرین یہ تقریر صفحہ ۹ القاسم پر ملاحظہ فرمائیں۔

اسکے بعد حضرت حبیب اُمت مولانا مولوی محمد اشرفعلی صاحب مدظلہم العالی کا وعظ شروع ہوا

مولانا کا وعظ جس رنگ میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اسکو سب جانتے ہیں۔ آپنے وعظ شروع کرنے سے قبل مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ میں اپنے چھوٹوں کو بھی بڑا سمجھتا ہوں اگر میرا کوئی معتقد نہ مانے تو وہ جانے میں تو یہی خیال کرتا ہوں یہ مولوی شبیر احمد صاحب جنکی تقریر آپنے سُنی ہی میرے چھوٹے ہیں مگر میں انکو بڑا سمجھتا ہوں انکی ذات سے ہمکو اُمید ہے کہ یہ سب کچھ کرینگے اب ہمکو موت کا ڈر نہیں رہا ہے کیونکہ ہماری جماعت میں کام کے آدمی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ بعدہ مولٰنا نے دعا کی بعد خطبہ ماثورہ پڑھکر وعظ شروع کیا کہ میرا یہ بیان گویا مولوی شبیر احمد صاحب کی تقریر کا تتمہ ہے آپنے دار آخرۃ کے متعلق اعتقادات کا بیان کیا ہے میں دار آخرت پر عملی حیثیت سے بحث کرونگا چنانچہ مولانا نے عجیب عجیب مضامین بیان فرمائے ۱۲ بجے وعظ ختم ہوا اور جلسہ برخاست۔

چوتھا اجلاس

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ یکشنبہ

۲ بجے دوپہر کو جناب مولوی قاری ولی محمد صاحب کی تلاوت کلام مجید سے جلسہ کا آغاز ہوا پھر مولانا مولوی خواجہ عبد الحی صاحب متعلم درجہ تکمیل دار العلوم دیوبند نے اپنی تقریر جو سلاسل آیات کلام اللہ کے متعلق تھی پڑھی جس سے سامعین خوب محظوظ ہوے۔ اسکے بعد جناب مولانا مولوی عبد الرحمن صاحب سیوہاری رکن جمعیۃ الانصار رکن مجلس علمیہ ریاست بھوپال کی عربی نظم جسکا عنوان استغاثۃ الاسلام تھا۔ مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب مدرس اوّل مدرسہ امینیہ دہلی نے پڑھکر سُنائی۔ یہ نظم نہایت دقیق تھی مولٰنا مولوی عبید اللہ صاحب نے اسکا ترجمہ اُردو زبان میں حاضرین کو سمجھایا۔

اسکے بعد مولانا عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار نے اپنی تجاویز کا اعلان کیا جو جلسہ اراکین جمعیۃ الانصار میں باتفاق راے طے ہو چکی تھیں۔

"(۱) دار التکمیل دیوبند سے جتنے اہل کمال نکلیں وہ اگر رفیق دار العلوم کے شرائط مجوزہ الجامعۃ القاسمیہ پوری کرینگے تو جمعیت اُنہیں وظیفہ دیا کریگی جسکی مقدار پچیس روپیہ سے سو روپیہ ماہوار تک ہوگی جسقدر اہل فضل ابتک دار العلوم کے متعلق مدارس عالیہ سے پیدا ہوے ہیں وہ الجامعہ کے انتخاب پر اس وظیفہ کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

(۲) جسقدر گریجویٹ تجویز ۳ کے موافق حدیث شریف سے فارغ ہوکر دار التکمیل میں داخل ہونگے جمعیۃ اُنہیں چار سال تک کم از کم پچاس روپیہ ماہوار وظیفہ دیگی اور اُنہیں موقع دیا جائیگا کہ عربی ایم اے پاس کرلیں۔

(۳) درجہ تکمیل کے فارغ شدہ فاضل اور گریجویٹ اگر دار العلوم کی خدمت کے لئے وقف ہوں تو بعض فنون کی تکمیل کے لئے ممالک غیر میں دو سال کے لئے بھیجے جائینگے اور جمعیۃ اُنہیں ماہانہ پونڈ (تین سو روپیہ)

کے حساب سے علاوہ سفر خرچ وظیفہ دیگی (یہ وظیفہ اُمرا کے چندہ سے دیا جاویگا)۔

(۴) دار العلوم کے مقاصد کی تکمیل کیلئے جمعیۃ بتوسط قاسم المعارف مکاتب اور مختلف الانواع مدارس قایم کریگی محض اشاعت اسلام کے لئے ہند اور ممالک غیر کے لئے واعظ مقرر کریگی۔

(۵) مدارس اور مجالس کے ساتھ جمعیۃ اسلامی دار الاخبار اور مدارس لیلیہ قایم کریگی۔

(۶) جمعیۃ اپنے مقاصد کی اشاعت کیلئے ایک اُردو اخبار بھی جاری کریگی جسکا نام الانصار ہوگا۔ اُسکا ضمیمہ عربی۔ انگریزی میں شائع ہوگا اور حسب ضرورت دیگر زبانوں میں بھی اُسکے ضمیمجات ہوسکینگے۔

(۷) جمعیۃ الانصار اور اُسکے متعلق مدارس و مکاتب و مجالس کے ملازمین کو باقاعدہ ترقی اور پنشن دیجاویگی"

اعلان تجاویز کے بعد جناب مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی نے تلافی مافات اچھی طرحکی آپنے قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے پر خوب خوب دلائل پیش کئے اثنائے وعظ میں نماز عصر کا وقت آگیا حاضرین جلسہ کا اصرار ہوا کہ بعد نماز عصر بھی وعظ ہو چنانچہ مولانا موصوف کا وعظ قریب مغرب تک ہوا اور سامعین پر اچھا اثر اور دلبستگی رہی۔

پانچواں اجلاس

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ دوشنبہ

۷ بجے تلاوت کلام مجید سے جلسہ کا آغاز ہوا اور اُسکے بعد جناب مولنا مولوی محمد عبد السمیع صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند نے اپنی دلگداز نظم پڑھی۔ بعدہٗ مولوی شائق احمد صاحب متعلم درجہ تکمیل دار العلوم دیوبند نے اپنی عربی نظم سنائی۔ اسکے بعد جناب مولنا مولوی محمد سہول صاحب مدرس دار العلوم دیوبند نے تعدد ازواج پر ایک تقریر پڑھی جو مضامین علمیہ سے مملو تھی جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ تعدد ازدواج فطرت انسانی اور قانون الٰہی کے موافق ہے اسکے بعد جناب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہٗ نے تعدد ازواج کی تائید و توضیح میں مختصر طور پر قابل قدر باتیں بیان فرمائیں۔ بعدہٗ جناب مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب رکن جمعیۃ الانصار مدرس اول مدرسہ امینیہ دہلی نے اپنی عربی نظم سنائی جو نہایت فصیح اور مولانا کی قابلیت پر گواہ صادق تھی۔

بعد ازاں حضرت مولنا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلہ حسب نظام الاوقات دعا کے لئے کھڑے ہوئے مگر مجمع کی زیادتی دیکھکر جسکی تعداد سات آٹھ ہزار سے کم نہوگی آپنے وعظ شروع فرمایا یہ وعظ برکت وقت سے ایسا زبردست اور دلچسپ ہوا کہ پنڈال میں سکوں اور تحیر کا عالم تھا مضامین کی لہر آمد آمد موج دریا کی طرح اُمڈی چلی آتی تھی (ان وعظوں کو بعض مخلصین نے قلمبند کیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ بغرض نفع رسانی اہل اسلام کسیوقت طبع کر کے شائع کئے جاوینگے) آخر میں آپنے مسلمانوں کے حق میں دعا فرمائی اور نہایت حسن و خوبی کے ساتھ موتمر الانصار کا دوسرا سالانہ جلسہ ختم ہوا۔ والحمد للہ علی ذٰلک

خاکسار سراج احمد عفی عنہ

فہرست چندہ دار الحدیث جو اشاعت القاسم ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ تک وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	منجانب والدہ مولوی محمد عقیل صاحب معرفت مولوی محمد عقیل صاحب رئیس کاندہلہ ضلع مظفر نگر ـ بجلڑی طلائی ایک عدد وزنی ۳ تولہ ۲ ماشہ ۵ رتی	عہ/
۲	خواجہ محمد خلیل صاحب ساکن گیا متصل ہسپتال	سے/
۳	مولوی سراج الدین صاحب از ڈاکخانہ ہیاگھاٹ بلاسپور	عصر/
۴	مولوی سید احمد علی صاحب تحصیلدار نیما ہیڑہ	صہ/
۵	مولوی فیض محمد خان صاحب چیف میڈیکل آفیسر ریاست نابہ	صہ/
۶	منشی مشتاق احمد صاحب سب اوور سیر ریلوے نیر پور علاقہ جودہپور بیکانیر	عصر/
۷	منجانب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ عطیہ مولوی حسام الدین احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر سراوہ پنشنر	عہ/
۸	جناب محمد حسین صاحب دندان ساز مرادآباد	صہ/
۹	معرفت مولوی حاجی محمد صاحب ساکن کراچی (تفصیل اسکی روداد مدرسہ سالانہ میں طبع ہوگی)	لعہ/ ۱۰
۱۰	محمد قاسم صاحب بنگالی	۴/
۱۱	منجانب حضرت مولانا محمد قاسم رح بانی مدرسہ ہذا عطیہ مولوی سراج الدین احمد صاحب	۸/
۱۲	منجانب والدین مولوی سراج الدین احمد صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ واقع حیمری ڈاکخانہ رامو ضلع چاٹگام	۸/
۱۳	مولوی سراج الدین احمد صاحب مہتمم مدرسہ رشیدیہ "	۵/
۱۴	معرفت مولوی عبد الرحمن صاحب مدرس ضلع بیڑ (تفصیل اسکی روداد مدرسہ سالانہ میں طبع ہوگی)	سے
۱۵	بابو غلام محمد صاحب تار بابو جہاں گیر اسنہ ضلع ٹھٹہ	صہ/
۱۶	منجانب پھوپی صاحبہ فرید الحق صاحب ساکن یوسف پور ضلع غازی پور	صہ/
۱۷	معرفت منشی محمد اشرف صاحب قانونگو تحصیل ضلع جونپور	عہ/ ۲
۱۸	(تفصیل اسکی روداد مدرسہ سالانہ میں طبع ہوگی)	
۱۹	منشی عبد الرحمن خان صاحب ساکن جھنڈلہ ضلع کرنال	صہ
۲۰	منشی حافظ محمد حسین صاحب از انچولی ضلع میرٹھ	عمار/
۲۱	جناب منشی محمد تقی صاحب از دہلی	صہ/
۲۲	رحمن بخش صاحب از دہلی	عصر/
۲۳	ابو محمد صاحب از دہلی	عصر/
۲۴	منشی محمد محسن علی صاحب انسپکٹر سروے ڈاکخانہ گیا نپور اسٹیٹ بنارس ضلع مرزاپور	عمار/
۲۵	داروغہ ہدایت حسین صاحب بہاگلپوری از تھانہ بہار ضلع پٹنہ	عصر/
۲۶	اہلیہ یعقوب حسین صاحب ساکن بہاگلپور	۸/
۲۷	اہلیہ محمد بدیع الحق صاحب بہاگلپوری	۸/
۲۸	اہلیہ نعمت علی صاحب "	۴/
۲۹	منجانب حضرت بابا شرف الدین صاحب رح	ماا/
۳۰	حافظ انوار الحق صاحب ولد شیخ احمد صاحب دیوبندی	۸/
۳۱	مولوی گل محمد خان صاحب اتالیق اطفال مدرسہ دیوبند	عمار/
۳۲	منجانب والدہ صاحبہ مرحومہ حافظ محمد شفیع صاحب و مولوی حکیم محبوب الٰہی صاحب کرانوی۔	عہ/
۳۳	منشی شریف الدین صاحب ساکن بھوپت پور ڈاکخانہ نکیہ ضلع بلندشہر	۸/
۳۴	منشی محمد مسلم صاحب از کلکتہ۔	للعہ/
۳۵	مسماۃ حنیفہ صاحبہ زوجہ منشی نذیر احمد صاحب مرحوم دیوبندی	عمار/

نمبر	نام	رقم
۳۶	منشی تہور علی صاحب انسپکٹر پولیس الہ آباد	عہ
۳۷	منجانب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی عطیہ نواب عاشق حسین صاحب رئیس سنبھل ضلع مراد آباد	عہ
۳۸	منشی محمد صدیق صاحب ساکن بنت ضلع مظفر نگر	عمہ
۳۹	اہلیہ منشی سراج الدین صاحب ساکن بنت 〃	عہ
۴۰	از طرف محمد سلیمان پسر حافظ شریف احمد صاحب بنتی 〃	عمہ
۴۱	از طرف مولوی محمد داؤد صاحب بنتی 〃	مہ
۴۲	قاضی مطلوب حسین صاحب جائنٹ سکرٹری معاونین اسلام سنبھل ضلع مراد آباد	صہ
۴۳	جناب محمد غضنفر اللہ صاحب و جناب محمد نور اللہ صاحب ٹھیکہ دار مراد آباد	صہ
۴۴	منجانب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ حافظ محمد صدیق حسن خانصاحب از گوالیار	عمہ
۴۵	دفعدار محمد یار خانصاحب رجمنٹ دوئم 〃	عمہ
۴۶	دفعدار سید رؤف احمد صاحب 〃 〃	عمہ
۴۷	نامعلوم الاسم معرفت سوار عبد الرزاق صاحب گوالیار	صہ
۴۸	شیخ محمد برکت اللہ ساکن محمد گنج ضلع بستی۔	عہ
۴۹	منجانب آل امجاد رضی اللہ عنہم عطیہ قاضی محمد اکبر صاحب رئیس یوسف پور ضلع غازی پور	عہ
۵۰	منجانب حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عطیہ قاضی محمد اکبر صاحب رئیس یوسف پور ضلع غازی پور	عہ
۵۱	منشی سید نیاز علیشاہ صاحب کلارک محکمہ جنگلات کوٹہ صہ / ومنجانب عم مکرمہ منشی سید نیاز علیشاہ صاحب عہ	عہ
۵۲	پیرجی سید محب علی صاحب رئیس قادری باغ ڈاکخانہ کسیر ضلع بلند شہر	صہ
۵۳	جناب محمد ابراہیم ناخدا صاحب ساکن اندیر ضلع سورت	للعہ
۵۴	شاہ رمضان صاحب سوداگر ساکن پورینی ضلع بھاگلپور	صہ
۵۵	منجانب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمہ / منجانب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم عمہ / منجانب مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین عمہ / منجانب والدہ صاحبہ منشی امیر علی صاحب عمہ / منجانب خود (عطیہ منشی امیر علی صاحب از کلکتہ) عمہ	صہ
۵۶	عالیجناب شفاء الملک حکیم رضی الدین خانصاحب رئیس دہلی	عہ
۵۷	منجانب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عہ / عطیہ بابو عبد القیوم صاحب الہ آبادی عمہ	سے
۵۸	منجانب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے / عطیہ شیخ الہی بخش صاحب مارکہ عہ	صہ
۵۹	چندا قصاب معرفت رحیم بخش صاحب پان فروش سکندر آباد ضلع بلند شہر	عہ
۶۰	حافظ احمد اللہ خانصاحب رئیس گڑھی عبد اللہ خانصاحب براہ نانوتہ ضلع سہارنپور	عہ
۶۱	مسماۃ فاطمہ دختر عبد الرحیم صاحب سکنہ تھانہ بھون	[illegible]
۶۲	حافظ رحمت اللہ صاحب تھانوی مدرس مدرسہ ٹھولہ	ار
۶۳	حکیم محمد ابراہیم صاحب رئیس بلیا	[illegible]
۶۴	منشی سید محمد احسن شاہ صاحب تحصیلدار سوگن پور	عہ
۶۵	منشی علی محمد صاحب بردوکان امداد اللہ خانصاحب امین آباد لکھنؤ	عمہ
۶۶	مولوی محمد سعید صاحب مختار عدالت بنارس	عمہ
۶۷	منجانب آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عمہ / ومنجانب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ۸ر / ومنجانب اہلبیت پاک رضی اللہ عنہم ۸ر / عطیہ منشی عبد الرحمن صاحب سیاہہ نویس اترولی ضلع علیگڈھ	عہ
۶۸	منشی سراج حسین صاحب ساکن شاہجہانپور محلہ سنزئی مکان عبد اللطیف خانصاحب	عمہ

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

قیمت سالانہ

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۳۱ھ جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن عفی عنہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۳۰ھ

مطابق ماہ جون ۱۹۱۲ء

جو حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے۔

الرشید کے متعلق اکثر حضرات کی ارار موصول ہو چکی ہیں اور بہت حضرات اسکے انتظار کی تکلیف برداشت فرما رہے ہیں مگر کیا کیجئے کہ بعض خاص موانع کی وجہ سے ابتک اسکے اجراء میں تاخیر ہوئی اب انشاء اللہ تعالیٰ بعد دفع موانع عنقریب الرشید کے مطالعہ سے آپکی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔

جن حضرات کا چندہ ماہ رجب پر تمام ہو جاتا ہے انکی خدمت میں شعبان ۱۳۳۰ھ کا رسالہ ویلیو روانہ کیا جائیگا اور اسکے متعلق ماہ رجب کے القاسم کے ساتھ دوبارہ مفصل اطلاع دیجائیگی۔

دار الحدیث کے چندہ کی فہرست اس مرتبہ گنجایش نہونیکی وجہ سے شائع نہو سکی آیندہ ماہ میں انشاء اللہ درج ہوگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مبارک یادگار

دارالحدیث کیا مبارک نام ہے کہ جبکے زبان پر آنے سے زبان و دِل دونوں کو ایک عجیب لذّت و کیف حاصل ہوتا ہے۔ لفظ دار سے سب واقف ہیں مگر مضاف الیہ نے اسکے ساتھ پیوند ہو کر اسمیں وہ ہر دلعزیزی اور دلربائی کی شان پیدا کردی کہ حدیث شریف کی طرح اس پیارے نام سے بھی کانونکو اُنس اور دلوں کو سرور ہے۔ علیٰ ہٰذا یہ لفظ اپنے معنی کے اعتبار سے بھی ایک مقناطیسی جذب رکھتا ہے۔ مسلمانوں کی گرویدگی اور کشش تام اور توجہ عام سے اسکا سُراغ لگتا ہے۔

اب سے پہلے ہندوستان میں یہ لفظ بعض خواص نے ہی سُنا ہوگا دیکھنا تو شاید کسی کو بھی نصیب نہوا ہوگا۔ ہندوستان میں باوجودیکہ سالہا سال مسلمانوں کی سلطنت رہی اُنکے اقبال و اجلال کا پھریرا آسمان پر اوڑتا رہا علم کی خوب خوب گرم بازاریاں رہیں۔ اُنھوں نے علم کی خدمتگذاری میں نمایاں حصہ لیا مدارس بنائے علماء کا احترام کما ینبغی کیا۔ طلبہ کی وہ قدر دانی کی کہ اُنکو محدث مفسر فقیہ ادیب فلسفی بننا آسان ہوگیا یہ سب کچھ کیا مگر یہ خیال نہوا کہ کوئی ایسی بُنیاد قائم کرجائیں جو آیندہ آنیوالی نسلوں کے لئے حدیث کی طرف رہبر ہو اُنکے دلوں میں یہ وہم و گمان بھی نہ آتا تھا کہ ہم صفحۂ دُنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹجائیںگے۔ اُنہیں یہ خبر نہ تھی کہ علوم دینیہ کی بے قدری کا کوئی وقت آنیوالا ہے۔ وہ گئے اور اپنے ساتھ علم کی قدر دانی عزت افزائی کو بھی لیگئے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود دین اور علم کی نگہبانی کا وعدہ فرمایا ہے اور الکریم اذا وعد وفیٰ ہمکو یقیناً معلوم ہے کہ گو ابنائے زمانہ علم دین کی کیسی ہی بےقدری کریں مگر وہ اس کس مپرسی کے زمانہ میں بھی اپنی اُسی شان دلربائی سے اہل علم کا منظور نظر اور اہلِ عالم کی بقا کا ذمہ دار رہیگا۔ ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؎ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

ایک وہ دن تھا کہ سلطان نور الدین نور اللہ مرقدہ نے دمشق میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی تھی اور اپنے علم دوست اور خادم حدیث ہونے کا ثبوت دیکر تاریخ کے صفحات پر اپنا نام علم دوست بادشاہوں کی فہرست میں لکھا دیا تھا اور مرجانے کے بعد زندہ رہنے کی اچھی تدبیر سوچی تھی اور ایک آج دن ہی کہ ہندوستان کے غریب مسلمانوں نے سلطان نور الدین نور اللہ مرقدہ کی اقتدا، اور حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوۃ کے احیا کے شوق اور فکر میں دارالحدیث دیوبند کی بنیاد رکھی ہے۔ قادر مطلق جل جلالہ کی قدرت کی نیرنگ سازیاں ہیں کہ جو کام کبھی بادشاہوں سے لیا تھا آج اس پرآشوب قحط الرجال کے زمانہ میں وہ ہی خدمت گداؤں کے سپرد ہے جس تابان خدمت پر بادشاہوں کو ناز بجا تھا آج نہایت شرمساری کے ساتھ غربا اُسکی انجام دہی کو اپنے انجام بخیر ہونے کی تمہید اور نیک فال سمجھتے ہیں۔

یہ علم کی کساد بازاری اور ناقدردانی کا زمانہ علوم جدیدہ کی گرم بازاری کا شباب کمال الکمال کا کا آغاز مسلمانوں کی افلاس کا نچوڑ اور **دیوبند** سی بستی میں دارالحدیث کی تعمیر کا خیال (کس کو خدام دارالعلوم دیوبند کو) اور وہ بھی ساٹھ ستر ہزار روپیہ کی لاگت کا بظاہر ایک پریشان کن خواب ہے عقل ظاہر بیں کے دارالافتاء سے اگر فتویٰ طلب کیا جائے تو مفتی عقل بے تامل و بے تکلف جواب دیگا کہ این خیال است و محال است و جنوں۔ مگر چونکہ اس کام کا مبدا اشارات غیبی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریکات باطنی میں اور خدام دارالعلوم دیوبند کے دلوں میں اس مادہ کی تولید شوق دل خلوص نیت۔ احیائے سنت۔ توکل و انابت کی عناصر سے ہوئی ہے۔ لہذا اُمید قوی ہو کہ دارالحدیث دارالحدیث ہی بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خدام دارالعلوم کی زبان سے یہ صدا نکلتی ہو۔ مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی اور مسلمانوں نے مشتاقانہ لبیک کہا۔ اسوقت تک دارالعلوم سے چندہ کی تحریک و تحصیل کے لئے نہ وفود روانہ کئے گئے نہ دارالحدیث کا صحیح مفہوم سمجھانے اور چندہ کی تحصیل کے لئے سفراء و واعظین مقرر کئے گئے صرف جلسہ بنیاد دارالحدیث کے خطوط و اشتہارات یا القاسم کے ذریعہ سے اسکی اطلاع ملک کو ہوئی ہے مگر مسلمانوں کی دلی خلوص اور جوشش عقیدت کا پتہ اُنکے عطیات سے ہوتا ہے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ چندہ وصول ہو ہی جاتا ہے ابتک چندہ میں غربا کا حصہ زیادہ ہے اور شان قبول کا اظہار چندہ دارالحدیث کے اس انتساب سے ہوسکتا ہے کہ مشتاقان اُمت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل بیت اطہار

کی طرف سے صحابہ کبار کی طرف سے اولیائے کرام کی طرف سے ائمۂ عظام کی طرف سے چندہ بھیج رہے ہیں جس سے واضح ہو کہ دار الحدیث خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان اُمت کی تیار کردہ تعمیر ہے بلا شبہ ان مبارک خیالات کا محرک اصلی ہمارے ہادی برحق روحی فداہ کا وہ تعلق ہے جو آپکو اپنے ہر اُمتی کے ساتھ ہے اُسی کی جذبات مقناطیسی کا یہ اثر ہے کہ جسکو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں زہے نصیب ہم خدام دار العلوم کے اور زہے نصیب اُن مسلمانوں کے جو اس کار خیر میں حصہ لے رہے ہیں۔

ایک نیک بی بی کا گراں قدر عطیہ

القاسم کی گذشتہ اشاعت میں جناب مدیر القاسم نے دار الحدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ دہلی میں اگرچہ اسلامی حمیت کا خاص اثر باقی ہو مگر ابتک دار الحدیث کی امداد کا سلسلہ وہاں قائم نہوا تھا۔ لیکن بنیاد دار الحدیث کے جلسہ میں دہلی سے اس سلسلہ کی ابتدا شیخ احمد جان صاحب سوداگر نے کی اور جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین خانصاحب و حاجی اللہ بخش صاحب و محمد جان صاحب و حاجی محمد اسمعیل صاحب نے اپنے گرانقدر عطایا سے امداد فرمائی۔ ان عطیوں سے اُمید ہوتی ہے کہ دہلی میں یہ تحریک اب وسعت پذیر ہو جائیگی۔

القاسم کی اشاعت کے بعد دہلی سے ایک اور گرانقدر عطیہ ایک معزز خاتون یعنی والدہ صاحبہ شیخ محمد یعقوب و محمد یسین صاحبان سوداگران چرم صدر بازار دہلی کا دار الحدیث کیلئے موصول ہوا ہے معطیہ سلمہا نے نہ صرف خود اس طرف توجہ فرمائی بلکہ اپنے ہمعصر مستورات کو اس کار خیر کی امداد کی طرف حریص بنا دیا آپنے دو عدد پٹریاں طلائی وزنی ۲۷ روپیہ قیمتی تخمیناً ؏۴۰ کی جو نہایت خوبصورت اور کھری اور آپکی پسندیدہ چیزوں میں سے تھی بحکم لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون عطا فرمائی ہیں۔ آپنے مستورات کو اس کار خیر کی طرف دلالت اور ہدایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کا سبق پڑھا دیا۔ حدیث کی بقا اور اعانت کا رستہ بتا دیا۔ جزاہا اللہ تعالیٰ اور بموجب حدیث مَن سَنَّ فِی الاِسلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجرُھَا وَاَجرُ مَن عَمِلَ بِھَا الحدیث۔ (جسنے اسلام میں کوئی نیک طریقہ جاری کیا اُسکو اُسکا پورا ثواب ملیگا۔ اور جسقدر لوگ بعد کو قیامت تک اُسپر عمل کرینگے اُن سب کے ثواب کی برابر اسکو ثواب ملیگا اور طرفہ یہ ہے کہ اُن سب کے ثوابوں میں کچھ کمی نہو گی)

آپ نے ایک غیر متناہی خزانہ حسنات کا جمع کر لیا کیا اچھا ہو کہ خواتین اسلام اس طرف متوجہ ہوں اور دہلی سے پیہم متعدد مثالیں اسکی پیش ہوں ہمکو اُمید ہے کہ القاسم کی صدا باخبر حضرات کے کانوں تک پہونچکر بے اثر نہ رہیگی۔ واللہ المیسر والموفق۔

قطعہ متعلق جلسہ تاسیس دار الحدیث دیوبند

جلسۂ بنیاد دار الحدیث کی کشش اہل اسلام کے کسی خاص طبقے اور جماعت کے ساتھ مخصوص نہیں رہی اور ہر قسم کے حضرات نہایت محبت وشوق سے شریک ہوئے۔ چنانچہ جونپور کے مشہور شاعر جناب حفیظ کو بھی باوجود بعد مسافت اسی اسلامی کشش نے جلسہ میں پہنچا دیا۔ اور جیسا کہ وہ خود اس متبرک نظارہ سے محظوظ ہوئے تھے ایک مختصر نظم لکھکر دوسروں کو بھی محظوظ فرمایا۔ جو بعذر تاخیر کے ساتھ القاسم میں شائع کیجاتی ہے۔

لو ہوا افتتاحِ دارِ حدیث
طالع دیوبند تو دیکھو
اوّل اوّل یہ جنکی ہے تحریک
خدمت دین جو دل سے کرتے ہیں
سَعیُہُم مِنّی کے کاربند رہو
جو بھروسہ خدا پہ رکھتے ہیں
اُٹھ گئے ہائے کیسے کیسے بزرگ
مدّتوں میں بھی یہ اُمید نہیں
دار فانی میں کیجئے وہ کام
اِس عمارت کا صرف ہی کیا ہے
اُٹھئے اب جلد کہکے بسم اللہ

حبذا مومنو مبارک باد
ہوگئی یہ زمین علم آباد
قابلِ مدح ہیں وہ لائق داد
اُنکی ہوتی ہے غیب سے امداد
یہ بڑے رہنما کا ہے ارشاد
کام ہوتے ہیں اُنکے حسب مراد
خون رُلوا رہی ہے جن کی یاد
اِنکی پوری ہو قوم میں تعداد
جس سے راضی خدا۔ نبی ہوں شاد
اہل ہمت بڑے بڑے ہیں جواد
زیب مجلس ہے مجمع زہّاد

رکھئے اک ایک اینٹ آنکھوں سے
ہے یہ دارُ الحدیث کی بُنیاد

سپاسنامہ عربی

جو خدام دار العلوم کی طرف سے مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مددگار مہتمم نے

علامہ سید رشید رضا صاحب مصری کی خدمت میں پیش کیا

اور مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ناظرین القاسم کی سہولت کیلئے اسکو اردو میں لکھدیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سادتنا العظام وحضرة المولى السيد رشيد رضا حفظكم الله

بالتحية والسلام

إكرامُ الضيف من واجبات الشرع و مقتضيات المدنية والانسانية واخلاق النبوة لاسيما اذا كان الضيف كريما عظيم الشان رفيع القدر والمكان واذ المولى حين اكرمنا بالزيارة في اثناء دارنا و قعر بيتنا وشرفنا بالقدوم اداءً لفريضة الاخلاق الاسلامية و احياءً لما مضى عليه السلف الصالح من رفع التكلفات كان حقا علينا ان نحتفل به احتفالا رائقا يليق بشان ذلك السميدع البارع لكن السذاجة التي جبلنا عليها من بدء فطرتنا وفقدان المعاون التي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے بزرگان انجمن و مولانا سید رشید رضا اللہ تعالیٰ آپکو خوش و خرم زندہ و سلامت رکھے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مہمان کی مدارات ایک ایسی برگزیدہ اور پسندیدہ خصلت ہے جو تمدن کا اقتضا انسانیت کا جوہر شریعت کی تعلیم انبیا علیہم السلام کی عادت ہے۔ بالخصوص جبکہ مہمان کوئی کریم النفس عظیم الشان بلند مرتبہ شخص ہو۔ جبکہ آپ نے ازراہ بے تکلفی محض اخلاق اسلامیہ کے ادا کرنے اور بزرگان دین کے طریقہ کو زندہ اور برقرار رکھنے کی غرض سے ہماری غریبخانہ پر قدم رنجہ فرمایا اور تشریف آوری کی زحمت گوارا فرماکر ہمکو اپنے دیدار سے نوازا تو ہمارا فرض تھا کہ ہم بآئین مہمانداری اپنے مہمان مکرم کی شایان شان شاندار جماعت کے ساتھ پرتکلف دھوم دھام سے استقبال کرتے لیکن سادگی جسکے بدء فطرت سے ہم خوگر ہیں یا بالفاظ دیگر جو ہماری گھوٹی میں پڑی ہے اور ضروریات تکلف کا یہاں (دیوبند میں) نہ ملنا

لا بد منها في هذه القرية التي لم تلمم بها حتماً
المدنية ولا توجد فيها لوازم العمرانية و
اسباب الثروة والرفاهية وما وقع بقلوبنا
ان المولى على ما تنور به قلبه من انوار العلم و
تهذبت به نفسه من اخلاق السلف الصالح
لا يعجبه ما اتخذته الامة الناشئة ديدناً
لها من تلك الترهات في التكلفات التي ياباها
الاسلام والمسلمون دعتنا الى الاقتصار
على ما في قلوبنا من الاخلاص الصادق
والحب الخالص الايماني الذي ربطنا ايتها
الجماعة الاسلامية بعلاقة واحدة تبقى
وتقوى على بعد الديار ومر الدهور والاعصار

وكل محبة في الله تبقى
على الحالين من فرج وضيق
وكل محبة فيما سواه
فكالحلفاء في لهب الحريق

فتلك الرابطة الجامعة الاسلامية
الخالصة التي لا يشوبها رياء ولا يكدرها
شوائب المطامع والاغراض والتشبث
بما جاء ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه
وسلم كانوا اعمقهم علما وابرهم قلبا و
اقلهم تكلفا حملتنا على رفع التكلف و
العمل بالاقتصاد۔

کہ ہنوز اس قصبہ میں شہریت کی شان پیدا نہیں ہوئی تمدن کی
ضروریات خاطرداری اور مہمان نوازی کے سامان آسائش
آرام کی چیزیں یہاں دستیاب نہیں ہوتیں اور نیز یہ خیال کہ
چونکہ ہمارے برگزیدہ مہمان کا پاک دل علم کے انوار سے منور
اور بزرگان دین کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہے لہذا آرائش و
تکلفات مروجہ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ جو آجکل کے بدعت پسند
حضرات کا شعار ہے اور جسکو اسلام اور پختہ کار مسلمان عزت
کی نظر سے نہیں دیکھتے بالضرور ہمارے مہمان مکرم کو پسند نہ ہوگا
داعی ہوئے کہ ہم ظاہری تکلفات کو چھوڑ کر صرف اپنے سچے
دلی اخلاص اور خالص محبت ایمانی پر اکتفا کریں کہ جسنے دنیا بھر
کے مسلمانوں کو یکجہتی کے رشتہ میں وابستہ اور اتحاد کے سلسلے
میں جکڑ بند کردیا ہے اور ایک پایدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی شے ہے

۵ خدا کے واسطے ہے جو محبت
اسے ہر حال میں بیشک بقا ہے
سوا اسکے ہے جو الفت جہاں میں
وہ خود غرضی کے شعلوں سے فنا ہے

پس یہ اسلامی رابطہ کہ جسنے کل مسلمانوں کو ایک مرکز پہ
جمع کردیا جسمیں ریا کا شائبہ ہے نہ کدورت کا طمع کی
آمیزش ہے نہ خود غرضی کی۔
اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کہ اُن میں
باوصف کمال علم اور صفائی قلب کے تکلفات کا نام و
نشان بھی نہ تھا ہمارے لئے شمع راہ ہوئی کہ ہم تکلفات سے
قطع نظر کرکے محض سادگی کے ساتھ اپنے مہمان عزیز کا خیر مقدم کریں

عليك بالقصد فيما انت فاعله
انّ التخلق يأتي دونه الخلق

فالمرجو من المولى الكريم الصفح والاغتفار والنظر الينا بعين المودة والاخاء ـ

اذا اعتذر الصديق اليك يومًا
من التقصير عذر اخٍ مُقِرٍّ

فصُنه عن عتابك واعف عنه
فانّ الصفح شيمة كل حُرّ

ثم ايها المولى الكريم اذا نظرنا ان مصر قبة الاسلام ومهدها وهي ارض خضراء رفيعة المباني فسيحة المغاني قام العلم فيها على قدمٍ وساق ونفق فيها للشرف والفضائل سوق لم تزل ولا تزال محفوفا باهل المعارف والحكم نشأ فيها في كل عصر حاملو العلم وحافظو الملة ـ وانّ حضرتكم من بينهم العلم المشهور الطائر صيته شرقًا وغربًا والباهر فضله عجمًا وعربًا قد سعى في تقويم الاود وتسديد العوج وحمل الناس على منهاج الفلاح و السداد وتطهيرهم عن اوساخ الزيغ و الفساد ورأينا انّ ارض الهند على بُعدها من هذه البلاد الاسلامية وقلة ما بها من الخضرة والنضارة هي ذات اختلاف وافتراق قد حدثت فيها اهوأ ونشئت

اگر در پئے مصطفےٰ می روی ✤ میانہ روی باید اے اخی

ہمکو سید مکرم کی الطاف کریمانہ سے اُمید ہی کہ ہمسے جو کچھ فروگذاشت ہوئی اُس سے چشم پوشی اور جو کچھ خطا ہوا اُسکو معاف فرماکر نظر عنایت و الفت سے منظور فرمائینگے ؎ خطاؤنکا کری اقرار اپنی ✤ تری خدمت مین جب کوئی خطاکار ✤ نہو ناخوش خطا کو بخشدی تو ✤ کہ ہی یہ شیوۂ احرار و ابرار ✤

ای سید مکرم آپکا وطن مالوف (مصر) سبز و شاداب پر رونق وپر فضا خوش منظر رفیع العمارات ہونے کے علاوہ اسلام کا قبہ اور اسلامی دنیا کا گہوارہ ہی ـ ہمیشہ سے علم کا منظور نظر رہا ہی علم نے مدینۂ نبوی (علی صاحبہا الصلوة والسلام) سے چلکر وہاں ڈیرے ڈالدی اور اہل مصر سے خوب خوب صحبت رہی شرف وفضائل کی گرم بازاری نے اہل مصر کی علمی تجارت کو نفع بخشا اور مالامال کردیا ہر زمانہ میں علم کے ارکان اور ملت نبوی (علی صاحبہا الصلوة والسلام) کے نگہبان وہاں پیدا ہوئی ہمیشہ اہل معارف و اہل حکمت کا گنجینہ رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ رہیگا ہماری اس دعوی کی زندہ تصویر اور شاہد عدل ہماری سامنے موجود ہے اور خدا تعالےٰ کے فضل سے آج ہماری گھر میہمان ہی (وہ کون سید رشید رضا) اُنہیں مصر کے اہل کمال میں سے ایک آپکی ذات ہے کہ مشرق و مغرب میں آپکے علم کا ڈنکا بجا ہوا ہے اور عرب و عجم میں فضل و ہنر کا شور مچا ہوا ہے آپکی ذات مقدس قوم کی ہمدردی میں منہمک ہے اصلاح قوم کا اپنے بیڑا اُٹھایا ہے قوم کی کج رفتاری دور کرنے میں سعی بلیغ فرمائی ہی راستی و درستی کی ہدایت کی ہی ـ اہل زمانہ کو فلاح کی سڑک پر ڈالنے اور گمراہی وکجی وفساد کے میل کچیل سے اُنکو پاک صاف کرنے میں بجد جدو جہد سے کام لیا ہی آپکے کمالات کی تو یہ حالت ہے اب ہماری بستی بھی ملاحظہ ہو کہ ہندوستان بلاد اسلامیہ سے دور وہاں کی ہوا کا گذر یہاں مشکل ہے پھر یہاں نہ وہ تر و تازگی نہ وہ رونق وفضا ـ اُسپر یہ طرہ کہ بدقسمتی سے آئی دن اختلاف کی آندہیاں آتی ہیں افتراق کی بجلیاں کوندتی ہیں

فيها اراء - تراهم احزابا متحزبين وفرقا متخالفين يضرب بعضهم وجوه بعض قد نكبهم ذالك الداء العضال" واذاقهم طعم الذلة والخيبة والنكال وان بلدتنا هذه التي شرفها حضرتكم من بين بلاد الهند كزاوية مظلمة اوكارض قفر ليس فيها رواء ولا رواء ولا شئ يسر الناظر ويتفرج به القادم -

بقينا حيارى لانستطيع حراكا. ولا نرفع رؤسنا حياء فاى شئ نتحف به حضرتكم السامى ونكافى تلك المنة التي قلدتموها اعناقنا -

نعم عندنا بضاعة مزجاة من العلوم التي كسدت اسواقها - ولم تبق منها الا الآثار الدارسة والمغانى الخالية الخاوية ليس فيها داع ولا مجيب" ولا مونس يانس لبيب" نهديها الى حضرتكم راجين ان يقع منكم موقع الرضاء والقبول ونحن بحمد الله موقنون ان الهدية وقعت موقعها - فهى ضالة المولى السيد الجليل وهو احق بها حيث وجدها "

ايها السيد الجليل والمولى النبيل" قد كان اظل على الاسلام والمسلمين زمان

ہواپرستی وخودرائی نے ناس کردیاہے جسے دیکھو اپنی رای کا متوالا جسے دیکھو اپنے خیالات کا تابع ایک دوسرے کی آبرو کا لیوا - خانہ جنگی فرقہ بندی نے جمعیت کے شیرازہ کو پریشان کردیا - اس مہلک مرض نے تالب گور پہونچا دیا - ذلت و رسوائی کا اچھی طرح ذایقہ چکھا دیا آپس کی شورشوں نے حرمان و خسران کے تیرہ و تاریک گڑھے میں دھکا دیدیا - غرض ہندوستان سے دلچسپی ہوتو کیونکر ہو اور پھر یہ ہمارا وطن (دیوبند جسکو آپنے تشریف آوری کی عزت سے نوازا ہے اور جسکو آپکی تشریف آوری پر ناز ہے) تو ہندوستانی آبادی میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور اسکی مثال بعینہ اُس چٹیل زمین اور تیرہ و تاریک گھر کی سی ہے کہ جہاں کسی آنیوالے مہمان کو مسرت و فرحت کے بجاے وحشت کا سامنا ہوتا ہے اور دلبستگی و دلچسپی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا -

ہم شرم سے سر نہیں اُٹھا سکتے حیران و دم بخود ہیں کہ آپکی جناب میں کیا تحفہ پیش کریں اور کیونکر آپکے اس بار احسان سے جو آپنے ہماری گردن پر رکھا ہے سبکدوش ہوں ؎

تھی خبر گرم اُن کے آنے کی * آج ہی گھر میں بوریا نہوا -

ہاں ہمارے پاس کچھ علوم کی پونجی ہے کہ آج اہل زمانہ کی ناقدرشناسی و دل آزاری سے جسکی کساد بازاری ہے جسکی دکانیں بند ہیں جسکی بازاروں میں ہڑتال ہے اللہ رے ویرانی کہ اب صرف اُسکے آثار ویران شکستہ و خالی مکانات ہو کا عالم ہیں زبان حال سے خود اپنی مرثیہ خوان اور اپنی جوان مرگی پر خود تعزیت کناں ہیں نہ وہاں کوئی داعی ہے نہ مجیب نہ کوئی مونس ہے نہ حبیب -

یہ ہدیہ خدمت عالی میں پیش ہے گر قبول افتد زہے عزو شرف - ہمکو خدا کے فضل سے یقین ہے کہ ہمارا ہدیہ ضرور شرف قبول حاصل کریگا آپکی گمشدہ دولت ہے آپ اسکے مستحق ہیں اور یہ آپکا مال ہے جہاں آپکو ملے

اے سیّد مکرم ہندوستانیں اسلام و اہل اسلام پر ایسا پر آشوب زمانہ آچکا ہے

کادت خیام العلوم الشرعیۃ ان تتقوض"
ومیاھھا تغور و مبانیھا الرفیعۃ السامیۃ
الی عنان السماء ان تبور و اعلامھا تنکس
و رسومھا تطمس فقیض اللہ جماعۃ من
اولیائہ و خزان اسرارہ فادرکوا الامۃ
المرحومۃ قبل ان نستاصل اصولھا و تضمحل
فروعھا و علموا بنور الفراسۃ و الیقین ان شئون
العلوم الاسلامیۃ ان لم تنتظم و تدخل تحت
ضابطۃ و قوانین ممھدۃ لا تکاد تبقی زمنا
یسیرا بل یفنی بفناء العلماء الذین ھم اخلاف
الاسلاف الزاکیۃ + وکان کذالک لو لم یتدارک
اللہ سبحانہ ھذہ الامۃ المرحومۃ بفضلہ"
فاسسوا ھذہ المدرسۃ سنۃ ثلث و ثمانین
بعد الف و مأتین من الھجرۃ النبویۃ علی خدمۃ
المسلمین شرقیھم و غربیھم فیھا سواء و
وضعوا لھا نظاما مرتبا و قواعد ممھدۃ -
وکان من اصولھا ان یحیی زمار الشرع و یحامی
عن الاسلام یدعی الناس الی المحجۃ البیضاء
من غیر ان یتعرض لاحد بالسوء او یعنت
الناس او یجاھر بالخلاف الا ما دعت الیہ
الضرورۃ من اظھار الحق و تبلیغ معالم
الدین فانثال الیھا الطلبۃ من کل
صقع بعید و مرمی سحیق و ملئوا جیوبھم

قریب تھا کہ علوم شرعیہ کے خیمے اوکھڑ جاتے اُنکے چشمے سوکھ
جاتے اُنکی عالیشان آسمان سے باتیں کرنیوالی عمارتیں منہدم ہوجاتیں
اُنکے پہاڑ سرنگوں ہوجاتے اُنکی علامتیں مٹجاتیں۔ حق تعالی شانہٗ
کے احسان کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو کہ اُس نے اپنے اولیای
باخبر اور رازداران باصفا کی ایک جماعت کو ادھر متوجہ فرمایا
خداتعالی اُنکی سعی کو مشکور فرمائے کہ اُنھوں نے تباہی اور
استیصال سے پہلے اُمت مرحومہ کی دستگیری فرمائی۔ اس
برگزیدہ جماعت نے اپنی نور فراست و یقین سے معلوم کرلیا تھا کہ
اگر علوم شرعیہ کا انتظام نکیا گیا اور اُسکی بقا کے لئے کچھ قوانین و
ضوابط ممہد نہ کئے گئے تو ہندوستان میں اُنکا بقا ناممکن ہوگا
بلکہ علمای ربانیین کی وفات کے ساتھ یہ علوم بھی مردہ اور
اُنکے ساتھ مدفون ہوجائینگے۔ اور اگر اللہ سبحانہ اپنے فضل سے
اُمت مرحومہ کی دستگیری نفرماتا تو اسمیں کچھ شک بھی نتھا
کہ علم ہندوستان سے رخصت ہوجاتا۔
ان بزرگوں نے ۱۲۸۳ھ میں عام مسلمانوں کی ذمہ داری پر اس
مدرسہ کی بنیاد رکھی کسی خاص قوم یا جماعت یا شہر کی تخصیص نہیں
کی بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو وہ ہی مساوی تعلق و استحقاق ہے
جو دیوبند کے مسلمانوں کو اور نظام تعلیم و قواعد و ضوابط ممہد کئے۔
اس مدرسہ کی اصلی غرض اور مقصود یہ ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ
وسلم کی پورے طور پر حفاظت اور حمایت کیجاوے لوگوں کو
اسلام کے سیدھے اور روشن رستہ پر بلایا جاوے نہ کسی کی
برائی کے درپے ہوں کسی سے جھگڑا کیا جائے نہ کسی سے
خلاف ہو اپنے کام سے کام ہو۔ ہاں اگر اظہار حق اور تبلیغ
دین کی ضرورت داعی ہو اور اسلئے کسی کا خلاف ہوجاوے تو
ناچاری ہے مداہنت سے بچنا مسلمانوں کا فرض ہے۔
مدرسہ کا قائم ہونا تھا کہ دور دور سے طلبہ ٹوٹ پڑے تعلیم
علوم اسلامیہ میں مصروف ہوکے جواہر علوم سے اپنی جیبیں بھرلیں

من جواهر العلوم وتخلقوا بآداب الشرع
والأخلاق الإسلامية وانتشروا في أرض
الله دعاة إلى الحق وهداة للخلق ثم سلك
الناس هذا السبيل فأسسوا في أكثر
البلاد والقرى مدارس إسلامية كبيرة
أو صغيرة على منوالها فصار غصن العلم
غضًا طريًا بعد أن كادت أعاصير
الجهل والأهواء والفتن الحادثة تقلعه
وبلغ المدرسة منتهى الآمال تشد إليها
الرحال وتحط في ساحتها أماني الرجال
قد أعد في هذه المدة ألفًا أو قريبًا
من الألف من كملاء الرجال وأمناء
الدين وحاملي الشرع وناشري السنة و
مبلغي الإسلام تدريسًا وتعليمًا "
وإرشادًا وتلقينًا ووعظًا ومناظرة
وتصنيفًا وتأليفًا. فالهند بأقطارها
الوسيعة وأرجاءها البعيدة بحمد الله
تعالى ملآئ من تلاميذها وحاملي لواءها
وناشري رداءها. الناس في ظل من
الفيوض العلمية ظليل وطرف المعاندين
عن الطموح إلى حصن الشريعة كليل.
هذا وإن موسسها وبانيها حضرت الإمام
مجدد الملة البيضاء وحامل لواء الشريعة

علم کی دولت سے مالا مال آداب شریعت سے آراستہ اخلاق اسلامیہ
سے پیراستہ ہو کر خلق خدا کی ہدایت اور حق کی طرف دعوت کرنے
کے لئے دنیا میں پھیل گئے۔ یہ طرز پسندیدگی نظر سے دیکھا گیا
اور لوگوں میں یہ چال چل پڑی اکثر شہر قصبات دیہات میں
مدارس اسلامیہ وغیر اسلامیہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے اسی طرز پر
قائم ہوئے جہالت کی اندھیاں خواہشات نفسانی کے
جھونکے فتنوں کے بگولے علم کے درخت کو مضمحل کرنا چاہتے
تھے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالی کی رحمت کے چھینٹوں سے درخت
علم کی شاخیں ہری بھری تر و تازہ نظر آنے لگیں اور
مدرسہ کو اپنی امیدوں میں پوری کامیابی ہوئی کہ دور
دراز ملکوں سے علم کے مشتاق سفر کی زحمتیں برداشت
کر کے یہاں آتے ہیں اور فائز المرام ہو کر واپس جاتے ہیں
خدا کے فضل سے اس مدت میں باوجود بے سروسامانی
تقریباً ایک ہزار فاضل امین دین متین حامل شرع و ناشر سنت
مبلغ اسلام مدرسہ نے پیدا کئے ہیں جو تدریس تعلیم ارشاد
تلقین وعظ مناظرہ تصنیف تالیف افتا کی گرانقدر
خدمات کو انجام دے رہے ہیں۔ ہندوستان
باوجود اپنی وسعت کے بحمد اللہ تعالی اس مدرسہ کے شاگردوں
اور علم برداروں اور فیض رسانوں سے بھرا ہوا ہے۔
مسلمان علمی فیوض کے گھنے کے سایہ میں راحت گزیں
ہیں تو اسلام کے دشمن حصن شریعت کی طرف نظر
اٹھانے سے معذور۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ مدرسہ کے مقدس بانی و موسس
حضرت امام مجدد ملت بیضا و حامل لوائے شریعت غرا

الغراء مولانا محمد قاسم ومربيها والمحامي
عن حوزتها حضرت الشيخ المحدث الناقد
الفقيه المجتهد امام الشريعة والطريقه
مولانا رشيد احمد قدس الله اسرارهما
كان من مقاصدهما حماية الدين وحفاظة
الاسلام باى طريق دعت اليه الحاجة
لكن تقوية جناح العلم وابقاء فئة العلماء
الذين ببقاءهم يبقى روح المذهب كان
اقدم واهم فافرغوا جهدهم اولا في
تنظيم شئونها وتكميل نظامها واحكام
اصولها وترصيص قواعدها وحين ما
فازات المدرسة بمرادها توجه اركانها
الى تكميل المدارج الاخر ووضعوا درجة
تسمى درجة التكميل يترقى فيه الطالب بعد
تكميل النصاب الدرسي الى اعلى الفنون
الضرورية وعقدوا جمعية تسمى الانصار
وهي جمعية للطلبة المتخرجين من هذه
المدرسة من اهم اغراضها ومقاصدها
تعميم فيوض المدرسة العالية ورسوخ
الاحكام الشرعية في طبقة العوام والمدافعة
عن حوزة الاسلام فوضعوا لها شعبا
وادارات منها التاليف والتصنيف و
ارشاد الخلق وصون المسلمين عن تطاول

غرا مولانا مولوی محمد قاسم صاحب اور اُسکے مربی
سرپرست نگہبان حضرت شیخ محدث ناقد فقیہ مجتہد امام شریعت
وطریقت مولانا مولوی رشید احمد صاحب قدس اللہ تعالیٰ
اسرارہما کی غرض اور مقصود گو یہ تھا کہ دین کی حمایت
اسلام کی حفاظت جس طرح بھی حاجت داعی ہو کیجاوے
لیکن علم کے بازو کی تقویت اور جماعت علما کا ابقا
کہ جنکی بقا پر مذہب کی روح کا بقا موقوف و منحصر ہے
اصلی غرض اور اہم مقصود تھا لہذا اولاً اُنہوں نے مدرسہ کے
قواعد و ضوابط کے استحکام اصول کی مضبوطی نظامات تعلیم
وغیرہ کی تکمیل کی طرف توجہ اور کوشش بلیغ فرمائی اور
جب یہ امور مکمل ہوگئے اور مدرسہ اپنی مراد کو پہونچگیا
تو مدرسہ کے اراکین نے دوسرے مدارج کی تکمیل کی طرف
توجہ فرمائی اور مدرسہ میں درجہ تکمیل مقرر کیا کہ طالب علم بعد
تکمیل نصاب درسی و تحصیل سند فضیلت درجہ تکمیل
میں ترقی کرے اور فنون ضروریہ میں یدطولی حاصل
کرے اور ایک انجمن منعقد کی جسکا نام جمعیۃ الانصار ہے
یہ اس مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی انجمن ہے اس
انجمن کا اصل اصول مدرسہ کی فیوض و برکات کو
پھیلانا احکام شرعیہ کو عوام کے طبقہ میں پختگی کے
ساتھ پہونچانا اسلام کی حفاظت معاندین و
مخالفین کی مدافعت کما ینبغی کرنا ہے اس انجمن
کے چند شعبے ہیں۔ دینی رسائل و کتب کی تالیف
و تصنیف اور گمراہوں کے چنگل
عوام اہل اسلام کی حفاظت
کرنا۔

ایدی المضلّین ونشر الوعّاظ والمناظرین واشاعة الاسلام فی البلاد الاجنبیة و تعلیم العلوم الدینیة للذین اتمّوا العلوم العصریة الجدیدة باعطاءهم الوظائف الباهظة وتعیین المدرّسین فی مدارس الحکومة لیعلّموا المسلمین مناسکهم ومعالم دینهم وتنظیم المکاتب فی المدارس فی القری والکور التی تحتاج الی ذلک وغیر ذلک من الامور المهمّة والمقاصد الرفیعة لکنّ هذه المقاصد العالیة لا نبلغها فی اسرع وقت وایسر سعی فانّها لابد لتکمیلها من اموال طائلة ومساعٍ جلیلة والمسلمون فی هذا الوقت غافلون عن مهمات دینهم والله میسر کلّ عسیر۔

ایها السیّد العظیم والمولی النبیل لیست هذه الجماعة التی تراهم متقشّفین لیس علیهم سمة الارتقاء ولا ابهة الرفعة و العلاء متعصّبین یمنعهم ضیق الصدر عن کلّ ما تحتاج الیه الملّة الاسلامیة ولا فیهم جهل عن مهمّات الاسلام والمسلمین ولا فیهم همجیة کما یظنّه العوام والذین لیس عندهم علم بحقیقة الحال ولکنهم یرون التصلّب فی الدین من اهم الفرائض،

واعظین ومناظرین مقرر کرنا دوسرے ملکوں میں اسلام کی اشاعت کرنا انگریزی داں فاضلوں (الیف اے۔ بی اے۔ ایم اے) کو بڑے بڑے وظائف دیکر دینیات کی تعلیم دینا سرکاری مدارس میں مسلمان طلبہ کی دینی تعلیم کے لئے مدرسین مقرر کرنا دیہات میں مکتب قائم کرنا وغیرہ ذلک۔ لیکن ان مقاصد عالیہ میں جلد اور معمولی سعی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ ان میں کامیابی کے لئے بہت سا روپیہ سعی بلیغ ایک ممتد وقت درکار ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان ضروریات دین سے غافل ہیں مگر اللہ تعالی ہر مشکل کو آسان فرمانے والا ہے۔

اے سید مکرم یہ جماعت جسکو آپ پرانی وضع پھٹے پرانے لباس میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اور جن پر امیری اور دولتمندی کا کوئی اثر نہیں ہے ایسی تنگ خیال نہیں ہے کہ دین و مذہب کی ضروریات کے پورا کرنے میں اسکو اسکا تصلب مانع ہو اسلام کی ضروریات اور مسلمانوں کی دینی دنیوی مہمات سے ہم غافل نہیں ہیں نہ ہم کاہل اور نکمے تدبیر معاش سے نا آشنا ہیں جیسا کہ عوام اور ناداں دوستوں نے ہمکو خیال کر رکھا ہے معاش و معاد کا حسن و قبح منفعت و مضرت ہمکو خوب معلوم ہے ہاں دین میں پختہ کاری کو ہم اپنا فرض مذہبی سمجھتے ہیں

ويعلمون انّ المداهنة في الدّين يهدمه
وان الاستهزاء والسخرية بركن من اركانه
يزلزل بنيانه ويستاصل قواعده و
يروزان من رعى حول الحمى يوشك ان يقع فيه
وينتهك المحارم فهم يستيقنون انّ بقاء ملة
الاسلام ببقاء اصولها وعقائدها
الحقة التي مضى عليه سلف الامة وخلفها۔
ومهما احكم الناس هذه الاصول فهم
في وسع من ذرائع كسب المعاش وتكميل
العلوم العصرية والصناعية۔

فالحاصل عندهم انّ الملة الاسلامية
لابد لبقاءها من امرين الامر الاول ان
تكون فيها جماعة هم حاملوا المذهب و
مبلغوا الشريعة شغلهم ليلا ونهارا
المكابدة في التعليم والارشاد والسهر
لمطالعة العلوم والقيام بحق الله تعالى
تلاوة وصلوة ذكرا وفكرا فهذه الجماعة
هي عماد الاسلام ان فقدت فقد الاسلام
وان ضعفت ضعف الاسلام والامر الثاني
ان يكون طبقة العوام والمشتغلين بامور
المعاش عاملين باصول دينهم عاملين
باركان مذهبهم لا يشغلهم طلب الدنيا
والانهماك في العلوم العصرية عن الفرائض

اور مداہنت کو برا جانتے ہیں اصول اسلام و مسائل دین کے
مذاق اوڑانے کو ہم گناہ کبیرہ اور سم قاتل خیال کرتے ہیں
بلاشبہ ایسی گستاخیوں سے قصر دین میں زلزلہ آجاتا ہے اور
مذہب کا مستحکم قلعہ منہدم ہوجاتا ہے۔ شاہی چراگاہ کے
متصل بکریاں چرانے کو ہم روا نہیں رکھتے اس خوف سے
کہ مبادا کوئی بکری اُس چراگاہ میں داخل ہوجائے اسلئے
محارم خداوندی سے پرحذر رہنا ہمارا اولین فرض اور
روشن عقیدہ ہے۔ اور ہمکو یقین ہے کہ بزرگان دین اور
سلف صالحین کے پختہ اصول اور سچے عقاید کی پیروی
میں بقای مذہب اسلام منحصر ہے جب تک مسلمان ان
محکم اصول کے پابند رہینگے دینی اور دنیاوی ترقی کے رستے
اُنکے لئے کُھلے ہوئے ہیں۔

الحاصل ہمارے نزدیک بقاء ملت اسلامیہ دو باتوں پر
موقوف ہے۔ اوّل یہ کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کی
ضرورت ہے کہ جو مذہب کی خدمتگزار ہو عوام الناس کو احکام
شریعت پہونچائے دن رات تعلیم و ارشاد میں مشغول رہے خدمت
علوم دینیہ اور عبادت الٰہی میں اپنے آپکو وقف کردے یہ
جماعت اسلام کا ستون ہے اور اسکے عدم و وجود
پر اسلام کا عدم و وجود منحصر ہے۔ دوم یہ کہ ہمارے
عوام اور جو حضرات کسب معاش اور تحصیل علوم
مروجہ میں مصروف ہیں وہ دین سے واقف ہوں
ارکان اسلام پر عامل ہوں دنیا کی طلب اور
علوم مروجہ کی دُھن اُنکو فرائض و حقوق مذہبی
سے ناآشنا اور غافل نہ کردے۔

والحقوق فان استقام الامران استقام الاسلام وزال مابه من عوج وضعف وقد كان الصدر الاول ومن بعدهم من القرون الصالحة على هذا المنوال فجمعية الانصار بحمد الله تعالى ارادت ان تتكفل جميع مالابد للمسلمين في امر دينهم لكن ثبت لنا من التجربة في بلاد الهند ان قلوب العامة فسدت بحب الزخارف المادية وطمحت انظارهم الى مايرونه من الاضواء الحادثة فهم يتاثرون بها سريعًا وتغلب الدنيا على الدين لاترى احدا رجح الدين على الدنيا الا الشاذ النادر فعلى هذا الاصل صمموا على ان دار العلوم مع تكميلها شعب التعليم وترتيب نصابها يبقى مصئونا عن شوائب يكدرها او يجرّها الى ما هو ليس من مقاصدها او يبدل هيئتها فيكون الغالب فيها العلوم الاخر وتبقى العلوم الدينية مقهورًا مغلوبًا وتعرى طلبتها عن حلية الدين وسمة التدين التي هما من امتيازات دار العلوم - هذا بيان الاحوال والمقاصد اجمالاً - وان اراد السيد الجليل اوضح من ذلك فطالعة القواعد والمقاصد لجمعية الانصار وقواعد قاسم المعارف في سنده وغير ذلك يكفي

اگر یہ دونوں باتیں درست ہوجائیں تو اسلام کا ضعف اور جونقائص ہماری غفلت کی بدولت پائے جاتے ہیں رفع ہوجائیں قرون اولی کے بزرگوں کا یہی طریقہ تھا- سو بحمد اللہ تعالی جمعیۃ الانصار نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ مسلمانوں کی دینی ضروریات اور اسلامی مہمات کے کفیل ہو- مگر چونکہ ہندوستان میں تجربہ سے ہمکو یہ بات خوب ثابت ہوچکی ہے کہ عام مسلمانوں کے دل دنیا کی ظاہری بناؤ سنگھار پر فدا و شیدا ہیں اور اُنکی آنکھیں نئی روشنی پر فریفتہ ہیں اور دنیا کی ان تیز چھریوں سے دین کے نورانی چہرہ کو زخمی کردیا ہے آہ ایسا تو کوئی شاذ و نادر ہی ملیگا جسنے دین کو دنیا پر اختیار کیا ہو- لہذا اراکین جمعیۃ الانصار نے یہ مصمم ارادہ کرلیا ہو کہ دار العلوم تعلیمی ترقیات میں کامیابی کرے مگر اسکی قدیم وضع اسلامی طرز قاسمی شان رشیدی انداز بحال خود باقی رہیں اسمیں کسی ایسے امر کی آمیزش نہونے پائے کہ علوم دینیہ خدانخواستہ مغلوب اور علوم مروجہ دنیاویہ غالب ہوجائیں اور بقدر وسع یہ کوشش کیجائے کہ دار العلوم کے طلبہ کے چہروں سے دینداری و تقوی شعاری ظاہر ہو جو دار العلوم کے امتیازات میں سے اولین امتیاز ہے-

یہ جمعیۃ الانصار کے مقاصد کا اجمالی بیان ہے اور تفصیل اسکی قواعد و مقاصد جمعیۃ الانصار و قواعد قاسم المعارف سندھ مطبوعہ میں موجود ہے اُن کا ملاحظہ فرمائے -

انشاء اللہ تعالیٰ و یبینہا اوضح من ذلک المولوی عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار۔

ولا یخفی علی الشیخ الجلیل ان اعظم مصیبۃ صبت علی الاسلام وادھی داھیۃ ادرکت المسلمین ھی آفۃ علماء السوء وآفۃ علماء الدنیا۔ ان العلماء فی الاسلام کالقلب فی الجسد اذا فسد القلب فسد الجسد کلہ لا نطلب العلم للدین بل نطلبہ للدنیا ولا نجعلہ وسیلۃ لھدایۃ الخلق وارشاد العباد بل ذریعۃ الی حطام الدنیا وجلب الدراھم والدنانیر نختل الدنیا بالدین فکما ان العلماء ان استقاموا ھم اساطین الدین ونجوم الھدایۃ کذلک ان زاغوا ھم حبائل الشیطان واعلام الغوایۃ۔

نشکو جور الاخوان وتغیر الزمان وذلۃ العلم وعزۃ الجھل لکن کل ذلک علینا من انفسنا لو کنا نقدر العلم حق قدرہ ونصون وجہہ عن ذلۃ الطمع والسؤال لکنا ملوکا تزف الینا الدنیا لکن غیرنا فغیرنا فسبحان الذی یغیر ولا یتغیر۔

ولنعم ما قال لقائل ما ابرہ وما اصدقہ

ولم اقض حق العلم ان کنت کلما
بدا طمع صیرتہ لی سلما

اور اگر زیادہ وضاحت کی ضرورت سمجھی جاوے تو مولانا محمد عبید اللہ صاحب ناظم جمعیۃ الانصار مفصل و مشرح بیان فرما سکتے ہیں۔

اے سید مکرم سب سے بڑی مصیبت جو اسلام پر پڑی ہے اور سب سے بڑا حادثہ جس نے مسلمانوں کا ناس کر دیا ہے فریبی اور دنیادار علماء کی خرابیاں ہیں علماء اسلام کے لئے بمنزلہ دل ہیں جب دل نکما اور خراب ہو گیا تو جسم کیونکر سالم رہ سکتا ہے۔ ہم علم کو دین کے لئے طلب نہیں کرتے بلکہ دنیا کے لئے طلب کرتے ہیں۔ ہم علم کو ہدایت و ارشاد خلق کا وسیلہ نہیں بناتے بلکہ دولت دنیا کے حصول کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ علماء اگر دین پر استقامت اختیار کریں تو وہ دین کے ستون اور ہدایت کے ستارے ہیں اور اگر وہ گمراہی اختیار کریں تو وہ شیطان کے جال اور گمراہی کے نشان ہیں۔

بھائیوں کی ناعاقبت اندیشی زمانہ کی گردش علم کی ذلت جہل کی عزت کا شکوہ کس سے کریں۔ کون سنتا ہے فغان درویش۔ قہر درویش بجان درویش اور کیونکر کریں از ماست انچہ بر ماست۔ ہای اگر ہم علم کی قدردانی کرتے اور اسکے پاکیزہ چہرہ کو طمع اور سوال کے غبار سے آلودہ نہ کرتے تو آج ہم سردار ہوتے دنیا خود ہماری مطیع ہوتی مگر افسوس کیا کیجئے ہمنے دین کو بدلا ہم خود بدل گئے اور ذلیل ہوئے پاک ہے وہ ذات کہ تغیر پر قادر ہے اور خود تغیر سے منزہ ہے۔

کیا اچھا اور سچا کلام ہے کسی عربی شاعر کا جسکا ماحصل اردو نظم میں ہدیہ ناظرین ہے

(۱) گرگ طمع و آز کو جب حملہ آور پائیں ہم
ہے مناسب علم کے زینہ پہ بس چڑھ جائیں ہم

ولم ابتذل فی خدمة العلم مهجتی
لاخدم من لاقیت لکن لاخدما
أأشقی به غرسا واجنیه ذلة
اذاً فاتباع الجهل قد کان اسلما
فان قلت زند العلم کاب فانما
کبا حین لم نحرس حماه واظلما
ولوان اهل العلم صانوه صانهم
ولو عظموه فی النفوس لعظما
ولکن اهانوه فهانوا ودنسوا
محیاه بالاطماع حتی تجهما
فالمرجو من حضرت الشیخ ان یدعولنا
ولطلبة دار العلوم ان یجعلنا الله من
المخلصین الطالبین لرضاءه الساعین
فی مرضاته المجاهدین فی خدمة دینه
الباذلین جهدهم فی نفع المسلمین۔
والله ولی التوفیق وآخر دعوانا
ان الحمد لله رب العلمین۔

(۲) علم سیکھا تا کہ مخدوم جہاں کہلائیں ہم
خوب گلچھڑے اوڑائیں کھائیں اور اترائیں ہم
چاہیے تھا قوم کی خدمت گذاری کے لئے
علم حاصل کر کے قربان قوم پر ہو جائیں ہم
(۳) کیا شقاوت ہے کہ نخل علم سے عزت کے پھل
ہم نہ کھائیں۔ ڈوب جائیں مونہہ نہ پھر دکھلائیں ہم
اتباع جہل اسلم تھا ہمارے واسطے
جبکہ پھل ذلت کے نخل علم دیں سے کھائیں ہم
(۴) علم کا چقماق بے آتش نہو کیونکر بھلا
جب حقوق اسکے ادا کرنیسے کترا جائیں ہم
(۵) گر بچائیں علم کو ہم دستبرد طمع سے
آپ پھر دیکھیں کہ کیسے کیسے رتبے پائیں ہم
عزتیں دنیا و دیں کی ہمکو حاصل ہوں ضرور
علم دیں کے ساتھ گر تعظیم سے پیش آئیں ہم
(۶) کی اہانت علم کی دنیا میں رسوا ہو گئے
کاش اس غفلت شعاری پر ذرا شرمائیں ہم
علم کے چہرہ پہ ڈالی خاک دست طمع سے
ہاے وہ ناخوش ہوا اب ڈوب کر مرجائیں ہم

اب میں اس سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں اور ملتجی ہوں کہ آپ ہمارے لئے اور دارالعلوم کے طلبہ کیلئے اللہ تعالی سے دعا کریں کہ حق تعالی ہمکو اخلاص نصیب کرے اسکی رضا اور خوشنودی میں سرگرم رہیں اسکے دین کی خدمتگذاری کو سرمایہ حیات سمجھیں اور مسلمانوں کی نفع رسانی میں اپنے مساعی کو وقف کردیں والسلام۔

اصلاح بعض جزئیات انقلاب اُمت

ایفاءِ نذر مالیؔ

سلسلہ کے لئے دیکھو القاسم نمبر جلد دوم

منجملہ طاعات ملحقہ بالزکوٰۃ کے نذر مالی کا ایفاء ہے اسمیں بھی مثل دیگر طاعات کے چند کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

ایک کوتاہی تو یہی ہے کہ بعضے لوگ شوق شوق میں نذر تو کر لیتے ہیں مگر اُسکا ایفاء نہیں کرتے یا تو یاد نہیں رکھتے یا یہ سمجھ کر کہ اب تو کام نکل گیا بے پروائی و سستی کرتے ہیں یا اُس کامیابی کا اگر بقاء نہ ہوا تو عدم بقاء کو مثل عدم حدوث کے قرار دیکر ایفاء کو واجب نہیں سمجھتے مثلاً کسی نے نذر کی کہ اللہ تعالیٰ فلاں مریض کو شفا دے تو میں دس روپیہ خیرات دونگا اور وہ تندرست ہو گیا مگر نذر پورا کرنے سے پہلے پھر بیمار ہو گیا تو یہ گمان غلط ہوگا کہ اب نذر پورا کرنا ضروری نہیں رہا کیونکہ معلق تندرست ہونے پر کیا تھا نہ کہ عمر بھر تندرست رہنے پر۔ جب معلق بہ پایا گیا ایفاء نذر واجب ہوگا۔ عسہ علاج اِن کوتاہیوں کا مسائل کا معلوم کرنا اور جزائے معصیت کو پیش نظر رکھنا ہے تاکہ نہ غلطی ہو اور نہ بے پروائی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے نذر غیر اللہ کی کرتے ہیں۔ بعض تو کھلم کھلا کہ ای فلاں بزرگ اگر ہمارا کام ہو گیا تو آپ کے نام کا کھانا کرینگے یا آپ کی قبر پر غلاف چڑھاوینگے یا آپ کی قبر پختہ بنا دینگے۔ یہ تو بالکل شرک جلی ہے کیونکہ نذر بھی عبادت کی ایک قسم ہے۔ (رد المحتار عن الاختیار)

عہ نذر غیر مالی کی کوتاہیاں دوسرے وقت انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہونگی ۱۲ منہ

عسہ قلت وما فی القنیة ان ذهبت هذه العلة فعلی کذا فذهبت ثم عادت لا یلزمه شیٔ اه لا ینطبق علی القواعد الا بتاویل وهو ان المراد بقوله ذهبت ذهابها ظاهراً لا حقیقةً کما یدل علیه قوله عادت لان حدوث مثلها بعد ذهابها حقیقة لیس بعودٍ لها بل مجیٔ علة اخری فان زیداً اذا ذهب ثم جاء عمرو لا یقال ان زیداً عاد مع کون زید و عمرو متماثلین فی النوع فافهم و راجع الکتب والمحققین ۱۲ منہ

اوّل احکام النذر وقبیل باب الاعتکاف) عبادت میں کسی کو شریک کرنا صریح شرک[عہ] ہے اسکا علاج توبہ اور عقیدہ کی درستی ہے اور وہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی اُسکو پورا نکرے اور اگر انتساب لغیر اللہ سے قطع نظر کرکے بھی وہ غیر مشروع ہو تو اُسکا مضاعف وبال ہے جیسا قبر پر غلاف چڑھانا یا قبر پختہ بنانا کہ خود بھی غیر مشروع ہے اور غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنانا یہ دوسری معصیت ہے اور ایسا کھانا ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کے سبب مباح التناول[لہ] بھی نہیں اور ایسا غلاف دوسرے سبب سے بھی کسی کے لئے جائز الاستعمال نہیں جیسا بعض مجاورین اُسمیں تصرف درست سمجھتے ہیں اور وہ دوسرا سبب مالک کا اسکے لئے اذن نہ ہونا ہی کیونکہ اسکی نیت صرف قبر پوشی کی ہے نہ کہ مجاور کے گھر لیجانے کی۔ البتہ اگر ناذر[عہ] توبہ کرے تو پھر وہ کھانا مجاور کیلئے اور وہ غلاف مالک کے اذن سے کھالینا اور استعمال کرلینا حلال ہے اور اگر کوئی جانور تھا جو اُسی نیت پر ذبح ہوچکا تو اب توبہ سے بھی وہ حلال نہ ہوگا اسی طرح ایسی قبر کی اینٹیں لیجانا غیر مالک کے لئے حلال نہیں البتہ مالک کو اختیار ہے کہ قبر سے اُکھاڑ کر جو چاہے کرے۔

یہ بے احتیاطی بعض اتقیا سے ہوتی ہے کہ پختہ قبر کو منہدم کردینے کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہانتک تو ٹھیک سمجھے مگر آگے یہ بھی گمان کرلیتے ہیں کہ بعد انہدام کے اِن اینٹوں کو کسی اچھی جگہ لگادیا جاوے۔ سو یہ غلطی ہے اسی طرح قبروں پر جو مورچھل یا جاروب وغیرہ رکھی رہتی ہیں یا پھول چڑھے ہوتے ہیں انکا استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں گو انکا چڑھانا گناہ ہو۔ اور بعضے لفظاً تو اللہ ہی کے لئے نذر کرتے ہیں لیکن اُسکے تحت میں شرک مدفون ہوتا ہے کہ ذرا التفات و تامل سے کام لیا جاوے تو اُسکا ادراک ہوتا ہے مثلاً نذر کی کہ اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہوجاوے تو آپ کے نام کی ایک دیگ کھانے کی پکواکر کھلاکر بڑے پیر صاحبؒ کو ثواب بخشوں گا۔ اور یہ نہایت ہی احتیاط کا صیغہ سمجھا جاتا ہے تو یہ ظاہر میں تو نذر اللہ کیلئے ہے لیکن یہ یقینی سی ہے کہ یہ لوگ اُس مقصد میں ضرور اُن بزرگ کو کسیقدر معین اور دخیل اور متصرف

عہ انظر ما فی الدر المختار ورد المحتار قبیل باب الاعتکاف ۱۲ منہ

عہ کما فی رد المحتار قبیل باب الاعتکاف واخذہ ریض مکروہ مالم یقصد الناذر التقرب الی اللہ تعالی وصرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ بحر ملخصا عن شرح العلامۃ قاسم ۱۲ منہ

لہ کھانا جائز نہیں ۱۲ عہ منت کرنیوالا ۱۲

سمجھتے ہیں چنانچہ اگر اُن سے کہا جاوے کہ ان بزرگ کو دوسرے وقت ثواب پہونچا دینا اسوقت اسکو منضم مت کرو خالی نفع مساکین کی نیت رکھو تو انکے دلمیں ضرور یہ خطرہ قریب قریب اعتقاد کے گذریگا کہ اسکے منضم نکرنے سے اس نذر میں اثر ضعیف ہوجاویگا جسکا سبب ان بزرگ سے روحانی امداد کا نہ پہونچنا ہے پس ہر مسلمان اسکو غور کرکے دیکھ لے کہ یہ خلاف توحید ہے یا نہیں۔ اور اسکا ایک امتحان ہے وہ یہ کہ اگر وہ کام ہوجانے کے بعد اس ناذر سے کہا جاوے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام مساکین کو دیدو اور کسی کو ثواب مت پہونچاؤ یا جن کے ثواب پہونچانے کی نیت کی ہے اُنکو نہ پہونچاؤ اور کسی بزرگ کو بخشدو کیونکہ نذر میں ایسی تحقیقات شرعًا لازم و معتبر نہیں ہوتیں (جیسا آگے آتا بھی ہے) تو اُسوقت ان نذر کرنے والوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہے کہ اسکو گوارا کرسکتے ہیں یا نہیں اگر گوارا نہ کیا تو سمجھ لیجئے کہ اعتقاد میں خلل ہے۔ اسکا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ اگر عقیدہ میں بھی فساد محسوس نہ ہو تب بھی حاجت کے لئے نذر کرنے کے وقت ہرگز کسی بزرگ کے ایصال ثواب کو منضم نکیا کریں اُنکو دوسرے وقت بلا نذر ثواب بخشدیا کریں۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ نذر کے مصرف میں اغنیاء وغیر مستحقین کو بھی شامل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ قبول کی ہوئی شیرینی مسجد میں لاکر سب نمازیوں کو تقسیم کرتے ہیں جنمیں اغنیاء، اور ناذر کے اصول یا فروع بھی ہوتے ہیں جنکو دینے سے نذر ادا نہیں ہوتی۔ (ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف) بلکہ جسقدر ان لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔ اُسیقدر دوبارہ مساکین کو دینا واجب ہوگا البتہ اگر نذر ہی کرنے کے وقت یہ کہدیا کہ میں اغنیاء وغیرہم کو بھی دونگا تو اُنکے حصہ کے قدر میں نذر ہی منعقد نہیں ہوئی (درمختار عن القنیۃ) یہاں سے مانی ہوئی گیارہویں کی شیرینی کے حصے خوش حال دوستوں کے گھر بھیجنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا اور خود اس گیارہویں کی تحقیقات کا بدعت ہونا یا نیۃ عوام کا شرک جلی یا خفی ہونا یہ مستقل بحث ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ نذر کی تمام تر تخصیصات کو واجب و لازم سمجھتے ہیں۔ مثلاً نذر کی کہ دو روپیہ کی مٹھائی دونگا یا کہ مسجد میں بھیجونگا یا کہ اتنی رقم مکہ معظمہ بھجواؤنگا یا رمضان میں خیرات کرونگا تو اسکا اہتمام کرنا کہ مٹھائی ہو اور مسجد میں جاوے یا مکہ معظمہ ہی بھیجی

یا رمضان کا انتظار کرے۔ ضروری نہیں بعض اوقات بعض تخصیصات کی ایفاء پر قدرت نہ ہونے سے اصل نذر ہی ادا ہونے سے رہ جاتی ہے مثلاً مکہ لیجانے والا کوئی نہ ملا اور یہاں ادا نکی اسی میں موت آگئی تو گنہگار مرا یا اگر ایفاء تخصیصات پر قدرت بھی ہوئی لیکن کسی وجہ سے دوسرا مصرف یا دوسری صورت افضل ہو تو ملتزم تخصیص اس فضیلت سے محروم رہتا ہے مثلاً اکثر اوقات مسجد میں مٹھائی بانٹنے سے یہ افضل ہے کہ گھر بیٹھنے والے محتاجوں کو دو روپیہ نقد یا اسکا غلہ دیدیا جاوے تو ایسے التزام[ل] مالا یلزم میں کیوں مبتلا ہو البتہ جو نذر معلق ہو اسمیں قبل وجود شرط ادا صحیح نہیں۔ بس اتنی تخصیص شرعاً معتبر ہے اور دوسری تخصیصات نذر معلق میں بھی معتبر نہیں۔ (درمختار) یہاں سے زنان عوام کی اس تخصیص کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ فلاں کام ہوجاوے تو مسجد کا طاق بھرونگی سو یہ قید بھی شرعاً معتبر نہیں۔ البتہ اگر کوئی نذر کرے کہ اب کے سال قربانی کرونگا یہاں تخصیص ایام نحر کی ہوجاویگی۔ (ردالمحتار) نہ اسوجہ سے کہ زمان مقصود ہے بلکہ اسلئے کہ جو ایام نحر میں نہ ہو وہ قربانی ہی نہیں جو کہ مقصود ہے اور جو صدقہ مکہ میں نہ ہو وہ بھی صدقہ ہی ہے اور صدقہ ہی مقصود ہے یہ فرق ہے دونوں تخصیصوں میں۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم جس فعل کی نذر کر رہے ہیں وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور اسلئے بعض معاصی کی نذر کرلیتے ہیں۔ مثلاً قبروں پر غلاف چڑھانا۔ عرسوں میں جانا یا بطرز بدعت مولود شریف کرانا[عہ]۔ سو ظاہر ہے کہ یہ نذر خود معصیت ہے اور اسکا ایفاء جائز نہیں بلکہ توبہ واجب ہے۔ علاج اسکا علم دین ان ابواب میں حاصل کرنا اور اہل حق کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ البتہ اگر نذر ہو طاعت کی اور معلق کیا ہو اسکو معصیت کے ساتھ وہ نذر منعقد ہوجاتی ہے پھر اگر وہ معصیت سرزد ہوجاوے تو اگر مقصود اس قایل کا اس تعلیق سے اس معصیت کے ترک کا عہد ہے تب تو خواہ نذر پوری کرے یا کفارہ یمین دے اور اگر مقصود اس معصیت کی تحصیل پر اظہار مسرت ہے یعنی وہ معصیت اسکو مرغوب ہے تو اس نذر کا ایفاء اسپر واجب ہے (درمختار و ردمحتار) اور اگر وہ فعل جائز بھی ہو مگر قربت مقصودہ نہ ہو مثلاً وضو

عہ کما فی ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف واقبح منہ النذر لقراءۃ المولد فی المنابر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایہاب ثواب ذلک الی حضرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اھ ۱۲ منہ

ل جو بات ضروری نہ ہو اسکو اپنے اوپر لازم کرلینا ۱۲

تب بھی گو جواز اصلی کی وجہ سے اُس فعل کا کرنا جائز ہے مگر نذر منعقد نہ ہوگی اور وہ واجب نہ ہوگا یہاں سے حکم معلوم ہوگیا ہوگا مولد بطریق مشروع کی نذر کا کہ اُسکا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔

ایک کوتاہی علمی یہ ہے کہ بعض دفعہ جوش میں اسقدر مال کثیر کی نذر کرلیتا ہے جو اسکی ملک میں نہیں اور پھر اسکا پورا کرنا دشوار ہوتا ہے یا ملک غیر میں نذر کرلیتا ہے۔ پھر یا تو ایسے امر میں کوتاہی کرتا ہے جسکو واجب سمجھتا ہے اور یا ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور تمام محاصل اور مکاسب اُسکے نذر کرتا ہے اور دوسرے حقوق واجبہ تلف کرتا ہے۔ حالانکہ جو چیز ملک میں نہ ہو اُسکے ساتھ نذر متعلق نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی نے ایک ہزار روپیہ دینے کی نذر کی اور نذر کے وقت اسکی ملک میں کل سو روپیہ ہیں جبکہ نذر مطلق ہو اور اگر معلق ہو تو وجود شرط کے وقت (کما فی رد المحتار) سو روپیہ یا اتنے کا سامان ہو تو اس شخص پر ہزار روپیہ واجب نہ ہونگے (درمختار و رد المحتار) اور اگر ہزار روپیہ نقد نہ ہوں لیکن اتنا سامان موجود ہو تو اُسکو بیچکر دینا واجب ہوگا (رد المحتار) لیکن اگر سب دے ڈالنے میں تکلیف ہو تو بقدر کفاف کے رکھکر بقیہ دیدے پھر جب گنجایش ہو جتنا پہلی حاجت کی وجہ سے رکھ لیا اوتنا پھر دیدے (رد المحتار) اسی طرح اگر نذر کرلے کہ فلاں شخص سے گائے خرید کر اللہ واسطے ذبح کردونگا یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی (درمختار) البتہ اضافۃ الی سبب الملک حکم ملک میں ہے۔ مثلاً یہ نذر کی کہ اگر فلاں گائے خریدوں تو اسکی ذبح للتصدق کی نذر کرتا ہوں تو گو وہ اسوقت ملک میں نہیں لیکن اسی طور سے نذر منعقد ہوجاویگی اور بعد اشتراء (خریداری) اس نذر کا ایفاء واجب ہوگا۔ اور ملک غیر میں نذر کرنے کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی یتیم کے تندرست ہونے پر نذر کرتے ہیں کہ اُسی کے روپیہ میں سے اتنے مساکین کو کھانا کھلاوینگے یہ نذر بھی باطل ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جس طرح صورت بالا میں نذر مالی اسقدر کرلی تھی جو ملک میں نہ تھی اسی طرح بعضے ایسی عبادات بدنیہ کی نذر کرلیتے ہیں جو انکی طاقت سے خارج ہوتی ہے۔ مثلاً یہ نذر کرلی کہ عمر بھر روزے رکھا کرونگا یا تازیست ہر سال حج کرونگا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خفیف خفیف نذریں بہت سی جمع ہونے سے وہ ثقیل ہوگئی مثلاً کئی بار میں دس دس روزوں کی

ع۵ نذر مالی کے ساتھ اسکا ذکر تبعاً آگیا ہے ۱۲

نذر کی مگر ادا میں سستی کرنے سے وہ جمع ہوکر ایک ہزار روزے ہوگئے جو تین سال میں جبکہ باناغہ رکھے جاویں پوری ہوسکتے ہیں جسکا موقع بظاہر ملنا نہایت ہی بعید ہے۔ پھر اسکے بعد ناواقفی سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ اُس میں سے جتنا جی چاہا پورا کردیا بقیہ کا کوئی تدارک نہیں کیا جاتا۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ اولاً ایسی نذر نہ کرے اور اگر ہو جاوے تو اُسکو پورا کرے اور اگر پورا ہونے سے رہ جاوے اُسکا بدل کرے اور اگر موت آجاوے تو اپنے ترکہ میں اُسکے متعلق وصیت کرے مثلاً عمر بھر کے روزے رکھنے کی نذر کرلی تو جتنے روزے نہ رکھ سکے اُنکا فدیہ دے (درمختار) اور جو مرنے کے وقت رہ جاویں فدیہ کی وصیت کرے۔ (درمختار وردالمحتار قبیل باب الاعتکاف) یا تیس حج کی نذر کرلی اور نہ کرسکا تو وصیت کرجاوے۔ (ردالمحتار)

حل شبہ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نذر مت کرو کہ نذر سے تقدیر نہیں ٹلتی البتہ اسکے ذریعہ سے بخیل کے پاس سے کچھ (نیک کام میں) نکل آتا ہے (جو بلا نذر اُس نیک کام میں خرچ نہ کرتا اھ بالحاصل۔ اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر نذر کا عبادت ہونا ثابت ہوچکا ہے اور عبادت مامور بہ ہوتی ہے گو درجۂ ندب ہی میں ہو اور اس حدیث سے اُسکا منہی عنہ ہونا ثابت ہوتا ہے گو درجۂ کراہۃ ہی میں ہو پس ان میں جمع ہونے کی کیا صورت ہے جواب یہ ہے کہ نذر خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ اُسکا عبادت ہونا اسلئے ہے کہ وہ دوسری عبادات مقصودہ سے متلبس و متعلق اور اُنکا ذریعہ اور سبب ہے۔ فی رد المحتار احکام الیمین والنذر اما کونہ قربۃ فلما یلازمہ من القرب کالصلوٰۃ والصوم والحج والعتق ونحوھا اور ان عبادات مقصودہ کے عمل میں لانے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک بدون نذر کے اور دوسری بعد نذر کے اور اول صورت افضل ہے دوسری سے اور مقبول بمقابلۂ فاضل و افضل کے اولی بالترک ہوتا ہے۔ پس نہی عن النذر اس درجہ میں ہے تو یہ منافی نہیں ہے اُسکے مامور بہ فی درجۃ التوسل الی الطاعات المقصودۃ ہونے کے اس حدیث میں یہ تو عمل کی اصلاح ہے اور ایک عقیدہ کی اصلاح ہے کہ عوام کی طرح یوں نہ سمجھو کہ نذر کرنے کو اس کارروائی میں کچھ خاص دخل اور اثر درجۂ مزعومۂ عوام کا ہے اور اگر نذر نہ ہوتی تو یہ کام نہ ہوتا۔ کام تو ہر حال میں اُسی طرح ہوتا جس طرح مقدر تھا اُسمیں کوئی تبدیل نہیں ہوئی بلکہ اور اسباب طبعیہ یا دعا جنکا اثر مشاہدہ و سمع سے ثابت ہے نذر

میں اوتنا اثر بھی ہونے کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ اور ظاہراً یہ حدیث بھی اُسکی نفی کر رہی ہے ورنہ نہی نہ ہوتی بلکہ مثل دوا و دعا اسکی ترغیب ہوتی اور اسمیں بھی مثل اُنکے تبدیل قدر کے شبہ کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا و ذالک من القدر۔ مقصود حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نذر کے دباؤ سے خیر کرنا بخل ہے بلا نذر خیر کرنا زیادہ بہتر ہے اھ اور اگر شکریہ کارروائی میں کوئی خیر کرنے کی نیت ہو تو زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے دل میں رکھے اور موقع پر عمل کرلے نیت کرنے سے نذر بھی نہیں ہوتی لانہما یتعلق بالقول کما فی الدر المختار اور اصل مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے شارع کا بھی کہ نفس عبادت ہے اور اس عامل کا بھی کہ اقتران انجاح حاجت و قصد طاعت ہے واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علی سابع ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ
حین کنت ابن خمسین سنۃ وثلثۃ ایام

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

بعنوان مسائل

مسئلہ شرعی منت کا ادا کرنا فرض ہے **مسئلہ** اگر منت مانی کہ تندرست ہو جاؤں تو اتنا خیرات کروں پھر بالکل تندرست ہوگیا اور اتفاق سے پھر بیمار ہوگیا تو پہلی منت اسکے ذمہ رہیگی ادا کرنا ضروری ہے۔ **مسئلہ** خدا کے سوا کسی کی منت ماننا جائز نہیں جیسا بعض عوام کا طریقہ ہے کہ بزرگوں سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جاوے تو آپ کے نام کی دیگ کرینگے **مسئلہ** اور اگر صورت مذکورہ میں خود وہ فعل بھی ناجائز ہو تو دو گناہ ہوئے ایک غیر اللہ کی منت دوسرے معصیت کی منت۔ **مسئلہ** ایسے منت کی چیز استعمال میں لانا نہ چاہئے **مسئلہ** البتہ اگر نذر کرنیوالا توبہ کرلے تو وہ چیز درست ہو جاویگی **مسئلہ** لیکن اگر اُسی نیت پر جانور ذبح ہو چکا تو اب توبہ سے کچھ نہ ہوگا **مسئلہ** اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تب بھی منت میں کسی کے ایصال ثواب کو ملا دینا خلاف احتیاط ہے۔ عوام کو یہ خیال ہو ہی جاتا ہے کہ ان بزرگ کا نام لگا دینے سے کچھ سہارا اُن بزرگ کی طرف سے بھی لگے گا **مسئلہ** منت کی چیز خوشحال لوگوں کو

یا بنی ہاشم کو جنمیں سید بھی داخل ہیں یا اپنی ماں باپ دادا دادی نانا نانی یا بیٹے بیٹی نواسا نواسی پوتا پوتی کو دینا درست نہیں اگر ایسا کیا تو جتنا انکو دیا ہو اوتنا پھر محتاجوں کو دینا پڑیگا اگر مسجد میں بانٹے تو خوشحال لوگوں کو ندے۔ **مسئلہ** منت ماننے میں کسی کھانے کی یا مسجد کی یا مکہ کی تخصیص لازم نہیں ہے پس اگر مٹھائی یا کھانیکی منت مانی تو روپے پیسے کپڑے دینا بھی درست ہے۔ داموںمیں دونوں چیزیں برابر ہوں اسی طرح بجاے مسجد میں بانٹنے کے گھروںمیں دیدینا بھی درست ہے اسی طرح بجاے مکہ معظمہ کے ہندوستاں کے حاجتمندوں کو بھی دیدینا درست ہے۔ **مسئلہ** جو فعل خود یا کسی خاص طریقہ سے شرعًا درست نہ ہو اُسکی منت ماننا درست نہیں جیسے یوں کہنا کہ میرا فلاں کام ہوجاوے تو خواجہ صاحب کے عرس میں جاؤں یا جسطرح سے اکثر جہلاؑ و عوام مولد شریف پڑہتے ہیں ایسے مولد کی نذر کرنا یہ درست نہیں۔ اور اگر ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق سُنت ہو جائز ہے مگر نذر کرنے سے وہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسا وضو کہ باوجود عبادت ہونے کے اسکی نذر منعقد نہیں ہوتی **مسئلہ** جو چیز اپنے ملک میں نہ ہو اُسکی نذر صحیح نہیں ہوتی مثلًا کسی نے منت مانی کہ اگر فلاں کام ہوجاوے تو ہزار روپیہ دوں اور کام ہوگیا اور ہزار روپیہ اُسوقت موجود نہیں نہ اتنا سامان ہی تو یہ نذر نہیں ہوئی پس اگر ایک مہینہ کے بعد ہزار روپیہ اسکو مل گئے تو اُس نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا البتہ کام پورا ہونے کے وقت جتنے روپیہ یا جتنا سامان اسکی ملک میں ہی اُسکا دیدینا واجب ہوگا۔ اگر نقد نہ ہو تو سامان کا بیچڈالنا واجب ہوگا۔ اور اگر سب کے بیچنے سے تکلیف اور حرج ہو تو بقدر ضرورت تھام لے پھر گنجایش ہونے کے وقت جتنا تھام لیا تھا وہ بھی بیچکر دے ڈالے مثلًا ہزار روپیہ کی منت مانی تھی مگر کام ہوجانے کے وقت پانچ سو روپیہ کا سامان موجود ہے تو وہ نذر پانچسو روپیہ کے ساتھ متعلق ہوگی آہیں اگر سو روپیہ کا سامان اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیا تو چارسو اب دیدے اور سو کا سامان پھر دیدے۔ اسی طرح دوسرے کی ملک میں نذر نہیں ہوتی **مسئلہ** نذر کرنے سے پہلے سوچ لے کہ جس عبادت کی نذر کرتا ہوں مجھسے اسکا سرانجام ہوسکیگا یا نہیں کیونکہ جو نذر کریگا وہ اسکی ذمہ واجب ہوجاویگی پھر ادا کرنا مشکل ہوگا یا بھول جاویگا تو اسکے ذمہ وبال اور گناہ رہیگا۔ مثلًا اگر ہزار روزوں کی نذر کرلی یا کئی نذریں جمع ہوکر ہزار روزے ہوگئے تو ان سب کا ادا کرنا واجب ہوگا اور جب طاقت نہ رہیگی فدیہ دینا پڑیگا اور جب مرنے لگے گا۔ تو وصیت کرنا پڑیگی کہ میرے ترکہ میں سے اسقدر فدیہ ادا کردیا جائے۔

کتبہٗ اشرف علی۔ ۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۰ھ

دُنیامیں اسلام کیونکر پھیلا

...... (سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۱ جلد دوم ملاحظہ ہو) ......

ہمکو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جلیل القدر صحابہ کا قدم توکل اور ایمان بالقدر پر کسقدر راسخ تھا۔ حضرت عمر نے ابو لؤلؤہ کی تہدید کا منشا اور نتیجہ اسیوقت سمجھ لیا تھا۔ آپ کو دوسرے ذرائع سے بھی علم تھا کہ میں ضرور شہید ہونگا۔ اور آپ کا یہ فرمانا:۔

لَقَدْ اَوْعَدَنِی الْعَبْدُ الْاٰنَ۔ (غلام ابھی دھمکی دیکر گیا ہے۔)

بتلا رہا ہے کہ ابو لؤلؤہ کے قاتل ہونے کا بھی یقین تھا مگر چونکہ ادھر تو توکل کامل اُدھر ایمان بالقدر پورا اسلئے باوجودیکہ ابو لؤلؤہ پر سیاستہً نگرانی قائم کردینے کا حق حاصل تھا کچھ انتظام نہیں فرمایا۔ اپنی حفاظت بھی فرماتے تو کسی قسم کا شرعی حرج نہ تھا۔ لیکن تدبیر سے بھی تو تقدیر کے خلاف نہ ہوتا۔ قُلْ لَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضَاجِعِھِمْ۔ میں اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

ایمان بالقدر کے معاملہ میں حضرت عمر کا درجہ چونکہ محض علم سے جو شرط ایمان ہی متجاوز ہوکر مقام اور حال راسخ تک پہونچا ہوا تھا اسلئے اپنے قتل کے تیقن کے بعد بھی جو بوجوہ آپ کو حاصل تھا کسی قسم کی جنبش یا حرکت آپ میں پیدا نہیں ہوئی۔ کعب احبار روز آکر کہتے رہے کہ اتنا وقت آپ کی زندگی کا باقی رہگیا ہے۔ آخری دن بھی اطلاع دیگئے کہ صرف رات ہی رہگئی ہے۔ مگر نہ آپکی طبیعت پر خلجان تھا اور نہ کسی قسم کا اضطراب۔ نہ کسی تدبیر کے درپے ہوے۔ نہ اپنی جان بچانے کی فکر کی۔ بلکہ حسب معمول اُسی اطمینان وسکون کے ساتھ نماز کو تشریف لیگئے۔ یہ ہے حقیقی توکل اور یہ ہے ایمان بالقدر جو صحابہ کو حاصل تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا واقعہ شہادت بھی بجنسہ ایسا ہی ہے۔ ابن ملجم مرادی جسکے ہاتھ سے آپ شہید ہوئے۔ قتل سے بلکہ قتل کے ارادہ سے بھی غالباً پہلے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں اپنی

ایک حاجت لیکر حاضر ہوا جسکو آپ نے پورا فرمانیکا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ شخص میرا قاتل ہی۔ اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا :-

أُرِيدُ حَيوتَهٗ وَيُرِيدُ قَتْلِي عَذِيرِي مِنْ خَلِيلِكَ مِنْ مُرَادِ

(میں اُسکی زندگی چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کے درپے ہی۔ اس مرادی دوست کی ہمدردی پر مجھے کون معذور سمجھنے والا ہے)

کسی نے عرض کیا۔ آپ اُسکو قتل کیوں نہیں کردیتے۔ فرمایا :-

فَمَنْ يَقْتُلُنِي۔ (مجھے کون قتل کریگا) - اور بعض روایات میں یہ لفظ ہیں :-

كَيْفَ أَقْتُلُ قَاتِلِي۔ (میں اپنے قاتل کو کیونکر قتل کروں) - اس ارشاد کا صاف مطلب یہ تھا کہ میرا قتل جسوقت اور جسکے ہاتھ سے تقدیر الٰہی میں مقرر و معین ہوچکا ہے اُسکے خلاف ہرگز نہ ہوگا۔ نہ میں اُسکے سوا کسی اور کے ہاتھ سے قتل ہونگا اور نہ میں اُسکے قتل کرنے پر قادر ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی حفاظت کیلئے کچھ انتظام نہیں فرمایا بلکہ شہادت کی گھڑی کا اشتیاق کے ساتھ انتظار فرمانے لگے۔ اور محبت لقاء الٰہی کے غلبہ میں کئی روز سے غذا بھی تقریباً ترک کردی۔ افطار کے بعد کبھی بڑے صاحبزادہ کے یہاں اور کبھی چھوٹے صاحبزادہ کے یہاں چند لقمے تناول فرمالیتے تھے اور فرماتے تھے میں چاہتا ہوں اپنے رب کے یہاں خالی پیٹ جاؤں۔

ابن ملجم کو بھی نہ نظر بند فرمایا اور نہ قتل کا ارادہ کیا۔ کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ تقدیر کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔ اگر باوجود اس علم و یقین کے بھی آپ اپنے تحفظ کی تدبیر فرماتے یا ابن ملجم پر بربناء ظن نگرانی قائم فرمادیتے تو ہرگز خلاف شرع نہوتا۔ اور نہ ایمان بالقدر کے منافی سمجھا جاتا۔ کیونکہ تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر اور ہر قسم کی تدبیر کرنے کی اجازت ہے بلکہ بعض موقعوں پر لازم و ضروری ہے۔

ایمان بالقدر بایں معنی کہ فاعل و متصرف ہر چیز میں جناب باری ہیں۔ اور جو مقرر ہوچکا ہے اُسکے خلاف کسی کی تدبیر سے نہیں ہوسکتا۔ ہر مسلمان پر فرض ہے فرق اتنا ہے کہ عوام کو درجہ علم میں یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور خواص کو علم سے متجاوز ہوکر ذوق و حال و شہود کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اُنکا توکل تام اور کامل ہوتا ہے۔ بایں ہمہ خواص کے اکثر افراد تدبیر مناسب

اختیار فرمانے سے دریغ نہیں فرماتے۔

صحابہ میں توکل اور ایمان بالقدر علی تفاوت الدرجات کامل تھا مگر باایں ہمہ تدبیر اور عدم تدبیر میں انکے حالات مختلف ہیں کبھی تدبیر کرلیتے ہیں اور کبھی ساقط التدبیر بنجاتے ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما محاربات اور انتظامات ملکی میں وہ تدابیر استعمال فرماتے تھے جنکی ایسے عظیم الشان خلفاء سے توقع رکھنی چاہیئے اور اپنی خاص ذات کے بارہ میں ساقط التدبیر رہے لیکن دونوں حالتوں میں ایمان بالقدر یکساں تھا۔

تقدیر کا مسئلہ جیساکہ شرط ایمان ہے ویساہی اسکا سمجھنا ذرا دشوار بھی ہے۔ اکثر سطحی خیال اور بعض اپنی عقل ناتمام کے تابعین کو اسکے سمجھنے اور تقدیر و تدبیر کو جمع کرنے میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قرآن وحدیث کی بیشمار نصوص وصحیح روایات پر مطلع ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات واعتقادات سے واقف ہے اسکو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تقدیر کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ تقدیر بایں معنی جو جمہور اہلسنت کا عقیدہ اور سلف صالح وائمہ مجتہدین کا متفق علیہ ہے بیشک شرط ایمان ہے۔ ایمان بلا اعتقاد مسئلہ تقدیر ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہ تقدیر و تدبیر کے جمع ہونے میں عقلاً کوئی اشکال ہے۔ اور نہ شرعاً اسمیں کسی قسم کی تنگی و حرج ہے۔

لیکن تعجب ہوتا ہے جب ہم کسی ایسے رسالہ میں (جسمیں اسلام کے اصلی خط وخال حقیقی تصویر واقعی اور آج سے تیرہ سو سال پہلے اسلام کی اعتقادیات بیان کرنیکا دعویٰ کیا گیا ہو۔ اور جس کے اجراء سے مسلمانوں کا صراط مستقیم پر چلانا مقصود ہو۔) دیکھتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے مختار کامل اور قادر مطلق ہیں۔ خدا تعالیٰ کو انکے اختیار میں کچھ دخل نہیں ہے۔ تقدیر کا حاصل فقط یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو اپنے علم کامل اور مطابق واقع کے موافق افعال عباد کی نظام اور ترتیب وقوعی کا کماحقہ علم ہے اسکے خلاف خارج میں واقع نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ کی مثال ریلوے ٹائم ٹیبل بنانے والوں کی سی ہے۔ جس طرح وہ ریلوے لائنوں کے اوقات کو منضبط کرکے ٹائم ٹیبل بناتے ہیں اور اسی نظام مرتبہ کے موافق ٹرینوں کی آمد وشد ہوتی ہے۔ مگر انکو ٹرین کے چلانے اور روکنے میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اسکا تعلق محض انجن ڈرائیور سے ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا تعلق نظام افعال کے سلسلہ میں علم وانکشاف سے زیادہ نہیں ہے انسان جو اپنے اندرونی اسٹیم کارخانہ کا ڈرائیور ہے۔

افعال کو صادر کرنے نکرنے کا مختار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ ناقص ہے حوادث و موانع اتفاقی تک اُسکی رسائی نہیں ہو اسلئے بسا اوقات اُسمیں تفاوت ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا علم چونکہ ہر طرح کامل ہے اُسمیں احتمال خلاف کا نہیں ہے۔

یہ حاصل مطلب ہے اُس تقریر کا جو مسئلہ تقدیر کی تحقیق میں رسالہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ امرتسر جلد ایک نمبر میں لکھی گئی ہے۔

باخبر حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ یہ تحقیق جو رسالہ مذکورہ میں مندرج ہے معتزلہ اور قدریہ کے مسلک سے موافق ہے قرآن و حدیث کی صاف و صریح ہدایات۔ قرن اول صحابہ۔ سلف صالح اور جمہور اُمت کے عقیدہ سے مخالف ہے ہمکو خواہ مخواہ اسمیں اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے لئے کسی مذہب کو پسند کرے۔ یا بزعم خود دلائل سے اُسکی ترجیح بھی ثابت کرے۔ لیکن گفتگو صرف اسمیں ہے کہ اسلام کے اصلی خط و خال دکھلانے کے پردہ میں معتزلہ اور قدریہ کے مذہب کو رواج دیا جائے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہو گی۔ کہ کوئی ہمدرد اُنکی اصلاح کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔ مگر اُنکی شومی طالع سدراہ ہو جاتی ہے۔ اور مصلح کی سعی بھی بجائے مفید ہونیکے مضر ہو جاتی ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ مسئلہ تقدیر کو اس پیرایہ میں جو اعتقادات اہلسنت سے مخالف ہو قرون اولیٰ میں جسکا پتہ نہو۔ قرآن و حدیث جسکے خلاف شہادت دیتے ہوں۔ بیان کرنیکا محرک کیا امر ہوا ہے۔ اگر فقط یہی کہ تقدیر کو تدبیر کے منافی سمجھ لیا ہے یا یہ کہ لوگ تقدیر کی مجبوری کو آڑ بناکر اخلاقی کمزوریوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور اپنی کیرکٹر کے نقائص کو اس پردہ میں چھپاتے ہیں۔ تو میرے خیال میں یہ بھاری غلطی کا ارتکاب ہے۔ تدبیر تقدیر کے منافی نہیں ہو۔ کوئی شخص شرعًا اسکا مجاز نہیں کہ اپنے کیرکٹر کے نقائص کو اس پردہ میں چھپائے۔ یا افعال قبیحہ کے ارتکاب اور اخلاق ردیہ کے انہماک کیلئے مسئلہ تقدیر سے امداد لے۔ خداوند عالم بیشک افعال عباد کا خالق ہے مخلوق جو کچھ کرتی ہے اُسی کے اختیار سے کرتی ہے اُسنے اپنے علم محیط و قدرۃ کاملہ سے افعال عباد کو خاص نظام و ترتیب سے مقدر فرمایا ہے۔ مگر ساتھ ہی تدبیر کا بھی حکم دیا ہے۔ بہت سے مواقع میں ترک تدبیر قطعًا حرام ہے۔ اسی طرح تقدیر کے حوالہ سے اخلاقی کمزوریوں کے ارتکاب میں

اقدام کرنا یا اعمال حسنہ اور عبادات شرعیہ سے تقدیر کے بہانہ سے جان چرانا دونوں قطعی حرام ہیں۔ کوئی شخص حجۃ میں اُسکو پیش نہیں کرسکتا۔ اور نہ کسی درجہ میں معذور سمجھا جا سکتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہ اشکال پیش آیا تھا کہ جب جنتی کا جنتی ہونا اور دوزخی کا دوزخی ہونا پہلے سے مقرر ہو چکا ہے کوئی ساری عمر کیسے ہی عمل کرے ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے تو عمل کی کیا ضرورت ہے۔ تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھ رہنا چاہیئے۔ اور اسی لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا۔ فَفِيمَ الْعَمَلُ (پھر عمل سے کیا فائدہ)۔

جواب میں ارشاد فرمایا:۔ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (عمل کرتے رہو کیونکہ ہر شخص کیلئے وہی کام سہل ہوتا ہے جسکے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے)

یعنی جو کچھ مقدر کیا گیا ہے اُسکا ترتب اعمال پر ہے اور اعمال علامت ہیں انجام نیک و بد کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے یہ مختصر و جامع ارشاد کافی ہوگیا۔ تقدیر و تدبیر جمع کرنیکی حقیقت اُنکی سمجھ میں آگئی۔ اسکے بعد اُنکو اس مسئلہ میں کبھی خلجان نہوا اور نہ تدابیر کے استعمال میں کبھی متردد ہوئے۔

الغرض یہ سمجھ لینا کہ مسئلہ تقدیر کا اعتقاد انسان کو کاہل سست نکما اور اپاہج بنا دیتا ہے مسلمانوں کے ادبار و تنزل کا سبب فقط یہی ایمان بالقدر ہے غلطی اور بہاری غلطی ہے۔ نہ اسلام کی یہ ہدایت ہے۔ نہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل۔ اسلام نے بزور تاکید ہر قسم کی تدابیر کے استعمال کا حکم دیا ہے مسلمانوں نے اپنے عروج و نمو کے زمانہ میں جبکہ ایمان بالقدر صدر اوّل کے دلوں پر استحکام کے ساتھ قابض تھا۔ اور جبکہ ایمان بالقدر محض علم ہی کے درجہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ شہود تک پہونچا ہوا تھا۔ وہ تدبیریں کیں۔ وہ اصول و قوانین وضع کئے۔ ایسے انتظامات جاری کئے۔ جنکو آج تیرہ سو سال بعد بھی مشعل راہ بنانا ہر قسم کی فلاح و بہبودی کی ضمانت کرسکتا ہے

خلفاء راشدین ایک طرف اگر انتظامات ملکی میں منہمک و مصروف رہتے تھے تو دوسری جانب تدابیر منزل سے بھی غافل نہ تھے۔ ایک جانب اگر فنون جنگ میں جد و جہد ہو رہی تھی تو دوسری جانب اصول تمدن بنائے جاتے تھے۔

ہاں خواص اہل اسلام کا ایک طبقہ کسی وقت تدبیر کو ترک بھی کر دیتا اور ساقط التدبیر بنجاتا ہے مگر وہ نہ اسلام کے عام منافع اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے اسباب میں ترک تدبیر کا حکم دیتے ہیں

اور نہ خود اسکا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور نہ عبادات و معاملات میں ترک تدبیر کو دخل دیتے ہیں۔ بلکہ یہ طبقہ جسقدر ترقی کرتا جاتا اور مسئلہ تقدیر جتنا بھی زیادہ اُن پر منکشف ہوتا جاتا ہے۔ اعمال صالح۔ اور اخلاق حسنہ میں اُنکی جد وجہد بڑھتی جاتی ہے۔

البتہ ایسے معاملات میں جنکے اندر تدبیر و عدم تدبیر دونوں کی اجازت ہے۔ اور جنکے نفع وضرر کا تعلق عامہ مسلمین سے نہیں ہے تدبیر کو ترک فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق جنکے حسن تدبیر اور بروقت تدارک نے اسلام کو ایک سخت و مہلک فتنہ سے بچالیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچنے سے ایسے اختلاف کی جڑ کاٹ دی جو قریب تھا کہ مہاجرین و انصار میں پھوٹ پڑتا۔ اسلام کو سخت تزلزل اور نہایت خطرناک عقبات سے اُنہیں کی تدبیر نے نکالا۔ فتنہ ارتداد میں بڑے بڑے صحابہ کے متامل و متردد ہونے کے وقت اُنہیں کی استقامت و ثابت قدمی نے اسلام کے اُکھڑے ہوئے قدم جما دیئے۔ فتوح شام و عراق۔ اور ہر قسم کے انتظامات کی بنیاد آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے پڑی۔

باایں ہمہ تدبیر و ہوشمندی جب آپ کو مرض وفات میں پیش آیا اور لوگوں نے عرض کیا۔

اَلَا نَدْعُوا الطَّبِيْبَ۔	(کیا طبیب کو نہ بلا لائیں۔) آپنے فرمایا:۔
قَدْ اَتَانِیْ وَقَالَ لِیْ اَنَا فَاعِلٌ لِّمَا اُرِيْدُ	(طبیب میرے پاس آیا تھا اُسنے کہا ہے کہ میں جو چاہونگا کرونگا)
فَعَلِمُوْا مُرَادَهٗ فَسَكَتُوْا	(لوگوں نے آپ کا مطلب سمجھکر سکوت کیا۔)

مطلب یہ تھا کہ حق تعالیٰ کا جو ارادہ میری ذات کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔ ہو کر رہیگا۔ طبیب کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ نے اسوقت خاص اپنے بارہ میں تدبیر کو ساقط کر دیا۔ اور علاج نکیا اسلئے کہ علاج کرنے اور نکرنے کا از روی شرع آپ کو اختیار تھا۔ اور عین اسی حالت میں جبکہ آپ ساقط التدبیر بنے ہوئے تھے مسلمانوں کی فلاح کی فکر و تدبیر سے غافل نہ تھے۔ آپ کو اسوقت یہ فکر درپیش تھا کہ مبادا میرے بعد خلافت کے معاملہ میں کچھ اختلاف ہو جائے۔ اور مسلمانوں کو بروقت فتنہ میں مبتلا ہونے سے ناقابل تلافی نقصان پہونچ جائے۔ اسلئے آپ اسکی تدبیر میں مشغول ہوگئے حضرت عمر سے بہتر کوئی دوسرا شخص آپ کے خیال میں اس منصب کیلئے موزوں نہ تھا مگر

تنہا اپنی راے سے ایسا کرنا بھی نہ چاہتے تھے۔ بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلاکر اس بارہ میں مشورہ کیا۔ اُنہوں نے فرمایا آپ کا حسن ظن جسقدر اُنکی جانب ہے وہ اُس سے بھی بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ البتہ مزاج میں ذرا سختی و درشتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ درشتی اسلئے ہے کہ مجکو نرم دیکھتے ہیں۔ میں نے خوب آزمالیا ہے کہ جب مجھے زیادہ نرمی کرتے دیکھتے تھے تو وہ سخت بنجاتے تھے اور جب مجھے سخت غصہ میں دیکھتے تھے تو نرمی کا پہلو اختیار کر لیتے تھے۔ مستقل خلیفہ ہوکر درشتی نکرینگے۔

اسکے بعد حضرت عثمانؓ کو بلاکر مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا:۔

سَرِيْرَتُهٗ خَيْرٌ مِّنْ عَلَانِيَتِهٖ وَلَيْسَ فِيْنَا مِثْلُهٗ

(اُنکا باطن ظاہر سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ اور ہم میں اُنکی مثل کوئی نہیں ہے۔)

دونوں صاحبوں سے مشورہ لیکر آپ نے فرمایا:۔

لَا تَذْكُرَا مِمَّا قُلْتُ لَكُمَا شَيْئًا۔ وَلَوْ تَرَكْتُهٗ مَا عَدَوْتُ عُثْمَانَ وَالْخِيَرَةُ لَهٗ اَنْ لَّا يَلِيَ مِنْ اُمُوْرِكُمْ شَيْئًا۔ وَلَوَدِدْتُّ اَنِّيْ كُنْتُ مِنْ اُمُوْرِكُمْ خِلْوًا۔

(میں نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کا ذکر کسی سے نکرنا اور اگر میں عمرؓ کو چھوڑتا تو عثمانؓ کو اختیار کرتا۔ اور بہتر اُنکے لئے یہی ہے کہ تمھارے معاملات میں سے کسی بات کے ذمہ دار نہ بنیں۔ میں چاہتا تھا کہ ان معاملات کی ذمہ داری سے بری رہتا۔)

اس گفتگو کے بعد طلحہ بن عبیداللہ تشریف لائے۔ اور فرمایا کیا آپنے عمرؓ کو خلیفہ بنایا ہی آپ کی موجودگی میں اسقدر متشدد ہیں تو مطلق العنان ہوکر کیا نکرینگے۔ آپ کو خدا کے یہاں اسکی جوابدہی کرنی ہوگی۔

آپ نے یہ گفتگو سنکر فرمایا۔ مجکو بٹھلادو۔ بیٹھ گئے تو فرمایا:۔

اَبِاللّٰهِ تُخَوِّفُنِيْ اِذَا لَقِيْتُ رَبِّيْ فَسَاَلَنِيْ قُلْتُ اسْتَخْلَفْتُ عَلٰى اَهْلِكَ خَيْرَ اَهْلِكَ۔

(کیا اللہ کے خوف سے مجکو ڈراتے ہو۔ جب میں اپنے رب کے پاس جاؤنگا۔ اور مجھ سے سوال ہوگا تو کہدونگا۔ کہ تیری مخلوق پر سب سے بہتر کو خلیفہ بناکر آیا ہوں۔)

یہ باتیں ہوچکیں۔ تو حضرت عثمانؓ کو عہد نامۂ خلافت عمری لکھوانے کیلئے تنہائی میں بلایا۔

اور فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا مَا عَهِدَ اَبُوْ بَكْرِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ اِلَى الْمُسْلِمِیْنَ - اَمَّا بَعْدُ -	(یہ وہ عہد نامہ ہے جو ابوبکر ابن ابی قحافہ نے مسلمانوں کیلئے لکھا۔ بعد حمد و صلوۃ کے)

اسی قدر لکھوانے پائے تھے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ لیکن حضرت عثمان کو چونکہ منشا معلوم تھا اسلئے اما بعد کے بعد یہ عبارت تحریر فرما دی:۔

فَاِنِّیْ قَدِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَیْكُمْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَلَمْ اٰلُكُمْ خَیْرًا۔	(یہ ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا ہے اور تمھاری خیر اندیشی میں کوتاہی نہیں کی۔)

تھوڑی ہی دیر میں آپ کو ہوش آیا تو حضرت عثمان سے فرمایا۔ کیا لکھا ہے۔ انہوں نے پوری عبارت جو لکھی تھی سنادی۔ آپ نے حضرت عثمان کی دانشمندی اور دور اندیشی سے خوش ہو کر فرمایا۔ اللہ اکبر۔ حضرت عثمان نے عرض کیا شاید آپ کو یہ خیال تھا کہ عہد نامہ ناتمام رہگیا ہے اگر اسی بیہوشی میں میرا انتقال ہو گیا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جانیکا احتمال ہے فرمایا بیشک یہی بات تھی۔ حضرت عثمان نے فرمایا:۔

جَزَاكَ اللّٰہُ خَیْرًا عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ۔	(اللہ تعالیٰ آپکو اسلام اور اہل اسلام کیطرف سے جزای خیر عطا فرمائے)

جب عہد نامہ مرتب ہو چکا تو لوگوں کو جمع کر کے اسکو بر سر مجمع سنا دینے کا حکم دیا۔ سب نے سنکر تسلیم کر لیا اسکے بعد پھر خود آپ نے سب سے خطاب کر کے فرمایا۔ کیا تم اس شخص سے راضی ہو جسکو میں نے خلیفہ بنایا ہے۔ دیکھو میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا۔ بلکہ عمر کو بنایا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے غور و تامل میں کوتاہی نہیں کی۔ تم سب کو انکی اطاعت کرنی چاہیئے۔ سب نے جواب دیا ہم خوشی سے اطاعت کو تیار ہیں۔ اس قصہ سے فراغت پا چکے تو حضرت عمر کو بلا کر بہت کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔

سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ وہ ذات مقدس جو مسئلہ تقدیر پر اس معنی میں جو جمہور اہلسنت کے نزدیک علم ہے۔ اس درجہ ایمان کامل رکھتی ہے کہ ہر چیز میں فاعل و متصرف ذات باری کو سمجھتی ہے۔ اور جو اپنے خاص معاملہ میں تدبیر کو ساقط کیئے ہوئے۔ تقدیر پر شاکر ہے۔ معاملہ خلافت کے سر انجام میں جسکا تعلق عام مسلمانوں کی بھبودی و فلاح سے ہے

کسقدر منہمک ہے۔ اور کس حسن تدبیر و دانشمندی سے انجام دیا ہے کیا ایسے حالات کے بعد کوئی شخص یہ کہدینے کا مجاز ہے کہ ایمان بالقدر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھنے اور تدبیر کو چھوڑ کر ذرائع کسب معاش اور ترقی سے روکنے کی طرف داعی ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ سراسر نافہمی ہے۔ وہ کونسا زمانہ صدر اوّل سے اسوقت تک ایسا گذرا ہے۔ جسمیں مسلمانوں نے تدابیر کا استعمال نہیں کیا۔ صنعت و حرفت تجارت وغیرہ میں جدوجہد سے کام نہیں لیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اقوام عالم کا حال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ آتا ہے تو بمقتضاء مشیت الٰہی تدابیر میں بھی نقصان پڑ جاتا ہے۔

البتہ اسلام نے ہمکو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سب کچھ کریں مگر اپنی تدبیر پر بھروسہ نکریں۔ بلکہ فاعل و متصرف ہر چیز میں خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کو سمجھیں۔ اور یہ ایسی سچی تعلیم ہے کہ اسکے خلاف کا مدعی بنکر کوئی خالق و مخلوق کا رابطہ قائم نہیں رکھ سکتا۔

رہی یہ بات کہ بہت سے لوگ اپنے کیرکٹر کے نقصان کو چھپانے کیلئے مسئلہ تقدیر کو آڑ بناتے یا اس گھمنڈ پر ارتکاب معصیت میں دلیر ہوجاتے ہیں۔ سو یہ احمقانہ خیال اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے یہی لوگ اپنی بہت ہی حقیر اور جزئی منفعت پر تمام ممکن تدبیریں خرچ کرلنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ لیکن معاملات خداوندی میں محض مخلوق کے طعن و تشنیع سے جان بچانے کیلئے ایسی شوخ چشمی سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ آخرۃ میں ہمارا یہ عذر لنگ کچھ کارآمد نہیں ہے۔

یہ لوگ فی الحقیقت ایمان بالقدر نہیں رکھتے۔ انکا حال بالکل ان راسخ الایمان والوں کے عکس ہو۔ جو ایمان بالقدر میں پختہ ہونے کے ساتھ شرعی اور بھبودی خلق کے معاملہ میں نہایت چست اور پختہ ہوتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی و دنیوی معاملات کی تدبیر میں مشغول و منہمک نہیں ہوتے۔

لیکن کیا ضرور ہو کہ ایسے بیہودہ لوگوں کے خیال و روش سے متاثر ہوکر ہم ایک اسلامی اصول اور اعتقادی مسئلہ کو بدلنے یا اسکی ایسی تشریح کرنے پر مجبور ہوں جس سے وہ عقیدہ جو تیرہ سو سال سے اہل سنت کا مسلم مسئلہ ہے اور قرآن و حدیث میں جسکے لئے بے شمار تصریحیں موجود ہیں بدل جائے۔

اور اگر مسئلہ تقدیر میں اس جدید تحقیق اور مذہب قدریہ کی تائید کا محرک یہ خیال ہے کہ تقدیر کو مذہب اہلسنت کے مسلک پر جان لینے سے سلسلہ اسباب و مسببات لغو ہوا جاتا ہے۔ حالانکہ اسباب و مسببات کا ارتباط اُنکی تاثیر و تاثر ایسا بدیہی اور عقلاء عالم کا مسلم ہے کہ اُسکے خلاف کوئی دلیل اور کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہوسکتا۔ تو یہ خیال بھی سطحی ہے۔ مسئلہ تقدیر اور ایمان بالقدر سے ہرگز سلسلہ اسباب و مسببات منقطع و لغو نہیں ہوتا۔ حق تعالیٰ نے اپنے تصرفات و اختیارات کو عالم امکان میں اسباب و مسببات کے پیرایہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ امور تقدیری کا ظہور بھی اسی لباس میں ہوتا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی موثر حقیقی وہی ذات پاک ہے۔ تمام اسباب و علل کی علت اُسکا ارادہ و مشیت ہے۔

مسئلہ تقدیر کے متعلق ایک مبسوط و مدلل تحریر ہم علیحدہ لکھینگے اس جگہ ذیل میں بقدر ضرورت لکھدیا ہے۔ تاکہ مسلمان اس مہلک غلطی میں مبتلا نہوں جسکا اندیشہ تہذیب الاخلاق کے مضمون سے تھا۔

ہم منازعت و مخاصمت یا اظہار خلاف کو ہرگز پسند نہیں کرتے مگر تہذیب الاخلاق اور القاسم دونوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی مسائل بلا افراط و تفریط مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔ اور مسلمانوں کو عام گمراہی و غلط فہمی سے بچایا جائے۔ اسلئے ہمارا عرض کرنا محض نیک نیتی پر مبنی ہے۔ ہمکو اُمید ہے کہ تہذیب الاخلاق اپنے دعوے کا پاس کریگا اور ایسے مسائل پر جو متفق علیہ اہلسنت ہیں قلم فرسائی کرکے مسلمانوں کو مغالطہ اور پریشانی میں نہ ڈالیگا۔ مسلمان بحال خود درماندہ و تباہ ہیں۔ سب کچھ تباہ ہوجانے کے بعد صرف اسلام کا نام باقی ہے۔

ہمکو یا کسی ہمدرد کو یہ مناسب نہیں ہے کہ اسلام کے اصول پر طبع آزمائی کرکے ایک طرف تو مقابلہ نصوص کے مجرم بنیں اور دوسری جانب اسلام کا نام مٹا کر دنیا سے مسلمانی کو رخصت کردینے کے سبب بنیں۔ ہماری تحریر و تقریر کے لئے وسیع میدان موجود ہیں۔ ہمکو گنجایش ہے کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے نفیس سے نفیس مضمون قوم کے سامنے پیش کریں۔ اور دنیا و آخرۃ کی بھلائی اور نیک نامی کمائیں۔ خدا تعالیٰ ہمکو اور سب مسلمانوں کو اُسکی توفیق عطا فرمائے۔

اس ضمنی بحث کو یہیں چھوڑ کر اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

ہر آں کہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام دہر مئے کلّ من علیہا فان

یوں تو دُنیا کی بے ثباتی اور رواروی کا عبرتناک منظرات دن ہماری نظروں کے سامنے نت نیا نظارہ پیش کرتا رہتا ہے اور اعزا و احباب کی مفارقت اور جسمانی افتراق کی نئی نئی تصویریں مرقع عالم میں روزانہ ثبت ہوتی رہتی ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مصیبت خواہ کتنی ہی روح فرسا اور جانگداز کیوں نہو جب کثیر الوقوع ہو جاتی ہے تو اُسکی تکلیف اور صدمہ کا احساس کم ہو جاتا ہے اور اس بنا پر لازم آتا ہے کہ رہروان عالم فنا کے سفر آخرت پر اُن کے متعلقین کو کچھ زیادہ رنج و ملال پیش نہ آئے اور وہ اسکو ایک ایسی ہی معمولی بات سمجھیں جیسی گرمیوں کی گرمی اور جاڑوں کی سردی کی تکلیف کو سمجھتے ہیں۔ مگر اسمیں بھی شک نہیں کہ اس جماعت یعنی عالم آخرت کی طرف جانے والوں کی جماعت میں بعض نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُنکی مفارقت کا صدمہ ناقابل برداشت صدمہ ہوتا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ جن کمالات کو وہ اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے ہیں اُن کے سفر آخرت کے بعد کوئی دوسرا اُن کا جانشین نظر نہیں آتا اور اُنکے سفر سے عالم انس میں صرف ایک نفس واحد کی کمی نہیں بلکہ ایک خزانہ کمالات کی کمی ہو جاتی ہے۔ تاریخ اسلام کے ابتدائی حصے پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جسوقت آفتاب رسالت یعنی سید الانبیا راس الاصفیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مفارقت کا وقت آیا اور آپنے دنیا کے بے ثبات منظر سے آنکھ بند کی تو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کی یہ حالت ہوگئی کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے حضرت عمر فاروق جیسا قوی القلب وافر العلم صحابی اور مدہوش۔

فرط غم سے تلوار لیکر کھڑے ہوگئے کہ جس شخص کی زبان سے یہ لفظ سنونگا کہ آنحضرت روحی فداہ نے انتقال کیا ہے اُسکی گردن تلوار سے اُڑا دونگا اسکے قریب قریب اور بھی سیکڑوں صحابہ کا حال تھا یہ کیوں صرف اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مفارقت صرف ایک نفس واحد کی مفارقت نہ تھی کیونکہ یہ تو بہت سے صحابہ کرام اور اعزا و اقربا کے انتقال سے متحقق ہوتی ہی رہتی تھی بلکہ آپکی مفارقت ایک

ایسے بے مثل و بے نظیر انسان کی مفارقت تھی جسکا مثل ملنا محال تھا۔ آپکی مفارقت گویا آفتاب نبوت کا آخری غروب تھا جسکے بعد طلوع ہونے کی اُمید نہ تھی۔ آپکا فراق رحم و شفقت کرم و سخاوت رشد و ہدایت وغیرہ اوصاف کی مجسم تصویر کا فراق تھا جسکے بعد مرقع عالم میں ان جیسی تصویر کے ثبت ہونیکا تصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تاریخ اسلام کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس نے نہ صرف اُسوقت کے موجودین کے دل و دماغ پر اثر کیا تھا بلکہ آج تک اہل اسلام اس سے برابر متاثر ہوتے رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح آپ کے بعد جو لوگ کہ انسانی کمالات میں مراتب عظمیٰ پر فائز ہوتے گئے اُن کے فراق اُنکے متوسلین کے قلوب کو صدمہ پہونچاتے رہے اور اُس صدمہ کا چھوٹا بڑا ہونا اُنکے کمالات کی قلت و کثرت ضعف و قوت کے موافق ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ کسی کو اسکے انکار کی گنجائش نہیں

ہمیں اسوقت جس صدمہ کا ذکر کرنا ہے وہ باعتبار اپنی شخصیت کے دو شعبوں میں منقسم ہے اور باعتبار نوعیت ایک صدمہ ہے۔ وحدت نوعیہ اس طور پر سمجھئے کہ انبیاء علیہم السلام کے جانشین اور سچے وارث صرف علماء ربانی ہیں۔ عالم ربانی کی وفات کا صدمہ درحقیقت آفتاب نبوت کے صدمۂ فراق کا ایک شعبہ ہوتا ہے اور متوفی کے کمالات جسقدر کمالات نبوت سے قرب و اتصال رکھتے ہونگے اُسیقدر اُس صدمہ کی عظمت و شدت بڑھتی جائیگی۔

پس ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مسلمانان ہند کیلئے ایک ایسا مہینا تھا جسمیں انکی نظروں سے علم نبوت کے دو روشن چراغ اوجھل ہو گئے بلکہ دو آفتاب غروب ہو گئے اوّل حضرت مولانا و مقتدانا الجامع بین المعقول و المنقول حاوی الفروع والاصول سیدنا الفقیہ المحدث المفسر المتکلم المولوی السید احمد حسن الامروہی افرغ اللہ علیہ شآبیب رضوانہ۔ دوم جناب وارث الانبیاء والمرسلین ماوی الغرباء والمساکین مولانا الحافظ الحاج القاری المحدث المفسر المولوی محمد اسمٰعیل الراندیری اسکنہ اللہ بحبوحۃ جنانہ۔ یہ دونوں مقدس بزرگ اُن نفوس قدسیہ کے نمونے تھے جن کے نام کے ساتھ اسلام کا شیرازہ باندھا گیا تھا۔ جنکے دیدار سے خدا یاد آتا تھا جنکی مجلسیں ذکر اللہ سے معمور جنکے قلوب شراب محبت سے مخمور جنکے متوسلین حب دین سے مغمور تھے اس گئے گزرے زمانہ میں جب کہ علماء ربانین کا قحط ہے یہ صحابہ کرام کے سچّے جانشین اور انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث تھے۔ انکے انتقال سے قصر دین کی بنیادیں نہ صرف امروہہ و گجرات میں متزلزل ہو گئیں بلکہ تمام ہندوستان کی علمی و عملی دنیا میں ایک غیر معمولی زلزلہ محسوس ہونے لگا۔ اور کیوں نہو کہ ایسے علماء ربانیین دین کے عالی شان ایوان کے اساطین ہیں۔

میرا ارادہ ہوا کہ ان دو نو مقدس حضرات کی مختصر سیرت ناظرین القاسم کی خدمت میں پیش کرکے

اُن کے اُس استحقاق کی جانب توجہ دلاؤں جسکے وہ عام مسلمین کیجانب سے مستحق ہیں یعنی یہ کہ تمام اہل اسلام ان حضرات کے لئے صدق دل سے بارگاہ الٰہی میں دعائے مغفرت و رفع درجات کریں۔ اور اُنکے حق سے سبکدوش ہوں۔

مگر چونکہ حضرت مولانا امروہی قدس سرہٗ کی سیرت پر قلم اُٹھانا میری بساط سے زیادہ تھا اور یہ کہ ہمارے مکرم دوست مولوی **شبیر احمد** صاحب مولانا کی سوانح لکھنے کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے۔ اسلئے میں نے اُنکو مستحق اول سمجھکر صرف مولانا راندیری رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سیرت پر اکتفا کیا۔

ناظرین آپ ان حالات کو پڑھیں گے اور آٹھ آٹھ آنسو روئینگے۔ اور ان صفات کے ساتھ موصوف شخص کو تلاش کرینگے اور نہ پائینگے۔ مولانا حافظ حاجی قاری **محمد اسمعیل** صاحب مرحوم و مغفور کے اجداد کرام کٹھور کے رہنے والے اور سلاطین دہلی کی جانب سے منصب قضا پر مامور تھے لیکن انکے پردادا نے عرصہ دراز سے راندیر میں قیام کرلیا تھا اور اُسوقت سے یہیں سکونت پذیر رہے۔ آپ کا خاندان گجرات میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا تھا اور ہمیشہ سے لوگ اس خاندان کے گرویدہ اور ارادتمند رہتے چلے آئے ہیں۔

حافظ صاحب مرحوم و مغفور نے ابتدا سن شباب سے آجتک ایک وضع اور ایک طریق پر زندگی بسر کی۔ آپکے استقلال اور ثابت قدمی پر لوگ متعجب ہوتے تھے۔ آپکی سادگی میں ہیبت حق کا وہ جلالی اثر تھا کہ لوگ آپکے سامنے کسی خلاف شرع کیا خلاف وضع فعل پر بھی جرأت نہ کرسکتے تھے۔

آپ علوم دینیہ کے ایک جیّد عالم تھے نہ صرف عالم بلکہ عمل و تقویٰ میں ایک سچّے اور اس زمانہ میں بے مثل زاہد و عابد۔ قرآن مجید سے آپکو ایک خاص تعلق بلکہ عشق تھا ہر وقت تلاوت فرماتے رہتے اور روزانہ تہجد میں دس پارہ پڑھنے کا معمول رکھتے تھے۔ کیسی ہی بیماری ہو جب تک کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے کی طاقت ہوتی اپنا معمول ناغہ نہ کرتے۔ دیکھنے والوں کو بسا اوقات آپکی تکلیف پر رحم آتا تھا۔ مگر آپ جس ذوق و شوق سے نماز میں مشغول رہتے تھے اور جس لطف سے تلاوت فرماتے تھے اُسکو دیکھنے اور سُننے والوں کے ہی دل جانتے ہیں۔ ایثار و رحم کے تو آپ مجسم تصویر تھے۔ خیرات و مبرات میں اپنا عدیل نہ رکھتے تھے آپ کے انتقال سے گویا ہزاروں بیوائیں غربا و مساکین مرگئے جنکو ماہ بماہ اُن کے گزارے کے لائق گھر بیٹھے تنخواہیں پہونچاتے تھے اور اُنکی ہمیشہ خبر گیری فرماتے تھے۔ اور ایسے طور پر کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے انتقال کے بعد جو بے شمار خطوط اُن لوگوں کے آئے ہیں اُن سے

معلوم ہوا کہ اللہ اکبر اسقدر غربا و مساکین آپکے دست نوال سے گویا پرورش پاتے تھے۔ آپکا گزر محض توکل پر تھا کوئی ایسی بڑی جائداد والے نہ تھے امامت و وعظ میں کبھی ایک پائی اُجرت نہیں لی۔ حالانکہ لوگوں نے امامت کی تنخواہ لینے پر بہت اصرار کیا۔ مگر یہ کہکر ٹالدیتے کہ کیا اب نماز بھی روپیہ لیکر پڑھاؤں۔

آپکی ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی ہوئی مختلف علما کی خدمت میں رہکر استفادہ کیا پھر انتہائی تعلیم اور بالخصوص فن حدیث کی تحصیل کیلئے بھوپال تشریف لیگئے اور شیخ المحدثین مولانا الشیخ حسین المحدث الانصاری الشافعی کی خدمت میں علم حدیث حاصل کیا اور مولانا مولوی بدیع الزماں خانصاحب و دیگر اکابر علماء سے دیگر علوم حاصل کئے سفر حج میں علم تجوید مکہ معظمہ صانہا اللہ میں شیخ القراء شیخ محمد دمیاطی سے حاصل کیا اور اس قدر مہارت پیدا کی کہ جس طرز سے قرآن مجید آپ پڑھتے تھے بہت کم سُنا گیا ہی۔ آپکی تلاوت میں لوگوں کو ایک خاص حظ اور وارفتگی حاصل ہوتی تھی بالخصوص نماز تہجد و نماز فجر میں تو آپ کی دلکش قرات لحن داؤدی کا کام دیتی تھی۔

آپ جامع مسجد راندیر میں خطیب تھے جسوقت خطبہ پڑھتے تھے سامعین محو حیرت رہجاتے تھے اور مجلس صحابہ یاد آجاتی تھی حاضرین پر انما کان مجلس النبی صلی اللہ علیہ و سلم مع اصحابہ کانما علی رؤسہم الطیر کا رنگ جم جاتا تھا۔ دور دور سے لوگ محض آپ کا خطبہ سننے اور آپ کے پیچھے نماز کا لطف اور حظ حاصل کرنے کیلئے جامع راندیر میں شوق کی رسیوں میں کھچے چلے آتے تھے۔ عرب کے جید قاری آپکی تلاوت سُنکر کہتے تھے کہ یہ شخص ہندی نہیں بلکہ عربی نژاد معلوم ہوتا ہی غرضکہ تلاوت قرآن میں مبدأ فیاض سے آپکو وہ خاص ملکہ عطا ہوا تھا کہ اسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اگرچہ مسجد میں اوقات نماز پر ہی تشریف لاتے تھے لیکن کیا مجال کہ کبھی جماعت قضا ہوئی ہو۔ نماز کی اوقات کے علاوہ تلاوت قرآن مجید یا مطالعہ کتب احادیث کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا۔ راندیر کے مدرسہ اشرفیہ میں ایک عرصہ دراز تک آپنے علوم دینیہ کی تعلیم دی ہے تمام علوم بالخصوص فن حدیث و فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اگرچہ فن حدیث میں آپ کے اُستاد شافعی المذہب تھے۔ لیکن آپ پکے حنفی تھے۔

باوجود اس استقلال اور پختگی کے آپس کی لڑائی جھگڑوں سے طبعی نفرت تھی۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے کسی جانب بطریق عیب جوئی یا بطور حقارت نظر نہیں اُٹھاتے تھے۔

اہل علم کے قدر دان اور طلبہ و علما سے اسقدر محبت رکھتے تھے کہ اُسکا بیان کرنا دشوار ہے۔ اس زمانہ

کی یہی ہوا کا آپ کے عقائد و اعمال پر ذرہ برابر اثر نہیں تھا سلف صالحین کے قدم بقدم چلتے اور بزرگان پیشین کے آثار کا اتباع ضروری سمجھتے۔ بدعات سے اسقدر نفرت تھی کہ باید و شاید آپ کی ہی ظاہری و باطنی توجہ کا یہ اثر تھا کہ سورت کے اطراف میں بعض حلقوں میں اتباع سنت کا ذوق معلوم ہوتا ہے۔

توکل و تقویٰ کے مجسم تصویر تھے۔ تقویٰ کا لازمی اثر یعنی ہیبت و جلال آپ میں علی وجہ الکمال موجود تھا۔ آجکل کے مقتدایان رسمی کی طرح دُنیا گردی کبھی نہیں کی ہمیشہ اپنے مکان پر مقیم رہے کوئی سفر کسی دنیوی غرض سے کبھی نہیں کیا۔ اگر کبھی راندیر سے باہر گئے تو کسی دینی غرض سے گئے آپ کے معدودے چند سفروں میں سے جو سفر قابل ذکر ہے وہ مدرسہ عالیہ دیوبند کے عظیم الشان جلسہ دستار بندی کی شرکت کا سفر ہے آپ مع چند خلص احباب یعنی مولانا مولوی حافظ غلام محمد صاحب و مولانا قاضی سید رحمت اللہ صاحب و میاں حاجی عارف اشرف صاحب و حافظ محمد بن حاجی اسمٰعیل اشرف صاحب وغیرہم اس علمی دنیا کی نظیر یادگار یعنی جلسہ دستار بندی مدرسہ دیوبند کی شرکت کیلئے راندیر سے روانہ ہو کر دہلی پہونچے دہلی کے اسٹیشن پر عمائد دہلی کی ایک معزز جماعت جسمیں مولانا مولوی امین الدین صاحب مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی و جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی و جناب مولانا مولوی عبدالعلی صاحب بھی شامل تھے استقبال کیلئے موجود تھے دو روز کے قیام کے بعد آپ دیوبند روانہ ہوئے۔ اسٹیشن دیوبند پر جلسہ کی استقبالی کمیٹی نے آپکا شاندار استقبال و خیر مقدم کیا اور نہایت تعظیم و احترام کے ساتھ آپکی فرودگاہ تک جو مدرسہ عالیہ کے تین شاندار کمروں میں معین کیگئی تھی پہونچایا۔ دو روز آپنے وہاں قیام فرمایا اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے جلسہ کو عزت بخشی اور انفاس طیبہ سے سیکڑوں بندگان خدا کو مستفید و محظوظ فرمایا۔ دست قدرت نے آپکو کمالات باطنیہ کے ساتھ جمال ظاہری بھی عنایت فرمایا تھا۔ آپ کی صورت باوجود نہایت حسین ہونے کے ہیبت و جلال کی مظہر کامل تھی۔ لوگ آپ کے خداداد جمال کی وجہ سے دیدار کے مشتاق تھے مگر آپ کی ہیبت اوپر نظر اُٹھانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بیچینی اور اضطراب سے چہرۂ انور پر نظریں پڑتی تھیں اور پھر دیکھنے والوں کے سر نیچے جُھک جاتے تھے اور ؎ دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را ٭ بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلیٰ۔ کا سماں بندھ جاتا تھا۔

الغرض شرکاء جلسہ دستار بندی کی ممتاز جماعت کے ایک رُکن رکین آپ بھی تھے جلسہ میں ... دن آپنے تلاوت قرآن مجید سے افتتاح فرمایا اور ایسی دلکش آواز سے تلاوت فرمائی کہ ... مجمع

مرقع تصاویر بنگیا۔ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ اور وہ لطف وحظ اُٹھایا جس کیلئے قیامت تک ترسیں گے قراء و حفاظ کے دلوں پر اپنا سکّہ بٹھادیا۔

جلسۂ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد واپس دہلی تشریف لے آئے اور چار روز ٹھہر کر مقامات متبرکہ و مزارات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے دست کرم سے لگائے ہوئے دینی پودے یعنی مدرسہ امینیہ کا ملاحظہ فرمایا پھر راندیر تشریف لیگئے۔ اس مبارک سفر میں بھی اپنی فطری سخاوت وجبلی مروت کے بیشمار جیتے جاگتے نمونے چھوڑ گئے۔

مدرسۂ امینیہ دہلی تو گویا آپکے دست کرم کا ہی لگایا ہوا پودا ہے اسکے علاوہ بے شمار مدارس اسلامیہ کو آپ قیمتی امداد پہونچاتے رہتے تھے اور اس طرح گویا باقیات صالحات کے بہترین خزانے آپ کیلئے آپکی زندگی ہی میں جمع ہو گئے تھے۔ آپکی بیشمار قومی و مذہبی یادگاروں میں مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی عالیشان و سر بفلک مسجد نہایت زبردست یادگار ہے جو آپکی ذراسی توجہ سے آپ کے محترم دوست جناب حاجی سیٹھ غلام محمد اعظم صاحب رئیس اعظم بمبئی کی بیش قدر مالی امداد سے تیار ہوئی ہے اور جب تک صفحہ ہستی پر باقی رہیگی ان دونوں نیک نفس وخیر مجسم حضرات کی مدح خوانی کرتی رہیگی اور آنے والی نسلوں کا ان حاتمان وقت سے روحانی تعارف کراتی رہیگی۔

مدرسۂ امینیہ دہلی کو بھی آپکی اُنہیں یادگاروں سے سمجھنا چاہئے جو اپنی بیش بہا فیض رسانی سے آپ کیلئے باقیات صالحات کے عمدہ ترین افراد میں شمار ہو سکتے ہیں۔

آپ بوجہ علم دوست ہونے کے ہمیشہ اپنی اولاد کو ابتداء عمر سے تحصیل علوم دینیہ میں لگاتے تھے ہاں اگر باوجود محنت شدید کے کامیابی نظر نہ آتی تو دوسرے کاموں یعنی تجارت وغیرہ میں ڈالتے۔

آپکی روحانی اولاد کے علاوہ صلبی اولاد بھی خدا کے فضل سے کم نہیں ہے اولاد ذکور میں آپکے چھ صاحبزادے ہیں جنمیں سے دو تجارت میں مصروف ہیں اور ایک یعنی مولوی حافظ محمد ابراہیم صاحب فارغ التحصیل عالم ہیں دارالعلوم دیوبند کے عالی شان جلسہ دستار بندی میں آپکو بھی دستار فضیلت عطا ہوئی ہے اُنھوں نے چھ سال مدرسہ امینیہ میں اور پانچ سال مدرسہ دیوبند میں رہکر علوم دینیہ کی تحصیل پوری کی ہے اور اب مدرسہ امینیہ دہلی میں مقیم رہکر جناب حکیم شفاء الملک بہادر سے فن طب حاصل کیا اور سند تکمیل اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے ساتھ حاصل کی الحمد للہ فرزند ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے توقع ہے کہ اہل راندیر و سورت مولوی صاحب کے علم وفضل اور فیوضات طبّی سے پورا نفع اُٹھائینگے۔ اور مولوی صاحب اپنے والد ماجد کے پورے جانشین ثابت ہونگے۔

دوسرے مولوی حافظ محمد حسین صاحب ہیں جو ابھی علوم دینیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں اور مدرسہ امینیہ دہلی میں تعلیم پاتے ہیں اور ان سے چھوٹے دو بھائی ابھی نابالغ ہیں۔ مرحوم کو اس بات کا نہایت شغف تھا کہ میں اپنے سامنے اپنی اولاد کو عالم دیکھ لوں۔ سو خدا نے مولوی حافظ محمد ابراہیم صاحب کی دستاربندی کے دلکش نظارے سے آپکی آنکھیں ٹھنڈی کردیں آپکی زندگی میں وہ دن جسمیں آپنے اپنی آنکھوں سے اپنے لخت جگر کے سر پر فضیلت کی پگڑی بندھتے ہوئے دیکھی تھی۔ عجب خوشی کا دن تھا جسکے شکریہ میں آپنے مدرسہ دیوبند اور مدرسہ امینیہ کیلئے نہایت خلوص دل سے ترقی اور بقا کی دعا کی اور دونوں مدرسوں کی مزید فائدہ رسانی اپنے ذمے لازم سمجھ لی اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر مرحوم کی زندگی وفا کرتی تو ان مدارس کو آپکی توجہ سے بیحد فائدے پہونچتے۔

الغرض مرحوم کے مآثر اور فضائل ہمارے بیان و تحریر کے احاطہ سے باہر ہیں اور یہ جو کچھ بیان ہوئے ہیں یکے از ہزار و مشتے از خروارے بھی کم ہیں۔ اب ہم مرحوم کیلئے جناب باری عز اسمہ سے دعائے مغفرت کرتے ہوئے انکی اولاد کے لئے دست بدعا ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو اپنے والد کے قدم بقدم چلائے اور انکا سچا جانشین بنائے اور مراتب عظمیٰ پر فائز کرے۔

مرحوم ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ کو مرض فالج میں مبتلا ہوئے اور ۷ دن کے مرض کے بعد ۲۴ ربیع الاول کو بعد نماز عشا تقریباً ۹ بجے شب کے داعی اجل کو لبیک کہکر رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ اور اس طرح علوم و معارف سخاوت و مروت کا ایک بیش بہا خزانہ زمین کے نیچے چھپا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے بہت سے مرثیئے اور بہت سی تاریخیں لکھی گئیں ان سب کا یہاں درج کرنا دقت سے خالی نہیں تبرکاً حضرت خاتم المحدثین سید المفسرین عالم ربانی فاضل حقانی جناب مولانا مولوی محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ دیوبند کے دو قطعے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جن سے جناب مرحوم کی تاریخ وفات اور علمی و عملی صفات مترشح ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ فرماتے ہیں۔

قطعہ

عالم و حافظ و وجیہ و نبیہ — نیک رو نیک خو فرشتہ شیم
آج دار البقا کو جاتے ہیں — چھوڑ کر سب کو مبتلائے الم
غربا کے لئے ہے یوم عسیر — ہو مبارک انہیں نعیم وارم
ہے مساجد میں یاس اور حسرت — اور مدارس میں چھا رہا ہے غم
فقرا کے لئے تھا آب بقا — خضر تھا بہر اہل جود و کرم
آج مسکین یتیم رہ گئے حیف — اور تیامے ہیں مسکنت توام
سنتا تھا دور سے صدائے ضعیف — تھا تو حاتم مگر نہیں تھا اصم
دم عیسیٰ و لحن داؤدی — چھپ گئے ہائے زیر کتم عدم
فکر سال وفات ہے بے سود — ہے ہر اک دل پہ سانحہ یہ رقم
ہاتھ سے ہیں اجل کے بر سر پا — فضل و علم و تقا و ورع و کرم

قطعہ دیگر نتیجہ فکر حضرت مولانا ممدوح مدظلہ

تقی و نقی و سمی ذبیح — چو زیر کفن چہرہ خود نہفت
ز رہ بکا سال او ہاتفی — ثمال المساکین قد مات گفت

الراقم مسکین کفایت اللہ سلیم شاہجہانپوری از دہلی مدرسہ امینیہ

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

کسی ماہ کا رسالہ بتیس صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑہ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان اور ربیع الثانی کا پرچہ اس مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپیہ آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ وی۔ پی۔ بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے دو روپیہ نو آنہ کا وی۔ پی روانہ ہوگا۔

جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائینگے یا وی۔ پی کی اجازت ندینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

سال اوّل کے تمام نمبر یکجا مجلد موجود ہیں جلد نہایت خوبصورت و نفیس ہے قیمت معہ محصولڈاک ۳ ہے۔

جملہ خط وکتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیے۔

الراقم

بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم "دفتر القاسم مدرسہ عالیہ اسلامیہ

دیوبند (ضلع سہارنپور)

(رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳)

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱۲ — بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ — جلد ۲

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب سنہ ۱۳۳۰ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔

القاسم شعبان سنہ ۱۳۳۰ھ کا اُن حضرات کی خدمت میں جنکا سال ختم ہوچکا ہے ویلو بھیجا جائیگا۔ اُمید کہ ازراہ قدردانی وصول فرماویں اور اگر جاری رکھنا نہیں چاہتے ہوں تو بذریعہ کارڈ کے اطلاع دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دار الحدیث کی بُنیاد

ایسی سعید اور مقبول ساعت میں اور ایسے مقدس اور برگزیدہ حضرات کے ہاتوں رکھی گئی۔ اور ایسے اعلیٰ اور اہم دینی خدمت کی تکمیل کیلئے یہ تجویز ظہور پذیر ہوئی جو تمام دینی خدمات کے لئے بمنزلہ قطب الرحی ہے۔ یعنی خدمت علم حدیث کہ جسکی ہی بدولت علوم قرآن تک رسائی ہوتی ہے اور جسکے ہی ذریعہ سے احکام و معاملات کی تدوین ہوئی ہے۔

دار الحدیث کا نام کانوں میں پڑتے ہی اس قسم کی مقبولیت کے آثار نمایاں ہوئے جسکو ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ صرف اسی مبارک تعمیر کے ساتھ مخصوص تھے۔ جو اُنس جو محبت اور جس قسم کا جوش وولولہ اس تعمیر کی نسبت ظاہر ہوا۔ جس مبادرت اور مسابقت کیساتھ مسلمانوں نے اس میں چندہ دیا اُسکی نظیر نہیں ہے۔ اور جس قسم کی بشارتیں اس خاص تعمیر کے متعلق ظہور پذیر ہوئیں وہ بھی اس سے قبل کسی تعمیر میں نہ ہوئی تھیں۔

دار العلوم دیوبند کی طرف سے ابتک کوئی خاص سعی تحصیل چندہ کیلئے نہیں کی گئی۔ اور نہ وفد بھیجے گئے۔ مگر مسلمان ہیں کہ ہر سمت سے قلیل وکثیر رقمیں روزانہ بھیجتے رہتے ہیں۔

آج ہم نہایت فخر و مسرۃ کے ساتھ یہ مژدہ سناتے ہیں کہ دارالحدیث کی امداد کا سلسلہ حرم محترم بیت اللہ تک پہونچ گیا۔ اور یہ اُسکی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل اور روشن حُجّۃ ہے۔ مدرسہ کے قدیم ہمدرد و سرپرست جناب حاجی حافظ فصیح الدین صاحب کے ذریعہ سے ارض مقدس تک اسکی خبر پہونچی اور وہاں سے جناب حاجی محمد عثمان و حاجی محمد اسمٰعیل صاحبان نے مبلغ چارسو للعمار روپیہ دارالحدیث کیلئے بھیجے۔ جزاہم اللہ خیر الجزا۔ دارالحدیث کی تعمیر کا تخمینہ بہت زیادہ یعنی ساٹھ ستّر ہزار کیا گیا ہے اور ابھی اس نسبت سے بہت کم مقدار چندہ کی وصول ہوئی ہے۔ لیکن یہ آثار بتلا رہے ہیں کہ مسلمان بہت جلد اس رقم کو پورا کر دینگے۔

ہم اس موقع پر تاسیس دارالحدیث کی تاریخ درج کرتے ہیں جو ہمارے محترم و مکرم جناب مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب رکن مجلس العلماء و مہتمم مدرسہ دینیہ احمدیہ دارالاقبال بھوپال نے تحریر فرمائی ہے۔

فی دیوبند قد استست دار الحدیث	دار تنال ھناك انوار الحدیث
دیوبند میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی گئی	وہ ایسا مکان ہے جہاں حدیث کے انوار حاصل کیے جاتے ہیں
ھی مطلع لشموس علم حدیثنا	وبذی الشموس تنیر اقمار الحدیث
وہ ہمارے علم حدیث کے آفتابوں کا مطلع ہے	انہیں آفتابوں سے حدیثوں کے چاند روشن ہوتے ہیں
محمودی المسعود صدر مدرس	فیھا الترَوی عنہ آثار الحدیث
حضرت مولانا محمود حسن صاحب اسمیں صدر مدرس ہیں	تاکہ اُس سے آثار حدیث روایت کیے جائیں
فتبارکت دار الحدیث و بورکت	تاریخھا ان اُسِّسَت دار الحدیث
حق تعالیٰ دارالحدیث میں برکت عطا فرماوے	اُسکی تاریخ۔ ان اُسِّست دارالحدیث ہے۔

القاسم ۔ خدا کا شکر ہے کہ القاسم کا دوسرا سال ختم ہوا اور اب اگلے نمبر سے تیسرے سال میں قدم رکھیگا۔ ہم نہایت مشکور ہیں اُن حضرات کے جنہوں نے القاسم کی خدمات کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا اُسکی اشاعت میں کوشش فرمائی۔ شکر اللہ سعیہم۔ شعبان سنہ ۳۱ھ کا پرچہ اُن حضرات کی خدمت میں جنکی میعاد سال ختم ہو چکی ہے۔ ویلو بھیجا جائیگا۔ ہمیں اُمید ہے کہ جملہ حضرات ازراہ قدردانی و ہمدردی اُسکو وصول فرمادینگے۔ اور اگر کوئی صاحب آئندہ جاری رکھنا نہ چاہتے ہوں۔ تو اُنکی خدمت میں التماس ہے کہ ایک کارڈ کے ذریعہ سے اطلاع فرمادیں تاکہ مفت کی زیرباری اور تضییع وقت کی نوبت نہ آئے۔

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

(سلسلہ کیلئے نمبر سابق القاسم دیکھو)

تتمہ آخر مضمون نذر

(وھو[1] جوھر نفیس لا یجوز ان یطرح)

اور یہ نہی نذر کرنے سے جو حدیث میں وارد ہے جسکی تحقیق و توجیہ (نمبر گذشتہ میں) مذکور ہوئی ہے مخصوص ہے نذر معلق کے ساتھ جیسا کہ اُس نہی کی اس تعلیل سے صاف ظاہر ہے انہ[2] لا یرد شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل جسکا حاصل یہ ہے انہ[3] لم یخلص من شائبۃ العوض حیث جعل القربۃ فی مقابلۃ الشفاء ولم تسمح نفسہ بھا بدون العلق علیہ مع ما فیہ من ایھام اعتقاد التاثیر للنذر فی حصول الشفاء اھ بخلاف نذر منجز کے کہ اسمیں یہ علت نہیں فھو[4] تبرع محض بالقربۃ للہ تعالیٰ والزام النفس بما عساھا لا تفعلہ بدونہ فیکون قربۃ کذا فی رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۱ ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

فدیۂ صوم وصلوۃ

مثل دیگر طاعات مالیہ (مذکورہ نمبر ہائے سابقہ) اسمیں بھی متعدد کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں مثلاً ایک کوتاہی یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ انکے ذمہ بہت سی نمازیں اور روزے چڑھے ہوتے ہیں مگر مرنے کے وقت بھی فدیہ کی وصیت نہیں کرتے حالانکہ ایسے شخص کو فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے (لوجوب[5] الفدیۃ عن الصوم نصا وعن الصلوۃ قیاسا) مقدار ایک روزہ اور ایک نماز کے فدیہ کی برابر صدقہ فطر کی ہے خواہ غلہ یا قیمت یا ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دینا اور نماز میں

---

[1] یہ تتمہ ایک جوہر نفیس ہے اس قابل نہیں کہ گرا دیا جاوے ۱۲ [2] نذر تقدیر کو رد نہیں کرتی ہاں نذر کیوجہ سے بخیل کا مال کچھ خرچ ہو جاتا ہے ۱۲ [3] نذر کرنے سے انسان عوض کی آمیزش سے چھٹکارا نہیں پاتا کیونکہ اُس نے اس عبادت کو شفاء کے مقابلہ میں کر دیا اور بلا حصول مقدر سخاوت نہ کی باوجودیکہ اسمیں شبہ ہے حصول شفاء میں نذر کو موثر خیال کرنیکا ۱۲ [4] یہ محض نفلی عبادت ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنے نفس پر ایک چیز کا لازم کر لینا ہے کہ بسا اوقات بغیر التزام کے نفس اس کو نہ کرتا پس یہ عبادت ہے ۱۲ [5] کیونکہ روزہ کے فدیہ کا ثبوت نص سے ثابت ہے اور نماز کے فدیہ کا وجوب قیاس سے ہے ۱۲

ایک دن کے پانچ فرض اور ایک وتر کل چھ ہیں۔ اسکے مقابل ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی فدیہ کے بھروسے اپنے اوپر نمازیں اور روزے چڑھاتے چلے جاتے ہیں کہ ہم مالدار ہیں فدیہ کی وصیت کر جاوینگے تو اسمیں ایک تو بڑی بیباکی ہی کہ گویا نماز و روزہ اسکے نزدیک قابل اہتمام ہی نہیں خصوص مالداروں سے گویا اُسکا جرمانہ لیکر اُنکو سبکدوش کر دیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک دوسرے چونکہ نمازوں کا بہت عدد بڑھ جاتا ہے اور اسلئے اُسکا مجموعہ فدیہ اکثروں کی وسعت سے متجاوز ہو جاتا ہے تو اگر کل ادا کیا گیا تو وارثوں کو ضرر پہونچایا گیا اور اگر کل ادا نہ ہوا تو اس کے ذمہ بار رہا اور یہ دونوں امر غیر مشروع ہیں اور اسی فدیہ کے بھروسہ پر رہنے کے متعلق اس زمانہ میں نئی غلطی مگر بہت گندی غلطی یہ ایجاد کی گئی ہے کہ روزہ قضا ہو جاوے تو باوجود صحت بدن کے بھی اُسکی طرف سے فدیہ دیدینا کافی ہے روزہ رکھنا فرض نہیں (اسکا بطلان اچھی طرح سے احقر نے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ کے متن میں مختصراً اور اُسکے خاتمہ پر بعبارت عربیہ مبسوطاً اور عزیزم مولوی شبیر احمد صاحب سلمہ دیوبندی نے القاسم کے نمبر ۴ جلد ۲ میں عقلاً و نقلاً بہت ثابت کر دیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ باوجود اسکے کہ وہ نمازیں قضا کر سکتے ہیں اور صحت سے بھی مایوس نہیں ہوئے اور صحت کے بعد روزے قضا کر سکتے ہیں مگر پھر بھی ارزاں نسخہ فدیہ کا یاد کرکے اُسکے استعمال کو کافی سمجھتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیئے کہ قدرت یا امید قدرت ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں ہوتا پس نماز پر تو انسان ہر وقت قادر ہے اگر رکوع و سجود نہ ہو سکے اشارہ ممکن ہے۔ پس مرض میں بھی وقتیہ کو ادا اور فائتہ کو قضا کر سکتا ہے اُسکا فدیہ تو اسلئے جائز نہیں رہا روزہ تو جب تک صحت کی اُمید ہی بعد صحت کے بقدر زمانۂ قدرت اُسپر قضا کرنا واجب ہوگا البتہ اگر ایسا مرض ہو گیا کہ اب بالکل اُمید صحت کی نہیں رہی یا ایسا بوڑھا ہو گیا کہ اب بالکل اُمید قوت کی نہیں رہی یا کسی نے عمر بھر روزہ رکھنے کی نذر کرلی تھی مگر اب اس سے بالکل عاجز ہو گیا حاصل یہ کہ ایسا عذر لازم ہو گیا کہ اب قضا پر قادر ہونے کا قطعاً احتمال نہیں رہا۔ ان حالات میں حیات میں بھی روزہ کا فدیہ دینا جائز اور کافی ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۱)۔ اور اسکا مقتضا یہ ہے کہ اگر قضا نمازیں بہت کثرت سے ہو گئیں اور مرض کی ایسی حالت ہو کہ اشارہ سے بھی زیادہ قضا نہیں پڑھ سکتا اور امید صحت کی منقطع ہو گئی تو بقدر قدرت قضا کرنا واجب ہوگا

اور بقیہ کا فدیہ حیات میں بھی دینا درست ہوگا (لکن لوادہ فبراجع) اور جو نمازیں اور روزے قضا اور فدیہ سے رہ جاویں اُنکے فدیہ کے لئے وصیت کرنا واجب ہوگا البتہ اگر ناامیدی کے قبل بھی اس نظر سے فدیہ دیدے کہ معلوم نہیں میرے ورثہ وصیت پر عمل کریں یا نکریں اور یہ بھی نیت رکھے کہ بعد فدیہ کے اگر قدرت قضا کی ہوگی تو قضا کرونگا۔ اور اگر قدرت نہ ہوئی اور مسائل بالا کی رو سے جس مقدار فدیہ کا ناکافی ہونا ثابت ہوگا وصیت بھی کردونگا ایسے فدیہ کا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن اور احتیاط ہے بشرطیکہ اگر مرض الموت میں ہو تو ثلث سے زیادہ ندی اور قضا سے ناامیدی ہونے کی حالت میں جو روزہ کے فدیہ کا جواز اوپر مذکور ہوا ہے اسمیں ایک اور بھی شرط ہے وہ یہ کہ یہ روزہ کسی اور واجب کا بدل نہ ہو ورنہ اسمیں یا اصل واجب کو ادا کرے اور وہ نہو سکا تو صرف وجوب وصیت متعین ہے فدیہ کسی حال میں نہیں ہوسکتا جیسے کفارہ یمین میں روزہ اسوقت ہوتا ہے جب اعتاق و اطعام وکسوت پر قدرت نہ ہو پس اس روزہ کا فدیہ حیات میں درست نہیں اگر اصل اور بدل دونوں پر قدرت نہ ہو تو مرتے وقت ترکہ میں فدیہ کی وصیت واجب ہوگی۔ (رد المحتار ج ا صـ۱۹۱)۔

ایک کوتاہی وارثوں کی ہے کہ باوجود وصیت اور وسعت کے اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور میت گرانبار رہتا ہے حالانکہ ثلث کے اندر وصیت مقدم ہے ترکہ پر بھی۔

ایک کوتاہی پہلی کوتاہی سے کم درجہ کی یہ ہے کہ اگر وہ بلا وصیت مرجاوے تو اس فدیہ سے کم درجہ کے مصارف میں بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ فضول مصارف میں اور اس سے بھی مزید یہ کہ معاصی میں میت کا ترکہ اوڑاتے ہیں مگر اس طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ اور مصارف بند کرکے کچھ فدیہ میں دیدیں اور گو ایسی حالت میں دینا بعض فقہار کے نزدیک مسقط واجب نہ ہوگا لیکن بعض کے نزدیک مثل حالت وصیت کے یہ بھی مسقط واجب ہوجاویگا اور جو مسقط واجب نہیں اُنکے نزدیک بھی اس طرح سے نافع ہونا تو یقینی ہے کہ میت کو اسکا ثواب ہی پہنچ جاویگا کیا عجب ہے کہ وہ ثواب اُس ترک واجب کے عذاب کو زائل کردے (رد المحتار ج ا صـ۱۹۱)۔ اور یہ کوتاہی کم درجہ کی اسلئے ہے کہ صورت سابقہ میں بوجہ وصیت کے فدیہ دینا واجب تھا اور اس صورت میں بوجہ وصیت نہ کرنے کے واجب نہیں ہوا لیکن جب اس سے اُن محل میں صرف کیا ہے تو

یہ اُس سے احق و اسبق اور اقدم و اہم ہے۔

ایک کوتاہی ورثہ ہی کی یہ ہے کہ بعضے مقامات پر بزعم خود فدیہ ادا کرتے ہیں اور وہ بوجہ قواعد شرعیہ پر منطبق نہ ہونے کے ادا نہیں ہوتا اور ورثہ پر ارتکاب منہی عنہ کا اور موت پر ترک عمل واجب کا بار رہتا ہے اور وہ طریق غیر منطبق یہ ہے کہ میت کی تمام عمر کے نماز روزوں کا حساب کرکے اسکی ایک رقم مثلاً دس ہزار روپیہ تجویز کرکے ایک مُلّا کے ہاتھ ایک قرآن مجید دس ہزار روپیہ کو ہدیہ کرتے ہیں پھر وہ قیمت اُس ملا کو بہ نیت فدیہ کے معاف کردیتے ہیں۔ اور اس عمل کو اسقاط کہتے ہیں اور یہ صورت اُن سب اسقاط کی صورتوں سے اسلم ہے۔ جنکو جہلا عمل میں لاتے ہیں کہ اُن میں تو کوئی شائبہ بھی انطباق علی القواعد کا نہیں اُن میں سے یہ صورت سرسری نظر میں منطبق سمجھی جاتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہاں جب بیع مقصود نہیں تو ثمن بھی واجب نہ ہوگا پھر فدیہ کس رقم سے ادا ہوا اور دلیل بیع مقصود نہ ہونے کی علاوہ وجدان کے یہ ہے کہ اگر مُلّا کو ثمن معاف نکیا جاوے بلکہ اُسکا مطالبہ کرنے لگیں تو کیا اور تمام دیکھنے والے اُس ثمن کو واجب اور اس مطالبہ کو حق سمجھیں گے ہرگز نہیں پھر یہ تو ایک قسم کا فریب دینا ہوا البتہ جس کو وسعت کم ہو اُسکے لئے دوسرا طریق درمختار میں لکھا ہے وہ قواعد پر منطبق ہے کہ مثلاً ایک روپیہ مسکین کو فدیہ میں دیا اور اُسنے بخوشی ولی کو ہبہ کردیا ولی نے پھر اُسکو فدیہ میں دیا اسی طرح اگر ہزار بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہوگئے اور اسمیں ہر بار میں اختیار ہے جب چاہے رکھ لے دوسرے کو ندے فقط

تنبیہ صوم و صلوٰۃ کے فدیہ میں اباحۃ و تملیک اور ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دیدینا سب درست ہے لیکن نصف صاع سے کم ندے یقینی (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۸ و ۱۸۹) واللہ اعلم۔

کتبہ اشرف علی ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ

تسہیل مضمون مذکور۔ برعایت تفہیم جمہور

بعنوان مسائل

مسئلہ جس شخص کے ذمہ کچھ نمازیں اور روزے قضا ہوں اور اُنکو قضا نکر سکا ہو اُسکو واجب ہے کہ مرنے سے پہلے اُنکے فدیہ کی وصیت کرجاوے۔ مسئلہ ایک روزہ کا فدیہ اُسقدر ہے

جسقدر صدقہ فطر دیا جائے ۔ اسی طرح ایک نماز کا بھی اسیقدر ہے اور ہر روز کی چھ نمازیں شمار کیجاتی ہیں پانچ تو فرض اور ایک واجب یعنی وتر ۔ مسئلہ فدیہ کے بھروسہ نماز اور روزہ کا قضا کر ڈالنا یا جو قضا ہو گئے ہوں انکے ادا میں سستی کرنا سخت گناہ ہے ۔ مسئلہ بیماری میں جو روزے قضا ہوئے اگر اس بیماری کے بعد زمانہ صحت اتنا ملا جسمیں کل روزے یا بعض روزے قضا رکھ سکتا تھا اسیقدر واجب ہونگے باقی واجب نہ ہونگے تو اگر بیس روزے قضا ہوئے اور دس کی طاقت مل سکی اور قضا رکھنے نہ پایا تھا کہ موت آگئی تو دس روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی ۔ مسئلہ فدیہ کی وصیت ثلث ترکہ سے زائد میں صحیح نہیں یعنی تجہیز و تکفین اور قرضہ سے مثلاً تین سو روپئے بچ گئے تو سو روپئے سے زائد میں وصیت صحیح نہ ہوگی البتہ اگر بالغ وارث اپنے حصہ میں جائز رکھیں تو انکو اختیار ہے ۔ مسئلہ جب تک روزہ قضا کرنے کی قدرت رہے اسوقت تک فدیہ دینا کافی نہیں بلکہ قضا ہی رکھنا فرض ہوگا ۔ ایک مترجم قرآن کے حاشیہ پر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الایہ کی تفسیر میں جو اسکے خلاف لکھدیا ہے وہ بالکل غلط ہے اسپر عمل حرام ہے اہل علم نے اپنی تحریرات میں اسکی غلطی کھول دی ہے ۔ مسئلہ اسی طرح جب تک امید صحت اور قوت کی ہو فدیہ دنیا کافی نہیں البتہ اگر کوئی ایسا مرض ہو کہ اس سے صحت کی امید نہ رہے اور مرض کی حالت میں قوت نہ ہو یا بہت بوڑھا ہو گیا اور قوت روز بروز گھٹتی جاتی ہو تو ایسے شخص کو ادا اور قضا روزہ کے بدلے فدیہ دینا درست ہے اسی طرح اگر نادانی سے بارہ مہینے روزہ رہنے کی نذر کرلی تھی اور اب ہار گیا تو اسکو بھی روزانہ روزہ کا فدیہ دینا درست ہے ۔ مسئلہ لیکن مرض و ضعف میں نماز چونکہ اشارہ سے بھی درست ہے اسلئے قضا نمازوں کا فدیہ اسوقت درست ہو سکتا ہے جب اشارہ سے بھی انکے پورا کرنیکی امید نہ رہے جیسے مرض الموت میں ایسی حالت ہو جاتی ہے (مگر اس مسئلہ کو زیادہ تحقیق بھی کرلیا جاوے) مسئلہ اگر کوئی ایسی حالت میں کہ فدیہ کافی نہ ہو اس نظر سے فدیہ دیدے کہ شاید میری وصیت کو وارث پورا نکریں اور یہ بھی نیت رکھے کہ اگر صحت و قوت عود کر آئی تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھونگا بلکہ نمازیں اور روزے قضا کرونگا تو اسکا مضائقہ نہیں ۔ مسئلہ جو روزہ قسم کے کفارہ میں اس پر واجب تھا حیات میں اسکا فدیہ درست نہیں بلکہ اگر اخیر عمر تک

ادا سے عاجز رہے تو مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرے **مسئلہ** اگر میت بلا وصیت مرجاوے تب بھی ورثہ کو بہت ثواب ہوگا اگر اُسکی نماز اور روزہ کا فدیہ ادا کردیں **مسئلہ** ایک عمل بعض جگہ عوام میں اسقاط کے نام سے مشہور ہے اُس سے فدیہ ادا نہیں ہوتا **مسئلہ** جہاں رقم فدیہ کی بہت زیادہ ہو اور اسقدر گنجایش ہو نہیں تو بالکل اسکو نظر انداز کرنے سے یہ صورت کرلیں کہ مثلاً وارث دس روپے کسی مسکین کو بہ نیت فدیہ کے دیں پھر وہ اپنی خوشی سے اُس وارث کو وہ رقم ہبہ کردے یہ وارث پھر اُسکو بہ نیت فدیہ کے دیں تو گویا بیس روپئے فدیہ میں پہونچے اسی طرح اگر سو بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہو گئے مگر گنجایش ہوتے ہوئے ایسا نہ کرے **مسئلہ** فدیہ میں اختیار ہے خواہ مساکین کو بٹھلا کر کہلاوے خواہ غلہ بقدر صدقہ فطر دیدے یا اُسکی قیمت دیدے ایک مسکین کو ایک حصہ سے کم نہ دے زیادہ دیدینا درست ہے یعنی ایک مسکین کو کئی حصے ایک تاریخ میں دیدینا بھی درست ہے۔

کتبہ اشرف علی ۱۴ جمادی الآخری ۱۳۳۰ھ

سنہ ہجری

عالیجناب مولانا سید **یوسف الدین** صاحب صوبہ دار گلبرگہ نے سنہ شمسی ہجری کی ایک مکمل تقویم ۱۲ جلدوں میں مرتب فرمائی ہے۔ اُسمیں سے سنہ ہجری کی ابتدا اور یوم عاشورا کی تحقیق کے متعلق ایک مضمون بغرض اندراج القاسم ارسال فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر اہل علم کے نزدیک اس تحقیق میں کوئی فروگذاشت ہو تو اُسکو ظاہر کردیا جاوے۔

ماہ رجب کے القاسم میں جناب موصوف کا مضمون بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں مولانا سید **انور شاہ** صاحب نے اس مسئلہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے درج کیا جائیگا"

۸ ربیع الاول روز شنبہ = ۲۰ ستمبر ۶۲۲ سنہ مسیحی

"رسول اللہ صلعم رختے کہ از مکہ بربست درمحلہ قبا بر کشود و میان قوم بنی عمر بن عوف بر کلثوم بن الہدم فرود آمد۔ ہمدریں روز روزۂ عاشورہ گرفت وفرمود تا صحابہ روزہ گزارند"۔

صوم عاشورا

جملۂ فقہا واہل حدیث[۱] وہمہ مورخین اسلام برآنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزیکہ از مکہ اولین بار بہ مدینہ در آمد روزہ گزاشت و بہ صحابہ بداں امر فرمود۔ امّا در نوعیت روزہ وتعین آن عاشورا سخت اختلاف دارند۔

حکم روزۂ عاشورا — بعضے برآنند کہ روزۂ عاشورا فرض بود وبعض باستحبابش رفتہ نووی رح آنچہ اندرین بارہ گفتہ این است کہ در حکم صوم عاشورا (در آغاز اسلام پیش از وجوب صوم رمضان) اختلاف کردہ اند۔ ابوحنیفہ رح فرماید کہ واجب بود نظواہر حدیث (امر بصیامہ) واز امر ثابت نشود الا وجوب۔ وقتیکہ روزۂ رمضان فرض شد رسول اللہ صلعم فرمود من شاء صامہ ومن شاء ترکہ وشافعی رح آن را مستحب دانستہ بدو[۲] وجہ (۱) امر بصوم عاشورا بیش از یک[۲] سال نرفت باید کہ واجب نباشد (۲) رسول اللہ صلعم بروز عاشر روزہ گرفت وبصوم تاسع نیت کرد۔ ازیں نکشاید جز انیکہ آن متاکد الاستحباب بود۔ چوں روزۂ رمضان فرض شد مستحب غیر موکّد بماند۔ وحجت شافعی بدیں حدیث است ھذا یوم عاشوراء لم یکتب اللہ علیکم صیامہ ظاہرش این است کہ آن گاہے فرض نشد۔

وعلمائے شیعہ از سیدنا محمّد باقر رضی اللہ عنہ روایت کنند کہ فرمود روزۂ عاشورا سنت بود تا آنگاہ کہ روزۂ رمضان فرض شد۔ پس روزۂ عاشورا متروک شد۔

روزیکہ رسول اللہ صلعم بمدینہ در آمد عاشورائے محرم نبود — آنچہ گویند کہ رسول اللہ صلعم روزیکہ اولین بار بمدینہ در آمد روز عاشورا بود باید دانست ازاں چہ عاشورا مراد است بعرف اسلام کہ دہم محرم باشد یا اطلاق لفظ عاشورا در زمانۂ رسول اللہ صلعم بروزے دیگر ہم متوانستے شد۔

(۱) از علمائے حدیث ومورخین اسلام کس نگفتہ است کہ قدوم رسول اللہ صلعم بمدینہ بدہم محرم بود اگر بعاشورائے محرم بودے خود رسول اللہ صلعم نفرمودے ما ھذا (چنانکہ آید)۔

(۲) صاحب مواہب اللدنیہ برگوید ولا شك ان قدومہ علیہ السلام (المدینۃ) کان فی ربیع الاول وتمامۂ محدثین ومورخین اسلام باو ہمزبان اند۔

(۳) تمام علمائے ملت برآنند کہ ابتدائے امر بصوم عاشورا از روزی است کہ اندران پیغامبر نخستین بار بمدینہ در آمد وآن

---

[۱] مسلم وبخاری ومالک وابوداؤد وموطا وزرقانی (در باب صلوٰۃ النبی لعاشورا) روایت کنند کہ امر فرمود رسول اللہ صلعم بصوم عاشورا روزیکہ اولین مرتبہ از مکّہ بمدینہ در آمد[۲]

[۲] بلکہ بیش از ہفتدہ ماہ نرفت چرا کہ روزۂ رمضان فرض شدہ است بہ دوم شعبان ۲ سنہ ہجری روز یکشنبہ (زرقانی صفحہ ۱۱۴) پس از صوم عاشورا (کہ ۱۰ ربیع الاول ۱ سنہ ہجری روز دوشنبہ باشد) تا بدوم شعبان ۲ سنہ ہجری روز یکشنبہ فاصلہ (۴۹۶) روز باشد وآن مساوی است بہ (۱۶) ماہ و (۱۶) یوم۔

بہ ہشتم ربیع الاول روز دوشنبہ بود و ہشتم ربیع الاول با ۲۰ ستمبر ۶۲۲ عیسوی برابر است و ۲۰ ستمبر موافق است بدہم تشرین۔ این نتیجہ ایست حسابی بس درست۔ نتوان لب بانکارش کشود۔

(۴) حساب رسدی شہادت ندہد برینکہ در ۶۲۲ مسیحی دہم تشرین موافق باشد بدہم محرم۔ مگر بہ ۸ ربیع الاول (چنانکہ بیقین روز دخول بہ مدینہ درگزشت) پس نتوان گفت کہ روزیکہ رسول اللہ صلعم بہ مدینہ درآمد عاشر محرم بود۔

روزیکہ رسول اللہ صلعم بمدینہ درآمد عاشورائے قریش نبود

سیدتنا عائشہ رض فرماید کہ کان عاشورا یوما تصومه قريش في الجاهلية (اما نہ فرمودہ کہ آن بکدام ماہ و روز بود) وكان رسول الله يصومه في الجاهلية فلما قدم المدينة صامه وامر بصيامه فلما فرض رمضان ترك عاشوراء۔

(۲) خارجہ ابن زید از پدر خود روایت کند کہ عاشورا روزے نباشد کہ مردم عاشورا (دہم محرم) خوانند حش بل عاشورا روزے بود کہ اندران بر خانہ کعبہ غلاف افگندندے و حبشہ بحضور رسول اللہ صلعم لہو لعب کردندے و این روز سالے یک کرۃ آمدے (اما نہ گفتہ کہ آن بہ کدام ماہ و روز بود) و مردم پیش فلاں یہودی رفتندی و ازو سوال کردندے چون آن یہودی بمرد پیش زید ابن ثابت آمدندے و پرسیدندے۔

(۳) بخاری گوید واما صيام قريش بعاشورا فلعلهم تلقوه من الشرع السابق ولذا كانوا يعظمونه بكسوة الكعبة فيه۔

بالجملہ آنچہ عائشہ صدیقہ رض فرمودہ این است کہ عاشورا روزی بود کہ اندران قریش در ایام جاہلیہ روزہ گزاشتندے تا این باز خارجہ ابن زید و امام بخاری نیز با عائشہ رض ہم نوا ست اما غیر عائشہ رض کسے نگفتہ کہ رسول اللہ صلعم ہم اندران روز روزہ میگزاشت و روزیکہ رسول اللہ صلعم بمدینہ درآمد روزہ گزاشت و بدیگران امر فرمود۔ و تحقیق نیست کہ عاشورائے قریش در چہ ماہ و روز بود خود عائشہ اندرین باہ چیزے نفرمودہ و نہ خارجہ ابن زید چیزے گفتہ پس نتوان گفت کہ روزیکہ پیغامبر بمدینہ درآمد عاشورائے قریش بود۔

روزیکہ رسول اللہ صلعم بمدینہ درآمد عاشورائے یہود بود

ابوریحان بیرونی گوید[1] کہ لفظ عاشور عبرانی است و عاشورا معرب عاشور باشد۔ یہود دہم تشرین را عاشور گویند و مدان روز روزہ گیرند و آن را صوم کبور خوانند و این روزہ بروے توریت بر ایشان فرض بود و (ہست الی یومنا ہذا) پس مردم عرب اتباعا للیہود از ماہ اولین ہر سال دہمین روز را عاشورا خواندند۔

(۲) مسلم صوم عاشورا را چہار حالتہ برشمردہ است۔

(الاول) رسول اللہ صلعم بہ مکہ روزہ میگزاشت بدان کس را امر نفرمود چنانکہ در حدیث عائشہ مذکور است و نزد شیخین وغیرہما عاشورا روزے بود کہ قریش در زمانہ جاہلیہ روزہ میگزاشتند و رسول اللہ صلعم روزہ میگزاشت۔ روزیکہ بمدینہ رسید روزہ داشت و بروزہ امر فرمود

[1] آثار باقیہ ص ۵۲ ۔ [2] معجم کبیر ۱۴

(الثانی) وقتیکہ رسول اللہ صلعم بمدینہ در آمد دید کہ اہل کتاب روزہ دارند و بداں روز عظمت کنند رسول اللہ صلعم دوست میداشت موافقت اہل کتاب را۔ بدانچہ ماموز نشد۔ (یا نہی اندراں وارد نشد) پس روزہ داشت و مردم را بہ روزہ فرمود و امر بدین روزہ موکد شد۔

(الثالث) وقتیکہ روزۂ رمضان فرض شد روزہ عاشورا ترک گفت و فرمود۔ ان عاشورا یوم من ایام اللہ فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ چنانکہ حدیث عائشہ بداں شہادت کند۔

(الرابع) رسول اللہ صلعم در پایان عمر قصد فرمود کہ ایں روزہ را فرو نگزارد بلکہ بداں روزۂ دیگر ہم شامل کند و آن بہ نہم روز باشد تا کہ در روزہ با اہل کتاب مخالفتے پدید آید۔

(۳) ابن عباس رضہ فرماید کہ رسول اللہ صلعم چوں بمدینہ در آمد یہود را صائم یافت فرمود ما ھذا یہود گفتند ھذا یوم عظیم نجی اللہ[۱] فیہ موسیٰ وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکراً نحن نصومہ رسول اللہ صلعم فرمود نحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم (للاشتراک فی الرسالۃ والاخوۃ فی الدین والقرابۃ الظاھرۃ) و روزہ گزاشت و بروزہ امر فرمود۔

ایں حدیثے است صحیح کہ آنرا مسلم و بخاری ہر دو نقل کردہ اند صحابہ عرض کردند کہ یا رسول اللہ این روزے است کہ یہود و نصاریٰ بداں عظمت کنند رسول اللہ صلعم فرمود فاذا کان العام المقبل ان شاء اللہ صمنا الیوم التاسع۔ فلم یات[۲] العام المقبل حتیٰ توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

از گفتہ ہائے بالا آنچہ می کشاید ایں است کہ۔

---

[۱] آنانکہ گفتند کہ نجی اللہ فیہ موسیٰ وغرق فرعون غلط کردند بیقین میتواں گفتن کہ یہود ان مخاطب از سبب وجوب صوم عاشورہ بےخبر بودند۔ چراکہ بتوریت مذکور است کہ موسیٰ علیہ السلام بعد فصیح یہود از بحر احمر بہ ۲۳ رمضان عبور کردہ و آن مقابل بود بہ ۱۲ نیسان از ایام فطیر ہفتمیں روز بود و پیغامبر از روزیکہ سوال فرمود روز عاشور یہود بود۔ یہود از اولین ماہ ہر سال دہمیں روز را عاشور خوانند و صوم عاشور بروی توریت بر یہود فرض بود و ہست این را صوم کپور گویند پس بایستے در جواب پیغامبر گفتن کہ (این روزہ عاشور است یا صوم کپور و بحکم توریت روزہ عاشور بر یہود فرض است)۔

[۲] لم یات العام المقبل ظاہرش این است کہ رسول اللہ صلعم روزہ عاشورا گزاشت در سنہ ۱ ہجری و در سال مابعد (کہ سنہ ۲ ہجری باشد) ترک جہان گفت حالانکہ چنان نیست جمہور بکزبان اند کہ پیغامبر پس از صوم عاشورا تا نہ سال دیگر بزیست و در سنہ ۱۱ ہجری از عالم درگزشت پس لم یات العام المقبل وحتیٰ توفی ہر دو صحیح نباشد۔

اینکہ گویند کہ فرمان رسول اللہ صلعم (فاذا کان العام المقبل ان شاء اللہ صمنا الیوم التاسع) در پایان عمرش بود انہم بہ ہیچ پہلو راست نیاید از ینکہ پیغامبر روزۂ عاشورا گزاشت در سنہ ۱ ہجری روز دوشنبہ بیش از وجوب صوم رمضان و روزہ رمضان بہ دوم شعبان سنہ ۲ ہجری روز یکشنبہ فرض شد (یعنی از صوم عاشورا بفاصلہ (۱۶) ماہ و (۱۶) یوم) پس از انکہ روزہ رمضان فرض شد آن مبالغہ در حکم روزہ عاشورا نماند در پایان عمر رسول اللہ صلعم (یعنی در سنہ ۱۰ ہجری) خود روزۂ عاشورا را وقعے نماندہ بود پس پیغامبر را چہ افتاد کہ فرمایا ان شاء اللہ صمنا الیوم التاسع حکم این قصہ بدست صرافان حدیث می گذارم کہ از من جز ول بداں عالم تراند۔

ا　ابتدائے امر بصوم عاشورا از روزیے ست کہ اندران پیغامبر بمدینہ در آمد۔

ب　از اہل حدیث و مورخین اسلام و اہل تحقیقات کس نگفتہ کہ قدوم رسول اللہ صلعم بہ مدینہ بہ دہم محرم بود۔

ج　روزیکہ رسول اللہ صلعم اولین مرتبہ بہ مدینہ در آمد ہشتم ربیع الاول بود و ہشتم ربیع الاول برابر بود با ۲۰ ستمبر ۶۲۲ مسیحی و ۲۰ ستمبر ۶۲۲ مسیحی مطابق است بدہم تشرین۔

د　حساب رصدی شہادت مید ہد بر اینکہ در ۶۲۲ مسیحی دہم تشرین موافق باشد بدہم محرم مگر بہ ۸ ربیع الاول۔

ہ　یہود دہم تشرین را عاشور گویند و بداں روز روزہ گیرند و آن را صوم کپور خوانند و ایں روزہ بروئے توریت برایشاں فرض بود (وہست الی یومنا ہذا)۔

و　روزیکہ رسول اللہ صلعم اولیں کرۃ بمدینہ در آمد یہود را صائم یافت و رسول اللہ صلعم پرسید ما ہذا یہود عرض کردند کہ این روزے است کہ خدای اندران موسیٰ و آل موسیٰ را نجات داد و فرعون و قوم فرعون را باب اندر فرو برد رسول اللہ صلعم فرمود کہ من بموسیٰ از شما مستحق ترم خودش روزہ گزاشت و بروزہ فرمود صحابہ عرض کردند یا رسول اللہ این روزی است کہ یہود و نصاریٰ بزرگش نہند۔

پس شکی نیست کہ رسول اللہ صلعم بہ ۸ ربیع الاول بہ مدینہ اندر آمد و ہشتم ربیع الاول موافق بود بہ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ مسیحی و ۲۰ ستمبر ۶۲۲ مسیحی مطابق بود بدہم تشرین کہ یہود اندران روزہ می گزاشتند پیغامبر بروزہ یہود را برخود گرفت و ہم بداں امر فرمود ازیں جا است کہ بعض محدثین بتوجیہ فعل رسول اللہ برخاستند و گفتند کہ صوم رسول اللہ صلعم جہتہ استیلاف یہود باشد چنانچہ باستقبال قبلہ بدیں شان استیلاف فرمود۔ و این زمانے بود کہ رسول اللہ صلعم موافقت اہل کتاب را دوست میداشت در انچہ نہی وارد نباشد چون کار اسلام بالا گرفت مخالفت اہل کتاب را دوست میداشت۔

پس عاشورا اینکہ ما در سد و آنیم بعرف اسلام عاشر محرم نبود بلکہ دہم تشرین بود کہ یہود اندران بحکم توریت روزہ میگزاشتند۔ پیغامبر روزۂ یہود را برخود گرفت و بداں امر فرمود و خود را در برابر یہود بداں مستحق تر دانست۔ ندانم کہ ایں وجوب یا ندب کہ از روزہ یہود برخاست بہ عاشر محرم از چہ راہ نفوذ کرد اگر من بہ غلط نباشم ہمانا فقہا بلفظ عاشورا بہ گمان افتادند کہ امر رسول اللہ صلعم وابستہ بصوم عاشورائے محرم بود و بدیں گمان یکے پشت دیگرے برفت کسے بہ فکر آن نشد کہ آن چہ عاشورا بود۔

بعضے از اہل حدیث بدیں احتمال افتادند کہ یہود روز عاشور را بحساب سنین شمسیہ میشمردند اتفاقاً بداں روز کہ پیغامبر بمدینہ در آمد۔ عاشورائے یہود با عاشورائے محرم موافق بود۔ این تاویل نیز درست نباید چہ بیقین میتواں گفتن کہ توافق عاشورتین محال است ہم بہ حساب و ہم بہ اخبار کسیکہ قائل باشد بتوافق عاشورتین قولش متناقض افتد۔ بداں خبر عام کہ دلالت کند بر آنکہ ہجرت مقدسہ در ربیع الاول بود فقط

محمد یوسف الدین

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

الدَّارُ الْآخِرَة

الٰہی عاقبت محمود گرداں

(سلسلہ کیلئے رسالہ القاسم نمبر ۱ جلد دوم ملاحظہ ہو)

بیشک آپ کی یہ تاویل یا تلمیع ایسی لاجواب ہے کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ہوتے تو ضرور یہ پڑھتے کہ ع سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است * اور میں اس مصرعہ کو چھوڑ کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ ڈاکٹر صاحب ظالم ہونے سے بچ گئے تو کیا وہ سارے طبیب جو املتاس کا قدح مریض کے مونہہ سے لگا دیتے ہیں۔ یا وہ ڈاکٹر جو تلخ سے تلخ دوا پلانے میں خدا کا خوف نہیں کرتے۔ یا وہ والدین جو ایک ننھے معصوم بچے کو بغیر کسی خطا کے کسی قصاب میانجی کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ یہ سب لوگ بھی اسکے مستحق نہیں کہ انکو بیرحم اور ظالم ٹھیرایا جائے۔ اور انکی ان کارروائیوں کو نگاہ نفرت سے دیکھا جائے۔ اور اگر اس وجہ سے انکے ظالم کہنے میں تساہل کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی یہ تکلیف رسانی بغرض سزا و پاداش نہیں بلکہ بہ نیت اصلاح و تربیت ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ نے بھی جس کسی کو اندھا۔ یا بہرا۔ یا گونگا وغیرہ پیدا کیا ہے اسمیں بھی اسی طرح کی تربیت اور چارہ سازی کی رعایت ہو۔ خداوند کریم بیشک قادر مطلق اور عادل و منصف ہے لیکن شان تربیت بھی اسکی اتنی اعلیٰ ہی کہ اسکا نام ہی ربّ العالمین ہو گیا۔ اب اگر دنیا میں بعض تکالیف بطریق جزا و سزا کے اور بعض بطریق تربیت اور حفظ ماتقدم کے خدا کی جانب سے پہنچتے ہوں تو یہ کیوں محال ہے اور پہلے ہی سے خود بخود یہ کیوں قرار دے لیا گیا کہ خداوند کریم کے سارے معاملات جو بندوں کو ساتھ ہوتے ہیں وہ سب جزا و سزا ہی میں منحصر ہیں۔

ہمارے اس بیان پر شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر خدا تعالیٰ نے کسی شخص کی تربیت اور اصلاح کی غرض سے اسمیں کوئی عیب اور نقصان رکھا ہے تو کیا وہ رب العالمین اس پر قادر نہ تھا کہ اسکی اصلاح نقصان پہنچائے بغیر ہی کر دیتا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ بیشک قادر تھا۔

لیکن ممکن ہے کہ اس طریق تربیت میں مجموعہ عالم کی خوبی قائم رکھنے کے اعتبار سے کچھ اور ایسے مصالح اور حکمتیں مرعی ہوں جو دوسرے طریقوں کے اندر نہ پائے جاسکیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حکمتوں کی مزید تشریح ہم آگے چلکر کسی مناسب موقعہ پر کرینگے (فانتظروا مفتشین)۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہمارے دوستوں کے نزدیک باوجودیکہ جسقدر مصائب و آلام انسان کو اس دنیا میں پہنچتے رہتے ہیں وہ سب پچھلی جونوں کے اعمال کی سزا قرار دئے گئے ہیں۔ لیکن سزا پانے والے مجرم کو اتنی بھی اطلاع نہیں ہوکہ میں کس عمل کے بدلے میں یہ سزا پا رہا ہوں۔ یہانتک کہ نہ اسکو پہلے جنم کی کچھ خبر ہے اور نہ اس جنم کے اعمال ہی اسکو یاد ہیں۔

ہمارے مہربان اس نسیان کو عہد الست کے نسیان پر قیاس کر کے جواب دیا کرتے ہیں۔

لیکن انکا یہ قیاس کسی طرح صحیح نہیں۔ کیونکہ پچھلے جنم کے اعمال کا اسلئے یاد دلانا ضروری تھا کہ اسوقت اسکو جن جرموں کی سزا دیجارہی ہے وہ اسکو معلوم کر کے شرمائیں اور دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں۔ بخلاف عہد الست کے کہ وہ ایک قسم کی تعلیم تھی۔ جسکا اثر ہر ایک انسان کی جذر فطرت میں آجتک باقی ہے۔ ایک تعلیم کی تمام خصوصیات اگر کسی شخص کو یاد نہ رہیں۔ لیکن جو تعلیم سے مقصود ہو وہ حاصل ہو جائے تو اسمیں کچھ بھی مضائقہ نہیں۔ مثلاً یہ یقینی امر ہے کہ اپنے بچپن میں جب ہمنے بولنا سیکھا تھا تو ضرور کسی خاص شخص نے ہمکو اول اول خاص الفاظ سکھائے ہونگے۔ لیکن نہ ہمکو اب وہ سکھلانیوالا یاد ہے نہ وہ الفاظ یاد ہیں۔ نہ یہ یاد ہے کہ وہ کیا وقت تھا اور ہم اسوقت کس جگہ اور کسکے پاس بیٹھے تھے۔ الیٰ غیر ذٰلک من الخصوصیات۔

البتہ اس تعلیم کا یہ اثر ہم اپنے اندر پاتے ہیں کہ ہر طرح کی تقریر اور گفتگو کرنے پر اسوقت ہم کو قدرت حاصل ہو اور ان وقتی خصوصیات کے فراموش ہو جانے سے کچھ بھی ضرر ہمکو نہیں پہنچتا۔ یہ ہی حال بعینہ عہد الست کا ہے کہ گو ہم اس عہد الست لینے کے واقعہ کو بھول گئے ہوں اور اسوقت کے جملہ خصوصیات سے ہمکو ذہول ہو گیا ہو۔ لیکن خدا تعالیٰ کی ربوبیۃ کا اقرار جو اس تعلیم کا اثر تھا برابر ہر ایک فطرۃ میں نقش فی الحجر ہو کر موجود ہے۔ پس ایسی حالت میں ہم کو واقعہ کی تمام کیفیات کے محفوظ رکھنے کی کیا احتیاج ہے۔ اسکے علاوہ وہ عہد الست کا قصہ ایک دو ساعت سے زیادہ نہیں رہا جسکا فراموش کر دینا عقلاً کچھ مستبعد بھی نہیں بخلاف

ہماری سابق زندگی کے جسمیں ہم سالہا سال تک جنم لیتے رہے اور بعض بعض اعمال ہزاروں لاکھوں مرتبہ کیا کئے۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس جگہ تو ہمارے دوست انسان کو ایسا زود فراموش اور سیئ الحفظ تصور کر لیتے ہیں کہ اُسکو پہلے جنم کی ایک بات بھی یاد نہیں رہتی بلکہ خود وہ جنم ہی یاد نہیں رہتا اور دوسری طرف سوامی جی مہاراج تناسخ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ہر آدمی کو بالطبع موت سے ڈر لگتا ہے حالانکہ خوف اُسی چیز کا ہونا چاہیئے جو کبھی تجربہ میں آچکی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم پہلے بھی کبھی موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ اور وہ اُسکی ناگوار تلخی جب ہمکو یاد آجاتی ہے تو ہم اُس سے گھبرا اُٹھتے ہیں۔

سوامی جی مہاراج نے اس دلیل میں جس فلسفیت کو کام فرمایا ہے وہ ہر آئینہ قابل داد تھی مگر وہ یہ بھی خیال فرمالیتے کہ آدمی موت سے اسلیئے ڈرتا ہے کہ موت اُسکی ہستی کو زائل کر دینیوالی چیز ہے۔ اور اپنی ہستی کی محبت ہر ایک شخص کے دل میں ایسی طبعی ہے جسکے واسطے سبب کے تلاش کرنیکی ضرورت نہیں جیسا کہ اگر یوں کہا جائے کہ آگ بالطبع گرم اور پانی ٹھنڈا ہے تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ کس سبب سے ایسا ہوا اور کیوں آگ ٹھنڈی اور پانی گرم نہ ہوگیا۔

سامعین خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ کسقدر افسوسناک امر ہے کہ ایک عظیم الشان مذہبی عقیدہ کے ثابت کرنے کیواسطے اس طرح کی ضعیف اور لچر دلیلوں سے امداد لیجائے اور بالخصوص امداد لینے والا بھی اُس مذہب کا ایسا بڑا مسلم الثبوت امام ہو ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اچھا ہوا کہ ہمنے ابطال تناسخ میں اپنے ان مخاطبوں کے سامنے اُس برہان عرشی وغیرہ کی تقریر نہیں کی جسکو علامہ صدر الدین شیرازی نے اسفار اربعہ میں نہایت افتخار کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسکے دقیق فلسفیانہ مقدمات کا تحمل ہمارے ان دوستوں کے ماؤف دماغ کبھی نہیں کر سکتے تھے۔

اب ہم اپنے ان دوستوں سے نہایت ادب کے ساتھ ایک اور سوال کرنا چاہتے ہیں وہ یہ جب آپ عذاب قبر کے مسئلہ میں اسوجہ سے ہم پر برہم ہوا کرتے ہیں کہ خدا تعالی ایک مدت دراز تک سشن سپرد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں قیامت کا انتظار کیا جاتا ہے اور فوراً ہی سزا نہیں دیجاتی کیا خدا تعالی کو اُسکے جرم کی تحقیقات صحیح طور پر نہیں ہوئی۔

توہم تھوڑی دیر کے واسطے اسلام پر آپ کا یہ اعتراض تسلیم کئے لیتے ہیں۔ لیکن اب عرض یہ ہے کہ جسوقت کسی زانی نے زنا کیا۔ یا کسی شرابی نے شراب پی یا اور کوئی گناہ کیا تو تناسخ ماننے والوں کا خدا اُسیوقت اُنکو کیوں سزا نہیں دیتا اور موت کا انتظار کیوں کرتا ہے اگر خدا کو ابھی تک اُسکے مجرم ہونیکا ثبوت بہم نہیں پہنچا تو اُسکو عالم الکل کہنا روا نہیں اور اگر باوجود جرم ثابت ہوجانے کے پھر سزا دینے میں سہل انکاری کی تو آپ کے اصول کے موافق اُسکی کھلی ہوئی سُستی یا ناانصافی پر دلالت کرتا ہے۔ تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیرًا۔

الغرض مسئلہ تناسخ کو مان کر یہ ساری خرابیاں سر رکھنی پڑتی ہیں اور پھر بھی سوامی جی مہاراج کی ایک تحریر کے موافق تناسخ کی جو غرض ہے وہ پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ بھاشیہ بھومکا کے ص۱۳۱ پر جو منتر وید کا نقل کیا گیا ہے اسکا ایک جملہ یہ بھی ہے کہ "جو جیو پچھلے جنم میں جس قسم کے دہرم کے کام کئے ہوتا ہے اُنہیں کے مطابق اگلے جنموں میں بہت سے اعلےٰ اعلےٰ جسم حاصل کرتا ہے اور اسی طرح جو پاپ کے کام کئے ہوتا ہے وہ اگلے جنم میں انسان کا جسم نہیں پاتا بلکہ حیوان وغیرہ کا جسم پاکر دُکھ بھوگتا ہے۔

پس جبکہ پچھلے جنم میں بُرے کام کرنیوالا جیو انسانی قالب نہیں پاسکتا تو پھر سوامی جی مہاراج کے نزدیک اندھے بہرے انسانوں کی پیدا کرنے کی کیا توجیہ ہوگی۔ اور وہ بنی آدم کے مختلف الحالات ہونے کے اُس مشکل کو کس طرح حل کرینگے جسکی عقدہ کشائی کے واسطے عقیدۂ تناسخ اختیار کیا گیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرات۔ یہانتک آپ اُن دلائل میں سے اکثر کو سن چکے جنکے سہارے ہندوستان میں تناسخ کی بنیاد قائم کی گئی ہے اور بقدر حاجت یہ بھی دریافت کر چکے کہ وہ تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں۔ اسلئے اب ہمکو مناسب تھا کہ ہم قلم کی باگ اپنے اُس مقصد اصلی کی طرف پھیر دیتے جسکے لئے رد تناسخ کی یہ تمہید اُٹھائی گئی تھی لیکن اس موقعہ پر شاید یہ نامناسب ہوگا کہ ہم قدم عالم کی اُس اہم بحث کو بالکل نظر انداز کر جائیں جو تناسخ پر گفتگو کرتے وقت لازمی طور پر پیدا ہوجاتی ہے۔ اور جسکا سُننا ہمارے سامعین کے حق میں نفع اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

اصل یہ ہے کہ منکرین تناسخ کی جانب سے تناسخ کے رد میں یہ سوال کیا گیا کہ انسان کی

موجودہ جنم کے مختلف احوال اگرچہ سابق جنم کے افعال واعمال کے نتائج ہیں لیکن اسکی کیا ضمانت ہے کہ بنی نوع انسان کی ارواح تمام جنموں سے پہلے جنم میں جب سے کہ دنیا کی پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے مختلف حالات نہیں رکھتی تھیں۔ اگر رکھتی تھیں تو اُس اختلاف کو کس جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دیا جائیگا۔ اور اگر اول جنم میں یہ اختلاف نہ تھا بلکہ سب روحیں ایک کیفیت اور وضع پر تھیں۔ تو لازم آتا ہے کہ دنیا میں کوئی جاندار بھی انسان کے سوا موجود نہ ہو اور کارخانۂ عالم درہم وبرہم ہوجائے۔

اسکا جواب قائلین تناسخ نے یہ دیا کہ ہمارے نزدیک عالم کا سلسلہ قدیم ہے ہم جیسا کہ خداتعالیٰ کو قدیم مانتے ہیں۔ ایسے ہی عالم کے مادہ اور ارواح اور اُنکے سلسلہ ترکیبی کو بھی قدیم کہتے ہیں۔ بیشک عالم کی یہ موجودہ صورت پہلے موجود نہ تھی لیکن اس سے پہلے عالم کسی دوسرے شکل وصورت میں موجود تھا۔ اور اُس سے پہلے کسی اور میں ڈھلم جراً۔ غرض صور عالم کا یہ تسلسل ہمیشہ سے یوں ہی بدلتا ہوا چلا آتا ہے اور یوں ہی ہمیشہ تک چلتا رہیگا۔ نہ اسکی کہیں ابتداء ہے اور نہ انتہا۔ ایسی حالت میں ہمسے یہ سوال کرنا ہی بیکار ہے کہ تم سب سے پہلے جنم میں روحوں کی کیا کیفیت تسلیم کرتے ہو۔ کیونکہ ہم کوئی ایسا جنم مانتے ہی نہیں جسکو سب سے پہلا جنم کہا جائے۔ پھر اُسکی کوئی کیفیت ہم کیا بتلا سکتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ عالم کو قدیم کہنے کا ہمارے پاس کیا ثبوت ہے تو اسکے جواب میں ہمکو اتنا کہدینا کفایت کریگا کہ ہمنے دنیا میں کسی چیز کو محض نیست سے ہست ہوتے نہیں دیکھا یعنی جو چیز بھی ہم بنتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اسکے لئے پہلے سے علت مادی کو موجود پاتے ہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا بڑا کارخانۂ عالم بغیر کسی مادۂ سابقہ کے محض عدم سے وجود میں آجائے۔ ادھر یہ کہ خداتعالیٰ مع اپنے جملہ صفات کے قدیم بالذات ہے۔ اور اسکی صفات قدیمہ میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ جنکا وجود مخلوقات کے پائے جانے پر موقوف ہے۔ اب اگر مخلوقات کو حادث کہیں تو خدا کی صفات کمالیہ کا حدوث ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر صفات کو قدیم مانیں تو اُنکی قدامت سے مخلوقات کی قدامت لازم آتی ہے۔ مثلاً خالقیت اور رازقیت (یعنی پیدا کرنے اور رزق پہنچانے) کی صفت خدا کے اندر جب ہی مانی جاسکتی ہے جب کہ کوئی

مخلوق اور مرزوق بھی موجود ہو یعنی خدا کو ہم پیدا کرنے والا اور رزق پہنچانیوالا جب کہہ سکینگے جب کہ ایسی چیزیں بھی موجود ہوں جنکو پیدا کیا گیا اور رزق دیا گیا ہے۔ اور اگر ایسی اشیاء ہمیشہ سے موجود نہ تھیں اور خدا کی خالقیت و رازقیت کی صفت موجود تھی تو کہنا چاہئے کہ ایک اضافۃ بغیر اپنے حاشیتین کے پائے گئے جو بالبداہۃ محال ہے۔ اِن وجوہات سے اعتراف کرنا پڑا کہ جب سے خدا اور اُسکی صفات ہیں اُسیوقت سے سلسلۂ کائنات بھی برابر چلا آتا ہے اور چونکہ ہر ازلی چیز ابدی بھی ضرور ہوتی ہے اِسلئے جیسا کہ خدا کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسے ہی کائنات کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اور قطع نظر ان تمام باتوں سے ہم فلسفیانہ طور پر دریافت کرتے ہیں کہ اگر عالم حادث ہے تو اُسکی علّت تامہ (جو ہر حادث کے واسطے ہونی ضرور ہے) قدیم ہے یا حادث اگر حادث ہے تو پھر اُسکی علت حادث ہے یا کیا۔ اگر وہ بھی حادث ہے تو اسی طرح سلسلہ حوادث کا لامتناہی تعداد میں چلا جائیگا اور عالم کا قِدَم مع تبدیل صور ثابت ہو جائیگا جو ہمارا عین مدعا تھا۔ اور اگر آپ عالم کے علّت تامہ کو یا اُس علت تامہ کی علت تامہ کو یا اور اوپر جا کر کسی علت تامہ کو قدیم مانتے ہیں تو چونکہ معلول کی جدائی اپنی علت تامہ سے ممکن نہیں اسلئے اُسکی قدامت سے تمام معلولات کے درجہ بدرجہ قدامت لازم آئیگی۔ اور لوٹ پھیر کر وہ ہی ہمارا دعویٰ قدامت پھر آموجود ہوگا۔

ہر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم ۔ آئی کہاں سے گردش پرکار پاؤں میں

یہ ہیں وہ پُرزور دلائل جو ہمارے دوستوں کو عالم کے قدیم ماننے پر مجبور کرسکتے ہیں۔ اور ان میں سے آخری دلیل گو اپنے دوستوں کی کتابوں میں ہمنے نہیں دیکھی لیکن محض براہ تائید و ہمدردی ہمنے اُسکو حجۃ الاسلام امام غزالی کی کتاب تہافۃ الفلاسفہ سے نقل کرکے اپنے احبابکو مدد پہنچائی ہے۔ خدا کرے کہ وہ ہماری اس اعانت سے خوش ہوں۔ اور جب خوش ہوں تو اس محنت کے صلہ میں ہمارے جوابات کو بھی بنظر تعمق و انصاف ملاحظہ فرمالیں۔

ہمکو ان دلائل کی مختصر جانچ کرنے سے پہلے یہ دکھلا دینا ضروری ہے کہ آیا واقعی مذہب ہمارے ملکی بھائیوں کا اس مسئلہ میں کیا ہے۔ اور جو روش اُنہوں نے اپنے مذہب کے متعلق فی الحال

اختیار کی ہے وہ کہاں تک وید کے مطابق ہے۔ مگر جب ہم اس بحث کو چھیڑتے ہیں تو وہ ہی افسوسناک تعارض وید اور اہل وید کے کلاموں میں ہمکو پھر نظر آتا ہے جسکے دکھلانیکا ہم پہلے ایک موقعہ پر وعدہ کر چکے ہیں جو کہ اب ایفا کیا جائیگا۔

تحفہ آریہ سماج کا مصنف جو اعلیٰ درجہ کا سنسکرت داں ہے اور جسکی کتاب عرصہ ہوا بڑی زور شور اور تحدی کے ساتھ شائع ہو چکی ہے پیدائش عالم کے مضمون میں صفحہ ۲۰ پر اوّل رگوید کا ساتواں منتر نقل کرتا ہے جسکا ترجمہ لفظی یہ ہے کہ :۔

"تب نہ است (نیستی) تھی نہ ست (ہستی) تھی نہ پرمانو یعنی ذرہ تھا۔ نہ وہ تھا جو بڑا آکاش ہے"۔

اسکے بعد لکھتا ہے کہ اب سوامی جی کی تفسیر پر (جو بھاشیہ بھومکا میں اس منتر کی کیگئی ہے) متوجہ ہو جیئے۔ وہو ہذا۔

"اُسوقت ست (پرکرتی) یعنی کائنات کے غیر محسوس حلت جسکو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو تھے"۔

ناظرین غور کریں کہ عبب وید منتر میں لفظ "ست نہ تھا" موجود ہے اور ست (ہستی) سے پرکرتی کا مطلب لیکر خود سوامی جی ہی باوجود لفظوں کا ہیر پھیر کرنے کے بھی آخر چار ناچار مان رہے ہیں کہ اُسوقت پرکرتی بھی نہ تھی اور پرمانو یعنی ذرہ بھی نہ تھے یعنی اُن کی نیستی تھی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر سوامی جی مہاراج نے پرکرتی (مادہ) کو ہمیشہ قائم رہنے والا کس طرح مان لیا۔ یہاں تو وہ صاف مان رہے ہیں کہ اُسوقت پرکرتی بھی نہ تھی اور ذرہ بھی نہ تھے۔ اور اگر سوال کیا جائے کہ جبکہ ذرہ وغیرہ کچھ تھا ہی نہیں تو یہ سب بعد میں کس سے پیدا ہوا تو کیا اِسکا یہ ہی جواب کہ نیستی سے ہستی میں آیا۔ چنانچہ یہ بات اسلامی اصولوں کے موافق ہے۔ پس گویا ویدوں سے اور خاصکر ان ہی منتروں سے جو سوامی جی پیدائش عالم کے بیان میں پیش کر رہے ہیں اسلام کی یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ خدا نے اس تمام خلقت کو اپنی قدرت سے ہستی میں ظاہر کیا۔ یہاں پر بابو نہال سنگھ صاحب مترجم رگوید آدی بھاشیہ بھومکا کو بھی کھٹکا ہوا اور انہوں نے ایک نوٹ دیا ہے جو حسب ذیل ہے :۔

"پرلے میں جو مادہ کی حالت ہوتی ہے وہ بیان میں نہیں آسکتی اسلئے کوئی اصطلاح بھی قائم نہیں ہوسکتی۔ پرکرتی آکاش شونیہ (خلا) تمام الفاظ موجودہ حالت عالم میں مستعمل ہوسکتے ہیں منوسمرتی ادہیاے اول اشلوک ۵ میں اس حالت کو ناقابل احساس و تمیز بے (الکشن) بتلایا ہے اس ابتدائی حالت مادہ کو اس منتر میں لفظ سامرتھ (قدرت) سے بیان کیا ہے یہ لفظ اس حالت کے ناقابل بیان ہونے کی وجہ سے صرف اشارہ کے طور پر ہے"

ناظرین۔ اس آخری فقرہ کو غور سے پڑھیں۔ سوامی دیانند سرسوتی جی مہاراج سے جو کچھ کمی رہگئی تھی وہ اب انکے اتباع پوری کر رہے ہیں جبکہ سوامی جی کو یہ ماننا ہی پڑا کہ پرکرتی بھی نہ تھی اور ذرہ بھی نہ تھا اور اب جبکہ مترجم صاحب نے دیکھا کہ پرکرتی کی قدامت اوڑی جاتی ہے تو اوپر کا نوٹ لکھکر چاہتے ہیں کہ یہ پول کھلنے نہ پاے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ لفظ سامرتھ (قدرت) سے ابتدائی حالت مادہ کی کیونکر مانی جاسکتی ہے۔ سامرتھ کے معنی ہیں طاقت (یا قدرت) کے اور طاقت ہمیشہ طاقتور میں رہا کرتی ہے۔ پس پرمیشور کی طاقت (سامرتھ) ہر حالت میں اس سے علیحدہ بذات خود کوئی شی نہیں ہے۔ چنانچہ اسقدر جانفشانی کرنے پر بھی پرکرتی کی قدامت نہ ثابت ہوئی۔ (انتہی باختصار)۔

(باقی آیندہ)

نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مذکورہ بالا وہ عجیب اور بے نظیر کتاب ہے جسمیں عمدۃ المحققین حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے حالات صحیح روایات سے منتخب کرکے محققانہ طرز میں تحریر فرمائے ہیں۔

یہ ایسی بے مثل اور جامع کتاب ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں اسکا ایک نسخہ ضرور موجود رہنا چاہئے۔

اکثر حضرات کو عرصہ دراز سے اسکے طبع کا انتظار تھا اور ہمارے پاس بکثرت تقاضا کے خطوط آتے رہے۔ اب ہم نہایت مسرۃ کے ساتھ اطلاع دیتے ہیں۔ کہ نشر الطیب قریب تیاری کے ہے۔ رمضان شریف میں مکمل ہوکر اشاعت ہوجائیگی۔ جن حضرات کو اسکے دیکھنے کا اشتیاق ہے بہتر ہو کہ اطلاع فرمادیں تاکہ بعد تیاری فورًا انکی خدمت میں بھیجدی جائے۔ اور اس مبارک مہینہ میں انکو اس مبارک کتاب کے مطالع کا موقع ملے۔

مدیر القاسم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کے لئے القاسم نمبر ۱ جلد دوم ملاحظہ ہو)

واقعہ شہادت عمری سے یہ نتیجہ بھی بہت آسانی سے نکلتا ہے کہ مذہب اسلام میں ایک بلند پایہ مسلمان اور معمولی نصرانی یا یہودی غلام کی (جو عہد کے ذریعہ سے حریم اسلام کے پُرامن فضا میں داخل ہوچکا ہو)۔ حفاظت جان و مال یکساں ہے جس آزادی سے ایک پختہ مسلمان ممالک اسلام میں رہ سکتا ہے اُسی آزادی سے ایک ادنیٰ درجہ کا غلام۔ عیسائی ہو یا یہودی و مجوسی بسر کرسکتا ہے۔

حضرت عمر کی شہادت معمولی بات نہ تھی۔ آپ جیسی مجموعہ اوصاف و کمالات کا ایسی بے دردی سے ہلاک کیا جانا خود ایک عظیم الشان حادثہ تھا۔ لیکن جبکہ یہ دیکھا جائے کہ آپکی ذات فتن و اختلافات کیلئے سدراہ بنی ہوئی تھی۔ اور آپ کے بعد اسلام میں نیا دور شروع ہونیوالا تھا تو یہ مصیبت اور بھی ہولناک صورت اختیار کرلیتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں پر اس حادثہ کا زیادہ اثر تھا۔ اور وہ اسطرح متحیر و پریشان تھے کہ گویا اس سے پہلے اُن پر کوئی حادثہ گذرا ہی نہیں اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ فوراً ایک کمیشن کے ذریعہ سے سازش قتل کی تحقیقات شروع ہو جاتی۔ جس جس پر شبہ بھی ہوتا فوراً زیر حراست لیلئے جاتے۔ اور جو کسی درجہ میں ملوث ثابت ہوتے اُنکو سخت تر سزائیں دیجاتیں۔ یا جنپر کسی درجہ میں بھی شبہ ہوتا اُنپر تعزیری احکام جاری کئے جاتے۔ اور عجب نہیں کہ اس معاملہ کے متعلق فوری تدابیر شروع کیجاتیں۔ مگر عبیداللہ بن عمر کی بے قاعدہ اور خلاف احکام اسلام تعدی نے معاملہ کی صورت ہی بدلدی۔ اور بجائے اسکے کہ حضرت عمر کے قتل کی تحقیقات ہوتی عبیداللہ بن عمر بحیثیت مجرم گرفتار کئے گئے جفینہ، ہرمزان اور ابو لؤلؤہ کی بیٹی کا معاملہ پیش ہوگیا۔ تھوڑے سے تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر حضرت عمر کی شہادت اور مفارقت کا صدمہ تو بے انتہا تھا مگر معاملہ قتل میں دیۃ یا قصاص یا تحقیقات کا اسقدر

اہتمام نہ تھا جسقدر ہرمزان۔ جفینہ وغیرہ کے قتل کا۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر ایک نصرانی کے ہاتھ سے دار الاسلام بلکہ دار الخلافتہ میں شہید ہوئے تھے۔ اُسکی سزا یہ تھی کہ اولیاء مقتول یا قصاص میں اُسکو قتل کرتے یا دیتہ لیکر چھوڑ دیتے یا بالکل معاف کر دیتے۔ لیکن جبکہ قاتل نے خودکشی کرلی تو اب قصاص و دیت کا معاملہ تو ختم ہوچکا صرف یہ بات باقی رہ گئی تھی کہ یہ قتل کسی سازش کا نتیجہ تو نہیں ہے اگر سازش ثابت ہوتی تو مجرموں کو جرم کیموافق سزا دیجاتی۔ خلاصہ یہ کہ از روئے احکام شریعت ایک ذات کے بدلے میں قاتل ہی قتل کیا جاسکتا ہے اسمیں خلیفہ وقت ہوں یا کمتر درجہ کا مسلمان اور ذمی سب برابر ہیں اس سے متجاوز ہونا تعدی و ظلم ہے اسی وجہ سے قاتل کی خودکشی کرنے سے یہ معاملہ تو ظاہری طور پر ختم ہوگیا تھا۔ اور ہرمزان وغیرہ کا قتل چونکہ دار الخلافتہ میں ایک مسلمان کے ہاتھ سے بلا وجہ و بلا تحقیق ہوا۔ اسلئے صحابہ۔ خلیفۂ وقت اور تمام مسلمانوں میں پریشانی پھیل گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر یہ دروازہ کھلگیا تو ذمی لوگ دار الاسلام میں تھوڑے سے شبہ پر بے دھڑک قتل کردئے جایا کرینگے اور اسلام نے جو مساوات و آزادی کا عام قانون دیگر ذمی اور مسلمانوں کے جان و مال کو مساوی کر دیا ہے وہ متروک العمل ہوجائیگا۔ اسی وجہ سے یہ اہتمام تھا کہ خلافت کا قضیہ یکسو ہوتے ہی بیعت عامہ سے فراغت کے بعد سب سے پہلے یہی معاملہ پیش ہوا۔ اور یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان نے جفینہ اور ہرمزان کے قتل کو اسلام کے اندر رخنہ ڈالنے سے تعبیر کیا۔ حضرت عمر کے قتل پر جو فی الحقیقت اسلام کیلئے ناقابل تلافی نقصان تھا ضبط کرلینا اور ایک نصرانی و نومسلم کے قتل کو رخنہ عظیم سمجھنا اسکی وجہ بجز اسکے اور کچھ نہ تھی کہ اس صورت میں اسلام کے قانون کا متروک ہونا۔ اور اُن کے اُن اوصاف کا مٹ جانا لازم آتا تھا جنکی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو تمام مذاہب اور تمام عالم پر برتری حاصل تھی

یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ شہید کے صاحبزادہ عبید اللہ بحیثیت مجرم پیش ہوئے تو آزادی کے ساتھ رائے زنی شروع ہوگئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے جلیل القدر اصحاب کی رائے صاف بلا توریہ یہ تھی کہ انکو قصاص میں قتل کردیا جائے۔ اور جو لوگ اُن کے قتل میں متامل تھے انھوں نے بھی یہ عذر پیش نہیں کیا کہ ایک نصرانی یا نومسلم کا قتل (جنکے اسلام پر بھی اعتماد

نہو) خصوصًا شبہ کی حالت میں اُسکی سزا یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو اُسکی عوض میں قتل کردیا جائے۔ یہ تو سب کے نزدیک مسلم تھا کہ سزا اسکی بجز قصاص یا دیۃ کے۔ اگر اولیاء مقتول راضی ہو جائیں۔ کچھ نہیں۔ مگر وہی صدمہ قتل و مفارقت عمری جو عام طور پر سوہان روح ہو رہا تھا بہت سے حضرات کو اس کشمکش میں ڈال رہا تھا۔ کہ کل تو حضرت عمر بیدردانہ قتل ہوئے اور آج قصاص میں اُنکا بیٹا قتل ہو جائے۔ اور اسمیں اسقدر گنجایش بھی نکلتی تھی کہ خلیفہ وقت کے تسلط سے پہلے کا واقعہ تھا۔ اور خلیفہ کو باعتبار ولایت عامہ یہ اختیار بھی تھا کہ مقتول کی دیۃ دیکر سزاء قتل جاری نہ کرتے۔ اور آخر اسی پر فیصلہ ہوا۔

حضرت عثمان نے یہ فرماکر کہ مجھکو ولایت حاصل ہے میں اپنے مال میں سے اولیاء مقتول کو دیۃ دیکر قصاص سے درگذر کرتا ہوں۔ معاملہ کو ختم کردیا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس فیصلہ پر رضامند نہوئے۔ اور آپ نے اپنے زمانہ میں پھر قصاص جاری کرنا چاہا اور اس اندیشہ سے عبید اللہ بھاگ کر شام چلے گئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ عبید اللہ اپنی عالی مرتبت باپ کے ادب و لحاظ کی بدولت قصاص سے بچگئے۔ مگر وہ سب کی آنکھوں سے گر گئے۔ اور ہرگز اُن کی وہ وقعت باقی نہ رہی جو اُنکے مرتبہ و حیثیت کے مناسب ہونی چاہیے تھی۔ یا اُن کے برادر عبد اللہ بن عمر کو حاصل تھی۔ تواریخ سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو آخر تک یہ فیصلہ کھٹکتا رہا۔ بلکہ شاید وہ اُسوقت قصاص جاری نہ کرنے کو دفع الوقتی اور مصلحت پر مبنی سمجھتے رہے۔ چنانچہ زیاد بن لبید انصاری جب عبید اللہ کو دیکھتے تو کہا کرتے تھے

اَلَا یَا عُبَیْدَ اللّٰہِ مَالَکَ مَھْرَبٌ	(اے عبید اللہ خبردار تمکو کوئی ٹھکانا اور کوئی پناہ
وَلَا مَلْجَاءٌ مِنِ ابْنِ اَرْوٰی وَلَا خَفَرْ	و امن کی جگہ ابن اروی یعنی عثمان سے نہیں ہے)
اَصَبْتَ دَمًا وَاللّٰہِ فِیْ غَیْرِ حِلِّہٖ	(قسم ہے خدا کی تونے ایک ناحق خون کیا ہے اور ہرمزان
حَرَامًا وَقَتْلُ الْھُرْمُزَانِ لَہٗ خَطَرْ	کا قتل بڑی بات ہے۔)
عَلٰی غَیْرِ شَیْءٍ غَیْرَ اَنْ قَالَ قَائِلٌ	(ایک شخص کی مہمل بات کہنے سے بلاوجہ قتل کردیا
اَتَتَّھِمُوْنَ الْھُرْمُزَانَ عَلٰی عُمَرْ	کیا اتنی بات سے تم ہرمزان کو عمر کے بارہ میں متہم سمجھنے لگے
فَقَالَ سَفِیْہٌ وَالْحَوَادِثُ جَمَّۃٌ	(ایک بے وقوف نے کہدیا (حالانکہ حوادث کے اسباب بہت ہیں) ہاں ضرور اسکو متہم سمجھو اسی نے
نَعَمْ اِتَّھِمْہُ قَدْ اَشَارَ وَقَدْ اَمَرْ	اشارہ کیا اور اسی نے قتل کا حکم دیا۔)

عبیداللہ نے حضرت عثمان سے اسکی شکایت کی تو آپ نے بلاکر اُن کو منع فرمادیا۔ مگر اسپر بھی یہ معافی کھٹکتی رہی۔

اب ایک منصف صاحب فہم وبصیرت جسکے آگے تواریخ عالم بھی کھلی ہوئی ہوں اور جواقوام دنیا کا وسیع تجربہ رکھتا ہو۔ انصافاً کہدے کہ کیا دنیا میں کسی قوم نے ایسی آزادی اور مساوات کا برتاؤ اپنی ایسی رعایا کے ساتھ کیا ہے۔ جو اُن کے ہم مذہب وہم وطن نہوں۔ کیا کسی قوم نے ایسی ہمّت واستقلال سے کسی اس قسم کے واقعہ کا فیصلہ کیا ہے جو مسلمانوں نے کیا اور کیا کسی نے ایسا ضبط وتحمل دکھلایا ہے جو مسلمانوں نے ایسے تلاطم اور سخت حادثہ کے وقت دکھلایا۔ یہی وہ اوصاف تھے جنکی بدولت دنیا اسلام کی مسخر ہوگئی۔

ہرمزان کے قتل اور ادارِ دیۃ کا یہ فیصلہ تو اُس عام روایت کے موافق ہے جسکو تمام مؤرخین نے تسلیم کرلیا ہے۔ لیکن اگر ہم ایک دوسری روایت پر نظر ڈالیں جسکو مؤرخین نے بعض وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام مباحث کا خاتمہ ہوگیا۔ اور گویا حسب روایت اول جس فیصلہ سے بمقتضائے بعض مصالح رکنا ثابت ہوتا تھا اُسکا نفاذ پوری طرح ہوگیا۔

ہرمزان کا بیٹا **قماذیان** کہتا ہے کہ عجمی لوگ ہموطن ہونیکی وجہ سے باوجود اختلاف مذہب بھی آپسمیں ایک دوسرے سے مانوس ہوجاتے تھے (جیسا کہ اس زمانہ میں جب دو ہموطن اگرچہ مختلف المذہب ہی کیوں نہوں۔ اجنبی جگہ جمع ہوکر باہم مربوط و مانوس ہوجاتے ہیں)

ایکدفعہ ابو لؤلؤہ کا گذر ہرمزان کے پاس ہوا۔ اُسکی ہاتھ میں خنجر تھا۔ ہرمزان نے دیکھنے کیلئے خنجر ہاتھ میں لیا۔ اور پھر اُسکو دیدیا۔ ایک شخص نے خنجر واپس دیتے ہوئے اُسکو دیکھ لیا۔ جب حضرت عمر شہید ہوئے تو اُس شخص نے خنجر کو پہچان کر کہا کہ یہ تو ہرمزان نے ابو لؤلؤہ کو دیا تھا عبیداللہ بن عمر نے سنکر **ہرمزان** کو قتل کردیا لیکن جب حضرت عثمان خلیفہ ہوگئے۔ اور معاملہ قتل **ہرمزان** پیش ہوا۔ تو عبیداللہ قصاص کی غرض سے میرے حوالہ کئے گئے۔ میں اُن کو قتل کرنیکی غرض سے لے چلا۔ اور جتنے مسلمان تھے سب میرے ساتھ میرے مویدا ور مددگار تھے کوئی مزاحم نہ تھا البتہ اُن کی دلی خواہش تھی کہ میں معاف کردوں۔ میں نے اُن کے میلان قلبی کا خیال کرکے کہا کہ میں اُسکو قتل کرسکتا ہوں۔ سب نے عبیداللہ کو برا کہکر بالاتفاق جواب دیا

بیشک کر سکتے ہو۔ میں نے کہا کیا تم مجھکو اُسکے قتل سے روک سکتے ہو۔ سب نے کہا ہرگز نہیں۔ اس طرح پر اطمینان کر چکنے کے بعد میں نے محض اللہ کے واسطے عبید اللہ کو معافی دیدی مسلمان اسقدر خوش ہوئے کہ مجھے اپنے سر و نپر اُٹھا لیا۔ اور اسی طرح میری گھر تک لیگئے۔ ایک قدم بھی زمیں پر نہ پڑنے دیا۔

اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو یہ مسلمانوں کی استقامت اور تصلب کی انتہائی مثال ہوگی جسمیں کسی مصلحت اور رعایت کو ہرگز دخل نہیں۔ اور یہ وہ بات ہوگی جسکی تقلید سے تمام اقوام دنیا عاجز سمجھے جائینگے۔

لیکن مؤرخین کو اس روایت کی صحت میں اسوجہ سے کلام ہے کہ اگر ولی قصاص یعنی عماذیان معاف کر چکا ہوتا تو حضرت علی اپنے زمانہ خلافت میں عبید اللہ کے قتل کا ارادہ نہ کرتے اور عبید اللہ بھی اس اندیشہ سے بھاگ کر شام میں جاکر امیر معاویہ کے زمرہ میں شامل ہوتے مگر میرے خیال میں یہ وجہ اس روایت کے رد کرنیکی واسطے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ جب حضرت عثمان نے اپنے مال میں سے دیۃ دیکر قصاص کو معاف کر دیا۔ اور یہ فیصلہ نافذ ہوئے بارہ سال گذر گئے تو اسقدر عرصہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفۂ وقت کے نافذ شدہ فیصلے کو منسوخ کر کے قصاص لینے کا ارادہ کرتے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔

عبید اللہ کا بھاگ کر شام میں چلا جانا تسلیم ہے مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ حضرت علی کے اس ارادہ سے مطلع ہو کر گئے ہوں۔ بلکہ اُن کو معلوم تھا کہ حضرت علی کا خیال میری نسبت اچھا نہیں ہے۔ اُن کے پاس رہنا میرے لئے مضر ہوگا میں یہاں رہکر کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور میں ضرور کسی نہ کسی وقت مورد عتاب بنجاؤنگا۔ اسوجہ سے اپنے لئے شام چلا جانا ہی بہتر سمجھا۔

البتہ روایت اول کے مرجح ہونے کی دو وجہ ضرور ہیں۔ اوّل یہ کہ باعتبار سند کے یہ روایت قوی ہے۔ دوسری یہ کہ اگر عبید اللہ اسطرح معاف کئے گئے ہوتے تو زیاد بن لبید انصاری اپنے اشعار میں اسکا تذکرہ نہ کرتے۔ اور حضرت عثمان کو قصاص لینے پر آمادہ نہ کرتے یا حضرت عثمان کو ترک قصاص کیوجہ سے مورد طعن نہ بناتے۔

بہرحال انمیں سے جس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے، ہم جس مدعا کے درپی ہیں وہ دونوں صورتوں میں باحسن وجوہ حاصل ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل ہم اسکا فیصلہ بھی کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر کی شہادت کسی گہری اور لمبی سازش کا نتیجہ تھا جسمیں **ابولولوہ جفینہ** - **ہرمزان** - اور کعب احبار اور دوسرے اسی قسم کے نومسلم اور رومی شریک تھے۔ یا صرف ابولولوہ کی ہی خباثت تھی جسکی اطلاع ممکن ہے اسنے کسی کو دی ہو یا ندی ہو۔

زمانہ حال کے بعض مورخین کا خیال ہے کہ **ہرمزان وکعب احبار** وغیرہ بہت سے مجوسی ویہودی ایسے تھے جو گو مسلمان ہوگئے تھے مگر مجوسیت ویہودیت کی محبت اُن کے اندر سے زائل نہوئی تھی اسکا خواہ یہ مطلب سمجھ لیا جائے کہ اُن کا اسلام محض منافقانہ تھا۔ یا یہ سمجھ لیا جائے کہ مسلمان تو تھے مگر ادہر سے تعلق منقطع ہوکر اسلام کی محبت پوری راسخ نہوئی تھی۔ ادہر بہت سے عجمی ورومی غلام جو اپنے اصل مذہب پر قایم تھے مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر کے ہاتوں سے روم۔ وشام۔ **عراق وفارس** کی سلطنتوں کا تباہ ہونا تازہ ہی قصہ تھا مسلمانوں کا لشکر اطراف عالم میں پھیل کر جسطرح ملکوں کو زیروزبر کرکے سلاطین وامراکو اسیر بنارہا تھا اسکو بھی وہ دیکھ رہے تھے۔ یہ وہ اسباب تھے جنکی وجہ سے بغض وعداوت کی آگ ان کے اندر مشتعل ہورہی تھی۔ وہ مسلمانوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت اور روز افزوں ترقی کے ساتھ اپنی قوم کی تباہی کو دیکھ سکتے تھے۔ اور چونکہ حضرت عمر کی قوت انتظامیہ کے یہ سب ظاہری ثمرات تھے۔ اسوجہ سے اُن کے ساتھ خصوصیت سے بغض وعناد ہونا بھی لازمی بات تھی۔ **ابولولوہ** کا غیظ وغضب تو اسدرجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ اسکے چھپانے پر بھی قادر نہ تھا **نہاوند** کے اسیر جب مدینہ میں آئے تو وہ مضطربانہ ہرایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا جاتا اور کہتا جاتا تھا۔ عمر نے میرا جگر کھالیا۔ **ہرمزان** اگرچہ مسلمان ہوگیا تھا۔ مگر اول تو وہ خودشاہی کے رتبہ سے قیدیوں کی حیثیت میں مدینہ لایا گیا تھا۔ اسکے اندر مادہ غدر ونقض عہد کا پہلے ہی موجود تھا۔ چندبار مسلمانوں سے معاہدہ کرکے پھر چکا تھا۔ ایسے حالات کو دیکھتے ہوئے قرین عقل ہے کہ وہ بھی اپنے دل میں سخت غم وغصہ لئے ہوئے انتقام کی فکر میں ہو۔

کعب احبار بھی گو مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر اصل سے یہودی تھے۔ یہود کو جو عداوت اہل اسلام سے تھی ظاہر ہے۔ پھر یہ قیاس کرنا کیوں مستبعد ہے کہ ان سب کی سازش اور مشورہ سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ یہ بات تو بہت ہی مستبعد تھی کہ تورات میں آپ کی شہادت کا ذکر ہو یا کعب احبار کو اسکے ذریعہ سے علم ہوا ہو۔ بلکہ وہ حقیقتاً اس راز پر مطلع تھے۔ اور خیر خواہی جتلانے کیلئے بار بار اگر آپ کو مطلع کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ کعب احبار خود اس سازش میں شریک نہوں۔ مگر اُسی تعلق کی بنا پر جو ان سب میں مشترکاً موجود تھا۔ اس راز پر مطلع ضرور تھے۔ اور آپ سے صراحتاً سازش کا حال تو نہ کہہ سکے مگر دوسرے پیرایہ میں اُسکو ظاہر کر دیا۔

یہ حاصل ہے اُس مضمون کا جو اس بارے میں علامہ رفیق بک العظیم مصری نے اشہر مشاہیر اسلام میں لکھا ہے۔ مگر مجھے اس فیصلہ سے کچھ اختلاف ہے

جفینہ اور ابو لؤلؤہ کا نصرانی ہونا ظاہر ہے۔ اور اُن کو روم و عجم کی سلطنتوں کے تباہ ہونے اور اپنی غلامی اور جلا وطنی کا بے انتہا صدمہ بھی مسلم ہے۔ اور ابو لؤلؤہ کا غم و غصہ کو اپنے حرکات و افعال سے ظاہر کرنا بھی تسلیم ہے۔ اور اسلئے یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ اُسکے ارادہ پر جفینہ بھی مطلع یا شریک رائے ہو۔ اگرچہ جفینہ کا ارتکاب جرم میں کسی درجہ بھی حصہ نہ لینا بتلا رہا ہے کہ جو خباثت و شرارت ابو لؤلؤہ کے دل میں بھری ہوئی تھی اُس سے وہ خالی تھا ورنہ اگر دونوں ابتدا سے اس سازش میں مساویانہ شریک ہوتے تو جفینہ کچھ نہ کچھ عملی حصہ بھی لیتا۔ اور اس طرح الگ تھلگ نہ رہتا۔

مگر ہرمزان اور کعب احبار کو سازش قتل میں شریک سمجھنا یا کم از کم مطلع ہونا قابل تسلیم نہیں ہے۔

ہرمزان بیشک مجوسی تھا۔ مسلمانوں کے ہاتوں اسکی ریاست بھی برباد ہوئی تھی اور اُسکو عہد شکنی کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ صدق دل سے مسلمان ہو جانیکے بعد بھی اُسکے اندر دغابازی و مضرت رسانی کا مضمون باقی رہ گیا ہو۔ دیکھو طلیحہ اسدی اور عمرو بن معدیکرب دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لائے

لیکن بعد وفات مرتدین کے سرگروہ بنگئے۔ طلیحہ نے تو دعوۂ نبوت ہی کر دیا۔ اور عمرو نے اپنی ذاتی شجاعت سے اس فتنہ میں بہت کچھ حصہ لیا۔ اور جب پختہ کار مسلمان ہو گئے تو وہ کارنمایاں کئے جن سے صفحات تاریخ بھرے پڑے ہیں۔

اُن دونوں کی حالتوں میں یہ انقلاب۔ اُس انقلاب سے بہت زیادہ ہے جو ہرمزان کی حالت میں ہوا تھا۔ ہرمزان نے مسلمانوں سے مصالحت کی تھی۔ اور وہ بھی اسطرح کہ جسقدر ملک اسکے قبضہ میں ہے اُسپر آزادانہ قابض ومتصرف رہے۔ مذہب نہیں بدلا تھا۔ ایسی صورت میں اُسکو تھوڑا سا موقع ملتے ہی سب معاہدوں کو توڑکر رکھدینا مستبعد بات نہ تھی۔ دنیا کے تمام بہادر ومدبر ایسا ہی کرتے ہیں۔ ضرورت پڑجانے پر دب جاتے اور صلح کر لیتے ہیں۔ اور وقت ہاتھ لگنے پر پھر خم ٹھونک کر مقابلہ کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب وہ اسیر ہوکر مدینہ میں لایا گیا۔ اور ایک عجیب حیلہ سے امن حاصل کرکے مطمئن ہو گیا۔ اور پھر اپنے ارادہ واختیار سے مسلمان ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُسکی اسلام کو نفاق پر محمول کریں۔

ہرمزان خلافت فاروقی کے چوتھے یا پانچویں سال مسلمان ہوا تھا۔ اگر اُسکا اسلام نفاق پر مبنی ہوتا تو اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں ضرور اسکی حالت کا اندازہ مسلمانوں کو ہو جاتا۔ اور وہ اُن کی نظروں میں مشتبہ رہتا۔ لیکن تاریخ ہمیں بتلارہی ہے کہ اُسپر کبھی کوئی اشتباہ نہیں ہوا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ جب وہ امن حاصل کر چکنے کے بعد اپنے قدیم مذہب پر قایم رہ کر آزادی سے رہ سکتا تھا۔ جیسا کہ جفینہ وابولولوہ رہے تو اُسکو منافقانہ مسلمان ہوکر خطرہ میں پڑنیکی کیا وجہ تھی کیونکہ مسلمان ہو جانیکے بعد اسلام سے پھر کر مرتدین کی سزا کا مستوجب ہوتا۔

کیا بہت سے اور مجوسی مسلمان ہوکر اپنے اسلام پر آخری دم تک صداقت سے قایم نہیں رہے بیشک جو مسلمان ہوئے صدق دل سے ہوئے۔ اور جو مسلمان بھی نہیں ہوئے مگر مسلمانوں کے زیر سایہ رہے وہ اُن کے حسن معاملہ عدل وانصاف قانون مساوات کے ایسے گرویدہ رہے کہ کوئی حرکت خلاف نہ کرسکے الا ماشاء اللہ۔ اسلئے ہم ہرگز ہرمزان کے اسلام پر شبہ کرنے اور سازش قتل میں شریک سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھتے۔

یہی وجہ ہے کہ جب عبید اللہ سے قصاص لینے کی تیاری تھی تو کسی نے اُنکو بچانے کیلئے یہ عذر پیش نہ کیا کہ ہرمزان مسلمان ہی نہوا تھا۔ یا گو بظاہر مسلمان تھا مگر دل سے مسلمانوں

اور اسلام کا دشمن تھا۔ قتل کی سازش میں وہ ضرور شریک تھا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دار الخلافۃ میں ایک ایسے شخص کی حالت پر (جہاں اس قسم کے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ نہو۔ اور جو ہر وقت اُن پختہ کار ہیدار مغز اور ذی ہوش مسلمانوں کے ساتھ شب و روز بسر کرتا ہو) کسی کو بھی کسی قسم کا اشتباہ نہوتا۔ اور کوئی عبید اللہ کا ہمدرد اس موقع پر اس عذر کو پیش نہ کر سکتا بلکہ برخلاف اسکے زیاد بن لبید نے اس اشتباہ کا دفعیہ کیا اور کہا۔ (اتتھمون الھرمزان علی عمر)۔

اگر فقط ابو لؤلؤہ جفینہ اور ہرمزان کو سرگوشی کرتے دیکھنا اور عبد الرحمٰن ابن ابی بکر کو دیکھکر متفرق ہوجانا یا خنجر کا اُن کے پاس سے گرنا اسکی دلیل ہے۔ تو یہ ہرگز کافی نہیں ہے ابو لؤلؤہ تو یہ ارادہ پختہ کئے ہوئے تھا۔ اور اس غرض کیلئے اُسنے خنجر زہر آلود تیار کیا تھا جفینہ کو بھی اُسکا ہمراز مان لو۔ ان دونوں کا گذر ہرمزان کے پاس ہوا۔ اور انھوں نے دیکھنے کو خنجر ہاتھ میں لیا۔ دیکھکر واپس کر رہی تھے کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر سامنے آگئے۔ اُن دونوں کے دلوں میں چور تھا۔ اور چور کو اضطراب ہونا لازمی امر اور فطرت کے موافق ہے۔ اسلئے گھبرا کر متفرق ہونے لگے۔ اور اسی اضطراب میں خنجر بھی گر گیا۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہرمزان پر بھی کوئی اثر اضطراب کا ظاہر ہوا تھا۔ جو اضطرابی حرکت ہوئی اُن دونوں کی طرف سے ہوئی۔ خنجر بھی اُن دونوں کے پاس سے گرا۔ الغرض اس قرینہ کی وجہ سے بھی ہرمزان و مشتبہ ہو سکتا ہے نہ مجرم بنایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ زیاد بن لبید نے اس قرینہ پر اسکو مشتبہ قرار دینا سفاہت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے اُس شعر میں جسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں بتلا دیا کہ حوادث کیلئے مختلف سبب ہوتے ہیں۔ کسی ایک واقعہ کیلئے ایک ہی سبب قرار دینا دانشمندی نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ ہرمزان کے کسی طرز عمل سے مسلمانوں کو اسکی نسبت کچھ اشتباہ نہیں ہوا تھا۔ اور فقط اس قرینہ سے جو عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے بیان کیا تھا۔ اُسکو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ اسلئے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ ہرمزان کو اس سازش میں شریک سمجھا جائے۔

بلکہ حضرات صحابہ اور خود حضرت عمر کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرمزان کے صادق الایمان ہونے پر اُن کو اعتماد تھا۔ اُسکے اخلاص و نیک نیتی پر بھروسہ کرکے امور عظام میں امین بناتے مشورہ طلب کرتے اور اُسکی رائے پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۴۷ میں جبیر بن حیہ سے روایت ہے۔

قال بعث عمر الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین فاسلم الهرمزان فقال انی مستشیرک فی مغازیّ هذه قال نعم مثلها و مثل من فیها من الناس من عدو المسلمین مثل طائر له راس و له جناحان وله رجلان فان کسر احد الجناحین نهضت الرجلان والراس وان کسر الجناح الاخر نهضت الرجلان والراس وان شدخ الراس ذهب الرجلان والجناحان والراس فالراس کسری والجناح قیصر والجناح الاخر فارس فمر المسلمین فلینفروا الی کسری۔

حضرت عمر نے مسلمانوں کو مختلف بلاد میں کفار کے مقابلہ کیلئے بھیجا تھا۔ جب ہرمزان مسلمان ہوگئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ میں تجسے اس بارہ میں مشورہ کرتا ہوں کہ مسلمان کسطرف کو زیادہ متوجہ ہوں۔ ہرمزان نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے جسقدر دشمن اور مدمقابل ہیں اُنکی مثال ایک جانور کی سی ہے۔ جیسکے ایک سر دو بازو اور دو پیر ہوتے ہیں۔ اگر اُسکی ایک بازو توڑ دیجائے تو وہ دوسری بازو اور پیروں سے نقل و حرکت کرسکتا ہے اور اگر دوسری بازو بھی توڑ دیجائے تو پیروں اور سر کے ذریعہ سے کھڑا ہوسکتا ہے اور حرکت کرسکتا ہے لیکن اگر سر کچل دیا جائے تو بازو اور پیر سالم بھی رہیں تب بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کسریٰ بمنزلہ سر کے ہے۔ اور ایک بازو قیصر روم ہے دوسرے بازو فارس۔ مناسب یہ ہے کہ مسلمان پہلے کسریٰ کی طرف متوجہ ہوں۔

تھوڑے سے تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہرمزان کا یہ مشورہ سراسر اخلاص و ہمدردی سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے اس رائے پر عمل فرماکر نعمان بن مقرن کو کسریٰ کی طرف بھیجا۔

اس حدیث میں واقعات کا بہت اختصار و اجمال کیا ہے۔ اور راس و جناحین کے اس طور سے مشخص کرنے میں جو ہرمزان نے بیان کیا مورخین و محدثین نے تفصیلی بحث بھی کی ہے مگر مفصل واقعات اور جناح و راس کی تحقیق ہمارے مبحث سے علیحدہ ہے اسلئے ہم اُسکو ترک کرتے ہیں ورنہ اُسکی بھی مکمل بحث کردیجاتی۔ (باقی آئندہ)

علامہ سید رشید رضا مصری مدیر المنار مصر دار العلوم دیوبند میں

تشریف فرما ہوئے تھے آپ کی خدمت میں جو سپاسنامہ دار العلوم کیطرف سے مولانا حبیب الرحمن صاحب مدیر القاسم و مددگار مہتمم دار العلوم نے لکھکر پیش کیا تھا اُسکو آپ مع ترجمہ القاسم ماہ گذشتہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ سپاسنامہ ختم ہونے پر مولوی شائق احمد صاحب متعلم درجہ تکمیل نے ایک عربی قصیدہ میں سید صاحب موصوف کا خیر مقدم ادا کیا اسکے بعد جناب مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب نے عربی زبان میں ایک مسلسل اور مبسوط تقریر فرمائی جو ایک گھنٹہ سے زائد میں ختم ہوئی مضمون کی آمد تقریر کی روانی الفاظ کی سلاست قابل دید تھی حقیقت میں ایک علم کا دریا موج زن تھا سامعین پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ اس تقریر میں مولانا نے اپنے اساتذہ اور مشائخ کا طرز تطبیق احادیث مختلفہ بہت وضاحت سے مدلل و مبرہن مع امثلہ بیان فرمایا تھا جس سے سید صاحب موصوف بہت خوش ہوئے مولانا کی تقریر ختم ہوتے ہی سید صاحب ممدوح کھڑے ہوئے اور عربی زبان میں تقریر فرمائی جسکا ماحصل اُردو زبان میں حسب ذیل ہے۔

میں آپکی اُس حسن ضیافت اور مہمان نوازی اور عزت افزائی کا جو آپ نے میری کی ہے اور میری حیثیت سے بہت زیادہ ہے صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور نیز جو عظیم الشان اور گراں بہا خدمات آپ علم اور دین کی انجام دے رہے ہیں اُنکے لحاظ سے آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں مجھے اس مدرسہ کو دیکھکر بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

حضرات علمائے کرام! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا **تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین جاتا**۔ ہندوستان میں آکر اس مدرسہ کی نسبت جو کچھ میں نے اب تک سُنا تھا اُس سے بہت زیادہ پایا۔ اُستاذ (مولانا انور شاہ صاحب) نے جو اصول میرے سامنے بیان کئے ہیں اور جو مسلک اپنے مشائخ کا مجھے بتلا دیا ہے میں اُسکو پسند کرتا ہوں اور اُس سے متفق ہوں۔ فقہ حنفی بلاشبہ کافی ووافی ہے۔

حضرات! اس زمانہ میں اصلاح طریقہ تعلیم اور اشاعت اسلام مسلمانوں کی ضروریات میں سب سے

زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔ یہ امر معلوم کرکے مجھے خوشی ہوئی کہ آپ اُن کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہیں اور اُنکی طرف توجہ فرما رہے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انکی طرف زیادہ توجہ مبذول فرماوینگے۔
مجھے نہایت تعجب تھا کہ قدیم زمانے کا یونانی فلسفہ جواب تقویم پارینہ ہوکر محض بیکار ہوگیا ہے اور بر کوئی کام دین یا دنیا کا اُس سے متعلق نہیں ہندوستان کی اسلامی مدارس میں کیوں ابتک پڑھایا جاتا ہے اور اُسکی درس و تدریس میں کیوں اوقات ضائع کیجاتی ہے۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ جو منازعات اہل سنت والجماعت کے شیعوں سے ہوتے ہیں۔ ان میں اس فلسفہ کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے الحمدللہ کہ یہ ضرورت عارض ہے اور جب یہ ضرورت زائل ہوجائیگی تو ہم اُسکے ضرر سے بھی محفوظ ہوجاینگے
حضرات! ارشاد اور تلقین کیلیے جو ہمارا دینی فرض ہے ہمکو عوام کے سوال کا انتظام نہ کرنا چاہیے کیونکہ عوام کالانعام جو گوناگوں جہالتوں طرح طرح کے مفاسد میں گرفتار ہیں ان سے کیونکر توقع ہوسکتی ہے کہ وہ ہدایت اور تلقین حاصل کرنے کیلیے علما کیخدمت میں حاضر ہوں اور سوال کریں۔
اسلیئے ہم میں ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خود حرکت کرکے اسلام کی ضروریات کو عوام الناس تک پہونچائے عام گذرگاہوں شاہراہوں میں میلوں ٹھیلوں میں لہو لعب کے مجمعوں میں اور جہاں اس قسم کے لوگ بکثرت ہوتے ہیں جائیں اور گمراہوں کو احکام اسلام کے تلقین کریں مجھے یہ معلوم ہوکر بہت تعجب ہوا کہ یہاں بعض مسلمان اسلام ترک کرکے عیسائی اور بت پرست ہوگئے ہیں میرے نزدیک اسلام کو چھوڑکر بت پرستی اختیار کرنا نہایت تعجب انگیز امر ہے جسکے قلب میں کچھ بھی اسلام کا اثر ہوگا وہ ہرگز عیسائی اور بت پرست نہیں ہوسکتا جہاں کہیں تھوڑا سا نور بھی موجود ہوگا وہاں تاریکی کا گذر نہیں ہوسکتا اسی طرح جس قلب میں کچھ اسلام کا نور ہوگا وہاں کفر اور بت پرستی کی تاریکی نہیں پہونچ سکتی سید جمال الدین مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان ہرگز نصرانی نہیں ہوسکتا ہاں اگر کوئی محض نام کا مسلمان ہو اور اسلام سے اُسکو کچھ لگاؤ نہو تو یہ اور بات ہے ایسے نام کے مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دیکر اور طرح طرح کی ترغیبوں اور تحریصوں کے سامان مہیا کرکے ہوشیار مشنری پھانس لیتے ہیں۔
میں نے نہایت افسوس کے ساتھ سنا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جو بت پرستوں سے اپنے آپ کو صرف اسلیئے ممتاز سمجھتے ہیں کہ وہ گائے کا گوشت کھاتے ہیں گائے کا

گوشت کھانے کے سوا ان میں کوئی علامت اسلام کی موجود نہیں ہے۔

حضرات! نہایت افسوسناک امر ہے کہ غریب عام مسلمان بھیڑ بکریوں سے زیادہ مہمل چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص ان کی خبر گیری نہیں کرتا اور ان کی حالت نہایت قابل رحم ہو رہی ہے ان لوگوں کی ہدایت کا کون متکفل ہو سکتا ہے آپ یا آپ جیسے علمائے کرام سے امید کیجاتی ہے کہ ایسے مسلمانوں کی ہدایت اور تلقین کیلئے کمربستہ ہونگے اور اسکے متعلق کوئی مستقل انتظام کرینگے۔

حضرات! آپ نے اپنی سادگی اور اپنے طلبہ کے زہد تقشف کا ذکر کیا ہے میری رائے یہ ہے کہ مرشدوں اور ہادیوں کو جو دوسروں کیلئے قدوہ اور نمونہ ہوں بالضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ تمام مسلمان ایسے نہیں ہو سکتے ہمنے خود بھی اپنے مدرسہ میں ان اصول کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جو دولت اور تنعم کی طرف مائل ہو وہ امام اور پیشوا نہیں بن سکتا اور داخلہ کے قواعد میں فقیر لڑکوں کو دولتمندوں کے صاحبزادوں پر ترجیح دی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق قل هی للذین امنوا فی الحیوة الدنیا خالصة یوم القیامة اور نیز فرمایا۔

والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت ایمانهم فهم فیه سواء۔ غرضیکہ اسلام میں دولت کیلئے بھی کرامۃ واجر و مرتبہ ہے اگر وہ جائز ذرائع سے حاصل کیجائے اور صحیح مصارف میں صرف کیجائے۔ اور فقر کیلئے کرامۃ واجر و مرتبہ ہے اگر اسکے ساتھ استغنا اور للہیت ہو۔

حضرات! اشاعت اسلام کے اسوقت دو حصے ہیں ایک اسلام کے احکام وہدایات کا عام مسلمانوں تک پہونچانا ہے مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اسکے اہمیت سے اچھی طرح واقف ہونگے میں نے قاہرہ کے بازاروں اور قہوہ خانوں میں جاکر بذات خود اسکا تجربہ کیا ہے۔ میں اکثر قہوہ خانوں میں جہاں رند اور اوباش لوگ جمع ہوتے ہیں جایا کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کر کے انکی سمجھ کے موافق احکام اسلام سنایا کرتا تھا میں یقین کرتا ہوں کہ اگر اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اسلام کو بڑا فائدہ پہونچ سکتا ہے

دوسرا حصہ اسلام کی اشاعت کافروں اور بت پرستوں کے درمیان ہے۔ ہندوستان میں صدہا قسم کے بُت پرست ہیں۔ یہاں تو انکے پوجنے والے درختوں اور پتھرونکے پوجنے والے چاند سورج اور ستاروں اور نہایت لغویات اور خرافات کے پوجنے والے موجود ہیں۔ پس اگر ہمارے پاس واعظ اور مبلغین کی ایک مضبوط جماعت موجود ہو تو ان لوگوں میں اسلام کی اشاعت اسقدر سرعت کے ساتھ ہو سکتی ہے جو اسوقت ہمارے خیال میں بھی نہیں آسکتی اور ہمکو عیسائیوں سے بہت زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ ایک خاص بات اور ہے جو ہر ایک دور اندیش مسلمان کی توجہ کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بمقابلہ بُت پرستوں کے اسقدر قلیل ہے کہ انکی ہستی کو اس ملک میں ہمیشہ معرض خطر میں سمجھنا چاہیئے۔ انگریزی حکومت نے جو عقل اور عدل کی حکومت ہے۔ بُت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان موازنہ قائم کر رکھا ہے اگر خدانخواستہ یہ موازنہ کسی وقت اُٹھ جائے تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کیا نتیجہ ہوگا۔ غالبًا مسلمانوں کا وہی حشر ہوگا جو اندلس میں ہوا تھا۔ ایک جماعت ہم میں ایسی بھی ہونی چاہیئے جو ان شبہات کو رفع کرے جو اسلام پر کیے جاتے ہیں اور خصوصًا وہ شبہات جو موجودہ زمانہ کے علوم وفنون کے بنا پر کیے جاتے ہیں۔ مگر ایسے شبہات کا رفع کرنا بغیر فلسفہ جدید کی واقفیت کے ناممکن ہے۔ اسلیئے یہ ضروری ہے کہ اس جماعت کے اشخاص فلسفہ جدید کے اہم مسائل سے واقفیت رکھتے ہوں مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس سلسلہ کو شروع کیا ہے اور جدید فلسفہ کی ایک ابتدائی کتاب النقش فی الحجر کو درس میں داخل کیا ہے میرے نزدیک یہ کتاب ناکافی ہے اور میں آپ کو ایسی کتابیں بتلاؤنگا جو اس سے زیادہ مفید ہونگی۔ غالبًا اس امر میں آپ میرے ساتھ متفق ہونگے کہ ہمارا طریقہ تعلیم محتاج اصلاح ہے۔ طالب علموں کا بہت سا وقت ترجمہ شروح وحواشی کے مطالعہ اور لفظی بحثوں میں غارت ہو جاتا ہے۔ اور جو اصلی مقصود ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ موجودہ طریقہ کے مطابق اوّل عربی زبان کی صرف ونحو پڑھائی جاتی ہے۔ حالانکہ طالب علم اُس چیز سے ناواقف ہوتا ہے جسکے اصول وقواعد کی تعلیم دی جارہی ہے۔ صحیح اور طبعی طریقہ یہ ہے اور اس سے پیشتر معروض سے واقفیت ہو۔ بچہ کسقدر جلد اپنے ماں باپ کی زبان سیکھ لیتا ہے بعضے یوروپین علاوہ علوم وفنون کے متعدد مشرق کی زبانیں حاصل کرتے ہیں۔

حالانکہ بوجہ بعد واجنبیت یہ امر ہماری نسبت زیادہ مشکل ہے۔ طریقہ تعلیم کے ناقص ہونیکے علاوہ

بعض درسی کتابیں بھی ناقص ہیں جنمیں بے حد ایجاز واختصار سے کام لیا گیا ہی مثلاً کافیہ وغیرہ میرے نزدیک متقدمین کی کتابیں اُنکی نسبت زیادہ مفید ہیں۔
اُسکو جیسا کہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ میں بیان کیا ہے۔
حضرات! مجھے افسوس ہی کہ میں نے ہندوستان میں علم کو اسقدر ضعیف اور کمزور پایا کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ یہاں کوئی قدیم مدرسہ موجود نہیں ہے۔
جامع ازہر میں جو مصر کا قدیم مدرسہ ہے بارہ ہزار طالبعلم تعلیم پا رہے ہیں جنمیں اکثر مصری ہیں اور تین ملین مصری پونڈ اُسکے اوقاف کی سالانہ آمدنی ہی ازہر کے علاوہ دسوق ودمیاط واسکندریہ میں بڑے بڑے مدرسے ہیں۔ مگر طریقہ تعلیم ہندوستان کی طرح مصر میں بھی ناقص ہے۔ وہاں بھی متقدمین کا طریقہ تعلیم چھوڑ کر متاخرین کا طریقہ تعلیم اختیار کیا گیا ہے۔
حضرۃ الاوستاذ الامام شیخ محمد عبدہ رحمۃ اللہ نے ازہر کے طریقہ تعلیم کی اصلاح میں بہت کوشش کی مگر اُن کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ ازہر کیطرف سے مایوس ہو کر انھوں نے گورنمنٹ مصر سے ایک اور نیا مدرسہ جسکا نام مدرسہ القضاء الشرعی ہی جاری کرایا یہ مدرسہ بڑی کامیابی کیساتھ چل رہا ہی اور تھوڑی مدت میں زیادہ علوم کی تعلیم بغیر اسکے کہ طلبہ کی استعداد اور قابلیت میں کچھ کمی ہو وہاں ہو جاتی ہے۔
حضرات! ہم دیکھتے ہیں کہ تحصیل علوم میں ہماری ہمتیں بہت پست ہو گئی ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں جبکہ ریل اور دُخانی جہاز موجود نہ تھے علماء اندلس سے تحصیل علوم کیلئے بخارا تک جاتے تھے۔ اور جو عمدہ کتاب مشرق میں تصنیف ہوتی تھی بہت تھوڑی زمانہ میں اُسکی نقلیں مغرب میں شائع ہو جاتی تھیں مگر ہماری موجودہ پست ہمتی ہماری علمی افلاس اور تباہی کا باعث ہو رہی ہے۔
خداوند تعالیٰ نے اہل ایمان کے جو صفات بیان فرمائے ہیں وہ ہم پر غیر منطبق ہیں مثلاً ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا۔ ولکن العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من خوفہم امنا۔ آپ کو غور کرنا چاہئے کہ جو صفات مومنین کے بیان فرماتے ہیں کیا ہم ان صفات کے ساتھ متصف ہیں کیا خدا نے ہماری حالت بدل دی یا خود ہمنے اُسکو

بدلا ہے خدا نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ خود ہماری کرتوت کا نتیجہ ہے ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر۔ مصر میں بھی مسلمانوں کی وہی حالت ہے جو آپ ہندوستان میں دیکھ رہے ہیں۔ بہتر ہو کہ ہم اور آپ متفق ہو کر اپنی اس علمی افلاس کے دور کرنے کی کوشش کریں آپ ہماری تجاویز سے واقف ہوں اور ہم آپ کی قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھائیں۔

حضرات! اصلاح طریقۂ تعلیم کے متعلق جو خیالات میں نے آپ کے سُنے ہیں میں اُن کو غیبی بشارت خیال کرتا ہوں ہمکو امید رکھنا چاہیئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حق غالب ہو کر رہیگا اور باطل مغلوب ہوگا۔ قل جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا" بل تقذف بالحق علی الباطل" وکان حقا علینا نصر المومنین۔

حضرات! آپ نے بیان کیا ہے کہ ہماری جماعت ایک ضعیف جماعت ہے میں اس معاملہ میں آپ سے اختلاف کرتا ہوں۔ مگر حضرات علماء یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جسمیں ہم کو یا آپکو کسی مزید جرح و قدح یا تائید و تردید کی ضرورت پیش آئے مجھے یقین ہے کہ آپ ہرگز ضعیف نہیں ہیں آپ کے پاس ایک ایسی زبردست قوت موجود ہے جو دنیا کی تمام قوتوں سے بڑھکر ہے بلاشبہ قوۃ ایمان اور قوۃ اسلام ایسی قوت ہے جسکا مقابلہ دنیا میں کوئی قوت نہیں کر سکتی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کسقدر ضعیف تھی مگر دنیا میں کسقدر عظیم الشان اصلاح اس ضعیف جماعت نے کی ہے۔ یہ جماعت صرف قوت حق اور قوۃ ایمان سے دنیا پر غالب ہوئی تھی ہمارے طالب علم بھی ضعیف نہیں ہیں مگر ہم کو ان میں حق کی روح پھونکنا چاہیئے۔

منجملہ بے شمار مصیبتوں کے ایک بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ اب قرآن مجید کی تفسیر کی تعلیم صرف نحو و علم معانی و بیان کی تعلیم رہگئی ہے حالانکہ قرآن مجید کی تفسیر اس حیثیت سے ہونی چاہیئے کہ وہ روح خداوندی اور مخلوق کیلئے ہدایت ہے میں پسند کرتا ہوں کہ علماء مسلمانوں کے تمام طبقوں کے پیشرو ہوں اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآن مجید کے اخلاق سے متخلق ہونگے بس ہم کو اپنے اخلاق اور سیرۃ نبوی اور سیرۃ خلفاء راشدین کی تعلیم کیطرف بھی خاص توجہ کرنی چاہیئے۔ فقط

جناب چیف سکرٹری صاحب گورنمنٹ ممالک متحدہ کی طرف سے مندرجہ ذیل سہولت بخش اطلاعیں بغرض اشاعت موصول ہوئی ہیں :—

گورنمنٹ ممالک متحدہ

متفرقات

صیغہ پولیٹیکل

۴ر جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

نمبر ۸۹۰—۴/۲۱۳—اس تحریر کی رو سے اطلاع عام کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے کہ حاجیوں کی بیویوں اور بچوں اور نوکروں کے لئے جو حج کے سفر میں اُنکے ہمراہ ہوں - ضروری نہ ہوگا کہ وہ اپنے ساتھ راہداری کے جدا جدا پروانے لائیں یا جداگانہ فیس ویزا ادا کریں بشرطیکہ متعلقین مذکور کے نام اُس پروانہ راہداری کے خانہ ا میں لکھے ہوں جو اُس حاجی کو عطا کیا جاوے جس کے ہمراہ وہ جائیں۔

یہ احکام اُن زایروں سے متعلق نہ ہونگے جو سوائے حجاز کے قلمرو ٹرکی کے کسی اور مقام کو جا رہے ہوں۔

حسب الحکم جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر - ممالک متحدہ

آر برن

چیف سیکریٹری گورنمنٹ - ممالک متحدہ -

گورنمنٹ ممالک متحدہ

متفرقات

صیغہ پولیٹیکل

۱۱ر جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

نمبر ۹۲۷—۴/۲۱۷—گورنمنٹ ہذا کو یہ اطلاع ملی ہے کہ ملک اٹلی والوں کی کارروائیوں کی وجہ سے مقام کامران میں کھانے کا سامان مہیا کرنے میں دقت ہوتی ہے - اسلئے حاجیوں کو یہ صلاح دیجاتی ہے کہ وہ جلد خراب نہ ہونے والی ایسی اشیائے خوردنی جو کم سے کم اُس وقت تک جبکہ وہ حجاز پہنچیں اچھی حالت میں رہیں کافی مقدار میں اپنے ساتھ لے جائیں - جو اشیائے خوردنی کھانے کے ناقابل ہوں گی اُن کو عہدہ داران قرنطینہ حسب دستور سابق تلف کر ڈالینگے۔

حسب الحکم جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر - ممالک متحدہ

آر برن

چیف سیکریٹری گورنمنٹ - ممالک متحدہ

فہرست چندہ دار الحدیث جو اشاعت القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ تک وصول ہوا

۱	طلبہ مدرسہ عربیہ مولوی عبد الرب صاحب دہلی	للعہ/
۲	زوجہ حاجی محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چاندنی چوک ”	عہ/
۳	شیخ نور الٰہی صاحب سوداگر ” ”	عگا/
۴	منشی محمد یوسف صاحب انسپکٹر چنگی	عمر/
۵	منشی محمد ابراہیم صاحب	۸/
۶	منشی محمد اسمٰعیل صاحب تاجر چاندنی چوک دہلی	صہ/
۷	جناب منشی داؤد علیخان صاحب برادر مولوی محمد یونس صاحب سنبھلی	دعہ/
۸	قاضی عنایت احمد صاحب رئیس شیرکوٹ	عہ/
۹	منجانب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز عطیہ حافظ محمد اسحاق صاحب قنوجی	عمر/
۱۰	منجانب حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی عطیہ حافظ محمد اسحاق صاحب نگینوی	عمر/
۱۱	حافظ محمد ابراہیم صاحب ساکن پلول	صہ/
۱۲	شیخ محمد قاسم صاحب دیوبندی	عمر/
۱۳	منشی سراج الدین صاحب ساکن چرتھاول	عگا/
۱۴	منشی عبد الرزاق صاحب ڈاک منشی چرتھاول	عمر/
۱۵	حاجی عبد العزیز خانصاحب مظفر نگری	صہ/
۱۶	حافظ لیاقت علیصاحب دیوبندی	عمر/
۱۷	ازجانب حضرت مولانا اشرفعلیصاحب تھانوی عطیہ مختلف حضرات شرکاء جلسہ بنیاد دار الحدیث	للعہ ۸/
۱۸	حافظ فیضیاب خانصاحب ساکن چندیانہ	عمر/
۱۹	مولانا عبد اللہ صاحب کراچوی محلہ کھنڈا	عگا/
۲۰	جناب عبد الشکور خانصاحب ساکن بگراسی ضلع بلندشہر	صہ/
۲۱	جناب نواب مصطفیٰ خانصاحب رئیس خورجہ	عہ/
۲۲	جناب حاجی محمد یوسف صاحب انصاری سہارنپوری منجانب والد ماجد	دعہ/
۲۳	حکیم احمد حسن صاحب خورجوی	عہ/
۲۴	شیخ مظہر حسن صاحب بریلوی	عہ/
۲۵	مولوی محمد یٰسین صاحب مدرس مدرسہ اشاعت العلوم بریلی	صہ/
۲۶	مولوی اشرفعلیصاحب مدرس ” ”	صہ/
۲۷	جناب حافظ جعفر خانصاحب بریلوی	عہ/
۲۸	جناب چودھری سعید الدین خانصاحب رئیس سیوہارہ	صہ/
۲۹	جناب حافظ حاجی محمد اعلیٰ صاحب میرٹھی	صہ/
۲۹	جناب حافظ حاجی محمد اعلیٰ صاحب میرٹھی منجانب وزیر ملازم	عمر/
۳۰	جناب حافظ حاجی محمد اعلیٰ صاحب میرٹھی منجانب والدین	عگا/
۳۱	جناب محمد عارف صاحب صاحبزادہ حافظ عبد الرحمٰن صاحب مراد آبادی	صہ/
۳۲	جناب شیخ احمد جان صاحب سوداگر دہلی حبش خان کا پھاٹک	ما/
۳۳	جناب شیخ احمد جان صاحب ” منجانب والدہ ماجدہ	عہ/
۳۴	جناب غضنفر اللہ خانصاحب مراد آبادی	عمر/
۳۵	شیخ حاجی محمد بخش صاحب سوداگر فتحگڈھ ضلع فرخ آباد	عگا/
۳۶	جناب حافظ محمد ہاشم صاحب سوداگر ”	عگا/
۳۷	جناب مولوی عبد الکریم صاحب سرونجی	دعہ/
۳۸	جناب عبد اللطیف خانصاحب محلہ پٹھان پورہ	عہ
۳۹	منجانب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عطیہ مولوی محمد عبد الباقی خانصاحب برادر مولوی قاری عبد الوحید خانصاحب الہ آبادی	ما
۴۰	جناب مولوی محمد عبد الباقی خانصاحب الہ آبادی	۵
۴۱	جناب حاجی شیخ محمد عبد الصمد صاحب رئیس الہ آباد	عہ
۴۲	محمد قصاب دیوبندی	۲
۴۳	منشی محمد یونس صاحب بڈھانوی	عہ
۴۴	جناب وزیر خانصاحب ” ”	۲
۴۵	جناب مختار احمد صاحب سہارنپوری	عہ